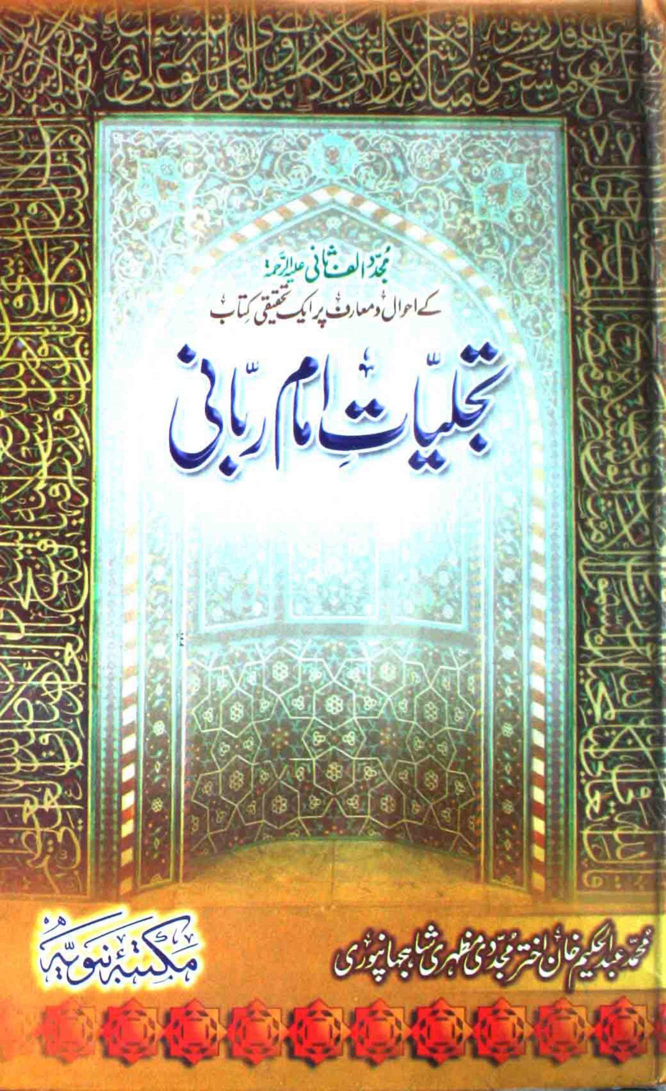

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

کے احوال و معارف پر ایک تحقیقی کتاب

تجلیاتِ امامِ ربانی

محمد عبدالحکیم خان اختر مجددی مظہری شاہجہانپوری

مکتبہ نبویہ

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے احوال و معارف پر ایک تحقیقی کتاب

تجلیاتِ امام ربانی

مؤلفہ

محمد عبدالحکیم خان اختر مجددی مظہری شاہجہانپوری

مکتبۂ نبویہ گنج بخش روڈ ◎ لاہور

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

نام کتاب	تجلیات امام ربانی (رحمۃ اللہ علیہ)
مصنف	مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوریؒ
موضوع	حالات مقامات حضرت مجدد الف ثانیؒ
افتتاحیہ وابتدائیہ	ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ
سال تصنیف	۱۹۷۵ء
سال اشاعت اول	۱۹۷۸ء
سال اشاعت ثانوہ	۲۰۰۹ء
تحریک وتشویق	صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
اہتمام طباعت	پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی
مارکیٹنگ انچارج	فاروق اقبال فاروقی
ناشر	مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
قیمت	۳۰۰ روپے

بارگاہ اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں ہدیہ کرنے والوں سے نصف ہدیہ وصول کیا جائے گا۔ نقشبندی مجددی پیرزادوں کے لیے خصوصی رعایت

ملنے کا پتہ

مکتبۂ نبویہ

گنج بخش روڈ، لاہور

فون: 042-37213560 موبائل نمبر 0300-4235658

فہرس

۱۔ منقبت (بحضور مجدد اعظم قدس سرہ) ۷
۲۔ ابتدائیہ (از رشحاتِ قلم مخدومی ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی) ۸
۳۔ افتتاحیہ (″ ″ ″ ″ ″ ″) ۱۱
۴/ا حدیثِ تجدید ۳۴
۴/ب۔ باب اوّل (حالاتِ مجددِ اعظم) ۷۹
۵۔ حیاتِ مجددِ اعظم ۸۳
۶۔ مزارِ پُر انوار ۱۱۷
۷۔ تصانیفِ عالیہ ۱۲۴
۸۔ اولاد امجاد ۱۲۷
۹۔ خلفاء عظام ۱۳۰
۱۰۔ مکتوب الیہم ۱۳۵
۱۱۔ شجرۂ طیبہ ۱۴۶
۱۲۔ معاندینِ مجددِ اعظم ۱۵۹
۱۳۔ باب دوم (کمالاتِ مجددِ اعظم) ۱۶۰
۱۴۔ اعترافِ عجز ۱۶۲
۱۵۔ کسبِ کمال ۱۶۶
۱۶۔ کشفی کمال ۲۰۵

۱۷۔ انتہائے کمال ۲۲۶

۱۸۔ استدراک ۲۳۷

۱۹۔ سیرت کا کمال ۲۴۲

۲۰۔ تبلیغی کمال ۲۵۰

۲۱۔ لمحۂ فکریہ ۲۹۷

۲۲۔ **باب سوم** (دورِ اکبری و عہدِ جہانگیری) ۳۱۰

۲۳۔ اسلامی ملک کا سربراہِ مملکت ۳۱۲

۲۴۔ قوت علمیہ کی خرابی ۳۲۰

۲۵۔ قوت روحانیہ کی خرابی ۳۳۵

۲۶۔ قوت دفاعیہ کی خرابی ۳۴۱

۲۷۔ عہدِ جہانگیری اور خطرناک موڑ ۳۴۷

۲۸۔ دو قومی نظریہ کیا ہے ۔ ۳۸۰

۲۹۔ **باب چہارم** ۴۱۹

۳۰۔ ناجی گروہ ، (اہل سنت وجماعت) ۴۲۱

۳۱۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۶۱

۳۲۔ امام اعظم غیر مقلدین کی نظر میں ۴۶۱

۳۳۔ مقام اجتہاد و استنباط ۴۶۸

۳۴۔ امام اعظم ، مجددِ اعظم کی نظر میں ۴۷۸

۳۵۔ امام اعظم ، اکابر اُمت کی نظر میں ۴۹۴

۳۶۔ **باب پنجم** ۵۰۹

۳۷۔ ضروری وضاحت متعلقہ عقائد ۵۱۱

۳۸۔	وجود و صفات باری تعالیٰ	۴۱۲
۳۹۔	مقام مصطفیٰ و شان انبیاء	۴۴۱
۴۰۔	آسمانی کتابیں	
۴۱۔	فرشتے	۴۹۳
۴۲۔	برزخ و آخرت اور جنت و دوزخ	۵۵۵
۴۳۔	ایمان و کفر	۵۷۰
۴۴۔	عقل	۵۹۴
۴۵۔	اصحاب رسول	۵۹۵
۴۶۔	اولیاء اللہ	۶۰۱
۴۷۔	آخری گزارش	۶۰۵
۴۸	قطعۂ تاریخ طباعت	۶۰۸
۴۹۔	ماخذ و مراجع	

انتساب

احقر اپنی اس ناچیز کاوش کو خواجۂ خواجگان خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب منسوب کرنے میں خاص روحانی لطف و سرور محسوس کرتا ہے کیونکہ یہ اس سرکار ہی کی روشن کی ہوئی سرہندی شمع تھی جس نے ایک جانب اکبری دورِ الحاد کے گھٹا ٹوپ بادلوں کی ظلمت کو چھانٹ کر ہدایت کے آفتاب کو بے نقاب کیا اور ظلمت کدۂ ہند و پاک کو جگمگا کر رکھ دیا تو دوسری جانب عالم اسلام کو ہدایت کا ایسا علمی و عملی نصاب مرحمت فرمایا جو قیامت تک مشعلِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔

ے پہلو میں تیرے گل بھی ہیں جنت کے ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اختر شاہجہان پوری مظہری عفی عنہ

بحضور مجدد اعظم

صاحبِ تجدیدِ دینِ احمدِ مختار ہے — اس لئے تو شیخ سرہندی سے ہم کو پیار ہے
تھی اِدھر تیری فقیری اور جہانگیری اُدھر — جو جھکانا چاہتا تھا جھک گیا سو بار ہے
سب نے دیکھا تیرے قدموں میں جہانگیری جھکی — اللہ اللہ کس قدر اُونچا تیرا دربار ہے
ہند میں اسلام زندہ تیری کوشش سے ہوا — ہم ہیں ممنونِ کرم، احساں ترا سرکار ہے
آپ جیتے اور لاکھوں کو ہزیمت ہو گئی — حق کے آگے کُند ہو جاتی ہر اک تلوار ہے
اہلِ باطل کا تعاقب تو نے جیسے تھا کیا — شیرِ فاروقی، گرج حق کی تری للکار ہے
تیری رگ رگ کے لہو سے یہ عیاں ہوتا رہا — حضرتِ فاروقِ اعظم کا تو برخوردار ہے
جو غلط کاروں سے ساری عمر ٹکراتا رہا — دین و ملت کا وہی تو مونس و غمخوار ہے
علم و عرفاں کے خزانے تیرے مکتوبات ہیں — فیض کا بحرِ رواں تُو ابرِ گوہر بار ہے
روحِ ایماں پھونک دی ہے جس نے ہر مکتوب میں — تا قیامت وہ ہدایت کا علم بردار ہے
تیری ہر تحریر سے ظاہر ہے تیرا مرتبہ — عارفِ کامل ہے تو اور صاحبِ اسرار ہے
کشورِ روحانیت میں ہے تیرا ارفع مقام — تو ولایت کی دلہن کا غازۂ رُخسار ہے
پرچمِ عظمت ترا لہرا رہا ہے دہر میں — تاجِ مُلکِ معرفت کا تُو دُرِ شہوار ہے
اہلِ حق ہیں مانتے اس الفِ ثانی میں تُو ہی — ناجیوں کے قافلے کا قافلہ سالار ہے
زیبِ سجادہ بہت سے ہیں مشائخ آج بھی — تجھ سے کیا نسبت کہ یہ گفتار، تو کردار ہے
مسکن و مدفن ترا ہوتا نہ کیوں سرہند میں — اولیائے ہند کا تُو سرور و سردار ہے
پیشوا اپنا تجھے وہ بھی بتانے لگ گئے — ہیں لصوصِ دیں، توہب کا جنہیں آزار ہے
کشتیِ ملت تلاطم خیز طوفانوں میں ہے — شیخ سرہندی جو آ جائے تو بیڑہ پار ہے
ابرِ رحمت تیرے مرقد پر گہر افشاں رہے — مرجعِ عالم ہے تُو اور مطلعِ انوار ہے
کیا تیرے اوصاف لکھے یہ سراپائے کمال — نام آئے مدح خوانوں میں یہی درکار ہے

المدد شیخِ مجدد، نائبِ غوث الوریٰ
تیرا اخترؔ دشمنوں سے برسرِ پیکار ہے

باسمہٖ تعالیٰ

اِبتدائیہ

گیارہویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری کے نصف اول تک حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا ذکر کتب سوانح و سیر تک محدود رہا، کتب تاریخ آپ کے ذکر سے تقریباً خالی رہیں، اس میں مؤرخین کی غفلت اور زمانہ کا عمل دونوں شریک ہیں۔ تین سو برس سے کچھ زیادہ مدت کے بعد کتب تاریخ میں حضرت مجدد کا ذکر کیا جانے لگا، بالخصوص تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اور بیرونی دنیا میں رفتہ رفتہ مؤرخین آپ کا ذکر کرنے لگے اور بات عام ہو گئی۔

اس قسم کے ایک اور حادثے سے ہماری تاریخ دوچار ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی جن کو گزرے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، بدنامیوں، رسوائیوں، غفلتوں، رقابتوں، عصبیتوں کے گرد و غبار میں چھپے ہوئے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ پاک و ہند کے اتنے ڈھیر مؤرخوں کو کیا ہو گیا کہ وہ اس عبقری ہند سے اتنے غافل رہے اور اپنی کتابوں میں نام تک نہ لکھا۔ نصف صدی بعد جب توجہ دلائی گئی تو لکھا جانے لگا ——— کیا مؤرخ کو بھی توجہ دلانے کی ضرورت ہے؟ کیا اس کے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، جو کچھ سن رہا ہے اور جو کچھ پڑھ سکتا، تلاش کر سکتا ہے وہ سب تاریخ میں شامل کرے۔

بہرکیف ہماری تاریخ ایسے حادثات سے دوچار رہتی ہے، شکر ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور کارناموں پر جو گرد و غبار چھائی ہوئی تھی، وہ رفتہ رفتہ چھٹ گئی ———

ــــــ بہت سے لوگوں نے لکھا، بہت سے لوگ لکھ رہے ہیں اور بہت سے لوگ لکھیں گے گے ــــــ فاضل مصنف، حضرت مولانا محمد عبدالحکیم خاں اختر مظہری شاہجہانپوری زید عنایتہٗ، انہیں لکھنے والوں میں ایک پُرجوش لکھنے والے ہیں، جن کا اہل سنت وجماعت پر بڑا احسان ہے فاضل موصوف نے ۸ جنوری ۱۹۷۸ء کو مطلع فرمایا کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے علمی اور عملی کارناموں پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں جو چار جلدوں پر مشتمل ہوگی اور جس کی پہلی جلد تجلیاتِ امامِ ربانی کے نام سے ۱ر جنوری کو مکمل ہوچکی ہے ــــــ فاضل ممدوح نے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کی خدمت سے راقم کو نوازا اور ساتھ ہی یہ فرمائش بھی کی کہ مقدمے میں سیرت امام ربانی اور امام ربانی سے متعلق افکار و آرا کو بیان کیا جائے۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے مقدمہ لکھنا پہلے ہی مشکل نظر آرہا تھا، حدود کے تعین نے یہ کام اور مشکل کردیا۔

فروری ۱۹۷۸ء میں فاضل مصنف نے کتاب کا مسودہ نظرثانی اور مقدمے کے لئے ارسال فرمایا۔ یہ مسودہ فاضل کے جذبات واحساسات کا آئینہ تھا چونکہ فاضل مصنف کو عجلت تھی اور نظرثانی اور مقدمہ کا کام دیرطلب تھا اس لئے راقم نے یہ مشورہ دیا کہ سرِدست اسی طرح چھپوا دیا جائے اور اس کے ساتھ مسودہ واپس بھیج دیا ــــــ مگر فاضل مصنف انکار کا راز پا گئے اور جواباً ۱ر مارچ ۱۹۷۸ء کو جو عنایت نامہ ارسال فرمایا، اس میں چند اشعار بھی تحریر فرمائے۔ اس ایک شعر سے راز سربستہ معلوم ہوسکتا ہے۔

ع اختر کا قلم دین کی تلوار ہے گویا
رکھتے مرے مسعود ہیں جس کو میان میں

بہرکیف فاضل مصنف کے ذوق و شوق اور اصرار کے پیش نظر راقم نے سرسری طور پر مسودہ پر نظرثانی کی اور بعض سفارشات پیش کیں، جن کی روشنی میں فاضل موصوف نے مسودے سے بعض مباحث خارج کردیئے جو ۱۲۰ صفحات سے کم نہیں۔ موصوف نے یہ قربانی راقم کے لئے دی جس نے بے حد متاثر کیا۔ کاش! بعض اکابر اس روش پر چل کر اپنی اپنی کتابوں سے ایسے کلمات

خارج کر دیتے جو دوسروں کے لئے تکلیف دہ ہیں، تو ملت اسلامیہ سلامت روی کے ساتھ منزل تک پہنچ جاتی، مگر ضد بحث میں انہوں نے قلب مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی خیال نہ کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بہر کیف فاضل مصنف کے اس ایثار و قربانی سے متاثر ہو کر راقم نے مقدمہ کے لئے قلم اٹھایا چونکہ مسودہ سرسری مطالعہ کے بعد واپس بھیج دیا تھا۔ اس لئے اتنی مہلت نہ مل سکی کہ واقعات و حالات کو تاریخی حیثیت سے پرکھا جاتا، اگر ایسا ممکن ہوتا تو مقدمہ میں ایسے مقامات کی ضرور نشاندہی کر دی جاتی جن کی تاریخی حیثیت زیادہ مستحکم نہیں ——— بہر حال فاضل مصنف نے جن حالات میں یہ کتاب لکھی ہے اور جس ذوق و شوق اور لگن و سرعت کے ساتھ یہ کام سرانجام دیا ہے، وہ باعث حیرت بھی ہے اور لائق صد تحسین و آفرین بھی ——— مولیٰ تعالیٰ اس کوشش کو مقبول و مشکور فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج سکرنڈ
ضلع نواب شاہ، سندھ

۱۵، رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ
۲۱، اگست ۱۹۷۸ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اِفتتاحیہ

(از رشحات قلم، مخدومی حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی مظہری مدظلہ العالی)

برصغیر پاک و ہند میں بہت سے مفکرین و مجددین ہوئے جن میں چار نہایت ممتاز ہیں۔

۱۔ شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء)

۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)

۳۔ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

۴۔ ڈاکٹر محمد اقبال سیالکوٹی (م ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء)

ان چاروں مفکرین میں بعض حیثیات سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نمایاں نظر آتے ہیں مختلف محققین نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس امتیاز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے۔

"شیخ احمد ——— جو شاہ ولی اللہ اور اقبال سے پہلے اسلامی ہند کے نہایت ہی طاقتور مفکر گزرے ہیں ——— نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کے علما صوفیہ میں اعلیٰ ترین مقام کے مالک ہیں" (ترجمہ انگریزی)[1]

---

[1] ایس ایم اکرام: مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء، ص ۱۶۰۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی علمی اور روحانی فضیلت کو پاک و ہند کے اکثر علماء و صوفیہ نے سراہا ہے اور اپنی تصانیف میں جابجا آپ کی کتابوں سے حوالے دیے ہیں۔ چودھویں صدی کے جلیل القدر عالم و فقیہ، حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تصانیف میں آپ کے اقوال و ارشادات سے استدلال فرمایا ہے[1]۔ اسی طرح ان کے صاحبزادے، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) نے بھی استدلال کیا ہے[2] اور دوسرے صاحبزادے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں مدظلہ العالی نے مولانا عبد الغفار رام پوری کی کتاب آثار المبتدعین لاہدام حبل اللہ المتین کا تعاقب کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا دفاع کیا ہے[3]۔

حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں بعض حضرات نے جو یہ لکھا ہے کہ آپ نے خود دعویٰ تجدید[4] فرمایا، صحیح نہیں۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کے متعلق بھی بعض لوگوں نے اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے، جو صحیح نہیں[5]۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے عہد مبارک میں سیالکوٹ کے ایک جلیل القدر عالم، ملا عبد الحکیم

---

[1] (الف) احمد رضا خاں: انوار الاقمار من یم صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء) مطبوعہ بریلی، ص ۴۸

(ب) احمد رضا خاں۔ الہاد الکاف فی حکم الضعاف (۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء) مطبوعہ لاہور، ص ۱۲۶

(ج) احمد رضا خاں: الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ (۱۳۱۲ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء، ص ۴۸، ۵۱، ۵۲

[2] حامد رضا خاں: سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد و الفتنہ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء، مطبوعہ بریلی، ص ۵۷

[3] مصطفیٰ رضا خاں: مقتل کذب و کید، مطبوعہ بریلی ۱۳۳۲ھ، ص ۵۵، ۵۶

[4] نظامی بدایونی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے (ملاحظہ ہو قاموس المشاہیر، جلد اول، مطبوعہ بدایون، ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء، ص ۶۷۔ اسی طرح فیض عالم صدیقی نے بھی یہی بات لکھی ہے (ملاحظہ ہو اختلافِ امت کا المیہ دوم، جہلم ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ص ۳۸۰۔

[5] مولوی حسین احمد دیوبندی نے یہ الزام لگایا ہے اور امام احمد رضا کو دجال المجددین لکھا ہے (الشہاب الثاقب، ص ۴۲) حالانکہ علمائے حرمین شریفین میں شیخ موسیٰ علی شامی ازہری مدنی نے آپ کو المجدد لہٰذہ الامۃ تحریر فرمایا ہے۔ (الفیوضات الملکیہ ص ۴۴) اور حافظ الکتب الحرم شیخ اسمٰعیل بن سید خلیل مکی نے تو یہاں تک لکھا ہے۔ بل اقول لو قیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا و صدقا (حسام الحرمین، ص ۱۴۰، ۱۴۱)

سیالکوٹی (م ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۶ء) نے حضرت مجدد کے نام ایک مکتوب میں اس لقب سے نوازا۔ پھر یہ لقب زبان زد خاص و عام ہوگیا، حتیٰ کہ آپ کے نام نامی پر غالب آگیا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا سلسلۂ نسب ۲۹ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت مجدد کے چودھویں جد سلطان شہاب الدین المعروف فرخ شاہ کابلی والیٔ کابل تھے[1]۔ پانچویں جد حضرت امام رفیع الدین عم شیخ جلال الدین بخاری (م ۷۸۵ھ/۱۳۸۳ء) کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور سہرند (سرہند) آباد کیا[2]۔ اسی شہر میں ۹۷۱ھ میں حضرت مجدد کی ولادت ہوئی۔

حضرت مجدد کے والد کا اسم گرامی شیخ عبدالاحد (م ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) تھا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء) کے صاحبزادے شیخ رکن الدین (م ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء) سے آپ کو سلسلۂ قادریہ چشتیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حضرت شیخ عبدالاحد جلیل القدر عالم و عارف تھے۔

حضرت مجدد نے بیشتر علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔ اُن کے علاوہ مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی وغیرہ سے علوم معقول و منقول کی تحصیل فرمائی[3]۔ اسارت قلعہ گوالیار کے زمانے (۱۰۲۸ھ/۱۰۲۹ھ) میں قرآن کریم حفظ کیا[4]۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً ۹۹۰ھ میں دارالسلطنت اکبر آباد (آگرہ) تشریف لائے[5]۔ یہاں دربار اکبری کی دو اہم شخصیتوں یعنی ابوالفضل اور فیضی کے ساتھ صحبتیں رہیں۔ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) میں ایک جگہ آپ نے اس کی مدد بھی کی[6]۔ لیکن بعد میں ان دونوں بھائیوں کی بے راہروی کی وجہ سے حضرت مجدد نے

---

[1] وکیل احمد سکندر پوری ' ہدیہ مجددیہ ' مطبوعہ دہلی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء، ص ۹۸۔

[2] شاہ محمد فضل اللہ عمدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء ص ۹۹۔

[3] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء ص ۸۹-۹۱۔

[4] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات ص ۹۶ - ۱۰۳

[5] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۲۸۔

[6] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۳؛ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲۔

کنارہ کشی اختیار کرلی۔ حضرت مجدد اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد کے ہمراہ اکبرآباد سے واپس سرہند روانہ گئے۔ راستے میں تھانیسر کے شیخ سلطان کی لڑکی سے حضرت مجدد کا عقد ہوگیا۔ شیخ سلطان، اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے۔[1] اس طرح اہل خانہ کا شاہی دربار سے ایک گونہ تعلق ہوگیا اور تبلیغ و ارشاد کی ایک نئی راہ کھل گئی۔

حضرت مجدد کا سلسلۂ طریقت متعدد واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ ۲۱ واسطوں سے، سلسلہ قادریہ ۲۵ واسطوں سے اور سلسلہ چشتیہ، ۲۷ واسطوں سے[2] ____ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد سے بیعت تھے اور اجازت و خلافت حاصل تھی۔ ____ سلسلہ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلی سے خرقۂ خلافت حاصل تھا[3] ____ ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) سے مستفیض ہوکر سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی[4] اور آسمانِ علم و عرفان پر آفتاب بن کر چمکے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی نظر میں جو حضرت مجدد کا مقام و مرتبہ تھا وہ زبدۃ المقامات،[5] حضرات القدس اور مجمع الاولیاء وغیرہ معاصر کتب تاریخ و سیر سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت مجدد کی اصلاحی کوششوں کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد حکومت سے ہوا اور جہانگیر بادشاہ کے عہدِ حکومت میں یہ کوششیں بارآور ہوئیں۔ اسی عہد میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی اصلاحی کوششوں کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا تاریخی پس منظر پیش کردیا جائے تاکہ ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہوسکے۔

---

[1] محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات، ص ۱۵۹

[2] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، دفتر سوم، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء، مکتوب ۸۰

[3] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۳۵

[4] (الف) آدم بنوری: خلاصۃ المعارف، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (۱۰۲۵ھ/۱۰۳۶ھ) ورق ۲

(ب) محمد حسین مرادآبادی: انوار العارفین (۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء) ص ۲۲۰-۲۲۹

[5] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) ص ۲۱۸، ۲۱۹۔

پہلے دور[1] میں اکبر ایک مخلص مسلمان کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ دوسرے دور میں فتح پور سیکری میں عبادت خانے کی تعمیر ہوتی ہے، جہاں علمائے اسلام مباحثِ علمیہ میں مصروف نظر آتے ہیں، رفتہ رفتہ یہاں عیسائی پادریوں اور ارباب عقل کا عمل دخل ہو جاتا ہے اور بات بگڑنے لگتی ہے ——— دوسرا دور تیسرے دور کا نقطۂ آغاز تھا ——— تیسرے دور میں دینِ الٰہی کا آغاز ہوا اور وہ کچھ ہوا جو ناگفتنی ہے، ہر وہ کام کیا جانے لگا جو اسلام کے سراسر منافی ہے مثلاً کلمہ طیبہ میں "محمد رسول اللہ" کی جگہ "اکبر خلیفۃ اللہ" پڑھا جانے لگا، گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی گئی۔ خنزیر اور کتوں کا احترام ہونے لگا۔ شراب اور جوا عام ہو گیا، اکبر نے علماء کو بالجبر شراب پلائی، عورتوں کی بے حجابی عام ہو گئی۔ پردہ پر پابندی لگا دی گئی۔ "زمین بوس" کے نام سے سجدہ کا آغاز کیا گیا۔ عالم و عامی سب بادشاہ کے آگے سجدہ ریز ہونے لگے، بعض مساجد ڈھا دی گئیں اور مدارسِ عربیہ مسمار کر دیے گئے، داڑھیاں منڈوا دی گئیں اور شعائرِ اسلام کا برسرِ عام مذاق اڑایا جانے لگا ——— اس ساری خرابی میں بعض علمائے دین کی باہمی چپقلش، دنیا سے محبت، مختلف ادیان کے علماء کی اکبر سے ملاقات، اکبر کی جہالت و بے علمی، ہندو عورتوں کی حرم شاہی میں مقبولیت اور ہندو سیاست کا بڑا دخل ہے ——— عہدِ اکبری کے ایک بے باک و نڈر مورخ، ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں عہدِ اکبری کے چشم دید پُرسوز حالات لکھے ہیں ——— عہدِ اکبری کے مشہور شاعر ملا شیری سیالکوٹی نے تو اپنے فارسی قطعہ میں اکبر کے

---

[1] عہدِ اکبری کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور:۔ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء۔

دوسرا دور:۔ ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء تا ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء۔

تیسرا دور:۔ ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء۔

[2] ملاحظہ فرمائیں: منتخب التواریخ، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء ص ۲۶۱، ۲۲۲، ۲۶۶، ۲۷۱، ۲۹۹، ۵۲۹ وغیرہ وغیرہ۔

دعویٰ نبوت اور دعویٰ الوہیت کا ذکر کیا ہے ۔

بادشاہ امسال دعویٰ نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شد[1]

عہد اکبری کے مورخ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری[2] (۱۰۰۱ھ) میں اس محضر نامہ کا ذکر کیا ہے[3] جو اکبر کے دعویٰ نبوت کی تمہید ثابت ہوا۔ لیکن نظام الدین احمد نے بڑی احتیاط سے قلم اٹھایا ہے ایک جابر و قاہر بادشاہ کے ہوتے کھل کر لکھنا کوئی آسان کام نہ تھا ——— ابوالفضل کی آئین اکبری[4] سے اکبر کی بے راہ روی سے متعلق بہت سی باتوں کا بالواسطہ علم ہوتا ہے۔ ابوالفضل کا انداز مورخانہ نہیں خوشامدانہ ہے[5] ——— ابوالفضل نے اکبر نامہ[6] میں بھی یہی طرز اختیار کیا ہے مگر پھر بھی بہت سے سربستہ راز معلوم جاتے ہیں ۔

عہد جہانگیری کے مورخ محمد قاسم ہندو شاہ استرآبادی نے اپنی تاریخ فرشتہ[7] میں (۱۶۰۶ء تا ۱۶۱۱ء) اکبر کے بعض چشم دید حالات لکھے ہیں مگر حالات کے دباؤ کی وجہ سے اس نے بہت سی باتوں کو چھپایا ہے

---

[1] (ا) ہاشمی فرید آبادی، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، مطبوعہ کراچی، ص ۴۶۹، بحوالہ منتخب التواریخ جلد سوم، ص ۲۵۳۔

(ب) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے انتقال پر شیخ فرید بخاری کے نام جو تعزیتی خط ارسال فرمایا ہے اس سے اکبر کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے ۔ ملاحظہ ہو
عبدالحق مجموعہ مکاتیب والرسائل، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء، ص ۱۴۲ - ۱۴۷ (مسعود)

[2] طبقات اکبری، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

[3] ایضاً، ص ۳۴۳ - ۳۴۴

[4] آئین اکبری، مطبوعہ حیدرآباد دکن، (۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء)

[5] مورلینڈ نے ابوالفضل کی خوشامد و چاپلوسی کا ذکر کیا ہے (ملاحظہ فرمائیں:۔ اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا، مطبوعہ لندن، ۱۹۵۷ء، ص ۲۱۲)

[6] اکبرنامہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) [7] تاریخ فرشتہ مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء۔

ــــــ اس عہد کی ایک اور کتاب، خلاصۃ المعارف فی اسرار المقامات (سنہ ۱۰۳۰ھ / سنہ ۱۶۲۰ء) میں شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ نے بہت سی گمراہیوں اور بے راہ رویوں کا ذکر کیا ہے ــــــ اسی عہد کے ایک مؤرخ معتمد خان نے جہانگیر نامہ[1] میں اکبر کے بعض حالات لکھے ہیں جن کی عہد اکبری کے مؤرخوں کے بیانات سے تصدیق ہوتی ہے، بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی۔

عہد عالمگیری کے مؤرخ محمد ہاشم خافی خاں نے اپنی تاریخ منتخب اللباب (حصہ اول) میں بعض ایسے حالات لکھے ہیں جن سے بالواسطہ اکبر کی بے راہ روی کا علم ہوتا ہے، مگر اس نے بعض مقامات پر اکبر کا دفاع کیا ہے۔ اس میں جہانگیر کی شراب سے توبہ، شاہجہان کی شراب نوشی اور پھر توبہ کا ذکر ہے۔

عہد شاہجہانی کے صاحب دبستانِ مذاہب[2] نے بھی ایسے حقائق لکھے ہیں، جن سے آخری دور میں اکبر کی بے راہ روی کا اندازہ ہوتا ہے۔ صاحب دبستانِ مذاہب ایک ایسا مؤرخ نظر آتا ہے جس نے ہر قدم پر مؤرخانہ آن کو قائم رکھا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں ۲۰ سے زیادہ مذاہب و ادیان کا ذکر کیا ہے، پھر بھی یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ لکھنے والے کا تعلق کس مذہب سے ہے۔ بعض حضرات اس کا نام محسن فانی بتلاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ پارسی تھا، واللہ اعلم

عہد شاہجہانی کے ایک اطالوی سیاح نکولس مینوکی[3] نے دین الٰہی کی اختراعات کا ذکر کیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اکبر نے سکندرہ میں ایک باغ کے اندر اپنا مقبرہ بنوایا تھا۔ باغ کے دروازے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور حضرت مریم کی تصاویر تھیں۔ اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں ان کو ختم کر دیا اور سفیدی پھروا دی۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے جب اورنگ زیب شیواجی

---

[1] جہانگیر نامہ، مطبوعہ لکھنؤ، سنہ ۱۳۱۶ھ / سنہ ۱۸۹۰ء۔

[2] دبستانِ مذاہب، مطبوعہ ممبئی، سنہ ۱۲۶۲ھ / سنہ ۱۸۴۶ء

[3] نکولس مینوکی سنہ ۱۶۵۶ء میں تقریباً ۱۸ سال کی عمر میں آگرے پہنچا اور شہزادہ دارا شکوہ کے ہاں توپخانے میں بھرتی ہو گیا۔ سنہ ۱۶۵۸ء میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے مابین جنگ میں یہ دارا کی طرف سے لڑا۔ دارا کے قتل کے بعد وہ پٹنی چلا گیا۔ مسعود

سے برسرپیکار تھا تو باغی اس مقبرے میں گھس آئے، تمام طلائی سامان اور جواہرات لوٹ لئے۔ قبر کھود کر اکبر کی ہڈیاں نکالیں اور ان کو جلا کر خاکستر کر دیا[1]

پروفیسر محمد مجیب[2] اور پروفیسر محمد اسلم[3] نے اپنی تصانیف میں عہد اکبری کی بہت سی بدعات اور گمراہیوں کا ذکر کیا ہے، جن کی دسترس میں معاصر تاریخیں نہ ہوں وہ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جن مقاصد کے حصول کے لئے اکبر نے جدوجہد کی۔ بقول کے۔ ایم پانیکر[4] وہ یہ تین اہم مقاصد تھے۔

(ا) قومی حکومت کا قیام
(ب) ہندوؤں سے مفاہمت
(ج) متحدہ ہندوستان

یہ تینوں مقاصد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مقاصد جلیلہ کی ضد تھے۔ حضرت مجدد نے مندرجہ ذیل تین مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کی۔

(ا) اسلامی حکومت کا قیام
(ب) ہندوؤں سے عدم مفاہمت
(ج) اسلامی ہند کی تعمیر

انھیں مقاصد کے حصول کے لئے چودھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا خاں بریلوی نے بھرپور جدوجہد کی[5]

---

[1] نکولس مینوکی: فساد سلطنت مغلیہ، مترجمہ سید منظور علی، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء، ص ۱۲۲۔

[2] محمد مجیب: انڈین مسلم، مطبوعہ لندن، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔

[3] محمد اسلم: دین الٰہی اور اس کا پس منظر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء۔

[4] کے ام پانیکر: اے سروے آف انڈین ہسٹری، مطبوعہ بمبئی، ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء، ص ۱۵۵۔

[5] (ا) محمد مسعود: فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔
(ب) محمد جلال الدین: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔
(ج) محمد مسعود احمد: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ان مقاصد کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل شعبوں میں بھرپور جدوجہد کی اور اپنی تمام توانائیاں صرف کردیں ۔

(ا) شریعت و طریقت

(ب) سیاست و حکومت

(ج) معاشرت و معیشت

عوام و خواص شریعت سے بیگانہ ہوتے جارہے تھے ۔ آپ نے اپنے علمی کمالات اور مکتوبات کے ذریعہ آشنائے شریعت کیا[1] ——— بیشتر صوفیہ طریقت کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر گمراہ ہورہے تھے، آپ نے ان کو طریقت کا واقف کار بنایا[2] ——— نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات کی بنا پر ایک عالم گمراہ ہورہا تھا، آپ نے اس نظریہ کی لاج رکھی اور اس کے ساتھ نظریۂ وحدۃ الشہود پیش کیا، جو دل و دماغ دونوں سے قریب تھا[3] ——— یہی نظریہ تھا جس نے فکرِ اقبال میں ایک انقلاب پیدا کیا اور ایک نئی روح پھونکی[4] ——— حضرت مجدد نہ ہوتے تو اقبال نہ

---

[1] ۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوبات ۳۳، ۴۸، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۸۰، ۸۱، ۸۳، ۵۲، ۱۹۱، ۱۹۲ وغیرہ

[2] ۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۸۳ ۔ نیز ملاحظہ کریں: تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۰۲، ۱۱۰ تا ۱۱۴ ۔

[3] ۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۹۱ ۔ دفتر دوم مکتوب ۴۴ ۔

[4] :۔ فکر اقبال پر تعلیمات مجددیہ نے جو اثرات مرتب کئے وہ اقبالیات کی ایک اہم کڑی ہے جس کی طرف محققین نے ابھی تک کما حقہٗ توجہ نہیں دی ۔ اس سلسلے میں راقم نے مندرجہ ذیل تین مقالات قلم بند کئے اور دلائل و براہین سے حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت اور افکار اقبال پر افکار مجددیہ کے اثرات کو بیان کیا اور یہ ثابت کیا کہ اقبال کے تصور خودی میں سب سے بڑا محرک حضرت مجدد کا نظریہ وحدۃ الشہود ہے، (۱) علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ اقبال ریویو کراچی، اپریل ۱۹۶۶ء تا ۱۳۸۶ھ (۲) اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام عبدیت، مطبوعہ اقبال ریویو کراچی، جولائی ۱۹۶۳ء / ۱۳۸۳ھ (۳) شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں، مطبوعہ اقبال ریویو کراچی، جنوری ۱۹۶۵ء / ۱۳۸۵ھ ۔ عنقریب یہ تینوں مقالات کتابی صورت میں مرتب کر کے صاحبزادہ جمیل احمد شرقپوری زید مجدہٗ مرکز مجددیہ گھکڑ سے ان شاء اللہ العزیز وہ شائع کریں گے ۔ (مسعود)

ہوتے ـــــــ حضرت مجدد، اقبال کی آرزو و تمنا تھے ۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

سیاست و حکومت میں حضرت مجدد نے جو اہم کارنامہ انجام دیا وہ اکبر کے ایک قومی نظریہ کے خلاف دو قومی نظریہ کا اعلان تھا ـــــــ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اکبر نے دین الٰہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی، اس دین کا مقصد وحید یہی تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کو ملا کر ایک نئی قوم تیار کی جائے، اسی نہج پر چودھویں صدی ہجری میں مسٹر گاندھی نے کام کیا۔ بہر کیف حضرت مجدد نے اس کے خلاف مؤثر جدوجہد کی اور یہ دین اپنی موت مر گیا اور رفتہ رفتہ اس کے اثرات بھی زائل ہو گئے۔ چنانچہ پاکستان ہسٹری بورڈ کی تالیف :۔ اے شارٹ ہسٹری آف ہندوپاکستان کے مؤلف نے لکھا ہے۔

جہاں گیر کی تخت نشینی کے بعد دین الٰہی اپنی موت مر گیا ـــــــ بہر کیف اس الحاد و ارتداد کے خلاف جو زور دار آواز اٹھائی گئی وہ شیخ احمد کی آواز تھی، جن کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (ترجمہ انگریزی)[۱]

حضرت مجدد نے اکبر کے ایک قومی نظریہ کے خلاف دو قومی نظریہ پیش کیا اور یہ بتایا کہ کفر و اسلام دو علیحدہ حقیقتیں ہیں جو کسی طرح یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سے مکتوبات تحریر فرمائے[۲] آپ کی کوششیں دورِ جہاں گیری میں بارآور ہوئیں اور جہاں گیر نے امورِ مذہب و سیاست میں مشورے کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا[۳]

اس کے بعد دورِ شاہجہانی اور پھر دورِ عالم گیری میں حضرت مجدد کی مساعی نے اپنا رنگ

---

[۱] اے شارٹ ہسٹری آف ہندوپاکستان، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء، ص ۲۹۸

[۲] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۶۵ - ۸۱ - ۱۶۳ -

[۳] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۵۳، بنام شیخ فرید بخاری ۔

دکھایا ـــــ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے دورِ عالمگیری کو حضرت مجدد کی مساعی کا نقطۂ عروج قرار دیا ہے[1] ـــــ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے ـــــ حضرت مجدد کی سیاسی تعلیمات کے اثرات آنے والی چار صدیوں پر بہت گہرے پڑے ـــــ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے:

> شیخ کے اثرات مغرب میں افغانستان، وسط ایشیا اور سلطنت عثمانیہ تک، اور مشرق میں ملایا اور انڈونیشیا تک پھیل گئے[2] (ترجمہ انگریزی)

چودھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا خاں بریلوی اور ڈاکٹر محمد اقبال[3] نے حضرت مجدد کے دو قومی نظریہ کے احیاء کے لئے سخت جد و جہد کی ـــــ اس صدی میں دوسرے علماء نے بھی کوششیں کیں مگر ان کی کوششیں مصلحتوں کا شکار ہو کر ایسے نشیب و فراز سے گزریں کہ مورخ کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ کوششیں خالص اسلام کے لئے تھیں یا مطلق آزادی کے لئے ـــــ بہرکیف گیارہویں صدی ہجری میں حضرت مجدد ہی وہ بطلِ جلیل نظر آتے ہیں جنھوں نے اسلام اور نظامِ مصطفےٰ کا نعرہ لگا کر خوابیدہ قوم کو بیدار کیا اور ایک نئی روح پھونک دی ـــــ ڈاکٹر حفیظ ملک نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> فی الحقیقت آنے والی نسل کو شیخ احمد نے بے حد متاثر کیا ـــــ ان کا نعرہ تھا "چلو چلو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلو!" ـــــ مذہبی اور سیاسی حیثیتوں سے یہ

---

[1] اشتیاق حسین قریشی، مقدمہ ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۲۰

[2] اشتیاق حسین قریشی، مسلم کمیونٹی آف انڈو پاکستان، ص ۱۵۲۔

[3] کلیات اقبال کے نام سے اقبال کے فارسی کلام کا مجموعہ ایران شائع ہوا ہے جس کا دیباچہ احمد سروش نے لکھا ہے۔ اس دیباچے میں انھوں نے برصغیر پاک و ہند کو صرف ہند کے نام سے یاد کیا ہے اسلام اور ہندو ازم کو ایک قرار دیا ہے اور ہندو ازم کو دین حق سے تعبیر کیا ہے (معاذ اللہ)۔ مسٹر گاندھی کو گاندھی بزرگ کے نام سے یاد کیا ہے اور اس کے آگے سر نیاز خم کیا ہے ـــ سروش ـــ یہ بات سخت حیرت ناک ہے کہ کلام اقبال پر دیباچہ لکھنے والا فکر اقبال سے نا آشنا ہے (مسعود)

نعرہ نہایت ہی دُور رس نتائج کا حامل تھا ــــــــ ان کی تعلیمات نے معاصر فکر مسلم کو بنیادی طور پر متاثر کیا اور ہندوستان میں مسلم حکومت کو لادینی بنانے کی مخالفت کی۔[1]

ہندوستانی مسلم معاشرے اور معیشت کی اصلاح کے لئے بھی حضرت مجدد نے بھرپور کوشش کی۔ آپ کے مکتوبات شریف اور دوسری تصانیف کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔[2]

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے مذہب و سیاست اور معاشرت کی اصلاح کے لئے جو جد و جہد فرمائی اس کو مختلف ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

(الف) دور اکبری ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء تا ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء

(ب) دور جہانگیری ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء

- قید جہانگیری سے پہلے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تا ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء
- قید جہانگیری کے بعد ۱۰۲۷ھ/۱۶۱۸ء تا ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء
- جہانگیر کے لشکر میں ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء تا ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء
- جہانگیر کے لشکر سے رہا ہونے کے بعد ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء

اکبر کا آخری دَور حکومت حضرت مجدد کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی کا نقطۂ آغاز ہے ــــــــ جہانگیری دَور میں یہ مساعی تیز تر کر دی گئیں ــــــــ پھر اسی دَور میں قلعہ گوالیار میں آپ کی نظر بندی نے آپ کی اصلاحی کوششوں کے اثرات کو عوام و خواص اور حکومتِ وقت میں دیرپا اور مستحکم بنا دیا۔ ــــــــ حضرت مجدد کی اسیری (۱۰۲۷ھ تا ۱۰۲۸ھ) اسلامی نظام حکومت کے لئے رحمت بن گئی اور پُر خار وادیاں صاف ہو گئیں۔[3]

---

[1] ڈاکٹر حفیظ ملک، مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ واشنگٹن ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء، ص ۵۵

[2] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۶۳، ۱۹۱۔

[3] حضرت مجدد کی اسیری پر بحث کرتے ہوئے بعض حضرات نے مہابت خاں کی بغاوت کا اصل

(باقی ص ۲۳ پر)

حضرت مجدد اپنی اسارت کے تینوں ادوار میں منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں نظر آتے ہیں، یعنی نظر بندی (۱۰۲۸ھ تا ۱۰۲۹ھ) جبکہ آپ ایک سال قلعہ گوالیار میں قید رہے ——— دورِ پابندی (۱۰۲۹ھ تا ۱۰۳۲ھ) جب آپ تقریباً پانچ سال جہانگیر کے لشکر میں رہے ——— دورِ زباں بندی (۱۰۳۲ھ تا ۱۰۳۴ھ) جب آپ تقریباً چھ ماہ اپنی خانقاہ (سرہند شریف) میں خلوت گزیں رہے اور آخر اسی خلوت گزینی میں ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو وصال فرمایا[1]

حضرت مجدد نے اسلام کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا۔ ایک عزیمت پسندی کی ایسی شاندار مثالیں پیش کیں جس سے مردہ دل زندہ ہو گئے اور ایک عظیم انقلاب آگیا ——— بادشاہ کے حضور سجدۂ تعظیمی (زمین بوس) موقوف کر دیا گیا، گائے کی قربانی عام ہو گئی اور سب سے پہلے خود جہانگیر نے قلعہ کانگڑا میں حضرت مجدد کی موجودگی میں گائے ذبح کرائی[2] شراب پر پابندی لگا دی

(باقی ص ۲۳ سے آگے) محرک اسی اسیری کو قرار دیا ہے مثلاً

(۱) ایس۔ ایف۔ محمود: اے شارٹ ہسٹری آف اسلام، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، باب ۱۳، ص ۵۴۲

(۲) ڈاکٹر غلام جیلانی برق: فلسفیانِ اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ص ۲۰۰

(۳) بی اے نا: آور فریڈیم فائٹرس، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء، ص ۲۸ وغیرہ وغیرہ

تاریخی اعتبار سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ حضرت مجدد کی اسارت اور مہابت خاں کی بغاوت میں کئی سال کا فاصلہ ہے، صاحبِ روضۃ القیومیہ (مخطوطہ، مکتوبہ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء، مدینہ منورہ) ابو الفیض کمال الدین محمد احسان نے بہت سی باتیں غیر محتاط ذکر دی ہیں، یہ بات بھی وہیں سے لی گئی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ مہابت خاں حضرت مجدد کا معتقد تھا اور ممکن ہے حضرت مجدد کی اسارت کا جذبہ کئی سال بعد جوش میں ابھر آیا، جو خود جہانگیر کی اسارت پر منتج ہوا۔ (مسعود)

[1] بدرالدین سرہندی: وصال احمدی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء، ص ۱۸۔

[2] تزکِ جہانگیری، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، ص ۶۹۰

گئی[1] اور بے شمار اصلاحات ہوئیں۔

بلاشبہ حضرت مجددؒ کی انتھک جدوجہد سے مذہبی سطح پر اسلام، سنیت اور حنفیت کو فروغ ہوا ــــ سیاسی سطح پر اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہوا ــــ روحانی سطح پر تصوف وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے جو ہلاکت پھیل رہی تھی تصوف وحدۃ الشہود نے اس کا مؤثر دفاع کیا اور ناقابلِ فہم کو عام لوگوں کے لئے قابلِ فہم بنا دیا گیا ــــ اس طرح ہر سطح پر فکرِ مسلم کی اصلاح کر کے ایک عظیم انقلاب برپا کیا گیا، اسی لئے اقبالؒ نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے برملا کہا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اکبری حکومت جس روش پر جا رہی تھی اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوتا، شاید اسلامی حکومت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا[2]

حضرت مجددؒ نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ و جلالِ اقتدار کے ہوتے شاہانِ وقت پر تنقید کی، وہ انہیں کا حصہ تھا، اس نازک دور میں حکومت یا سربراہانِ حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے ــــ ذرا ذرا سی باتوں پر تختۂ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا بلکہ اکبر کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے

---

[1] (ا) علی اکبر اردستانی: مجمع الاولیاء، مخطوطہ لندن، سنہ ۱۰۴۳ھ / سنہ ۱۶۳۳ء، ورق ۴۲۲

(ب) تزکِ جہانگیری، ص ۲۵۶، ۴۹۶ -

[2] یہ بات کتنی تکلیف دہ اور المناک ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں بعض علماءِ اسلام نے وہ انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جو مطلوب و مقصودِ اکبر تھا جس کے لئے حضرت مجددؒ نے اپنی عمرِ عزیز قربان کر دی ــــ امام احمد رضا خاں بریلوی نے علماء کی لاج رکھ لی اور پوری قوت سے اس مشن کے لئے کام کیا جو حضرت مجددؒ کا مقصود و مطلوب تھا اور بالآخر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ (مسعود)

(میاں عبدالرشید: اسلام اِن انڈو پاک سب کونٹیننٹ، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۷۷ء، ص ۶۷

کر اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کر مار دیا کرتا تھا[1] ——— ایسے خطرناک حالات میں جان جوکھوں میں ڈال کر اسلام کے لئے قدم بڑھانا کوئی آسان کام نہیں تھا، بہت اہم کام تھا، بہت مشکل کام تھا۔ پاک و ہند کے مصلحین میں یہ فخر صرف حضرت مجددؒ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام کی خاطر اپنا عیش و آرام، مال و دولت، آل اولاد اور جان تک کی بازی لگا دی ——— مومنانہ بصیرت کے ساتھ سرگرم عمل ہوئے اور چند برسوں میں وہ انقلاب آگیا جو دیدنی بھی ہے اور شنیدنی بھی۔

حضرت مجدد کے اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر بعض حضرات نے تنقید بھی کی ہے[2] مگر یہ غلط فہمی معاصر تاریخ پر ڈھیلی گرفت کا نتیجہ ہے ——— حضرت زید ابوالحسن فاروقی دہلوی نے حال ہی میں ایک کتاب "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" دہلی سے شائع کی ہے۔ اس سلسلے میں اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

---

[1] نکولس مینوکی، فسانۂ سلطنتِ مغلیہ، مترجمہ سید مظفر علی، مطبوعہ آگرہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء، ص ۱۳۰

[2] ملاحظہ فرمائیں:-

(ا) سید معین الحق، معاشرتی اور علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء، ص ۳۱۹

(ب) محمد عالم صدیقی۔ اختلافِ امت کا المیہ، حصہ دوم، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ص ۴۸۳

نوٹ (۱) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے اپنی تصنیف رود کوثر میں غیر منصفانہ باتیں لکھی تھیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے جن کا منہ توڑ تعاقب کرتے ہوئے ایک محققانہ کتاب "حضرت مجدد الف ثانی ـ ایک تحقیقی جائزہ" (کراچی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) پیش کی۔

(۲) ایک بزرگ نے حضرت مجدد کی تعلیمات کو افیون سے تعبیر کیا ہے اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جو کام وہ تیس چالیس برس میں نہ کرسکے حضرت مجدد نے وہ کام چند برسوں میں کردیے اور آنے والی صدیوں کو اتنا متاثر کیا کہ مصلح کسی نہ کسی انداز میں متاثر نظر آتا ہے۔

(۳) ہبرو یونیورسٹی آف یروشلم کے اسلامک کلچر کے لیکچرر ڈاکٹر یوحنا فریڈمین نے انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، میکگل یونیورسٹی (کینیڈا) سے حضرت مجدد پر ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ انہوں نے شیخ احمد سرہندی کے عنوان سے انگریزی میں ایک مقالہ پیش کیا جو ۱۹۷۱ء میں لندن میں طبع ہوا (باقی صفحہ ۲۶ پر)

حضرت مجدد کی باقیاتِ صالحات میں اولادِ امجاد، تصانیف اور خلفاء یادگار ہیں ——— اولاد میں سات صاحبزادے ہوئے جن میں سے پانچ حضرت مجدد کی حیات ہی میں انتقال کر گئے، باقی دو صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد سعید (م ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء) اور حضرت خواجہ محمد معصوم (م ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) نے بڑا نام پیدا کیا ——— اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے ان دونوں صاحبزادگان سے گہرے مراسم تھے[1] ——— بلکہ حضرت عالمگیر، خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ سے شرف بیعت رکھتے تھے[2] ——— ایک اور موقع پر خواجہ موصوف نے عالمگیر کی درخواست پر اپنے صاحبزادے خواجہ سیف الدین (م ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء) کو عالمگیر کے اصلاح باطن کے لئے لال قلعہ، دہلی بھیجا جہاں انھوں نے قیام فرما کر عالمگیر کی روحانی تربیت فرمائی[3] حضرت اورنگ زیب عالمگیر کا پورے

(رشتا سے آگئے) اس کی قیمت تقریباً ۱۰ ڈالر (سو روپے) ہے۔ محترم بشیر احمد خاں صاحب کی عنایت سے لندن سے راقم کو یہ مقالہ وصول ہوا۔

اس مقالے میں فریڈمین نے حضرت مجدد کے بارے میں منفی اندازِ فکر اختیار کیا ہے۔ اکبری پالیسی کے خلاف حضرت مجدد کی مساعی، پھر جہانگیری، شاہجہاں اور آخر میں اورنگ زیب عالمگیر پر آپ کے اور آپ کی تعلیمات کے اثرات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی غیر مؤثر کوشش کی ہے کہ دوسرے مؤرخین نے اس بارے میں جو مثبت اندازِ فکر اختیار کیا ہے، صحیح نہیں ——— سترھویں صدی عیسوی میں حضرت مجدد کے خلاف جو کچھ لکھا گیا فریڈمین نے اس کو بھی ابھارا ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرت مجدد کو جو عالمی، سیاسی اور روحانی پیشوا بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، یہ خیال بیسویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے۔ راقم کے خیال میں بنیادی طور پر یہ مقالہ ان اثرات کو زائل کرنے کے لئے لکھا گیا ہے جو گذشتہ تیس برسوں میں حضرت مجدد پر شاندار کام کے نتیجے میں مرتب ہوئے۔ کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی میں اسی قسم کے کام ہوتے ہیں (مسعود)

[1] ملاحظہ فرمائیں (ا) مکتوبات سعیدیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

(ب) مکتوبات معصومیہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء

[2] محمد امین: مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ، ص ۱۰۸

[3] (ا) مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۲۲۱، (ب) مستعد خاں: مآثر عالمگیری، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۱ء، ص ۳۴

عالمِ اسلام پر احسان کیا ہے کہ انہوں نے نظامِ مصطفےٰ نافذ کیا اور دو لاکھ کے خرچ سے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرائی جو آج بھی فقہ حنفیہ کا ایک عظیم ماخذ ہے اور خانوادۂ مجددیہ کا عالمگیر پر احسان ہے اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت مجدد اور ان کے اخلاف کا عالمِ اسلام پر احسان ہے ——

خانوادۂ مجددیہ اور عالمگیر کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے:

> تاریخی حیثیت سے اورنگ زیب اور حضرت مجدد کے خاندان کے درمیان حتمی طور پر روابط تھے اور یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ قریباً وہ تمام اقدامات جو اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی سے متعلق تھے حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں ان سب اقدامات کی پُرزور تبلیغ و تلقین فرمائی تھی[1] (ترجمہ انگریزی)

حضرت مجدد کی تصانیف میں ان کے فارسی مکتوبات شریف زیادہ مشہور ہوئے، یہ تین جلدوں پر مشتمل ہیں اور علوم و معارف کا خزینہ ہیں۔ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں ان کا عربی ترجمہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوا۔ فارسی اور اردو ترجمہ کے متعدد ایڈیشن پاکستان و ہندوستان اور ترکی سے شائع ہو چکے ہیں

مکتوبات شریف کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔

اثبات النبوۃ، مبدا و معاد، مکاشفاتِ غیبیہ، معارفِ لدنیہ، رد الرفضہ، شرح رباعیاتِ خواجہ بیرنگ، رسالہ تعیین و لاتعیین، رسالہ مقصود الصالحین، رسالہ در مسئلہ وحدۃ الوجود، آداب المریدین، رسالہ جذب و سلوک، رسالہ علمِ حدیث وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مجدد کی بیشتر نگارشات کی حیثیت خالص تخلیقی ہے۔ ایسی تخلیق بقول اقبال جس کا انگریزی میں ترجمہ نہیں کیا جا سکتا اور انگریزی زبان باایں ہمہ وسعت و ہمہ گیری ایسے الفاظ سے خالی ہے جو افکار مجددیہ کی ترجمانی کر سکیں[2] —— حضرت مجدد کے خلفاء کی تعداد بھی کم نہیں خلفاء میں صاحبزادگان کے علاوہ یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں: خواجہ محمد ہاشم کشمی، خواجہ میر محمد نعمان برہانپوری

---

[1] محمد اکرام، ہسٹری آف مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء، ص ۲۷۱۔

[2] تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء، ص ۲۹۸، ۲۹۹

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، شیخ محمد طاہر لاہوری، شیخ آدم بنوری، شیخ بدرالدین سرہندی وغیرہ وغیرہ ۔

حضرت مجدد کے عہد مبارک سے لے کر آج تک بے شمار علماء و صوفیہ نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے[1] لیکن دورِ جدید کے قارئین کے لئے عقیدت مندوں کا خراج عقیدت پیش کرنا زیادہ وزن نہیں رکھتا، اس لئے یہاں صرف ان حضرات کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت مجدد کو تاریخ کے آئینے میں دیکھا ہے، جو عقیدت مند و ارادت مند نہیں بلکہ مورخ و محقق ہیں ۔

(۱) مشہور مورخ و محقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں ۔

جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا، چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی فضا میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں ـــــ اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ عروج تھا، جہانگیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے ۔ شاہجہان اگرچہ ایک پارسا سُنی مسلمان تھا

---

[1] ملاحظہ فرمائیں (ل) زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء، ص ۲۱۸ ۔

(ب) شاہ غلام علی: ۔ مکاتیب شریف، مکتوب اوّل، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ/۱۳۵۱ء ۔

(ج) شاہ غلام علی: ۔ ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، ص ۵۶ ۔

(د) قاضی ثناء اللہ: ۔ ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، ص ۳ ۔

(ھ) رحمان علی: تذکرہ علماء ہند، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء، ص ۱۱ ۔

(و) غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء، ص ۴۷ ۔

(ز) حبیب الرحمٰن خاں شروانی: قرۃ العین، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء

(ح) صدیق حسن خاں: تقصار جیود الاحرار، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء، ص ۱۱۱، ۱۱۲ ۔

(ط) صدیق حسن خاں: ریاض المرتاض، ص ۱۲۱، ۱۲۲

(ی) ابوالکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۵۵، ۲۵۶ ۔

اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی دخیل برداشت نہیں کرتا تھا، تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، اورنگ زیب عالمگیر سنیوں کا نشان نصرت تھا[۱] (ترجمہ انگریزی)

(۲) ڈاکٹر محمد یٰسین مغل سیاست پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دورِ جہانگیری کی تاریخ لکھتے وقت اگر مغل سیاست پر حضرت مجدد کے اثرات کا کوئی ذکر نہ کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ یہ تاریخ ہی نامکمل رہے[۲] (ترجمہ انگریزی)

(۳) ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مغل سیاست و حکومت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بلاشبہ یہ کہنا زیادہ غلط نہ ہوگا کہ دورِ اکبری سے لے کر دورِ عالمگیری تک حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جو نشیب و فراز آتے رہے وہ بڑی حد تک حضرت مجدد اور آپ کی تعلیمات ہی کی وجہ سے آئے[۳] (ترجمہ انگریزی)

(۴) ڈاکٹر حفیظ ملک، ڈاکٹر اقبالؒ پر حضرت مجدد کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

شیخ (احمد سرہندی) کی عظمت اور جہانگیر بادشاہ کے سامنے سجدۂ تعظیمی سے آپ کے انکار کو ڈاکٹر اقبالؒ نے بہت سراہا ہے ــــــــ مسلمانوں کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دیں اُن کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اقبال نے آپ کو ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کا روحانی نگہبان و پاسبان قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جو خطرات اکبر بادشاہ کی مذہبی اور سیاسی بدعات و اختراعات میں پوشیدہ تھے اللہ نے اس سے آپ کو بروقت آگاہ اور خبردار کردیا[۴] (ترجمہ انگریزی)

(۵) مشہور محقق پروفیسر عزیز احمد برصغیر پاک و ہند میں حضرت مجدد کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[۱] اشتیاق حسین قریشی: مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۶ھ/۱۳۵۷ء، ص ۲۰۔

[۲] محمد یٰسین: اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء، ص ۱۴ حاشیہ۔

[۳] ایس ایم اکرام، مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء، ص ۲۷۰۔

[۴] حفیظ ملک، مسلم نیشنلزم ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ واشنگٹن ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء، ص ۵۴، ۵۵۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نگارشات اور آپ کے اثرات نے ہندوستان میں اسلام کے انتشار اور الحاد کو روکا۔ آپ نے مذہب کی حرکیت اور تصوف کی باطنی قوت کو دوبارہ مجتمع کیا —— اسلامی ہند میں مذہبی متصوفانہ فکر اسلامی کے سلسلے میں آپ کی خدمات نہایت ہی نمایاں اور ممتاز ہیں۔[1] (انگریزی ترجمہ)

(۶) جمیل احمد، حضرت مجدد کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے خراج عقیدت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیف کلمات طیبات میں آپ کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے اسلامی فکر میں بہت سی ناہمواریوں کو درست فرمایا، آپ باطنی رہنمائی کے لئے مثالی نمونہ تھے اور آپ نے بہت سے حقائق مضمرہ کو واشگاف فرمایا۔[2] (ترجمہ انگریزی)

(۷) ڈاکٹر زبید احمد لکھتے ہیں:۔

شیخ احمد سرہندی کو بجا طور پر مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ نے دوسرے ہزار کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اکبر اعظم کی ملحدانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کیا۔[3] (ترجمہ انگریزی)

مآخذ و مراجع

آدم بنوری، شیخ: خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد، مؤلفہ و مکتوبہ ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۶ء مخطوطہ انڈیا

---

[1] عزیز احمد، اسٹڈیز ان اسلامک کلچر، باب ہفتم مطبوعہ آکسفورڈ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء ص ۱۸۹۔

[2] جمیل احمد، ہنڈریڈ گریٹ مسلمز، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء، ص ۴۲۳

[3] زبید احمد، دی کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۵ء، مقدمہ XXIX

آفس لائبریری، لندن۔
آزاد، ابوالکلام: تذکرہ، مطبوعہ لاہور
ابوالفضل: اکبر نامہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء۔
ابوالفضل: آئین اکبری، جلد اول، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔
احمد سرہندی، شیخ: مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔
احمد سرہندی، شیخ: معارف لدنیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔
احمد سرہندی، شیخ: اثبات النبوۃ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء۔
احمد سرہندی، شیخ: مبدأ و معاد، مطبوعہ [illegible] ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء
احمد سروش: کلیات اقبال، مطبوعہ تہران، ۱۳۴۳ (ایرانی)
احمد رضا خاں، امام: انوار الانہار من یم صلوٰۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء، مطبوعہ بریلی
احمد رضا خاں، امام: الہاد الکاف فی حکم الصنعات ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء، مطبوعہ لاہور
احمد رضا خاں، امام: الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء، مطبوعہ کلکتہ۔
احمد رضا خاں، امام: الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء مطبوعہ کراچی
اقبال، ڈاکٹر: بال جبریل، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء۔
اقبال، ڈاکٹر: تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔
ایس۔ ایف۔ محمود: اے شارٹ ہسٹری آف اسلام، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء۔
ایس۔ ایم۔ اکرام: ہسٹری آف مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔
ایس ایم۔ اکرام: رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء۔
ایس۔ ایم۔ اکرام: اے شارٹ ہسٹری آف ہند و پاکستان، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء۔
اشتیاق حسین، ڈاکٹر: مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء۔
اشتیاق حسین، ڈاکٹر: دی مسلم کمیونٹی آف انڈو پاک سب کونٹیننٹ، مطبوعہ ہیگ، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔

بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء۔
بدرالدین سرہندی: وصالِ احمدی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء۔
ثناء اللہ پانی پتی: ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء۔
جمیل احمد خواجہ: ہنڈرڈ گریٹ مسلمس، مطبوعہ لاہور
جہانگیر بادشاہ وغیرہ: تزک جہانگیری (ترجمہ اردو) مطبوعہ لاہور ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء۔
جی الانا: آور فریڈم فائٹرس، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ / ۱۳۴۹ء۔
حامد رضا خاں، مولانا: سلامۃ اللہ لاھل السنۃ من سبیل الرضاد والفتنۃ ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء، مطبوعہ بریلی
حبیب اللہ خاں شروانی: قرۃ العین، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء۔
حسین احمد دیوبندی، مولانا: الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، مطبوعہ دیوبند، ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء۔
حفیظ ملک، ڈاکٹر: مسلم نیشنلزم اِن انڈیا اینڈ پاکستان، مطبوعہ واشنگٹن ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء۔
محمد قاسم ہندو شاہ: تاریخ فرشتہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء۔
محمد مجیب، پروفیسر: انڈین مسلمس، مطبوعہ لندن، ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء۔
محمد مسعود، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترک موالات، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء۔
محمد مسعود، پروفیسر: تاریخ آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء۔
محمد معصوم، خواجہ: مکتوبات معصومی، قلمی، جلد اول مکتوبہ ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۶ء
جلد دوم ۱۱۱۰ھ / ۱۶۹۸ء —— جلد سوم ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء
محمد منظور نعمانی: تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۷۰ھ / ۱۹۵۰ء۔
محمد یسین، ڈاکٹر: اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔
محمد ہاشم خافی خاں: منتخب اللباب (ترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء۔
محمد ہاشم کشمی، خواجہ: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء۔
معین الحق، ڈاکٹر: معاشری و علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء۔

مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: مقتل کذب و کید، مطبوعہ بریلی، سنہ ۱۳۳۲ھ / سنہ ۱۹۱۳ء۔

مینوکی نکولس: فسانۂ سلطنتِ مغلیہ، مطبوعہ آگرہ، سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء۔

نظام الدین: طبقات اکبری، مطبوعہ لکھنؤ، سنہ ۱۲۹۲ھ / سنہ ۱۸۷۵ء۔

نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر جلد اول، مطبوعہ دہلی، سنہ ۱۳۴۳ھ / سنہ ۱۹۲۴ء۔

وکیل احمد سکندر پوری: ہدیۂ احمدیہ، مطبوعہ دہلی، سنہ ۱۳۰۹ھ / سنہ ۱۸۹۱ء۔

ہاشمی فرید آبادی: تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت، جلد اول، مطبوعہ کراچی۔

یوحنان فریڈمین: شیخ احمد سرہندی، مطبوعہ لندن، سنہ ۱۳۹۱ھ / سنہ ۱۹۷۱ء

حدیثِ تجدید

نبیٔ اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلحاظ زمانہ آخری نبی، آسمانی کتابوں میں قرآنِ کریم سب سے آخری کتاب، تمام شرائع میں شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام آخری شریعت اور جملہ شرائع کی ناسخ ہے۔ اب نہ کسی نبی کے پیدا ہونے کی حاجت نہ کسی آسمانی کتاب کے نازل ہونے کی ضرورت۔ تاقیامت قرآنِ مجید ہی ہدایت کے لیے کافی ووافی اور شریعتِ محمدیہ ہی صراطِ مستقیم و ذریعۂ نجات ہے۔

خدائے ذوالمنن نے جہاں قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے وہاں شریعتِ محمدیہ کی حفاظت کا بھی اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ دین کے ہر شعبے کی حفاظت کرنے والے افراد ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ان کے کارنامے تاریخِ اسلام کے اندر سنہری حروف میں لکھے ہوئے صاف نظر آتے ہیں۔ دین کی خدمت کا فریضہ ادا کرنے والے بزرگوں میں سے جن حضرات کے اسمائے گرامی سرِ فہرست آتے ہیں ان کے بارے میں فرمانِ رسالت ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا أَمْرَ دِيْنِهَا۔[1]	بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کیلیے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے امرِ دین کو تازہ کریں۔

اس حدیث کی سند کے بارے میں مولانا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے فرمایا ہے:۔

سندہ صحیح ورجالہ کلہم ثقات وکذا صححہ الحاکم۔[2]	اسکی سند صحیح اور رجال ثقہ ہیں اور اسی طرح حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

---

[1] سنن ابوداؤد، باب مایذکر فی قرن المائۃ

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد اوّل: ص ۳۰۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت بھی دین کی حفاظت کے اسی عظیم الشان اہتمام پر دلالت کرتی ہے:۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[1]

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہمیشہ میری اُمت میں ایک گروہ دینِ برحق کی حفاظت پر قائم رہے گا۔ انہیں ذلیل کرنے والے اور مخالف کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے وہ گروہ تاقیامت حق پر ہی قائم رہے گا۔

مذکورہ اہتمام کے تحت ہر صدی میں کارِ تجدید انجام دینے والے حضرات پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی فہرست کافی طویل ہے کیونکہ کتنے ہی بزرگوں نے اپنے مخصوص مزاج کے باعث بعض اُن حضرات کو بھی مجددین کی فہرست میں شامل کر دیا ہے جو دوسرے حضرات کے نزدیک مجدد کے معیار پر پورے نہیں اُترتے۔ احقر ایسے تمام حضرات کے اسمائے گرامی کو چھوڑ کر ذیل میں صرف اُن حضرات کے اسمائے گرامی پیش کرتا ہے جن کے مجدد ہونے پر اہلسنت وجماعت کے اکثر اکابر کا اتفاق ہے۔ اُن حضرات کی فہرست ترتیب وار یہ ہے:۔

پہلی صدی:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی سنہ ۱۰۱ھ) بالاتفاق اس صدی کے مجدد ہیں۔

دوسری صدی:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۲۰۴ھ) اور امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۲۰۴ھ)

تیسری صدی:۔ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۳۲۰ھ) امام محمد بن جریر طبری

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب ثواب هذه الامة

رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) اور امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۳۲۱ھ)۔

چوتھی صدی:- امام ابوحامد الاسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۴۰۶ھ)

پانچویں صدی:- حجۃ الاسلام، امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۵۰۵ھ)

چھٹی صدی:- امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۶۰۶ھ)

ساتویں صدی:- امام تقی الدین بن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۷۰۲ھ)

آٹھویں صدی:- حافظ زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۰۶ھ)، امام سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۶۸ھ)، امام شمس الدین جزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۳۳ھ)

نویں صدی:- خاتم الحفاظ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) امام شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۰۲ھ)۔

دسویں صدی:- علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ) علامہ شمس الدین بن شہاب الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ)

گیارھویں صدی:- امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۳۴ھ) اور بقول بعض خاتم المحققین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ) بھی کارِ تجدید میں شریک ہیں۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف گیارھویں صدی کے مجدد ہیں بلکہ دوسرے ہزار سال کے مجدد ہیں جیسا کہ آئندہ تصریح پیش کی جائے گی۔ جملہ مجددین میں یہ امتیاز صرف آپ کو حاصل ہے، اِس لحاظ سے بجا ہے کہ آپ کو مجددِ اعظم کہا جائے۔

بارھویں صدی:- سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۱۱۸ھ)

تیرھویں صدی:- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ) شاہ غلام علی دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ)

چودھویں صدی:- امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ)، علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ)

جناب مولوی زوّار حسین شاہ صاحب نے بعض آیات و احادیث پیش کر کے دین حفاظت کے مذکورہ بالا انتظام اور مجددین اُمت کے کارِ تجدید کے بارے میں یوں تصریح کی ہے:-

> "ان آیات و احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ ہر دور میں علماء و صلحا کی ایک جماعت اِس دین کی حفاظت کرتی رہے گی اور اِس دین کی حقیقت کو تحریفات اور فاسد تاویلات کی دست بُرد سے محفوظ اور بدعات و ایجاداتِ انسانی کی آمیزش سے پاک رکھے گی، اِس لیے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے، قیامت تک اب کوئی نیا نبی مبعوث نہیں ہوگا اور اِس اُمت کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کی مانند قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اور ہر صدی کے سرے پر ایک شخص یا متعدد حضرات ایسے مخصوص انداز کے ساتھ نمایاں ہوں گے کہ دورانِ صدی میں اِن محافظینِ دین کی کوششوں کے باوجود جو تحریفات و بدعات فی الدین عامۃ المسلمین میں رواج پا گئی ہوں گی اور جس قسم کی اعتقادی و عملی خامیوں و کوتاہیوں نے مسلمانوں میں اپنا سکہ جما لیا ہوگا، وہ ختم صدی پہ مبعوث ہونے والی اُس مخصوص ہستی یا ہستیوں کی کوششوں اور تبلیغ و تربیت کے اثرات سے دُور ہو کر مسلمانوں کی اعتقادی و عملی زندگی میں دین اسلام از سرِ نو حیات پذیر ہو جائے گا اور یہی وہ ایک مخصوص شخص یا ایک سے زیادہ مخصوص حضرات ہوں گے جو حدیثِ تجدید کا خصوصی مصداق ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب"[1]

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی، ص ۲۴۱، ۲۴۲

حدیثِ تجدید کا مفہوم اور ضرورتِ تجدید کو مولوی محمد منظور نعمانی دیوبندی نے اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:۔

"دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے اُمت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ یہ دین کبھی محرف نہیں ہو سکے گا اور نہ مرورِ زمانہ سے یہ بوسیدہ ہو گا۔ اور نہ زمانہ کے انقلاب اِس کی حقیقت کو بدل سکیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ اِس کی بقا اور حفاظت اور تجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور اور ہر قرن میں ایسے بندے برابر پیدا ہوتے رہیں گے جو دین پر سے اُس گرد و غبار کو برابر جھاڑتے رہیں گے جو زمانے کی ہواؤں سے اُس پر پڑے گا اور اُس کی گہنگی دور کرنے کے لیے اِس کی رگوں میں تازہ خون اپنی جد و جہد سے دوڑاتے رہیں گے۔ اِس تشریح کی بنا پر یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے محکم وعدے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے سلسلے کی ایک الٰہی نظام کا بیان ہو گی اور اُن دوسری حدیثوں کے ہم معنی ہوگی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیبہ وسلم نے اِسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں اور دوسرے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے۔" [1]

جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک تازہ فرقہ کے بانی، پاک و ہند کی جانی پہچانی شخصیت اور عالمی شہرت رکھنے والے جناب مودودی صاحب نے حدیثِ تجدید کا مفہوم یوں اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے:۔

"حضور نے جو خبر دی ہے اُس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ انشاءاللہ اسلامی تاریخ کی کوئی صدی ایسے لوگوں سے خالی نہ گزرے گی جو طوفانِ جاہلیت کے مقابلے میں اُٹھیں گے اور اسلام کو اُس کی اصلی روح اور صورت میں از سرِ نو قائم کرنے کی

---

[1] تذکرہ امام ربانی، ص: ۲۰

کوشش کرتے رہیں گے۔ ضروری نہیں کہ ایک صدی کا مجدد ایک ہی شخص ہو ایک صدی میں متعدد اشخاص اور گروہ یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام دنیائے اسلام کے لیے ایک ہی مجدد ہو، ایک وقت میں بہت سے ملکوں میں بہت سے آدمی تجدید دین کے لیے سعی کرنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ شخص جو اس سلسلے کی کوئی خدمت انجام دے مجدد کے خطاب سے نوازا جائے۔ یہ خطاب تو صرف ایسے اشخاص ہی کو دیا جا سکتا ہے جنھوں نے تجدید دین کے لیے کوئی بہت بڑا اور نمایاں کارنامہ انجام دیا“[1]

حدیثِ تجدید کے لفظ راس اور مَن پر بحث کرتے ہوئے جناب مودودی صاحب نے لکھا ہے:-

”اِس حدیث سے بعض لوگوں نے تجدید اور مجدد دین کا بالکل ہی ایک غلط تصور اخذ کر لیا۔ اُنھوں نے علیٰ راس کل مائۃ سے صدی کا آغاز یا اختتام مراد لیا اور مَن یُجدّدُ لھا کا مطلب یہ سمجھا کہ اس سے مراد لازماً کوئی ایک ہی شخص ہے، اِس بنا پر اُنھوں نے تلاش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی پچھلی تاریخوں میں کون کون ایسے اشخاص ملتے ہیں جو ایک ایک صدی کے آغاز یا اختتام پر پیدا ہوئے یا مرے ہوں اور اُنھوں نے تجدید دین کا کام بھی کیا ہو۔ حالانکہ نہ رأس کے معنی سر کے ہیں اور صدی کے سر پر کسی شخص یا گروہ کے اُٹھائے جانے کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ وہ اپنے دَور کے علوم، افکار اور رفتارِ عمل پر نمایاں اثر ڈالے گا اور مَن کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور پورے پورے ادارے اور گروہ بھی ہو سکتے ہیں“[2]

---

[1] تجدید و احیائے دین، طبع ہشتم ۱۹۶۳ء ص ۱۴

[2] تجدید و احیائے دین، طبع ہشتم، ص ۴۲، ۴۳

مولوی محمد منظور صاحب نعمانی دیوبندی نے مذکورہ الفاظ پر بحث کرتے ہوئے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے :۔

"اِس (حدیثِ تجدید) میں جو مَن کا لفظ ہے وہ جس طرح واحد اور فرد کے لیے استعمال ہوتا ہے اُسی طرح جمع اور جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ شارحینِ حدیث نے خاص اسی حدیث کی شرح میں بھی اِسی کی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو مرقاۃ الصعود از علامہ سیوطی اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ از علامہ علی قاری مکی) اِسی طرح جن حضرات نے اِس حدیث کے لفظ راس کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لیے بطور شرط کے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اُس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع میں یا آخر میں) جاری ہونا چاہیے اور صدی سے انھوں نے یہی معروف ہجری صدی مراد لی ہے، اُن سے یقیناً لغزش ہوئی ہے۔ سنہ ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے قائم ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور یہ اصطلاح اُس وقت تک وضع ہی نہیں ہوئی تھی، اس لیے اس حدیث کے لفظ کل مائۃ سنۃ سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مطلب بس کل قرن ہوگا اور پھر راس کی قید کو اتفاقی ہی ماننا پڑے گا اور اِس بنا پر حدیث کا مطلب بس یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور دور میں اِس امتِ مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس اُمت کے لیے دین کی تجدید کرتے رہیں گے یعنی ماحول اور زمانہ کی آلائشوں اور آمیزشوں سے اِس کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اِس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔" [1]

---

[1] تذکرہ امام ربانی، ص ۱۷، ۱۸

مجدد کون ہوتا ہے، اُس کے اندر کس قسم کی صلاحیتیں ہوتی ہیں اور اُس کا دائرہ کار کیا ہوتا ہے؟ اِن اُمور کے بارے میں جناب مودودی صاحب نے اپنا قیامت خیالات و تاثرات اور نظریہ کو اِن لفظوں میں پیش کیا ہے۔

"مجددِ نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاجِ نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ نہایت صاف دماغ، حقیقت رس نظر، ہر قسم کی کجی سے پاک، بالکل سیدھا ذہن، افراط و تفریط سے بچ کر توسط و اعتدال کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپنا توازن قائم رکھنے کی خاص قابلیت، اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے اور رچے ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت، زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار سے لڑنے کی طاقت و جرأت، قیادت و رہنمائی کی پیدائشی صلاحیت، اجتہاد اور تعمیرِ نو کی غیر معمولی اہلیت اور اِن سب باتوں کے ساتھ اسلام میں مکمل شرحِ صدر، نقطۂ نظر اور فہم و شعور میں پورا مسلمان ہونا، باریک سے باریک جزئیات تک میں اسلام اور جاہلیت میں تمیز کرنا اور مدتہائے دراز کی اُلجھنوں میں سے امرِ حق کو ڈھونڈ کر الگ نکال لینا یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مجددِ نہیں ہو سکتا اور یہی وہ چیزیں ہیں جو اِس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر نبی میں ہوتی ہیں۔" [1]

مذکورہ بالا اُمور کے بارے میں کوئی محمد منظور نعمانی صاحب نے اپنا عندیہ اِن لفظوں میں بیان کیا ہے۔

"سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اِس دینِ حق کی حفاظت کے لیے ایک خاص انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگانِ خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ربنا کی طرف سے دین کی خاص فہم و بصیرت

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۲۵۔

عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں اور اِسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے دلوں میں ڈالا جائے اور اِس راہ میں ایسی عزیمت بھی اُن کو عطا فرمائی جائے کہ ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر فتنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں اور دینِ حق کے چشمہ صافی میں الحاد و بدعت کی کوئی آمیزش نہ ہونے دیں اور اُمت کے عقائد یا اعمال میں جب کوئی زیغ یا فساد پیدا ہو یا غفلت اور بے دینی کا غلبہ ہو تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار لشکری کی طرح وہ اُس کی بیخ کنی کے لیے اپنی پوری طاقت کے ساتھ جد و جہد کریں اور کوئی لالچ اور کوئی خوف اُن کے قدم نہ روک سکے[1]

منصب کے لحاظ سے مجدد اور نبی کے درمیان جو اُصولی فرق ہے۔ اُس پر مودودی صاحب نے اپنے انداز میں گفتگو کی اور مجدد کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

" وہ بنیادی چیز جو مجدد کو نبی سے جدا کرتی ہے، یہ ہے کہ نبی اپنے منصب پر امرِ تشریعی سے مامور ہوتا ہے۔ اُس کو اپنی ماموریت کا علم ہوتا ہے، اس کے پاس وحی آتی ہے، وہ اپنے نبوت کے دعوے سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے اُسے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی پڑتی ہے اور اُس کی دعوت ہی کو قبول کرنے یا نہ کرنے پر لوگوں کے کافر یا مومن ہونے کا مدار ہوتا ہے۔ برعکس اِس کے مجدد کو اِن میں سے کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ اگر مامور ہوتا ہے تو امرِ تکوینی سے ہوا کرتا ہے نہ کہ امرِ تشریعی سے۔ بسا اوقات اُس کو خود اپنے مجدد ہونے کی خبر نہیں ہوتی بلکہ اُس کے مرنے کے بعد اُس کی زندگی

---

[1] تذکرہ امام ربانی، ص ۱۵، ۱۶

کے کارنامے سے لوگوں کو اُس کے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے۔ اُس پر الہام ہونا ضروری نہیں ہے اور اگر ہوتا ہے تو لازم نہیں کہ اُسے الہام کا شعور ہو۔ وہ کسی دعوے سے اپنے کام کا آغاز نہیں کرتا، نہ ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ اُس پر ایمان لانے یا نہ لانے کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ اُس کے زمانہ کے تمام اہلِ صلاح و خیر رفتہ رفتہ اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور صرف وہی لوگ اُس سے الگ رہتے ہیں جن کی طبیعت میں کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے، مگر بہرحال اُس کو ماننا مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہوتا۔ اِن تمام فروق کے ساتھ مجدد کو فی الجملہ اُسی نوعیت کا کام کرنا ہوتا ہے جو نبی کے کام کی نوعیت کا کام کرنا ہوتا ہے جو نبی کے کام کی نوعیت ہے۔“[1]

قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ وہ مذکورہ بالا عبارتوں کو ایک مرتبہ پھر پڑھیں اور مولوی زوّار حسین شاہ صاحب، مولوی محمد منظور نعمانی صاحب اور مودودی صاحب کی تصریحات کو سامنے رکھیں تو اِن کا خلاصہ یہی سامنے آتا ہے کہ مجدّد نبی نہیں ہوتا، نبی کی طرح اس پر ایمان لانا ضروری نہیں ہوتا بلکہ وہ دین کا علمبردار اور سچا خادم ہوتا ہے جو تائیدِ ایزدی سے راستے کی ہر رکاوٹ کو ہٹا کر اور بے دینی کے سیلاب کا رُخ پھیر کر دین کو تازہ کر دیتا ہے اور اس میں سے ہر قسم کے کھوٹ کو نکال کر ایسے باہر پھینک دیتا ہے جیسے دودھ سے مکھی کو نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ مجدّد کے پاس خالص دین ہوتا ہے۔ فرقہ بازی اور اختلافات کے دور میں کھرا مال مجدّد اور اُس کے ہم نواؤں کے پاس ہی ہوتا ہے۔ اُس کے مخالفین کھوٹ کے شیدائی اور راہِ ہدایت سے برگشتہ ہوتے ہیں۔ دریں حالات کھرے اور کھوٹے مال میں تمیز کرنے، صاف اور گدلے پانی میں امتیاز کرنے کی خاطر مجدّد کی تلاش وقت کا تقاضا

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۴۵، ۴۶

قرار پاتی ہے اور اُس کے چشمۂ صافی سے اپنی تشنگی بجھانا ہر طالبِ حق و ہدایت کی بدیہی ضرورت بن کر رہ جاتا ہے۔ اِس واضح اور تسلیم شدہ حقیقت سے کسی اندرونی مرض کے تحت مولوی محمد منظور نعمانی صاحب کچھ خائف بھی نظر آتے ہیں اور بعض خدشات بھی نوکِ قلم پر لاتے رہے ہیں، مثلاً ایک جگہ اُنھوں نے لکھا ہے :-

> "اِس حدیثِ تجدید کی شرح کے سلسلے میں ایک یہ بات بھی سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اصل منشاء اور اِس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ بعض حضرات کی تحریروں اور اُن کے طرزِ عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اِس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ اُمت حق و ناحق میں تمیز کرنے کے لیے اور دین میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اپنی صدی کے مجدِّد کو تلاش کیا کرے اور پہچانا کرے اور جب کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اِس صدی کا مجدد ہے تو اُس کا اتباع کیا کرے حقیقی فلاح و سعادت بس اُسی کے اتباع سے نصیب ہوگی۔ اِس ناچیز کے نزدیک ایسا سمجھنا غلط اور بہت غلط ہے۔ اِس صورت میں تو یہ حدیث اُمت میں سخت اختلاف و تفریق اور فتنہ کی بنیاد بنے گی، ہر طبقہ اپنے علم و اندازہ اور اپنی عقیدت مندی کے لحاظ سے کسی کو مجدِّد کہے گا اور اصرار کرے گا کہ فلاح و سعادت بس اُسی کے اتباع سے وابستہ ہے اور جو لوگ اُس کے دامن سے وابستہ نہیں ہیں وہ فلاح و سعادت سے محروم ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ اُمت میں نئے نئے اختلافات پیدا ہوتے رہیں گے اور اُمت اُن اختلافات کی وجہ سے مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتی رہے گی اِس لیے اِس حدیث کا یہ مقصد و منشا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔"[۳]

---

[۳] تذکرہ امام ربانی، ص ۱۵، ۲۰۰

مولوی محمد منظور صاحب چونکہ اہل حق کی جماعت اور ناجی گروہ یعنی اہلسنت وجماعت سے نکل کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کے کیمپ میں جا چکے ہیں۔ وہابیت کو اپنا دین ومذہب بنائے ہوئے ہیں اور جب وہ اپنی نجدی عینک سے دیکھتے ہیں تو جس طرح ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے اسی طرح موصوف کو بھی دوسرے گمراہوں کی مانند مذہب حقہ، اہلسنت وجماعت کے پیروکار مشرک اور بدعتی ہی نظر آتے ہیں، اس لیے موصوف کو مذکورہ بالا خدشے کا لاحق ہونا ضروری تھا جبکہ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس خدشے کا گزشتہ چودہ صدیوں میں تو کہیں وجود نظر نہیں آیا۔ مجدد ہونے یا نہ ہونے پر اہل حق میں کوئی تنازعہ نہیں ہوا اور ہوتا بھی کیوں جبکہ یہ منصب صرف کام کرنے اور خدمتِ دین کا بے مثال فریضہ ادا کرنے کا ہے۔ یہ حضرات اہل حق کی جماعت سے علیحدہ کوئی علیحدہ اپنی جماعت یا گروہ بالیقین نہیں بناتے بلکہ اہلسنت کے بکھرے ہوئے افراد کی شیرازہ بندی کرنے، ان کی صفوں کو منظم بنانے اور دین کے جس گوشے میں تخریب کاری کے جراثیم سرایت کرنے جا رہے ہوں اس میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے تحت تجدیدی کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔

جب یہ امر مسلّم ہے کہ اہل حق صرف اور صرف اہلسنت وجماعت ہیں اور بزرگوں کی اس مقدس امانت میں بعض خائن جب ملاوٹ کرنے لگیں، رہبری کے لباس میں رہزنی ہونے لگے۔ اس کھرے مال میں کھوٹ کی آمیزش ہونے لگے تو مجدد اس کھوٹ کر نکال کر باہر پھینک دیتا ہے اور ملتِ اسلامیہ کو ایک مرتبہ پھر کھرا مال دے دیتا ہے۔ اہل حق نے اپنے ان محسنوں سے اختلاف نہیں کیا اور نہ آج تک کسی مجدد نے اپنی کوئی علیحدہ جماعت بنائی کیونکہ جو اہل حق یعنی اہلسنت وجماعت سے جدا ہوگا، علیحدہ اپنی جماعت بنائے گا، وہ مجددِ نہیں بلکہ مفسد ہوگا، اسے رہبر نہیں بلکہ رہزن شمار کیا جاتا ہے۔ مجددین میں کسی جھگڑے کا احتمال ہی کہاں ہے جبکہ ان کے پاس ایک ہی کھرا مال ہوتا ہے۔ ان حضرات کے پاس

اپنا ذاتی مال نہیں ہوتا بلکہ وہ سارے توہماتِ بدعیہ ہی کے حامل ہوتے ہیں۔

اگر مولوی محمد منظور صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ہر فرقہ (جس کے لیے موصوف نے لفظ طبقہ استعمال کیا ہے) اپنے بعض افراد کے مجدّدِ ہونے کا دعویٰ کرے گا اور اِس طرح بہت سے مختلف الخیال افراد کے بارے میں مجدّد ہونے اور اُس کی حقانیت منوانے پر اصرار کیا جائے گا اور یہ مختلف فرقوں کے اختلافات کو مستحکم کرنے کا باعث ہوگا۔ اگر موصوف کا یہی خیال ہے تو یہ بے بنیاد خدشہ ہے کیونکہ مجدّد صرف اہلِ حق کی جماعت یعنی اہلسنت وجماعت ہی سے ہوتے ہیں اور اِسی کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ جو حضرات اہلسنت وجماعت کے زمرے سے نکل جائیں یا سرے سے ہی باہر ہیں اُن کے مجدّد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایسے حضرات کا شمار تو حق وصداقت کے مخالفین اور مفسدین میں ہوتا ہے۔

پس آج اگر اہلحدیث، دیوبندی، جماعتِ اسلامی والے، شیعہ، چکڑالوی، بہائی، پرویزی اور ناصبی وغیرہ حضرات اپنے اپنے بعض افراد کے بارے میں مجدّد ہونے کا دعویٰ کریں، تو یہ محض ایک دھوکا، حدیثِ تجدید سے مذاق، حق وصداقت کو غتربود کرنا اور صورتِ حال سے ناواقف لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسانے کے سِوا اور کچھ نہیں ——

اب مجددین کے بارے میں مودودی صاحب کا ایک مضحکہ خیز بیان ملاحظہ فرمایئے۔

"تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی کامل مجدّد پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اُن کے بعد جتنے مجدّد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجدّدِ کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایک ایسا لیڈر پیدا ہو، خواہ اِس دَور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزاروں گردشوں کے بعد پیدا ہو"۔ [1]

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۲۹

بےشک ہر مجدد نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی۔ لیکن مودودی صاحب کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اُن بزرگوں کے اندر دوسرے شعبوں میں کام کرنے کی اہلیت نہیں تھی، جس کے باعث موصوف نے انہیں کامل مجدد ماننے سے انکار کیا ہے؟ آخر اُن حضرات کو ناقص ماننے اور مجددِ کامل کیلئے اصطلاحی بین الاقوامی لیڈر کی تلاش میں نکل کھڑے ہونے کی بنیاد اور وجہ تو بتائی جاتی۔ واضح ہونا چاہیے کہ جملہ مجددین اپنے فرائضِ منصبی کی بجاآوری کے لحاظ سے کامل مجدد ہی ہوئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ایک مجدد کے دور میں اعمال یا عبادات پہ، تو حالات کے اِس اختلاف کی بنا پر ہر مجدد کو اپنے دائرہ کار میں کام کرنا پڑا اور اُسے گمراہی کے سیلاب کو اُسی جانب سے روکنا پڑا جدھر سے وہ آ رہا ہے۔ اگر دوسری سمتوں سے تخریب کاری نہیں ہو رہی تھی تو یہ مطالبہ کرنا کہ فلاں مجدد نے فلاں سمت میں مورچے کیوں قائم نہیں کیے! اُس جانب رکاوٹ کھڑی کیوں نہ کی؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اُدھر مورچے کس کے خلاف قائم کیے جاتے نیز اُدھر رکاوٹ کس کے راستے میں کھڑی کیوں نہ کی؟ سوال پیدا ہوا ہے کہ آخر اُدھر مورچے۔ بہرحال جن شعبوں میں بھی جس مجدد نے کام کیا، وہ کام ہی نہیں کیا بلکہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا، جو اُن کاملین کے ساتھ ہی مخصوص تھا۔ اُن حضرات نے تو دنیا میں محیر العقول انقلاب برپا کر دیئے تھے، ملتِ اسلامیہ کی بار بار قسمت بدلی تھی، خزاں رسیدہ گلشنِ اسلام کو بار بار بہاروں سے ہمکنار کیا تھا اور اُن کے کارہائے نمایاں تاریخِ اسلام کا سنہری باب ہیں۔ کیا یہ حضرات کامل مجدد نہیں تھے؟ خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کر دینے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کامل مجدد نہیں تھے؟

اگر وقت اور حالات کے تحت بعض مختلف شعبوں میں کام کرنا ناقص ہونے کی علامت ہے اور کامل مجدد وہی شمار ہو سکتا ہے جو تمام شعبوں میں کام کرے تو حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مودودی صاحب کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ وہ

تمام شعبوں میں کام کریں گے؟ اگر امام موصوف کے جملہ کارناموں کی کوئی تفصیلی اور جامع فہرست جناب مودودی صاحب کے پاس ہے یا اُن کے دائرہ معلومات میں ہے تو اُس کو شائع کر کے دوسروں کو بھی مستفید فرمائیں تاکہ اُس کے پڑھنے والوں کو علم الیقین حاصل ہو جائے کہ واقعی امام موصوف کا دائرہ کار ہمہ گیر ہے اور دیگر مجدّدین کا دائرہ محدود تھا۔ اگر کامل اور ناقص کی کسوٹی اِسی دائرہ کار کو قرار دیا جائے تو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے اصلاحِ خلق کے تمام شعبوں میں کام کیا ہو۔ دریں حالت کیا معاذ اللہ اُنہیں ناقص انبیاء کہا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ سب حضرات کامل و اکمل تھے، اِسی طرح جملہ مجدّدین حضرات پورے کامل اور مکمل تھے۔ ایک شعبے یا چند شعبوں یا تمام شعبوں میں کام کرنا الگ بات ہے، خواہ ایک ہی شعبے میں کام کیوں نہ کیا ہو، وہ بھی ایسا عظیم اور محیر العقول کارنامہ ہے جو لاکھوں انسانوں کی اجتماعی کوشش سے بھی سرانجام نہیں دیا جا سکتا تھا، اِس کے باوجود فردِ واحد کا اُس کام کو کر گزرنا اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اُس نائبِ رسول کے پس پردہ تائیدِ ایزدی اور رحمتِ خداوندی کار فرما و کار ساز ہے۔ کیا مودودی صاحب غور فرمائیں گے کہ مجدّدین حضرات کو ناقص بتانے کی کیچڑی بازی کے چھینٹے اللہ اور رسول (جل جلالہٗ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تک تو نہیں پہنچیں گے؟ ——

اس سلسلے میں مولوی زمرد حسین شاہ صاحب کی اِس عبارت کا پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں۔ اُنہوں نے لکھا ہے:۔

> ،،غرض کہ نبی وقت قوم کی ذہنیت ہی کے مناسب خوارق بھی لاتا ہے اور اُسی کے امراضِ باطنی کے مناسب اصلاحی پروگرام بھی پیش کرتا ہے۔ چونکہ مجدّدیت نبوت کا اصلی ظل ہے اِس لیے اُمتِ محمدیہ کے مجدّدوں کو بھی یہی شان دی گئی ہے جو انبیائے سابقین کو عطا ہوئی تھی۔ اُمت میں صدیوں

اور زمانوں کے گزرتے رہنے سے جس جس قسم کے فتن ظہور کرتے رہے اسی قسم کے اصلاحی طرق لے کر مجددینِ امت بھی مبعوث ہوتے رہے۔ اگر کسی وقت امت میں دیانت کی کمی ہوئی تو مجددِ دیانت آئے جنھوں نے شعائرِ دیانت برپا کیے۔ اگر کبھی دیانت ہوتے ہوئے نظامِ ملت زیادہ پراگندہ ہوا تو ایسے ہی مجدد آئے جنھوں نے اپنے حلقۂ اثر کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ اگر کبھی نفوس میں اخلاقی کدورت اور زنگ لگ گیا تو ایسے ہی مجدد آئے جنھوں نے اخلاق کا تزکیہ کر کے نفوس کو مجلیٰ و مصفیٰ کر دیا۔ اگر کبھی امت بے دین ریاضت کشوں کے کشف و خوارق پر مفتون ہوئی تو ایسے ہی مجددِ آئے جنھوں نے اپنے کشف و کرامات اور خوارق سے ہر شعبدہ باز کے کرشموں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا۔ پھر نفسانی فتنوں کے ساتھ آفاقی فتنے بھی جس نوع کے آئے مجددینِ وقت کو اسی قسم کے فتنوں کے استیصال کی زیادہ صلاحیت و استعداد دے کر بھیجا گیا۔ کسی نے فتنۂ شیعیت کو ختم کیا، کسی نے فتنۂ باطنیت کو۔ کسی نے ادعائے نبوت کے فتنوں کا تارپود بکھیرا اور کسی نے عیسائیوں کی دسوسہ اندازیوں کا استیصال کیا۔ کسی نے شرک کا تانا بانا اُدھیڑا، کسی نے وثنیت کے ستون ڈھائے۔ اور کسی نے ثنویت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا۔ غرض یوں سمجھنا چاہیے کہ انبیائے سابقین میں نبوت کی جس جس رنگ کی نسبتیں تھیں اُتنی اور اُسی رنگ میں ولایت کی نسبتیں اُمت کے مجددوں کو عطا فرمائی گئیں، تاکہ اُمت کے ہر طبقہ کی اصلاح اُس کے مناسب طریقوں سے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح اممِ سابقہ میں بیک وقت مختلف قوموں اور علاقوں میں جدا جدا نبی مبعوث ہوئے، اُن کے اصلاحی و تبلیغی پروگرام بھی اُن کی اُمتوں کی اصلاحی ضروریات کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں اگرچہ

> اصول اور مجموعی اصلاحی پروگرام میں وہ سب متفق ہیں۔ اسی طرح ایک ہی صدی میں مختلف علاقوں میں الگ الگ مجددِ مبعوث ہوئے اور ان کے اصلاحی و تبلیغی پروگرام بھی اپنے اپنے اہلِ علاقہ کے لحاظ سے مختلف رہے ہیں اگرچہ اصول اور مجموعی اصلاحی پروگرام میں وہ سب متفق ہیں۔“ [1]

علمِ کلام میں اہلسنت وجماعت کے مسلّمہ امام اور تیسری صدی کے مجددِ برحق یعنی امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۳۳۰ھ) جنھوں نے اہلسنت کے عقائد و نظریات کی حفاظت کا حق ادا کیا۔ مجلہ مخالفینِ اہلِ حق اور خصوصًا فلاسفہ و معتزلہ کے عمائد کو تحریر و تقریر اور مباحثہ و مناظرہ کے ہر میدان میں عاجز اور ساکت و صامت کیا۔ اہلسنت کے اس جلیل القدر امام اور اسلامی عقائد و نظریات کے عدیم المثال محافظ کے بارے میں وہابیت و نجدیت کے علمبردار، جناب مودودی صاحب دی گریٹ یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں:-

> ”یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علومِ عقلیہ سے ناواقف تھے، اس لیے نظامِ دین کو مقتضائے زمانہ کے مطابق معقولی انداز سے نہ سمجھا سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علومِ عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا وہ صرف یہ کہ علومِ دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے بلکہ خود علومِ عقلیہ میں بھی انھیں کوئی مجتہدانہ نظر حاصل نہ تھی۔ وہ فلسفۂ یونان کے بالکل غلام تھے۔ ان میں کوئی ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا۔ انھوں نے وحی یونانی کو اٹل سمجھ کر جوں کا توں تسلیم کر لیا اور وحی آسمانی کو توڑنا مروڑنا شروع کیا تاکہ

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی: ص ۳۴۵/۳۴۶

وہ وحی یونانی کے مطابق ڈھل جائے۔ اِن حالات کا عام مسلمانوں پر اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگے۔ اِس کی ہر چیز اُنھیں مشکوک نظر آنے لگی اور اُن میں یہ خیال جاگزیں ہوتا چلا گیا کہ ہمارا دین ایک چھوٹی موٹی کا درخت ہے جو عقلی امتحان کی ایک ذرا سی ٹھیس ہی سے مرجھا جاتا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری اور اُن کے متبعین نے اِس رو کو بدلنے کی کوشش کی، مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا، اِس لیے وہ اس عام بے اعتقادی کی رفتار کو بدلنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا، بلکہ معتزلہ کی ضد میں اُس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کر لیا جو فی الواقع عقائدِ دین میں سے نہ تھیں۔“[1]

اہلسنت کے محدثین وفقہا اور علمائے متکلمین وآئمہ دین پر موصوف نے سینہ زوری سے جس طرح الزام تراشی کی، اُنھیں نااہل ٹھہرایا اور اسلامی عقائد سے ہٹے ہوئے بتایا یہ اہلسنت و جماعت کے متعلق موصوف کا وہ افسوسناک طرزِ عمل ہے جسے داخل در معقولات ہی کہا جا سکتا ہے۔ اگر مسلمانانِ اہلسنت کے آئمہ دینِ برحق کی کماحقہ، حفاظت سے عاری تھے تو موصوف ہی بتادیں کہ اسلامی عقائد ونظریات کی حفاظت کا فریضہ جو وہ صدیوں سے کیا یہی علما ادا کرتے آرہے ہیں، جو تیرھویں صدی کی پیداوار ملّتِ اسلامیہ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہیں؟ یا جماعتِ اسلامی فرقہ کے مسٹرانِ کرام و بابوانِ عظام نے یہ فرض ادا کیا ہے جس نوزائیدہ فرقے کے بانی صاحب بھی خیر سے بقیدِ حیات ہیں؟ اگر اہلسنت وجماعت کے بزرگوں نے گلشنِ اسلام کی کماحقہ، آبیاری نہیں کی تو اِس کے گل بوٹوں سے کس کے خونِ جگر کی خوشبو آرہی ہے؟

---

[1] تجدید واحیائے دین، ص ۶۴، ۶۵

۵

بُھلانے پہ بھی قصۂ ربطِ ماضی
بُھلایا نہ جائے گا ہم سے نہ تم سے

مودودی صاحب نے اپنی مشقِ ستم کو جاری رکھتے ہوئے اسلام کے بطلِ جلیل اور ملتِ اسلامیہ کے عظیم سرمایہ یعنی حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے عظیم سرمایہ کارنامے کو داغدار کرنے اور مسلمانوں کو اس عظیم شخصیت سے برگشتہ کرنے کی خاطر مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

> "امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم اُن نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیئے ہوئے۔ دوسری قسم اُن نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم اُن نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم اِن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔ ان کمزوریوں سے بچ کر امام موصوف کے اصل کام یعنی اسلام کی ذہنی و اخلاقی رُوح کو زندہ کرنے اور بدعت و ضلالت کی آلائشوں کو نظامِ فکر و نظامِ تمدن سے چھانٹ چھانٹ کر نکالنے کے کام کو جس شخص نے آگے بڑھایا وہ ابنِ تیمیہ تھا۔"[1]

حجۃ الاسلام، امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو علمِ حدیث میں کمزور دکھانے کی خاطر ابنِ تیمیہ حرانی (المتوفی ۷۲۸ھ) جیسے دشمنِ دین و دیانت کے قصیدہ خوان، عالیجناب مودودی صاحب نے حضرت امام موصوف کی مایۂ ناز تصنیفِ لطیف احیاء علوم الدین کے بارے میں یوں حاشیہ

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۴۲، ۴۳،

آرائی کی ہے:۔

"تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں ایسی تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جنہیں امام غزالی نے احیاء العلوم میں درج کیا ہے اور جن کی کوئی سند نہیں ملتی۔" [1]

چلیے امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کو احیاء العلوم میں درج فرمائی ہوئی بعض احادیث کی اسناد نہ ملیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ علمِ حدیث میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی وسعتِ نظر کا اندازہ و احاطہ کرنے سے امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ قاصر رہ گئے، مگر ایسی سمجھ نصیبِ دشمناں کہاں! تاثر یہی دیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں یہ بات اتاری جا رہی ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف عالیہ میں حدیثیں گھڑ گھڑ کر شامل کر دیا کرتے تھے جن کا احادیث کے ذخیروں میں اتا پتہ ہی نہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

مولوی صاحب کو یہ تو نظر آگیا کہ امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض احادیثِ احیاء العلوم کی سند نہ مل سکی لیکن امام تاج الدین سبکی اور اُن کے والدِ محترم امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض احادیث تصانیفِ عالیہ میں جو ابن تیمیہ حرانی کی تردید کی ہے، اُسے گمراہ اور گمراہ گر قرار دیا ہے، یہ موصوف کو کہیں نظر نہیں آیا؟ کلیجہ تھام کر، تھوڑی سی ہمت کر کے ایسی عبارتیں بھی نقل کر دیتے۔ مانا کہ اس سے آپ حضرات کی عقیدت کا وہ بُت دھڑام سے زمین پر آگرتا جس کی ہر وہابی رات دن بڑے اہتمام سے پوجا پاٹ کرتا اور اس سے مجتنب رہنے پر ہر سنی مسلمان کو مشرک اور بدعتی قرار دیتا ہے۔ بہر حال قلمی دیانت سے پہلو تہی کرنا مصنف کے لیے کسی کے نزدیک بھی قابلِ تعریف تو نہیں ہے۔ مودودی صاحب نے اپنے جذبۂ عقیدت

---

[1] حاشیہ تجدید و احیائے دین، ص ۴۷،

کو تسکین دینے کی خاطر یہ بھی لکھا ہے:۔

> " انھوں (ابنِ تیمیہ) نے اسلام کے عقائد، احکام اور قوانین کی تائید میں ایسے زبردست دلائل قائم کیے جو امام غزالی کے دلائل سے زیادہ معقول بھی تھے اور اسلام کی اصل روح کے حامل ہونے میں بھی اُن سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام غزالی کے بیان و استدلال پر اصطلاحی معقولات کا اثر چھایا ہوا تھا ابنِ تیمیہ نے اِس راہ کو چھوڑ کر عقلِ عام پر تفہیم و تبئین کی بنا رکھی جو زیادہ فطری، زیادہ مؤثر اور زیادہ قرآن و سنت کے قریب تھی۔"[1]

ابنِ تیمیہ حرانی نے مسلماں کو گمراہ کرنے اور جادۂ مستقیم سے ہٹانے کی خاطر جتنا کام زبان و قلم سے لیا اِتنا اُن کے کسی پیشرو گمراہ گر سے بن نہیں پڑا تھا، حتیٰ کہ ابن حزم ظاہری المذہب (المتوفی سنہ ۴۵۶ھ) کو بھی منزلوں پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ موصوف کو اپنی بھاری بھرکم علمی شخصیت کے پیشِ نظر کشورِ وہابیت میں پوپ کا مقام حاصل ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ کے معاصرین کو گرانے اور اپنے مذکورہ پوپ کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

> " گو اُس وقت صحیح الخیال، وسیع النظر، حقیقت شناس علماء ناپید نہ تھے، نہ اُن سچے اور اصلی صوفیوں کی کمی نہ تھی جو جادۂ حق پر گامزن تھے، مگر جس نے اُس تاریک زمانہ میں اصلاح کا علم اُٹھانے کی جرأت کی وہ ایک ہی اللہ کا بندہ تھا۔ ابنِ تیمیہ قرآن میں گہری بصیرت رکھتے تھے، حتیٰ کہ حافظ ذہبی نے شہادت دی کہ اما التفسیر فسلّم الیہ۔ تفسیر تو ابنِ تیمیہ

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۵۵

> کا حصہ ہے، حدیث کے امام تھے، یہاں تک کہا گیا کہ کل حدیث لا یعرفہا ابن تیمیۃ فلیس بحدیث (جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے) تفقہ کی شان یہ تھی کہ بلا شبہ اُن کو مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا، علومِ عقلیہ منطق، فلسفہ اور کلام میں اِتنی گہری نظر تھی کہ اُن کے معاصرین میں سے جن لوگوں کا سرمایۂ ناز یہی علوم تھے وہ اِن کے سامنے بچوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ کے لٹریچر اور اُن کے مذہبی فرقوں کے اختلافات پر اُن کی نظر اِتنی وسیع تھی کہ گولڈزیہر کے بقول کوئی شخص جو تورات کے تخمینوں سے بحث کرنا چاہے وہ ابنِ تیمیہ کی تحقیقات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اِن سب علمی کمالات کے ساتھ اُس شخص کی جُرأت و ہمت کا یہ حال تھا کہ اظہارِ حق میں کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہ ڈرا، حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جیل بھیجا گیا اور آخر کار جیل ہی میں جان دے دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام غزالی کے چھوڑے ہوئے کام کو اُن سے زیادہ خوبی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوا۔“ [1]

ابنِ تیمیہ کے زمانے میں جو اسلامی سلطنت تھی اُس کے آئین و قوانین اور طرزِ عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے مودودی صاحب نے اپنے پوپ صاحب اور اُن کے معاصرین کے بارے میں حاشیہ آرائی کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:۔

> ”اُس وقت کے اُمرا کا حال یہ تھا کہ دنیائے اسلام میں تاتاریوں کی چیرہ دستی سے بچ بچا کر مسلمانوں کی جو سب سے بڑی سلطنت رہ گئی تھی وہ مصر و شام کے ممالیک کی سلطنت تھی اور اُنھوں نے اپنی سلطنت کے قانون

---

[1] تجدید و احیائے دین، ص ۷۷۔

کو دو حصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک شخصی قانون، جس کا دائرہ اثر صرف نکاح و طلاق و وراثت وغیرہ امورِ مذہبی تک محدود تھا اور اِن معاملات میں فیصلے شریعت کے مطابق ہوتے تھے۔ دوسرا ملکی قانون، جو تمام دیوانی و فوجداری معاملات اور پورے نظامِ سلطنت پر حاوی تھا اور یہ سراسر چنگیز خانی دستور پر مبنی تھا۔ رہے حکمران، تو وہ مسلمان ہونے کے باوجود اکثر و بیشتر اپنے شخصی معاملات تک میں تورۂ چنگیزی کی پیروی کرتے تھے نہ کہ شریعتِ محمدیہ کی۔ اُن کے غیر اسلامی رویے کا اندازہ کرنے کے لیے صرف اِتنی بات کافی ہے کہ مقریزی کے بیان کے مطابق اُنھوں نے اپنی سلطنت میں قحبہ خانوں کے قیام کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی اور زنانِ بازاری پر ایک ٹیکس لگا دیا گیا تھا، جس کی آمدنی "دولتِ اسلامیہ" کے خزانۂ عامرہ میں داخل کی جاتی تھی۔ ابن تیمیہ کے معاصر علماء اور صوفیہ اکثر و بیشتر اُس سلطنت کے وظیفہ خوار تھے۔ اُنھیں خدا کے دین کی یہ مظلومی تو ایک لمحہ کے لئے بھی نہ کھلی، البتہ جب ابنِ تیمیہ نے وظیفہ خوار تھے۔ اُنھیں خدا کے دین کی غلامی پر تو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ کھلی، البتہ جب ابنِ تیمیہ نے اُٹھ کر اصلاح کی کوشش کی تو اُن لوگوں کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی اور اُنھوں نے فتوے دینے شروع کر دیے کہ یہ شخص ضال اور مضل ہے، تجسیم و تشبیہ کا قائل ہے، طریقِ سلف سے منحرف ہے، تصوف کا اور اہلِ تصوف کا دشمن ہے، صحابہ اور آئمہ تک کے منہ آتا ہے، دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی کتابیں جلا دینے کے لائق ہیں۔" [۵]

---

[۵] ایضاً، حاشیہ ص ۴، ۵۔

مودودی صاحب نے علمائے اسلام کی جتنی تنقیص وہ کر سکتے تھے، اُتنی کی لیکن علامہ ابن تیمیہ کی تعریف و توصیف سے کسی مرحلے پر شکم سیر نہیں ہوتے، یہ تشنگی ہے کہ بجھنے میں نہیں آتی۔ اسی لیے مزید لکھتے ہیں:۔

"(۳) اُنھوں (ابنِ تیمیہ) نے تقلیدِ جامد کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اُٹھائی بلکہ قرونِ اُولیٰ کے مجتہدین کے طریقہ پر اجتہاد کر کے دکھایا۔ براہِ راست کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ سے استنباط کر کے اور مختلف مذاہبِ فقہ کے درمیان آزاد محاکمہ کر کے کثیر التعداد مسائل میں کلام کیا، جس سے راہِ اجتہاد از سرِ نو باز ہوئی اور قوتِ اجتہادیہ کا طریقۂ استعمال لوگوں پر واضح ہوا۔ اِس کے ساتھ اُنھوں نے اور اُن کے جلیل القدر شاگرد ابن قیم نے حکمتِ تشریح اور شارع کے طرزِ قانون سازی پر اتنا نفیس کام کیا جس کی مثال اُن سے پہلے کے شرعی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ یہ وہ مواد ہے جس سے اُن کے بعد اجتہادی کام کرنے والوں کو بہترین رہنمائی حاصل ہوئی اور آئندہ ہوتی رہے گی۔

(۴) اُنھوں نے بدعات اور مشرکانہ رسوم اور اعتقادی و اخلاقی گمراہیوں کے خلاف سخت جہاد کیا اور اس سلسلہ میں بڑی مصیبتیں اُٹھائیں۔ اسلام کے چشمۂ صافی میں اُس وقت تک جتنی آمیزشیں ہوئی تھیں اُس اللہ کے بندے نے اُن میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا، ایک ایک کی خبر لی اور اُن سب سے چھانٹ کر ٹھیٹھ اسلام کے طریقہ کو الگ روشن کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ اس تنقید و تنقیح میں اُس شخص نے کسی کی رُو رعایت نہ کی۔ بڑے بڑے آدمی جن کے فضل و کمال اور تقدس کا سکہ مسلمانوں کی ساری دنیا میں بیٹھا ہوا تھا، جن کے نام سن کر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں،

ابنِ تیمیہ کی تنقید سے نہ بچ سکے - وہ طریقے اور اعمال جو صدیوں سے مذہبی حیثیت اختیار کیے ہوئے تھے، جن کے جواز بلکہ استحباب کی دلیلیں نکال لی گئی تھیں اور علمائے حق بھی جن سے مداہنت کر رہے تھے، ابنِ تیمیہ نے اُن کو ٹھیٹھ اسلام کے منافی پایا اور اُن کی پُرزور مخالفت کی۔ اِس آزاد خیالی، صاف گوئی کی وجہ سے ایک دنیا اُن کی دشمن ہو گئی اور آج تک دشمن چلی آتی ہے۔ جو لوگ اُن کے عہد میں تھے اُنھوں نے مقدمات قائم کرا کے کئی بار جیل بھجوایا اور جو بعد میں آئے اُنھوں نے تکفیر و تفضیل کر کے اپنا دِل ٹھنڈا کیا۔ مگر اسلامِ خالص و محض کے اتباع کا جو صُور اُس شخص نے پھونکا تھا، اُس کی بدولتِ ایک مستقل حرکت دنیا میں پیدا ہو گئی جس کی آوازِ بازگشت اب تک بلند ہو رہی ہے۔" لہ

مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کو قارئینِ کرام پیشِ نظر رکھیں۔ حاشیہ والی عبارت میں مودودی صاحب نے اپنے پیشوا، ابنِ تیمیہ سے اختلاف کرنے والے علمائے اسلام کو، جو آسمانِ ہدایت کے اپنے دَور میں شمس و قمر تھے، درباری سرکاری بتایا ہے اور اس کے علاوہ بھی جو کچھ اُن کی تنقیص میں وہ پردہ داری کے ساتھ کہہ سکتے تھے بڑے شرحِ صدر سے اُنھوں نے کہہ دیا ہے ذیل میں ہم اُس وقت سے لے کر آج تک کے بعض محافظینِ اسلام کے اسمائے گرامی مع سنینِ وفات پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے علامہ ابنِ تیمیہ حرانی کو گمراہ اور گمراہ گر ہی قرار دیا ہے۔ اور اپنی متعدد تصانیف میں حسبِ مواقع موصوف کے خلافِ دین و دیانت نظریات کی تردید کی ہے۔

آٹھویں صدی:- (۱) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) (۲) امام کمال الدین

لہ تجدید و احیائے دین: ص ۷۸، ۷۹،

الزملکانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۷۲۷ھ) (۳) امام تقی الدین السبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۷۵۶ھ) (۴) حافظ صلاح الدین خلیل علائی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۷۶۱ھ)

نویں صدی :- (۵) حافظ عبدالرحیم عراقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۰۶ھ)

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۵۲ھ)

دسویں صدی :- (۷) خاتم الحفاظ، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ)

(۸) امام احمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۲۳ھ)

(۹) عارف باللہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۷۳ھ)

(۱۰) حافظ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۷۳ھ)

گیارھویں صدی :- (۱۱) محدث کبیر، مولانا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ)

(۱۲) امام عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۳۰ھ)

(۱۳) خاتم المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ)

(۱۴) علامہ محمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۶۹ھ)

بارھویں صدی :- (۱۵) امام محمد عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۱۲۲ھ)

(۱۶) امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۱۴۳ھ)

تیرھویں صدی :- (۱۷) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ)

(۱۸) عارف باللہ مفسر احمد الصاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۴۱ھ)

چودھویں صدی :- (۱۹) مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ)

(۲۰) عارف ربانی امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۵۰ھ)

یہ ہم نے علامہ ابن تیمیہ حرانی کے وقت سے لے کر آج تک کے اُن بیس مشاہیر اور جید علمائے اسلام کے اسمائے گرامی پیش کیے ہیں جنھوں نے علامہ ابن تیمیہ کے عقائد و نظریات

اور بعض خلافِ قرآن وسنت مسائل پر گرفت کی ہے اور اپنی تصانیفِ عالیہ میں موصوف کے پھیلائے ہوئے جراثیم کا سدِباب کیا ہے۔ اگر واقعی علامہ ابنِ تیمیہ نے قرآن وسنت کی تعلیمات کو اُن کے اصلی رنگ روپ میں پیش کیا ہے۔ اگر تو مودودی صاحب اپنے اُس گروہ کے اکابر کو منظرِ عام پر لائیں جن کے وجود سے یہ اصلی رنگ روپ دنیا میں قائم رہا اور علامہ موصوف کی تحقیقات دنیا کے سامنے پیش کی جاتی رہیں۔ نیز اپنے اُن بزرگوں کی فہرست سے بھی مطلع فرمائیں جن کے توسط سے یہ نظریات علامہ ابنِ تیمیہ تک پہنچے۔ اگر ایسا تسلسل نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں قائم ہوا تو پیش کردہ مفہوم ومطالب کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عدمِ رابطہ کے باعث اسلامی تعلیمات ہی کہا جائے گا یا ایجادِ بندہ؟ جس تفہیم، تفسیر یا تحقیق کا رابطہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ ہو اُسے اسلامی قرار دیا جائے یا غیر اسلامی؟ وہ اصلاح وتجدید ہے یا تخریب وتضلیل؟

علمائے اسلام اور مجدّدین حضرات پر مشقِ ستم کرتے اور اُن کے کاموں میں کیڑے بتاتے ہوئے مودودی صاحب کو یہ مدِّنظر رکھنا تھا کہ قرآن وسنت کے امین اِسی ناجی گروہ کے اکابر ہیں جن پر تساہل اور مداہنت وغیرہ کے اَن گنت الزامات لگائے رہے ہیں۔ اِن حضرات کے دین ودیانت اور تقویٰ وطہارت پر انگشت نمائی کرنا قرآن وحدیث کو قرآن وحدیث کو صحت چیلنج کرنا ہے کیونکہ اِن کی صحت ہر دور میں قابلِ اعتماد حضرات کی متقاضی رہی ہے۔ اِن بزرگوں سے اعتماد اٹھا دینا ہے۔ بصورتِ دیگر علمائے اہلسنت کے علاوہ مودودی صاحب کسی دوسرے گروہ کے اکابر کو ایسی تفصیل سے پیش کر کے دکھا دیں جو پیغمبرِ اسلام سے لے کر آج تک اِس مقدس امانت کو سنبھالتے آئے ہوں؟ ہمیں کامل یقین ہے کہ مودودی صاحب تادمِ آخر ایسی فہرست ہرگز پیش نہیں کر سکیں گے۔ فہرست میں پیش کئے جانے والے حضرات کا علامہ ابنِ تیمیہ سے متفق ہونا ضروری ہے۔

علمائے اسلام نے جو ابنِ تیمیہ کو ضالّ مضلّ کہا، تجسیم وتشبیہ کا قائل بتایا اور دائرۂ دین

حتیٰ کہ صحابۂ کرام تک کا گستاخ قرار دیا، یہ محض الزام تراشی تھی یا اس میں کچھ حقیقت بھی ہے؟ کیا ابنِ تیمیہ تجسیم و تشبیہ کے سراسر غیر اسلامی اور خلافِ قرآن و سنت نظریہ کا قائل نہیں ہے؟ کیا وہ اجماعِ امت کا فارق نہیں ہے؟ کیا اُس نے حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں دریدہ دہنی نہیں کی ہے؟ جس گنبدِ خضرا پر ستّر ستّر ہزار فرشتے صبح و شام صلوٰۃ و سلام عرض کرنے حاضر ہوتے ہیں اُس کی حاضری کے بارے میں ابنِ تیمیہ کے فتوے اسلام کے چشمۂ صافی سے دُھلے ہوئے ہیں یا ابلیس کے ترجمانی کر رہے ہیں؟ اِس کے باوجود علمائے اسلام تو موردِ الزام ٹھہرے اور تحریفِ دین و افتراق بین المسلمین کرنے والا گمراہوں کا پیشوائے اعظم، دینِ متین کا محافظ قرار پایا۔ تحریر و تقریر کی آزادی ہے، جسے کوئی چاہے دین کا علمبردار کہے اور جسے چاہے گردن زدنی ٹھہرائے، آخر وہ لوگ بھی تو اِسی دنیا میں بستے ہیں جو علی الاعلان یزید پلید کو خلیفہ برحق اور امیر المؤمنین ٹھہراتے اور قافلہ سالارِ عشق، سیدنا امامِ عالی مقام، حسین ابن حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو باغی اور گردن زدنی قرار دیتے ہیں، جسے مفسدِ اعظم کی بارگاہ میں گمراہوں کے سجودِ عقیدت لٹانے کا اسلام اور حقانیت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ؎ "کند ہم جنس باہم جنس" کے طور پر چونکہ وہابیہ کی رگ علامہ ابن تیمیہ سے ملتی ہوگی، لہٰذا وہ ممدوح کیوں نہ ٹھہرتے اور علمائے اسلام سے مودودی صاحب کی نہ بنی ہے نہ بنتی نظر آ رہی ہے۔ اس لئے موصوف اُن کے سر ہر قسم کے الزامات نہ تھوپیں گے تو قلم اور کس مقصد کی خاطر ہاتھ میں پکڑا ہے؟

؎ خار کو گُل اور گُل کو خار جو چاہے کرے!
تُو نے جو چاہا کیا، اے یار جو چاہے کرے

ابنِ تیمیہ حرانی نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خاطر جو کچھ اپنی تصانیف میں لکھا محفوظ ہے اور دوسری جانب جو کچھ علمائے اسلام نے ہر دور میں علامہ موصوف کے غیر اسلامی،

نظریاتِ کی بیخ کنی اور گمراہ گری کے جراثیم کی روک تھام کے سلسلے میں تحریر کیا وہ بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ یہاں اس بحث کی گنجائش قطعاً نہیں کیونکہ اِس موضوع پر تو ایک ضخیم کتاب ہی کفایت کر سکتی ہے، لیکن کشورِ وہابیت کے مسلمہ پوپ صاحب شانِ میں مشہور محدث، امام ابنِ حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوٰی حدیثیہ میں جو طویل فتوی صاد فرمایا اُس سے ایک اقتباس، بطور نمونہ مشتے از خروارے پیشِ خدمت برائے ضیافتِ طبعِ قارئین ہے:-

ابن تیمیة عبد خذله الله واضلّه و اعماه واصمّه واذلّه وبذالك صرح الائمة الذين بينوا فساد احواله وكذب اقواله ومن اراد ذالك بمطالعة كلام الامام المجتهد المتفق على امامته وجلالته و بلوغه مرتبة الاجتهاد ابی الحسن، السبكی وولده التاج والشيخ الامام العزّ بن جماعة واهل عصرهم وغيرهم من الشافعية والمالكية والحنفية ولم يقصر اعتراضه على متاخری الصوفية بل اعترض على مثل عمر ابن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی الله عنهما كما يأتی والحاصل ان لا يقام لكلامه وزن بل يرمی فی كل وعر وحزن و يعتقد فيه انه مبتدع ضالّ مضلّ

ابنِ تیمیہ وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسوا، گمراہ، اندھا، بہرہ اور ذلیل کیا، اسی لیے آئمہ دین نے اُس کے مفسدانہ احوال اور جھوٹے اقوال کو صراحت سے بیان کیا ہے، جو اِس پر مطلع ہونا چاہتا ہے اُس چاہیئے کہ اُس مجتہد امام کی تصریحات کا مطالعہ کرے جن کی امانت، جلالت اور مرتبۂ اجتہاد تک رسائی پر اتفاق ہے یعنی امام ابو الحسن سبکی اور اُن کے صاجز "تاج الدین سبکی اور امام شیخ عزّ بن جماعہ او اُن کے معاصرین وغیرہ شافعی مالکی حنفی حضرات۔ ابن تیمیہ نے متاخرین صوفیہ پر ہی اعتراضات کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمر بن خطاب اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی ہستیوں کو بھی اپنی

جاهل غال عامله الله تعالیٰ بعدله و اجارنا من مثل طریقته وعقیدته وفعله آمین[1]

شقِ ستم کا نشانہ بنایا، جیسا کہ مذکور ہوگا قصہ مختصر اُس کی تحقیقات کی کوئی قیمت نہیں بلکہ دُور پھینکنے کے قابل ہیں۔ اُس کے متعلق یہ اعتقاد کیا جاتا ہے کہ وہ بدعتی گمراہ، گمراہ گر، جاہل اور متکبر ہے اللہ تعالیٰ اُس سے اپنے عدل کا معاملہ کرے اور ہمیں اُس کے طریقے، عقیدے اور فعل سے دُور رکھے۔ آمین۔

اگر مودودی صاحب اور دیگر وہابی حضرات پر گراں نہ گزرے تو اِسی فتاویٰ حدیثیہ سے علامہ ابن تیمیہ حرانی، اُن کے شاگرد، علامہ ابنِ قیم اور اِن حضرات کا اتباع کرنے والوں کے متعلق ایک اقتباس اور پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

وایاک ان تصغی الی ما فی کتب ابن تیمیة وتلمیذه ابن قیم الجوزیة وغیرهما ممن اتخذ الهه هواه واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة فمن یهدیه من بعد الله و کیف تجاوز هؤلاء الملحدون الحدود وتعدوا الرسوم وخرقوا سیاج الشریعة والحقیقة فظنوا بذالک انهم علی هدیٰ من ربهم ولیسوا کذالک بل هم علی اسوء الضلال واقبح الخصال و

ابن تیمیہ اور اُس کے شاگرد ابن قیم الجوزی وغیرہ کی کتابوں کی جانب مائل ہونے سے بچو کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا تھا۔ اللہ نے اُسے علم کے ذریعے گمراہ کیا اور اُس کی سماعت اور دِل پر مہر لگائی اور اُس کی بینائی پر پردہ ڈالا۔ پس اللہ کے بعد کون اُسے ہدایت دیتا۔ اور ان ملحدوں نے اسلامی حدود سے کیسے تجاوز کیا اور اسلامی رسومات کو توڑا اور شریعت وحقیقت کی دیوار

---

[1] فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ ص ۹۹

ابلغ المقت والخسران وانهى الكذب و البهتان فخذل الله متبعهم وطهر الارض من امثالهم۔ [1]

کو توڑ ڈالا، اِس کے باوجود گمان کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ بری طرح گمراہ ہوئے، اُن کی خصلت بدترین ہے یہ سودا انتہائی نقصان اور گھاٹے کا ہے اور اُن کا کارنامہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے پیروکاروں کو ذلیل کیا اور ایسے لوگوں سے زمین کو پاک کیا۔

حضرت امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو کیا معلوم تھا کہ ایسے لوگوں سے زمین پاک ہونے کے باوجود ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ یہ دوبارہ ناپاک ہو جائے گی اور یہ لوگ پھر دنیا میں آکر اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد برپا کریں گے اور اعلیٰ الاعلان رہبروں کو رہزن اور رہزنوں کو رہبر بتاتے پھریں گے۔ وَسَيَعْلَمُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

مودودی صاحب تو یہی فرماتے ہیں کہ اُن کے ممدوح ابنِ تیمیہ نے قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ سے براہِ راست استنباط کر کے مختلف مذاہبِ فقہ کے درمیان آزاد محاکمہ کیا، جس سے از سرِ نو طریقِ اجتہاد باز ہوا اور لوگوں کو راہِ اجتہاد معلوم ہوئی۔ یہ موصوف کی محض سینہ زوری اور اپنے مذہبی پوپ صاحب کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت تو پیش کرنا ہے لیکن حقیقت سے اس کا واسطہ دُور کا بھی نہیں۔ کیونکہ اوّلاً

---

[1] ایضاً: ص ۱۷۳

تو علامہ ابنِ تیمیہ پر قوت و استعدادِ اجتہاد کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی تھی، ثانیاً اُنھوں نے قطعاً مختلف مذاہبِ فقہ کے درمیان آزاد محاکمہ نہیں کیا، نہ اِس کی اہلیت تھی۔ بلکہ بعض مسائل میں صرف ایجاداتِ بندہ ہی پیش کی تھیں۔ کیا مودودی صاحب بتا سکتے ہیں کہ مختلف مذاہبِ فقہ کے کونسے اختلافی مسائل پر علامہ ابنِ تیمیہ نے آزاد محاکمہ کیا تھا؟ ثالثاً ابنِ تیمیہ سے ہرگز اجتہاد کی راہ باز نہیں ہوئی، نہ اہلِ علم سے قابلِ اعتماد، ہستیوں نے ایسا کوئی تاثر لیا، ہاں علمائے اسلام کی نظر میں اُس شخص نے فتنہ و فساد اور دینِ متین میں تحریف کا دروازہ ضرور کھول دیا تھا، جس کی ڈگر پر چل کر آج بھی بعض حضرات دین میں ترمیم و تحریف کر کے شہرت حاصل کرنے میں مصروف ہیں اور اُن حضرات کا طرۂ امتیاز ہی دینِ متین کے مقدس جسد پر عملِ جراحی کرتے رہنا ہے اور بس۔ اگر دین میں تحریف کر کے فتنہ و فساد کھڑا کرنے کا نام ہی مودودی صاحب کے نزدیک اجتہاد ہے تو اِس صورت میں علامہ ابنِ تیمیہ نے ضرور راہِ اجتہاد باز کی تھی۔

مودودی صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ابنِ تیمیہ نے بدعات، مشرکانہ رسوم اور اخلاقی و اعتقادی گمراہیوں کے خلاف سخت جہاد کیا تھا اور اُس وقت تک اسلام کے چشمہ صافی میں جتنی آمیزش ہوئی تھی اُسے چھانٹ کر پھینک دیا اور دنیا کے سامنے ٹھیٹھ اسلام پیش کر دیا تھا۔ بارگاہِ ابنِ تیمیہ میں یُوں سجدۂ عقیدت پیش کرنے سے پہلے کاش! مودودی صاحب یہ خیال بھی فرما لیتے کہ اِس طرح دوسری جانب وہ اُمتِ مرحومہ کو اُمتِ ملعونہ بھی قرار دے رہے ہیں جو بدعات اور مشرکانہ رسوم میں پھنسی ہوئی تھی اور اخلاقی و اعتقادی لحاظ سے گمراہ تھی اور اُس پر طرّہ یہ کہ پوری اُمتِ محمدیہ میں سے کوئی فرد ایسا نہیں تھا جو قوم کو اِدھر متوجہ کر کے قوم کی کشتی کو اِس گرداب سے نکال کر ساحل پر لگاتا، کشتی اُمت کے تمام سوار اور جملہ ناخدا سب اخلاقی و اعتقادی گمراہ — اب اِس کی ناخدائی کا چودھویں صدی میں سہرا باندھا جا رہا ہے تو نصوصِ دین

کے سر، اسلام کے مُحرِّف اور ملّتِ اسلامیہ کے بدخواہ ابنِ تیمیہ حرّانی کے سر۔ بھلا اس ستم ظریفی پر دین و دیانت اور صداقت و انصاف نے اپنا سر پیٹ لیا ہوگا یا نہیں؟

؎ قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دُور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

مودودی صاحب کا فرمان ہے کہ اسلام خالص کا جو صُور ابنِ تیمیہ نے پھونکا تھا اُس کی آوازِ بازگشت آج تک بلند ہو رہی ہے۔ اگر جناب ابنِ تیمیہ کی مخصوص تحقیق ہی موصوف کے نزدیک خالص اسلام ہے تو ازراہِ کرم کبھی وضاحت تو فرمائیں کہ اِس خالص اسلام والے صحابہ کرام سے لے کر آجتک ہر دَور میں کتنے حضرات ہوئے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ایسے تخریب کاروں اور مفسدوں کا وجود بعض ادوار ہی میں پایا گیا اور وہ بھی کسی خاص مُلک یا علاقے میں اور باقی دنیا بفضلہ تعالیٰ اِن کے وجودِ نامسعود سے پاک ہی رہی ہے۔ باقی ہر دَور میں اگر دینِ برحق کی حفاظت اور پاسبانی کا تحریر و تقریر اور مباحثہ و مناظرہ کے میدانوں میں فریضہ ادا کرتی نظر آتی ہے تو وہی جماعت ہے جسے اہلسنت وجماعت کہا جاتا ہے۔ یہی جماعت ہے جس کے علماو مشائخ کی تبلیغی سرگرمیوں سے دین کا نظام چلتا آرہا ہے اور گلشنِ اسلام کی آبیاری میں اسی کے سرفروش مجاہدوں کا خون آج تک اپنی رنگینی دکھا رہا ہے۔ ہائے افسوس! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھولے بھالے اُمتی اِس ستم ظریفی کی فریاد کس سے کریں کہ دینِ مصطفےٰ پر عملِ جرّاحی کی مشق کرنے والے اُلٹا اہلِ حق کے دین و مذہب کو ملاوٹ اور آمیزش سے بھرپور بتانے بیٹھے ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہ کے معاصرین علمائے اسلام سے مودودی صاحب کو یہ شکایت بھی ہے کہ انھوں نے حکومتِ وقت کی غیر اسلامی روش کو بدلنے کا کوئی کام نہیں کیا، اسلام کی مظلومی کا اُنھیں مطلقاً دُکھ نہ ہُوا، اُن کا کارنامہ صرف یہی ہے کہ جب ابنِ تیمیہ نے

اصلاحِ احوال کی کوشش کی تو اُنھوں نے ابنِ تیمیہ کی تضلیل و تکفیر کے فتوے جاری کر دیئے۔ جہاں تک تضلیل و تکفیر کے فتووں کا تعلق ہے تو اُن کا جائزہ آج بھی لیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بڑی بات ہے کہ اُن میں سے ایک فریق پر اُن فتووں کا انطباق ضرور ہوگا۔ اگر مودودی صاحب کے نزدیک علامہ ابنِ تیمیہ پر تضلیل و تکفیر کے فتوے غلط لگائے گئے تو فتوے لگانے والوں کی تضلیل و تکفیر پر مودودی صاحب کیوں یقین نہیں رکھتے؟ کیوں اُنھیں بزرگوں میں شمار کرتے ہیں؟ کیوں اُن کی تصانیف پر اعتماد کر کے استناد یا استناد پہ کرتے جاتے اور مصنّف بنتے رہتے ہیں؟ اپنے خالص اسلام والوں کی تصانیف ہی پر تکیہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا محض اِسی لیے ایسا نہیں کرتے کہ وہاں تخریب کاری کے سوا اور دھرا کیا ہے؟ لیکن اِسے محسن کشی اور احسان فراموشی ہی کہا جائے گا یا کچھ اور کہ یہ نام نہاد مصلحین کا طائفہ جس ہانڈی سے کھاتا ہے اُسی میں چھید کرتا ہے۔

مودودی صاحب کے نزدیک ابنِ تیمیہ کے معاصرین علماء نے اصلاحِ حکومت کے لیے کوئی کام نہ کیا، اسلام کی مظلومی کا انھیں صدمہ نہ ہوا۔ لیکن مودودی صاحب مسلمانوں کو یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ علامہ ابنِ تیمیہ نے حکومت کی غیر اسلامی روش کو بدلنے کی خاطر کتنا کام کیا تھا؟ اسلام کی مظلومیت کو دیکھ کر اُن کے ممدوح کا دل کتنا دُکھا تھا؟ آنکھوں میں کتنے آنسو آئے تھے؟ کتنے سال تک راتوں کو تڑپتے اور کروٹیں بدلتے تارے گنتے ہی زندگی گزاری؟ مسلمانوں کو مظلومی کے چکر سے نکالنے کی خاطر کیا کارنامہ سرانجام دیا؟ اگر کچھ نہیں کیا اور جو کچھ کیا وہ صفر کے برابر ہے تو علمائے اسلام ہی کا شکوہ کیا؟ اپنے ممدوح کو اِس شکایت میں شامل کیوں نہ کیا؟ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے طور پہ یہ معذرت نامہ کس کے لفظوں میں ہے؟!۔

> "تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ کوئی ایسی سیاسی تحریک نہ اُٹھا سکے جس سے نظامِ حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ

سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آ جائیں"۔ [1]

؎ تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں تھی

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ مودودی صاحب نے اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:۔

"شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا، جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی یہاں اسلام کا نام ونشان مٹا دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی انجام دیئے۔ ایک یہ کہ تصوف کے چشمۂ صافی کو ان آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اس میں سرایت کر گئی تھیں، پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔ دوسرے یہ کہ ان تمام رسومِ جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلۂ بیعت وارشاد کے ذریعہ سے اتباعِ شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق وعقائد کی اصلاح کی کوشش کی۔ یہی کام ہے جس کی وجہ سے شیخ سرہندی کا شمار مجددینِ ملت میں ہوتا ہے۔" [2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے تجدیدی کارنامے کا تو مودودی صاحب نے اقرار کر لیا لیکن اختلافِ مذہب اور اپنی انانیت کو پالنے کی غرض سے شیخ سرہندی علیہ الرحمہ

---

[1] تجدید واحیائے دین: ص ۷۹، ۸۰ [2] ایضاً، ص ۸۵

کے کام میں کیڑے نکالنا بھی تو ضروری تھا۔ چنانچہ جس ہستی نے حکومت کے پورے غیر اسلامی نظام کو اسلامی بنا دیا، علمائے سُو اور صوفیانِ غلط کار کو راہِ راست اختیار کرنے پر مجبور کیا، اُس کی خداداد صلاحیت اور تائیدِ ایزدی کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے؟ اِس کے باوجود جن حضرات کا وجود کسی حکومت کی بے راہ روی پر قطعًا اثر انداز نہ ہو سکا، جن کی مساعی ے چند غیر مسلم بھی مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے، جو مسلمانوں کی فکری و اخلاقی کوتاہیوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکے، ایسے نام نہاد مصلحین بھی اگر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ام میں نقائص کی نشاندہی نہ کریں تو اور کون کرے گا؟ اگر یہ مصلحین عوام الناس کو اُن کے بزرگوں سے برگشتہ نہ کریں تو اپنے فرقے کی تعداد بڑھانے کے لیے افراد کہاں سے لائیں گے؟ چنانچہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مودودی صاحب نے لکھا ہے:۔

> "پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ) اور اُن کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو اِن حضرات نے پیش کیا۔ وہ بجائے خود اپنی رُوح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوف پر اعتراض نہیں۔ بیماری کا پوری طرح اندازہ نہیں لگایا۔ اور نادانستہ اُن کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ حاشا کہ مجھے فی نفسہ اُس تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو اِن حضرات نے پیش کیا وہ بجائے خود اپنی رُوح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوف ہے اور اِس کی نوعیت احسان سے کچھ مختلف نہیں ہے لیکن جس چیز کو میں لائقِ پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور متصوفانہ زبان کا استعمال اور متصوفانہ طریقہ سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے۔ بظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف

اِس خاص قالب کا محتاج نہیں ہے۔ اِس کے لیے دوسرا قالب بھی ممکن ہے۔ اِس کے لیے زبان بھی دوسری اختیار کی جا سکتی ہے۔ رموز و اشارات سے بھی اجتناب کیا جا سکتا ہے۔ پیری مریدی اور اِس سلسلے کی تمام عملی شکلوں کو بھی چھوڑ کر دوسری شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اُسی پرانے قالب کو اختیار کرنے پر اصرار کیا جائے جس میں مدتہائے دراز سے جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔ اِس کی کثرت اشاعت نے مسلمانوں کو جن سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کیا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب حال یہ ہو چکا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی ہی صحیح تعلیم دے، بہر حال یہ قالب استعمال کرتے ہی وہ تمام بیماریاں پھر عود کر آتی ہیں جو صدیوں کے رواجِ عام سے اِس کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں“[1]

تصوف سے اپنی ناراضگی کا مزید اظہار کرتے ہوئے جناب مودودی صاحب نے اپنا عذر یوں بھی بیان کیا ہے :-

”مسلمانوں کے اِس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب نے ناواقف تھے نہ شاہ صاحب۔ دونوں کے کلام میں اِس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالباً اِس مرض کی شدت کا اُنھیں پورا اندازہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے اُن بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اِس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی اور اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اُسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا“[2]

---

[1] تجدید و احیائے دین : ص ۱۱۹، ۱۲۰ [2] ایضاً ص ۱۲۱

مودودی صاحب نے رُوحِ اسلام یعنی تصوّف سے مسلمانوں کو کنارا کشی کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے اِس کی بیشِ خویش مضرتوں کو بیان بھی کیا ہے اور پیدا ہونے والے مجددین کے لیے مرنے سے پہلے ہی، وصیت کر دی ہے تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آتی رہے۔ لیجیے وہ ہدایت و وصیّت ملاحظہ فرما ہی لیجیے:-

> ”اب جس کسی کو تجدیدِ دین کے لیے کام کرنا ہو اُس کے لیے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات سے، رموز و اشاعت سے، لباس و اطوار سے، پیری مریدی سے اور ہر اُس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو، مسلمانوں کو اِس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابطیس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے“[2]

یہ وصیّت مودودی صاحب نے سنہ ۱۹۴۰ء میں شائع کروا دی تھی یعنی اپنی حیاتِ مستعار کے تقریباً وسط میں چاہیے تو یہ تھا کہ موصوف ایک ترتیب گاہ یعنی ٹریننگ سنٹر کھولتے جس میں صرف مجددین کو تربیت دینے اور انسٹرکٹر کے فرائض خود انجام دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے تو مودودی صاحب کی اِس صلاحیت سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اب تک جتنے مجدد بھیجے اُنھیں کسی قسم کی تربیت دیے بغیر ہی بھیج دیا، اِسی لیے جہاں اُنھوں نے نمایاں کام کر کے دکھایا وہاں بقول مودودی صاحب اُن کے کارہائے نمایاں میں بعض خامیاں بھی رہ گئیں، لیکن مودودی صاحب کے ٹریننگ سنٹر کے تربیت یافتہ مجددین کم از کم اُن کوتاہیوں کا اعادہ تو نہ کریں گے جو سابقہ مجددین سے سرزد ہو گئی تھیں۔ اِس نصیحت نامے کو شائع کروائے سینتیس سال گزر چکے۔ معلوم نہیں مودودی صاحب کی توجہ اِس جانب اِتنے عرصے میں کیوں مبذول نہیں ہوئی ورنہ اب تک تو ہزاروں ریڈی میڈ مجددِ عام

---

[1] تجدید و احیائے دین: ص ۱۲۲ [2] ایضاً: ص ۱۲۱

دستیاب ہونے لگتے اور آئندہ خام مجددوں کا خدشہ ہی سرے سے مٹ جاتا سابقہ مجددین میں سے تو مودودی صاحب کے معیار پر کسی ہستی کو پورا اترنے کا شرف نصیب نہیں ہُوا، ہاں اتنا ضرور ہُوا کہ موصوف نے مفسدین و ضالین میں سے علامہ ابنِ تیمیہ حرانی کو مجددین کی صف میں کھڑا کر کے ان کی جتنی تعریف کر سکتے تھے دل کھول کر کی ہے کیونکہ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ اِس بھری دنیا میں ابتداء سے آج تک مودودی صاحب کے دو ہی ممدوح ہیں، جن کے برابر اُنھوں نے کسی تیسری ہستی کو اپنے دل و دماغ میں جگہ نہیں دی۔ اُن میں سے ایک علامہ ابنِ تیمیہ اور دوسرے؟ اُن کا نام مودودی صاحب نے یُوں ظاہر فرمایا ہے۔

> اگرچہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابنِ تیمیہ کی تھی۔”[1]

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) جیسے دشمنِ دین و ایمان اور بدخواہِ اسلام و مسلمین کو جناب مودودی صاحب کے سر آنکھوں پر جگہ ملنا، اُن کی راہوں میں دیدہ و دل کا فرش بچھانا بے وجہ نہیں۔ بھلا یہ پسند کیوں نہ آتے جبکہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان و جہت سے پاک جاننا بدعتِ حقیقیہ یعنی کفر بتایا ہے۔ باری تعالیٰ کو کاذب ٹھہرایا ہے۔ سید المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نماز میں خیال آنا، گدھے بیل کے خیال میں سراپا ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر بتایا ہے۔ سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تقویۃ الایمان میں عاجز، نادان اور چوہڑوں کا تھانگی کہا، انبیائے کرام و اولیائے عظام کو چمار سے ذلیل، ذرہ ناچیز سے کمتر اور چوہڑے چمار تک کہا ہے۔ آخر یہ شریف النسان بھی مودودی صاحب کو پسند نہ آتا تو اور اُن آتا۔ اِن کے سر پر تجدید و احیائے دین کتاب میں رحمۃ اللہ علیہ کا

---

[1] ایضاً: ص ۱۲۱

تاج نہ رکھا جاتا تو اور کس کے سر پر رکھا جاتا؟ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللہ میں کسی کو خواہ مخواہ تو شامل نہیں کیا جاتا، دہلوی صاحب بھلا اِس میدان کے کونسے شہسوار سے پیچھے رہ گئے ہیں جو انھیں پسند نہ کیا جاتا؟ —— مودودی صاحب کا اِس سلسلے میں مندرجہ ذیل بیان خصوصی توجہ کا مستحق ہے:۔

> "شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب نگاہوں کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات اور شاہ اسمٰعیل شہید کی منصبِ امامت، عبقات تقویۃ الایمان اور دوسری تحریریں دیکھئے، دونوں جگہ وہی شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان بولتی نظر آتی ہے۔"[1]

ہمارے خیال میں یہ مودودی صاحب کی ایسی گپ ہے جسے وہ آخری دم تک درست ثابت نہ کر پائیں گے۔ بھلا جو مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان وغیرہ میں انبیائے کرام و اولیائے عظام کو مغلظ گالیاں دی ہیں، اِن کا سایہ بھی کہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیفِ عالیہ میں نظر آتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ متحدہ ہندوستان میں اِن مغلظات کی بنیاد رکھنے اور فرقہ سازی کی ابتدا کرنے کا سہرا مولوی اسمٰعیل دہلوی ہی کے سر ہے۔ موصوف کو اُن کے جدِّ امجد سے ملانا محض صورتِ حال سے ناواقف مسلمانوں کو مغالطہ دینے کی غرض سے ہے۔ ہائے افسوس!

؎ اُمّت کو توڑ ڈالا فرقے بنا بنا کر!
احسان ہے اس پہ بھاری اَئے ناصحو! تمہارا

---

[1] تجدید واحیائے دین، ص ۱۱۴

چونکہ یہ کتاب حضرت امامِ ربانی، مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ العزیز کا تجدیدی کارنامہ بیان کرنے کی غرض سے لکھی جا رہی ہے، اس لیے حدیثِ تجدید کے تحت بعض حقائق، وضاحتوں اور مغالطوں کا بیان کر دینا ضروری نظر آیا —— مجددین کے بارے میں حدیثِ تجدید موجود ہے اور اُن حضرات کا ہر صدی میں پایا جانا ایک قدرتی انتظام کے تحت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں لیکن دوسری کڑیوں سے آپ کو ایک گو نہ امتیاز حاصل ہے۔ یہ امتیاز کیا ہے؟ اِس سوال کا جواب خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ملاحظہ ہو۔

> جان لینا چاہیئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرا ہے۔ لیکن سَو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور۔ جس طرح سَو اور ہزار میں فرق ہے اِس طرح کا اِن دونوں قسم کے مجددوں میں فرق ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ مجدد وہ ہوتا ہے کہ فیوض و برکات میں سے اِس مدت کے اندر اُمتیوں کو جو حصہ پہنچتا ہے اُسی کے واسطے سے پہنچتا ہے، خواہ وہ اُس وقت کے اقطاب و اوتاد اور ابدال و نجباء ہی کیوں نہ ہوں۔“ [1]

دوسرے مقام پر آپ نے اپنے فرزندِ اکبر، خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی تحریر کرتے ہوئے، سو اور ہزار سال کے مجددین کے فرق اور اُن کی ضرورتوں کو یوں بیان فرمایا تھا۔

> ”اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ اُممِ سابقہ میں ایسے تاریک دور کے اندر اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا،

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴۔

لیکن یہ اُمت خیر الامم اور اس کا پیغمبر خاتم الرسل ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اِس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اِسی لیے ہر صدی کے بعد علمائے اُمت میں سے کسی ایک کو مجدد مقرر فرمایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ شریعت محمدیہ کو زندہ کرے، خاص کر ہزار سال کے بعد کہ جو اولوالعزم پیغمبر کی پیدائش کا وقت ہوتا ہے اور ہر پیغمبر پر ایسے وقت کفایت نہیں کی گئی تو ایسے وقت اُمتِ محمدیہ میں اولوالعزم پیغمبر کی جگہ تام المعرفت عالم وعارف درکار ہوتا ہے۔ جو اُممِ سابقہ کے اولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو گے

؎ فیضِ رُوح القدس از باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد" [1]

اپنے خلیفۂ واجل، خواجہ میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ہزار سالہ تجدید کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:۔

"یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں اور یہ آخریت ہے جو اسی اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔" [2]

اِسی مکتوب گرامی کے اندر آپ نے الف ثانی کی تجدید کے بارے میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے:۔

"اِس اُمت کی آخریت کا دَور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے ہزار سال گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہاں سے دوسرے ہزار سال کی ابتدا ہے۔ ہزار سالہ دَور کو حالات کی تبدیلی میں بہت دخل ہے

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۳۴ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۱

اور اشیاء کی تبدیلی میں قومی تاثیر ہے۔ لیکن اِس اُمت میں چونکہ نسخ اور ۱ تبدیلی نہیں اسی لیے نسبتِ سابقین اپنی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور اُس نے الف ثانی میں از سرِ نو شریعتِ مطہرہ کی تجدید کر کے ملتِ اسلامیہ کو فروغ دیا ہے۔ اِس معنی پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں۔[1]

اگر چشمِ حقیقت بیں اور نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے تو گروہِ مجددین میں حضرت امام ربانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی شان نرالی ہی نظر آتی ہے۔ جن علوم و معارف اور اسرار و رموز کا آپ سے فتحِ باب ہوا وہ ایسی شرح و بسط سے کسی دوسرے نے بیان نہیں کیے تھے چونکہ آپ دوسرے ہزار سال کے مجدد ہیں اِس لیے آپ کی تصانیفِ عالیہ خصوصاً مکتوبات امام ربانی میں اِس پورے دَور کی ہدایت و رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ اگر اِس پر فتن دَور میں آپ کے مکتوبات کو حکم مان لیا جائے تو اختلافات کی خلیج کو درمیان سے ہٹایا اور اختلاف کو مٹایا جا سکتا ہے۔ آپ کی قلمی نگارشات آج بھی حق و باطل کے درمیان واضح خطِ فاصل کھینچ دیتی ہیں اور تجدیدِ دین و ملّت کے سلسلے میں آپ نے جو مساعی جمیلہ فرمائیں وہ ہر خادمِ دین و خیر خواہِ اسلام و مسلمین کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہیں۔

اِس کتاب کا نفسِ مضمون حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا تجدیدی کارنامہ ہے اِس موضوع پر فارسی میں کئی قابلِ قدر تصانیف موجود ہیں مثلاً حضرت امامِ ربانی علیہ الرحمہ کے نامور خلیفہ اور مکتوبات دفتر سوم کے مرتب، خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف برکات احمدیہ، جس کا تاریخی نام زبدۃ المقامات ہے۔ یہ حالات
۳۷ ھ ۱۰
مجدد کی نہایت مع، معتبر اور بنیادی کتاب ہے، آپ کے ایک اور نامور خلیفہ، مولانا بدرالدین سرہندی

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۱

رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرات القدس کے نام سے دو جلدوں میں ایک ضخیم تذکرہ لکھا۔ جو حضرت امامِ ربانی اور آپ کے مشائخ کے حالات و کمالات کا قابلِ قدر مجموعہ ہے۔

خاندانِ شیخ سرہندی ہی کے ایک چشم و چراغ، خواجہ ابو الفیض کمال الدین محمد احسان رحمۃ اللہ علیہ نے روضۃ القیومیہ کے نام سے چار ارکان پر مشتمل تذکرہ لکھا جس کے پہلے رکن میں حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کے صاحبزادوں اور خلفاء کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

مذکورہ تینوں کتابوں کی حیثیت اس سلسلے میں اساسی اور بطور ماخذ ہے۔ ان کے علاوہ اور کئی کتابیں آپ کے متعلق لکھی گئیں اور اردو میں بھی بہت کچھ لکھا گیا، جن میں سے تذکرہ امامِ ربانی، مرتبہ مولوی محمد منظور نعمانی دیوبندی اور حضرت مجدد الف ثانی مصنفہ مولوی زوار حسین شاہ صاحب آجکل عام دستیاب ہیں اور مؤخر الذکر کتاب اپنی ضخامت و جامعیت کے لحاظ سے اِس موضوع کی تمام اردو تصانیف میں سب سے قدآور ہے۔ حضرت مخدومی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ نے سیرت امامِ ربانی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو فی الحال طباعت کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ اِس موضوع پر اہلسنت و جماعت کی جانب سے کسی جامع کتاب کا نہ لکھا جانا اور ارشاداتِ مجدد مصنفہ میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ و مسلک امامِ ربانی مصنفہ مولانا سعید احمد نقشبندی مدظلہ جیسی نامکمل کتابیں لکھ کر اِس فریضے سے فارغ ہو جانے کا خیال ہی اِس کتاب کی وجہ تصنیف ہے۔

اِس کا نام تجلیاتِ امامِ ربانی تجویز کیا ہے اور احقر کی جانب سے یہ مقالا اس سلسلے کا حرف نقشِ اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو اس موضوع پر اور کئی مقالے پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ وما توفیقی الّا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مکتوباتِ امامِ ربانی یا آپ کی دیگر تصانیف کے حوالے اِس کتاب میں صرف اُن مقامات پر فارسی میں پیش کیے جائیں گے جہاں اُن کی اشد ضرورت ہو ورنہ اُن کا اُردو ترجمہ پیش کر دینا ہی کافی سمجھا جائے گا تاکہ کتاب کی ضخامت زیادہ نہ بڑھے اور

فارسی سے ناواقف حضرات پوری طرح استفادہ بھی کر سکیں۔ مخالفینِ اہلسنت نے آپ کے بعض نظریات اور تحریروں کو جو اپنے من مانے رنگ میں پیش کرنے کی آج تک کوششیں کی ہیں اُن کا بساط بھر جائزہ لیا گیا ہے اور حضرت امامِ ربانی قدس سرہ کی قلمی نگارشات کو حق و باطل کے درمیان حکم بنا کر مذہب اہلسنت و جماعت اور وہابیت کے درمیان آزاد اور بے لاگ محاکمے کا فریضہ ادا کیا ہے، جبکہ اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنے کی کسی مردِ میدان نے اس سے پہلے ہمت نہیں کی تھی۔ اہل علم کو اس میں جو خامیاں نظر آئیں اُن سے ازراہِ کرم احقر کو مطلع فرمائیں تاکہ اُن کی تلافی کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے توشۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

سگِ بارگاہ اکابر۔ محمد عبد الحکیم خان اختر
مجددی مظہری شاہجہانپوری
دار المصنفین لاہور

۱۵؍ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ
۲۷؍ نومبر ۱۹۷۷ء

باب اوّل

.com

حضرت مجدد اعظم

حضرت قطبِ ربانی غوثِ صمدانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، حقانیت کے بیباک علمبردار، شمعِ رسالت کے پروانے اور ملتِ اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہیں۔ مسلمانانِ پاک و ہند آپ کی گراں قدر اسلامی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے کیونکہ آپ کا تجدیدی کارنامہ پاک و ہند کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے، آپ اہلسنت و جماعت کے مایۂ ناز بزرگ اور ایسے رہنما ہیں جو اس الف ثانی میں روشنی کے مینار کا کام دیتے رہیں گے کیونکہ آپ کی تصانیفِ عالیہ اور خصوصاً مجموعۂ مکتوبات میں ہدایت کا پورا سامان موجود ہے۔

اس پُرفتن دور میں جبکہ فرقہ سازی اور اختلاف کا المناک شور ہے تو اس سرمایۂ ملت کے نگہبان کو حکم مان کر حق و باطل اور کھرے کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے مکتوبات کی روشنی میں تمام خانہ ساز اختلافات کو مٹایا اور جملہ مدعیانِ اسلام کو ایک مرکز پر لایا جا سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اسمِ گرامی احمد، لقب بدر الدین اور کنیت ابوالبرکات ہے۔ القاب قیومِ زماں، مجدد الف ثانی اور امامِ ربانی وغیرہ ہیں۔ آپ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں پیدا ہوئے سالِ پیدائش لفظ خاشع ۹۷۱ سے بھی نکلتا ہے۔ آپ مذہباً سُنی حنفی، مسلکاً نقشبندی، نسبتاً فاروقی اور مولداً سرہندی تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ستائیس ۲۷ واسطوں سے امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

۱۔ شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی چشتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۵ھ) سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا تھا۔ ۹۰۹ھ میں اُن کے صاحبزادے شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلۂ قادریہ اور چشتیہ

کا خرقۂ خلافت پایا۔ حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ (المتوفی سنہ ۹۸۱ھ) سے خصوصی تعلقات تھے شہزادہ دارا شکوہ کے استادِ محترم شیخ میرک شاہ آپ ہی کے شاگرد تھے۔ غرضیکہ آپ ظاہری و باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ شریعتِ مطہرہ کی پیروی آپ کی گویا فطرت ہو کر رہ گئی تھی سنہ ۱۰۰۰ھ میں وفات پائی تھی۔

۲۔ **شیخ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ:**۔ آپ شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ ظاہری و باطنی علوم سے مالا مال اور اپنے زمانے کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے تھے۔

۳۔ **شیخ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ:**۔ آپ شیخ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ علم و عمل میں یگانہ اور مخلوقِ خدا کو خالقِ برحق کے حضور رجوع کرانے کی عمر بھی کوشش کرتے رہے۔

۴۔ **شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ:**۔ آپ شیخ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ آپ ظاہری اور باطنی کمالات سے مالا مال تھے۔ سرہند شریف میں اپنے والدِ محترم کے بعد مسند نشین خلافت ہو گئے

۵۔ **شیخ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ:**۔ آپ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد ماجد کی جگہ مسند نشین ہوئے تھے۔ آپ کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔

۶۔ **شیخ امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ:**۔ آپ شیخ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ ظاہری و باطنی علوم کے جامع اور اپنے والدِ محترم کی مسندِ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے پیر و مرشد، جنہیں چودہ ۱۴ خانوادوں کی خلافت حاصل تھی یعنی سید جلال الدین بخاری المعروف حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۷۸۵ھ / سنہ ۱۳۸۴ء) سے بھی خلافت پائی اور شرفِ دامادی سے نوازے گئے۔ سرہند شریف کے بانی آپ ہیں۔ یہ جگہ پہلے شیروں کا مسکن تھی، اسی لئے سنہ ۷۶۰ھ میں یہاں شہر اور قلعہ کی بنیاد رکھی اور سہرند یعنی شیروں کی جگہ نام رکھا لیکن اس مقدس شہر کو ایک مدت سے سرہند کہا جاتا ہے اور اسی لئے احقر نے مناقب مجددِ اعظم لکھتے ہوئے یہ عرض کیا ہے۔

مسکن و مدفن بنا ہوتا نہ کیوں سرہند میں
اولیائے ہند کا تو سرور و سردار ہے

۷۔ **شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ باطنی استفادہ آپ نے اپنے والد محترم اور دیگر مشائخ چشتیہ سے کیا۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔

۸۔ **شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد محترم کی جگہ مسندِ خلافت کو زینت بخشی اور مخلوقِ خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔

۹۔ **شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد محترم کے مرید اور خلیفہ تھے اور ظاہری و باطنی علوم سے لوگوں کو مالا مال کرتے رہے۔

۱۰۔ **شیخ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد محترم کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپکے ظاہری و باطنی کمالات کی دُور دُور تک شہرت تھی۔

۱۱۔ **شیخ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد محترم کے علاوہ آپ نے شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۶۶۱ھ) سے بھی خلافت حاصل کی۔

۱۲۔ **شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ درویشی کا نمونہ اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔

۱۳۔ **شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے ماجد ہیں۔ والدِ محترم نے گوشہ نشینی اختیار کر کے سلطنت آپکے سپرد کر دی تھی۔ آپ نے اجسام کی حکمرانی کو خیرباد کہا اور درویشی اختیار کر کے دلوں پر حکمرانی شروع کر دی۔ اپنے والدِ محترم کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء) سے بھی فیض حاصل کیا اور خلافت سے نوازے گئے۔

۱۴۔ **شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ:۔** آپ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ آخری

عمر میں حکومت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد باطنی استفادہ اپنے والد محترم سے کیا تھا۔

۱۵۔ شیخ شہاب الدین المعروف بہ فرخ شاہ کابلی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کابل و غزنی کے حکمران تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان پر حملہ کر کے یہاں اسلام پہنچایا اور بت خانے توڑے۔ ازاں بعد ایران، توران، خراسان اور بدخشاں کو فتح کر کے شامل سلطنت کیا۔ صاحب باطن ہونے کے باعث آخری عمر میں نظام سلطنت اپنے فرزند اکبر شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ حضرت فرید الدین مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۶۴ھ) کے جد اعلیٰ بھی ہیں۔ آپ کا مزار کابل کے نزدیک درّہ فرخ شاہ میں ہے۔

۱۶۔ شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد غزنی کے حکمران ہوئے۔ کابل کو فتح کر لینے کے بعد اسی کو اپنا دار الخلافہ بنا لیا۔ ظاہری حکومت کے ساتھ باطنی دولت سے بھی مالا مال تھے۔

۱۷۔ شیخ محمود رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ خلیفۂ وقت نے آپ کو ایک لشکر کا سردار مقرر کر کے ترکستان کی مہم پر روانہ کیا تھا۔ علاقہ غزنی فتح کر لینے پر وہاں کی حکمرانی آپ کے سپرد کر دی۔ آپ بڑے جری، دلیر اور مدبر تھے۔ باطنی استعداد اپنے والدِ محترم سے حاصل کی تھی۔

۱۸۔ شیخ سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ محمود رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۵۰ھ) سے باطنی استفادہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔

۱۹۔ شیخ مسعود رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ آپ کا خاندان حجاز مقدس میں رہتا تھا۔ عباسی خلفاء نے عقیدت کے باعث آپ کو بغداد میں بلا لیا تھا۔ آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد باطنی استفادہ اپنے والد محترم سے کیا تھا۔

۲۰۔ شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ شیخ مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ ظاہری اور باطنی علوم میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ آپ کا لقب واعظ اصغر ہے۔ وعظ و نصیحت سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔

۲۱۔ شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ شیخ عبداللہ واعظ اصغر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ آپ کا لقب واعظ اکبر ہے۔ آپ علم حدیث و فقہ کے بحرِ بیکراں تھے اور باطنی استعداد سے مالا مال۔

۲۲۔ شیخ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ شیخ عبداللہ واعظ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ ظاہری و باطنی علوم کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔

۲۳۔ شیخ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ شیخ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں آپ تبع تابعین کے سرخیل اور ظاہری و باطنی علوم میں مرجع خاص و عام تھے۔

۲۴۔ شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ شیخ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔ صاحبِ روضۃ القیومیہ کی تحقیق کے مطابق آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ کمالات کے باعث آپ یگانۂ روزگار رہے۔

۲۵۔ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ آپ شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں آپ جلیل القدر تابعی اور مدینہ منورہ کے فقہاءِ سبعہ سے ہیں۔ اپنے جدامجد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقشِ ثانی تھے۔ بقول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ گھر اور باہر علم و عرفان کے دریا رواں تھے جن سے آپ دل کھول کر سیراب ہوئے۔ حج کے بعد ۱۰۶ھ میں آپ کا مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ ہشام بن عبدالملک نے نماز جنازہ پڑھائی۔

۲۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما:۔ آپ حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد ہیں۔ آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزندِ اکبر اور ام المو [illegible]

حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی برادر ہیں۔ آپ کا نکاح امام حسن رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تھا۔ آپ جملہ دینی علوم کا بحرِ بیکراں تھے۔ صحابہ و تابعین نے آپ کے بےشمار فضائل و مناقب بیان کیے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کی مرویات سب سے زیادہ یعنی ۲۶۳۰ ہیں۔ مکہ معظمہ کے اندر ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں وفات پائی حجاج بن یوسف نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

۲۷۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: آپ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اور خلیفۂ ثانی ہیں۔ آپ کے فضائل و کمالات حدِ شمار سے باہر ہیں۔ آپ اسلام کی عظمت کا نشان تھے۔ کتب صحاح میں آپ سے ۵۳۹ احادیث مروی ہیں۔ آپ کی خلافت دس سال چھ ماہ، چار دن رہی۔ بروز یکشنبہ یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو تریسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ حبیبِ پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی ولادت کے وقت مغل فرمانروا جلال الدین اکبر نے وحشت ناک خواب دیکھا تھا کہ شمالی جانب سے ایک تند و تیز ہوا آئی ہے جس نے بادشاہ کو اُس کے تاج و تخت سمیت اُٹھا کر زمین پر دے مارا ہے۔ بادشاہ اس خواب سے بہت پریشان تھا۔ معبّروں سے دریافت کیا تو اُنھوں نے یہ تعبیر بتائی کہ کسی بزرگ کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے جس سے آپ کا نظامِ سلطنت بالکل بدل جائے گا۔[1]

یہ بھی روضۃ القیومیہ میں ہے کہ زمانۂ رضاعت میں آپ علیل ہو گئے۔ والد ماجد دم کرانے کی غرض سے آپ کو لے کر شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موصوف نے دم

---

[1] روضۃ القیومیہ، ص ۵۴۔

گیا، دعائیں دیں، فراستِ مومنانہ سے دیکھ کر حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات بیان کیئے اور اس کے بعد فرطِ محبت سے اپنی زبانِ مبارک آپ کے مبارک دہن میں داخل کر دی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے آپ کی زبان مبارک کو اپنے منہ میں دبائے رکھا۔ اور خوب چوستے رہے، یہاں تک کہ حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑ گیا کہ بابس کرو، کچھ ہماری اولاد کے لئے بھی چھوڑ دو، تم تو ساری نسبت ہی کھینچنے لگے ہو۔ [1]

اسی روضۃ القیومیہ میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مختون پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے خصائل و اطوار عام بچوں سے مختلف اور بزرگی کے آثار بچپن سے نمایاں تھے۔ غرضیکہ اولوالعزم پیغمبروں کے نائب میں جن عادات و اطوار اور فضائل و کمالات کا ہونا ضروری ہے، اُن کی جھلک ہر چشمِ بینا کو صاف نظر آ رہی تھی۔

جب تحصیل علم کے لئے آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا تو تھوڑے ہی عرصے میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا۔ ابتدائی علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ علمی اور روحانی طور پر موصوف سے دل کھول کر کسبِ فیض کیا اور ظاہری و باطنی دولت سے خوب مالا مال ہوتے رہے۔ آپ نے معقولات کی چند انتہائی کتابیں مولانا کمال الدین کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، جن کے تلامذہ میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) جیسا نابغۂ عصر بھی تھا۔ آپ نے بعض کتب احادیث شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں جو قطبِ وقت شیخ حسین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور امام ابن حجر مکی (المتوفی ۹۷۳ھ) و امام عبدالرحمٰن بن فہد مکی رحمۃ اللہ علیہما کے علمِ حدیث میں شاگرد تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ کبرویہ میں بیعت کر کے یہ طریقہ بھی حاصل کیا تھا۔

---

[1] ایضاً: ص ۵۹

آپ نے تفسیر واحدی و دیگر مؤلفاتِ واحدی مثل بسیط و وسیط و اسبابِ نزول و تفسیر بیضاوی و دیگر مصنفاتِ بیضاوی مثل منہاج الوصول و غایۃ القصویٰ وغیرہ اور صحیح بخاری و دیگر مصنفاتِ امام بخاری مثل ثلاثیاتِ امام بخاری و ادب المفرد و افعال العباد و تاریخ وغیرہ اور مشکوٰۃ بتریزی و شمائل ترمذی و جامع صغیر سیوطی و قصیدہ بردہ شیخ سعید بوصیری کی تحصیل عالمِ ربانی شیخ بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ مذکورہ کتب اور حدیث مسلسل کی روایت و اجازت بھی موصوف سے حاصل کی، جنہیں ان کتابوں اور حدیث مذکورہ کی روایت و اجازت شیخ عبدالرحمٰن بن فہد مکی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ آبا و اجداد سے شیخ عبدالرحمٰن موصوف کا گھرانہ علمِ حدیث کا خزانہ بنا ہوا تھا۔ علمِ حدیث میں ان بزرگوں کا پایہ بہت بلند تھا۔ [51]

تذکرۂ علماء ہند میں مولوی رحمٰن علی مرحوم نے مذکورہ کتب اور حدیث مسلسل کی روایت و اجازت شیخ بہلول بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے شیخ عبدالرحمٰن بن فہد مکی رحمۃ اللہ علیہ سے لکھی ہے اور موصوف کو علمائے ہند میں شمار کیا ہے۔ اُن کے بیان کی وضاحت پروفیسر محمد ایوب قادری کے لفظوں میں پیشِ خدمت ہے۔

> "وہ بچپن میں حفظِ قرآن سے فراغت حاصل کر لی اور اس کے بعد علوم مروجہ کی طرف متوجہ ہوئے اوّل اپنے والد ماجد سے بعض علوم حاصل کیے۔ پھر سیالکوٹ گئے اور مولانا کمال الدین کشمیری نزیل سیالکوٹ سے نہایت محققانہ انداز میں علمِ معقول کی کتابیں پڑھیں اور علمِ حدیث مولانا محمد یعقوب کشمیری سے حاصل کیا۔ پھر مولانا عبدالرحمٰن کی خدمت میں حدیث مسلسل بواسطہ واحد اور دیگر مفردات کی اجازت حاصل کی۔ مولانا عبدالرحمٰن ہندوستان کے نامور محدث تھے۔" [52]

راقم الحروف کے نزدیک شیخ عبدالرحمٰن بن فہد کا علماء ہند سے ہونا محلِ نظر ہے۔ بلکہ وہ

---

[51] زبدۃ المقامات، مطبوعہ ترکی: ص ۱۲۸۔ [52] تذکرہ علماء ہند اردو: ص ۸۸۔

علمائے مکہ مکرمہ سے معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے متعلق تحریر فرمایا ہے:-

"حدیث مسلسل از شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد داشتہ کہ اُو و آبای اُو در آن بلاد معظمہ از کبار محدثین بودہ اند"[1]	حدیث مسلسل کی سند شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد سے حاصل کی تھی کہ وہ اور اُن کے آبا و اجداد اُن بلادِ معظمہ کے بڑے محدثین میں شمار ہوتے تھے۔

افسوس احقر کے پاس تذکرہ علماء ہند فارسی نہیں ہے ورنہ یہ اشکال دُور ہو جاتا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ مترجم سے سہو ہوا یا کتابت کی غلطی ہے، ورنہ ایسا نامور محدث اگر علمائے ہند سے ہوتا تو مولانا رحمٰن علی مرحوم اپنے اس تذکرہ میں ضرور اُن کا ذکر کرتے جبکہ تذکرہ علماء ہند میں اس نام کے صرف دو حضرات کا تذکرہ ہے یعنی مولوی عبدالرحمٰن لکھنوی (المتوفی ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) اور مولوی عبدالرحمٰن مجددی (۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) کا۔

سترہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کر کے آپ درس و تدریس میں مصروف ہو گئے تھے۔ جہاں ظاہری علوم کی تحصیل و تکمیل میں آپ کوشاں رہے وہاں باطنی استفادہ بھی برابر جاری رہا۔ مغل فرمانروا اکبر نے دہلی کے بجائے اکبر آباد (آگرہ) کو دارالخلافہ بنا لیا تھا، اس لیے کتنے ہی اہل علم وہاں جمع ہونے لگ گئے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اُن علماء کی شہرت سنی تو عازمِ اکبر آباد ہو گئے۔ یہ واقعہ غالباً ۹۹۳ھ کا ہے۔ جبکہ آپ عمرِ عزیز کی بائیس منزلیں طے کر چکے تھے۔ جب وہاں کے علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، علمی مذاکرے ہوئے تو آپ کے علمی تفوق کا برملا اعتراف ہونے لگا۔ اکابر علماء زمن نے مختلف علوم و فنون میں آپ سے سندیں حاصل کرنا باعث سعادت شمار کیا۔ غرضیکہ جو حضرات علم کے پہاڑ سمجھے جاتے تھے وہ بھی نو عمر مجددِ اعظم کی علمی استعداد کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے نظر آنے لگے تھے۔

---

[1] زبدۃ المقامات: ص ۱۲۸۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شہرت سن کر سرکاری و درباری علماء سے فیضی (المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ) اور ابوالفضل (المقتول سنہ ۱۰۱۱ھ) بھی گرویدہ ہو کر نیازمندانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ فیضی نے قرآن کریم کی بے نقاط تفسیر سواطع الالہام کے نام سے لکھنی شروع کی تھی لیکن اس میں ایک مقام پر ایسا الجھ کر رہ گیا تھا کہ علمائے اکبر آباد کی اعانت کے باوجود کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ جب اس نے صورت حال بتا کر حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ سے مدد چاہی تو آپ نے قلم برداشتہ اس عبارت کو مکمل کر دیا۔

حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۹۹۴ھ میں اثبات النبوۃ کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا کیونکہ ان دنوں بعض لوگ منصبِ نبوت کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلا رہے تھے۔ اسی طرح دشمنانِ صحابہ کی فتنہ سامانی کو روکنے کی غرض سے آپ نے سنہ ۱۰۰۲ھ میں ایک رسالہ ردِّ روافض تحریر فرمایا اور کلمہ طیبہ کے اسرار و رموز بیان کرتے ہوئے سنہ ۱۰۱۰ھ میں رسالہ تہلیلیہ تصنیف فرمایا۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھانیسر کے رئیس جناب شیخ سلطان سے خواب میں فرمایا کہ تمہاری صاحبزادی بہت نیک ہے، اس کا نکاح میرے نائب شیخ احمد سرہندی سے کر دو۔ اس میں تمہارے لیے بڑی سعادت ہے۔ اس ارشادِ گرامی کے تحت رئیس موصوف نے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا۔ غالب گمان ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۹۹۰ھ کا ہے۔ شادی کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہلیہ محترمہ کو لے کر واپس سرہند شریف چلے گئے۔ اس نکاح کے وقت آپ کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی جبکہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو آپ کی عمر بھی پچیس ۲۵ سال تھی۔ یہ اتباعِ سنت کا اہتمام کس جانب سے فرمایا گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے باطنی فیوض و کمالات اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے تھے۔ موصوف نے وہ خرقۂ خلافت جو سلسلۂ سہروردیہ کا اپنے آباؤ اجداد سے پایا تھا، آپ کو عطا فرمایا نیز وہ خرقۂ خلافت جو سلسلۂ چشتیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۴۵ھ) سے حاصل کیا تھا اور سلسلۂ قادریہ کا وہ خرقۂ خلافت جو شاہ کمال کیتھلی

رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۸۱ھ) سے پایا تھا، اپنے فرزندِ ارجمند شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت کر کے اپنا قائم و جانشین مقرر فرما دیا تھا۔

والد ماجد شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ۱۰۰۸ھ میں آپ حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہر کے لئے روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر بوقتِ قیامِ دہلی آپکے ایک دوست مولانا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ عالیہ نقشبندی کے ایک بزرگ، خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ کی بڑی توصیف کی اور بتایا کہ وہ نادرِ روزگار ہیں اور اِس قابل ہیں کہ اُن کی زیارت و صحبت کا شرف حاصل ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہمہ تن اشتیاق ہو کر حضرت خواجۂ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ وہ حرمین شریفین کی حاضری کا ارادہ لے کر گھر سے نکلے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے چند روز کے لئے آپ کو بطور مہمان ٹھہرایا اور اِس عرصے میں آپ پر ایسی توجہ فرمائی کہ آپ نے بیعت ہونے اور اخذِ طریقہ کی درخواست پیش کر دی۔ چنانچہ ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ میں آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کر لیا گیا اور صرف ڈھائی ماہ کی قلیل مدت میں وہ منازل طے کروا دئے جو عمر بھر کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے بھی نصیب نہیں ہوتے۔ اس کے بعد آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز کر کے طالبین و سالکین کی تربیت پر مامور فرما دیا۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۴ھ) فرماتے ہیں کہ اِس واقعہ سے پہلے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس کا تذکرہ اُنھوں نے خلافت سے نوازتے وقت یُوں فرمایا تھا۔

> "جب میں تمہارے شہر سرہند گیا تھا تو مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں قطبِ وقت کے پڑوس میں اُترا ہُوا ہوں۔ اور مجھے اُس قطب کا حلیہ بھی دکھایا گیا تھا۔ صبح ہوتے ہی میں شہر کے صوفیاء اور گوشہ نشین حضرات کی زیارت کے لئے نکل کھڑا ہُوا۔ ہر کسی کو دیکھا لیکن نہ کسی کا حلیہ وہ دیکھا اور نہ کسی کے قطب ہونے کے آثار و حالات

بھی نظر آئے۔ خیال آیا کہ اس قابلیت کا شخص سرہند میں پیدا ہونے والا ہوگا۔ جس روز آپ کو دیکھا تو پوری طرح اسی حلیہ کے مطابق پایا اور اس قابلیت کے آثار بھی آپ کے اندر نظر آ رہے تھے۔"[1]

مولانا رحمٰن علی مرحوم (المتوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) نے اسی سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے۔

"حجاز جانے کے ارادے سے دہلی پہنچے وہاں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ امکنگی سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے سلسلۂ نقشبندی میں بیعت کی۔ دو ۲ ماہ اور کچھ دن میں سلسلۂ نقشبندیہ میں ان کو نسبت حضوری حاصل ہو گی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے ایک مخلص سے فرمایا کہ سرہند کے ایک شخص شیخ احمد نامی نے جو کثیر العلم اور قوی العمل ہے، فقیر کے ساتھ کچھ دنوں نشست و برخاست رکھی ہے۔ اُس کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا آفتاب ہوگا کہ دنیا اُس سے روشن ہو جائے گی"[2]

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز معاصر یعنی خاتم المحققین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کی تصنیف اخبار الاخیار میں آپ کے مناصبِ جلیلہ و مناقبِ عالیہ یوں بیان فرمائے ہیں

"یہاں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور عرصہ تک اُن کی صحبت میں رہے لیکن صرف دو ماہ اور چند دنوں کی خدمت کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کی مکمل تعلیم و اجازت لی۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے کہ سرہند میں ایک بہت بڑے عالم و عامل ہیں جن کا نام شیخ احمد ہے۔ انھوں نے چند روز میرے پاس نشست و برخاست کی، جس میں میں نے اُن کے عجیب عجیب حالات دیکھے ہیں اور اُن کے اوقات و اعمال صالحہ کے پیش نظر

---

[1] زبدۃ المقامات: ص ۱۲۱

[2] تذکرہ علماء ہند اُردو، مطبوعہ کراچی، ص ۹۸

یقین ہے کہ عنقریب وہ ایسا روشن آفتاب ہو کر چمکیں گے کہ جس سے ساری دنیا جگمگا جائے گی۔ نیز خواجہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں جن کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں تارے چھپے ہوئے ہیں۔”[1]

اسی سلسلے میں آپ کے متعلق یہ صراحت بھی موجود ہے۔

“غرضیکہ خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب و فضائل بکثرت تحریر فرمائے ہیں، جن میں سے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ دہلی آنے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی عالمگیر شہرت ہو گئی اور آپ کے آستانہ پر صاحبان علم و کمال کا مجمع رہنے لگا۔ مشائخ زمانہ آپ کے معتقد اور اکابرینِ وقت آپ سے عاجزانہ طور پر ملتے تھے۔ آپ کی وجہ سے تانبا سونا بنا اور ذرے آفتاب کہلائے۔ آپ کی بابرکت ذات اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اُس کی خاص نعمت تھی۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے درمیان ایک ہزار سال سے جو نزاع و تکرار تھی وہ آپ نے صاف کرائی اور احادیث کے موافق ان دونوں کو ملا دیا۔ جیسا کہ مشہور کتاب حضرات القدس میں ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ میری اُمت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے لوگ صلہ کہیں گے اور اُس کی سفارش سے اِتنے اتنے اشخاص جنت میں جائیں گے۔” اور یہ اشارہ آپ ہی کی طرف ہے کیونکہ آپ ہی نے علماء و صوفیہ کا باہمی تنازعہ ختم کرایا اور آپ ہی نے مسئلہ وحدت الوجود کی جانب دونوں کو ایک راہ پر لگایا، چنانچہ اس تحریر کے بعد آپ نے خود تحریر کیا ہے “اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے بحرین کے درمیان مجھے صلہ بنایا ہے”۔ آپ لوگوں کے

---

[1] اخبار الاخیار اردو، مطبوعہ کراچی: ص ۶۲۹-

اندرونی اور قلبی حالات سے واقفیت رکھتے، پوشیدہ بھید بتاتے، اِس عالمِ تکوینی میں تصرف دکھاتے۔ غرضیکہ آپکے خوارقِ عادات جو کتابوں میں تحریر ہیں۔ وہ سات سو سے زیادہ ہیں اور اِن تحریر شدہ کے ماسولی اور بھی بہت کرامتیں ہیں[1]

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے اور آپ کی توجہات کے باعث حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جوہر چمک اُٹھے۔ دو ماہ چند روز کی توجہ اور صحبت کے باعث کشتیٔ اُمید ساحلِ مراد پر جا لگی اور وہ منصبِ جلیل آپ کو حاصل ہو گیا جو قسّامِ ازل نے آپ کے لئے مقرر فرمایا ہوا تھا۔ گویا:۔

ع جِلا کندن نے پائی یہ زرِ خالص دمک آٹھا

بیعت کے بعد کے اہم واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ ۱۰۱۰ھ میں آپکے چوتھے فرزند خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی اور دوسری جانب خواجۂ خواجگان، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر یکم ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو خواجہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ عرف خواجہ کلاں کی اور رجب ۱۰۱۰ھ میں خواجہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ عرف خواجہ خورد کی ولادت ہوئی، جو حضرت خواجہ خواجگان کے جملہ متعلقین کے لئے انتہائی مسرت و شادمانی کا موقع تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرزادگان کا بیحد احترام کرتے اور اپنی اولاد کی طرح اُن کی رہنمائی و خیرخواہی میں ہمیشہ کوشاں رہتے، جس پر آپکے مکتوبات شاہد ہیں۔

صاحبِ روضۃ القیومیہ کی تصریح کے مطابق حضرت امام ربانی قدس سرہٗ پر خلعتِ تجدیدِ الف ثانی کا نزول ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰۱۱ھ ہے۔ یہ خلعت کشفی حالات ہیں یہ تاریخ سہواً کتابت کی غلطی ہے اور درست تاریخ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۰۱۱ھ ہے۔ یہ خلعت کشفی حالت میں فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو خود اپنے دستِ مبارک سے پہنائی تھی۔ یہ عظیم الشان

---

[1] اخبار الاخیار اُردو:۔ ص ۶۳۰

واقعہ جمعۃ المبارک کو پیش آیا تھا۔ اسی طرح ۲۷؍ رمضان ۱۰۱۱ھ روز افروز دوشنبہ مبارک کو آپ پر خلعتِ قیومیت کا نزول ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۰۹ھ میں دوسری مرتبہ اور ۱۰۱۲ھ میں تیسری مرتبہ دہلی کا سفر کیا اور خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کیے۔ ۱۰۱۲ھ ہی میں آپ اپنے مرشدِ گرامی کے حکم سے لاہور تشریف لائے کہ یہاں بھی دینِ متین کی تبلیغ فرمائی جائے۔ لاہور میں علماء و مشائخ نے آپ کے ورودِ مسعود کا زبردست خیر مقدم کیا۔ اسی قیامِ لاہور کے دوران آپ کو یہ روح فرسا خبر پہنچی کہ ۲۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ کو مرشدِ گرامی خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا دہلی میں وصال ہو گیا ہے۔ آپ تڑپ اُٹھے اور اضطراری حالت میں عازمِ دہلی ہو گئے۔ مخدوم زادوں اور حاضرینِ بارگاہ کی تعزیت فرمائی۔ مرشدِ گرامی قدر کے ارشاد و وصیت اور برادرانِ طریقت کے اصرار پر حضرت خواجہ کی جگہ آپ کو تربیت و ارشاد کی محفل گرم رکھنی پڑی۔

اِسی سال غوثِ اعظم سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا خرقہ مقدسہ حضرت شاہ سکندر قادری کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۲۳ھ) کی معرفت آپ کو پہنچا۔ شہنشاہِ بغداد، غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خرقہ اپنے لائق فرزند، حضرت شیخ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۲ھ) کو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس اُمت میں ایک بزرگ کو خلعتِ تجدید و قیومیت سے نوازا جائے گا، جو دین کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا، ہمارا یہ خرقہ اُس مردِ حق آگاہ تک پہنچایا جائے۔ اُن دنوں یہ خرقہ شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کی تحویل میں تھا۔ موصوف کو اُن کے جدِ امجد شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے دو تین مرتبہ خواب میں حکم دیا کہ حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہٗ (المتوفی ۵۶۱ھ) کا یہ مبارک خرقہ شیخ احمد سرہندی کو پہنچا دو۔ چنانچہ آپ نے سرہند شریف حاضر ہو کر اپنے جدِ امجد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کی تعمیل فرمائی۔

۱۰۱۳ھ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشدِ گرامی قدر کے عرس میں

شرکت فرمائی اور اسی سال دہلی میں خان خاناں اور شیخ فرید یعنی مرتضیٰ خاں بخاری نے آپ سے تجدیدِ بیعت کی جو قبل ازیں خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ ارادت رکھتے تھے۔ اکبر بادشاہ کی بے راہ روی اور اسلام دشمنی اپنے نقطۂ عروج کو چھو رہی تھی۔ یہ صورتِ حال اسلام کے ہر بہی خواہ کو تڑپانے اور خون کے آنسو رلانے والی تھی۔ فاروقی مجدد کی رگوں کا خون کھول رہا تھا۔ اور صورتِ سیماب مضطرب تھے۔ اس نازک مرحلے پر آپ نے بادشاہ کے مقربین اور اپنے مریدین و معتقدین یعنی خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں اور شیخ فرید وغیرہم کے ذریعے بادشاہ کو راہِ راست پر لانے کا فریضہ ادا کیا۔ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا بادشاہ پر یہ اثر ہوا کہ اس کی خاتمہ کس حال پر ہوا؟ اِس سلسلے میں مختلف خیالات پیش کیے جاتے ہیں جبکہ تاریخ ٹھوس شہادت دینے سے خاموش ہے۔ اکبر نے ۱۰ رجمادی الاخری سنہ ۱۰۱۴ھ اکبر نے ۱۰ رجمادی کو آگرے میں وفات پائی۔

سنہ ۱۰۱۵ھ میں دور دراز ممالک کے متعدد علما و مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ آپ نے شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے سرفراز کر کے تبلیغِ دینِ متین کی خاطر اُن کے وطن بھیج دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں خراسان، بدخشان اور توران کے ہزاروں افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ شیخ حسن اور شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہما کو بھی خلافت عطا فرمائی۔ مولانا صالح کولابی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت دے کر طالقان میں تبلیغ کرنے کے لئے روزانہ فرمایا اور مولانا قاسم علی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے نواز کر ماوراء النہر بھیجا۔

سنہ ۱۰۱۶ھ میں شیخ طاہر بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے نواز گیا۔ سنہ ۱۰۱۸ھ میں آپ نے خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے نواز کر علاقۂ دکن کی تبلیغ پر مامور فرمایا۔ سنہ ۱۰۱۹ھ میں خواجہ محمد اشرف کابلی اور شیخ میرک رحمۃ اللہ علیہما آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ مؤخر الذکر شہزادہ دارا شکوہ کے استاد بھی تھے۔ اسی سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں رسالہ مبدا و معاد مکمل ہوا۔ سنہ ۱۰۲۰ھ میں خواجہ عبدالرحمٰن بدخشی اور شیخ بلخی رحمۃ اللہ علیہما جیسے مشائخ بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ سنہ ۱۰۲۱ھ میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزندِ اکبر

یعنی خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ غیاث الدین کی بیٹی مہرالنسا کا شوہر قتل ہو گیا تھا۔ اس واقعے کے تقریباً چار سال بعد وہ شاہی حرم میں آئی۔ وہ حسین و جمیل عورت تھی اور جہانگیر اُس پر جان و دل سے فریفتہ تھا۔ اُس نے پہلے نور محل اور پھر نور جہاں لقب اختیار کیا۔ نور جہاں نے اپنے اعزا کو مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز کر دیا اور شیعہ ہونے کے باعث اب شاہی دربار میں روافض کا دخل شروع ہو گیا، جو شاہی خاندان کی آپس میں جنگ و جدل کا سبب بنتا رہا۔

۱۰۲۲ھ میں سرتاج العلماء اور صاحبِ تصانیفِ کثیرہ یعنی علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اسی سال اکبر آباد کے ایک بزرگ شیخ حمید رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت و خلافت سے نواز کر بنگال میں تبلیغِ دین پر مامور فرمایا۔ موصوف نے وہاں خوب شہرت حاصل کی اور دیار و امصار میں مشہور ہوئے۔ اسی سال بہت سارے جنات نے اپنے بادشاہ سمیت آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ۱۰۲۹ھ میں مکتوباتِ امام ربانی کی پہلی جلد مکمل ہوئی اور ملک ایران، توران اور بدخشان میں اُس کی نقول بھیجی گئیں۔ سرہند شریف میں اسی سال طاعون کی وبا پھوٹی تھی، جس میں ہزاروں بندگانِ خدا لقمۂ اجل ہو گئے تھے۔ حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر یعنی خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کا اسی مرض طاعون سے ۹ ربیع الاوّل ۱۰۲۵ھ کو وصال ہوا تھا۔ ان کے علاوہ قبل ازیں اسی مرض میں مبتلا ہو کر آپ کے دو صاحبزادے شیخ محمد عیسیٰ اور شیخ محمد فرخ نیز ایک صاحبزادی اُم کلثوم رحمۃ اللہ علیہم کا انتقال ہو گیا تھا۔

۱۰۲۶ھ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر ممالک میں مختلف تبلیغی وفود بھیجے۔ چنانچہ آپ نے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں ستر آدمی ترکستان بھیجے۔ مولانا فرخ حسین رحمۃ اللہ علیہ کی ماتحتی میں چالیس حضرات کو عرب، یمن، شام اور روم بھیجا گیا۔ مولانا محمد صادق کابلی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں دس آدمی کاشغر بھیجے گئے اور شیخ احمد برکی

رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے تیس خلفاء کو توران، بدخشاں اور خراسان میں تبلیغ کرنے دینِ متین غرض سے روانہ کیا گیا۔ ۱۰۲۶ھ میں اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو شاہی لشکر میں تبلیغ کرنے کی غرض سے روانہ کیا، جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ لیکن اس صورتِ حال کا شیعہ وزیرِ اعظم یعنی آصف الدولہ کو علم ہوا تو وہ جھنجلا اٹھا اور خوب خوب جہانگیر کے کان بھرے کہ یہ شخص چپکے طور پر بغاوت کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اندرونِ ملک اور فوج کے اندر ہی نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی تبلیغی وفود بھیج کر اپنا حلقہ بہت وسیع کر لیا ہے۔ غرضیکہ جہانگیر کو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے خلاف بھڑکانے میں اس نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس کے کہنے پر جہانگیر نے آپ کے مرید گورنروں کے تبادلے دور دراز صوبوں میں کر دیئے، چنانچہ خانِ خاناں کو دکن، خان جہاں لودھی کو مالوہ، خانِ اعظم کو گجرات اور مہابت خاں کو کابل کا گورنر بنا دیا۔

قلعہ گوالیار میں نظر بندی: ۱۰۲۸ھ میں وزیرِ اعظم کی تیار کردہ سازش کے تحت بادشاہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اشتیاقِ زیارت کے بہانے شاہی دربار میں طلب کیا۔ آپ پانچ مریدوں کو ساتھ لے کر حاضرِ دربار ہوئے۔ درباری معمول کے خلاف نہ بادشاہ کو سجدہ کیا نہ آپ دوسرے خلافِ شرع آداب بجا لائے۔ اِس موقع پر وزیرِ اعظم نے آپ کے خلاف بادشاہ کو بھڑکانے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیکن سرکاری علماء بھی آپ کے کسی فعل کو خلافِ شرع اور قابلِ گرفت ثابت کرنے سے عاجز رہے۔ جہانگیر جو آپ کو سجدے کا حکم دے چکا تھا اور اس پر بخوبی واضح ہو گیا تھا کہ یہ فاروقی مجدد گردن تو کٹوا سکتا ہے لیکن مخلوق کے سامنے کسی قیمت پر سر نہیں جھکا سکتا، اس نے اپنی خفت مٹانے اور اپنی مغرور رگِ شاہی کو تسکین دینے کی خاطر آپ کو نظر بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ جمادی الاخریٰ ۱۰۲۸ھ مطابق مئی ۱۶۱۹ء کو حق و صداقت کا یہ بیباک نقیب اور دینِ برحق کا علمبردار گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ آپ نے قید و بند کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ سننے والوں نے سنا ہوگا کہ قلعۂ گوالیار کے در و دیوار اس فاروقی مجدد کی بارگاہ میں یوں عرض گزار تھے۔

؎ تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

گوالیار کے قلعے میں ہزاروں ہندو مقید تھے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ سے وہ مشرف باسلام ہوئے اور سینکڑوں اُن میں سے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ اسی سال مکتوباتِ امامِ ربانی کا دفتر دوم مکمل ہوا اور آپ کے خلیفہ شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر بندی کا علم جب اُن ارکینِ سلطنت اور گورنروں کو ہوا جو آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے تو وہ بھڑک اُٹھے اور بادشاہ کے خلاف فیصلہ کُن جنگ کرنے کی خاطر اُن کے درمیان خط و کتابت شروع ہو گئی۔ آخر کار طے پایا کہ مہابت خاں حاکمِ کابل بغاوت کریں اور دیگر حکام فوج اور خزانے سے اُن کی مدد کریں گے۔ دیگر ملحقہ مسلم ممالک کے بادشاہوں نے بھی مدد کی اور مہابت خاں ایک لشکرِ جرار لے کر کابل سے آگرے کی جانب روانہ ہو گیا۔ مولانا محمد داؤد امرتسری بن مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیق کے مطابق اثنائے راہ میں مہابت خاں کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوبِ گرامی ملا کہ آپ حضرات بادشاہ کے خلاف مطلقاً کسی قسم کی حرکت نہ کریں اور رضائے الٰہی پر راضی رہیں۔ چنانچہ مہابت خاں واپس چلا گیا۔

صاحب روضۃ القیومیہ کے نزدیک مذکورہ واقعہ یوں ہے کہ جب مہابت خاں کی بغاوت اور لشکر کشی کا جہانگیر کو علم ہوا تو اُسے بھی فوج لے کر نکلنا پڑا۔ دریائے جہلم کے قریب دونوں فوجوں کا رن پڑا۔ چونکہ اس تصادم کی اصل وجہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر بندی تھی اور جہانگیر کی فوج میں آپ کے بکثرت مرید تھے، اس لیے شاہی لشکر نے مقابلے میں کوئی سرگرمی نہ دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہانگیر کو ایک عجیب جنگی چال کے ذریعے گرفتار کر لیا گیا۔ وزیر اعظم اور جہانگیر نے مہابت خاں سے معافی مانگی اور مجدد صاحب کو رہا کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس مرحلے پر بعض اُمرا حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو تاج و تخت کا مالک بنانا چاہتے تھے لیکن بادشاہ بنانا تو

دُور کی بات ہے آپ نے قید سے رہا ہونا بھی پسند نہ فرمایا بلکہ مہابت خاں کے لیے پیغام بھیجا۔ کہ فتنہ دفع کرو اور بادشاہ کے اطاعت گزار رہو۔ جب مہابت خاں نے جہانگیر کو اُس مردِ حق آگاہ کا پیغام سُنایا تو اُس کی آنکھوں کے آگے سے اندھیرا دُور ہونے لگا۔ سرہندی مردِ قلندر کی عظمت اُس کے دل کی گہرائیوں میں سمانے لگی۔ کدورت کے گھٹا ٹوپ بادل چھٹنے لگے اور دل کی دنیا میں عقیدت کا سیلاب آگیا۔ بادشاہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے ساتھ امامِ زمانہ کو رہا کرنے کا وعدہ کیا تو مہابت خاں نے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ بادشاہ نے وفورِ جذبات سے مجبور ہو کر شوقِ زیارت میں حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف آوری کی دعوت دی۔ آپ نے چند شرائط پیش کیں، جنہیں بادشاہ نے منظور کر لیا۔ چشمِ جہاں میں سے ذرا کوئی اُن شرائط پر غور تو کرے، جو یہ ہیں۔

۱۔ سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے۔

۲۔ گاؤکشی کی آزادی ہو۔ سرِ بازار گائے کا گوشت بیچنے پر کوئی مانع نہ ہو۔

۳۔ بادشاہ اور اراکینِ سلطنت دربارِ عام کے دروازے پر ایک ایک گائے اپنے ہاتھ سے ذبح کریں اور اُن کا بُھنا ہُوا گوشت سب مل کر سرِ دربار کھائیں۔

۴۔ ملک میں جتنی مسجدیں شہید کی گئی ہیں اُنھیں دوبارہ تعمیر کروایا جائے۔

۵۔ دربارِ عام کے قریب ایک مسجد تعمیر کی جائے، جس میں بادشاہ اور ارکانِ دولت نماز ادا کیا کریں۔ (چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں مطلوبہ مسجد تیار ہوئی اور بادشاہ نے اراکین سلطنت کے ساتھ آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی)۔

۶۔ ہر شہر اور قصبے میں دینی تعلیم و تدریس کے مدارس قائم کیے جائیں۔

۷۔ ہر شہر میں محتسب، مفتی اور قاضی مقرر کیے جائیں۔

۸۔ کفار پہ جزیہ لگایا جائے۔

۹۔ جتنے خلافِ شرع قوانین رائج ہیں اُنھیں یک قلم موقوف و منسوخ کیا جائے۔

۱۰۔ جاہلیت کی تمام رسمیں شادی جائیں۔ (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

سب نے دیکھا تیرے قدموں میں جہانگیری جھکی
اللہ اللہ، کس قدر اونچا تیرا دربار ہے

رہائی کے بارے میں مولانا محمد داؤد امرتسری نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعے میں بادشاہ نظر بند کرنے کے بعد جہانگیر ایسا بیمار ہوا کہ علاج معالجے کی کوئی تدبیر کارگر ثابت ہوتی نظر نہ آئی۔ اسی اثنا میں بادشاہ نے ایک شب بوقتِ خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ بادشاہ سے فرما رہے ہیں۔ جہانگیر نے بیدار ہوتے ہی رہائی کا فرمان جاری کر دیا۔ ساتھ ہی ایک عرضداشت بھیجی، جس میں معافی طلب کی اور شوقِ زیارت ظاہر کیا۔ قید سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے اس واقعہ کو مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی نے یوں بیان کیا ہے۔

> ”قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا، خواب کیا قسمت جاگ اٹھی، دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے فرما رہے ہیں، کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔ اِس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی۔“ [سلہ]

غرض مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حق و صداقت کے بیباک نقیب ملتِ اسلامیہ کی کشتی کے ناخدا اور سرمایۂ ملت کے نگہبان کو رہا کر دیا گیا۔ آپ کتنا عرصہ گوالیار کے قلعے میں رہے؟ راقم الحروف کو اپنی علمی بے مائیگی کے باعث یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ قابلِ یقین تاریخی شہادتیں نہ ملنے کے باعث میں اس بارے میں کوئی حتمی رائے پیش کرنے سے قاصر ہوں اور اس کا تعین

[سلہ] تذکرہ امام ربانی - ص ۲۵۶

اُن حضرات پر چھوڑتا ہوں جن کے سامنے ایسی تاریخی شہادتیں موجود ہوں ——— بہرحال جہانگیر نے آپ کی رہائی کا حکم کم و بیش ایک سال بعد جاری کر دیا اور آپ کو اختیار دیا کہ شاہی لشکر میں رہیں یا جہاں چاہیں۔ آپ نے کچھ عرصہ شاہی لشکر میں رہنا پسند فرمایا کیونکہ ایک وہ وقت تھا کہ آپ نے شاہی سپاہ میں تبلیغ و اشاعتِ دین پر اپنے خلیفہ بدیع الدین سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر فرمایا تھا، اب فوج میں خود تبلیغ کرنے اور براہِ راست بادشاہ کو راہِ ہدایت دکھانے کا موقع غنیمت سمجھا۔ دربار میں آنا جانا اور خلوت و جلوت میں بادشاہ سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ جہانگیر کے دماغ میں جو شاہی غرور اور ملکہ نور جہاں کے رفض کا فتور تھا۔ وہ آپ کی صحبت سے آہستہ آہستہ کافور ہوتا چلا گیا۔ جھکنے پر مجبور کرنے والا اب خود جھکنے پر مجبور ہے یعنی:۔

؎ تھی اِدھر تیری فقیری اور جہانگیری اُدھر
جو جھکانا چاہتا تھا جھک گیا سو بار سے

——— جہانگیر چونکہ اپنے شاہی دبدبے کے پیشِ نظر حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے معاندانہ سلوک کرتا اور آپ کی شان میں متعدد گستاخیاں کر بیٹھا تھا، اُن کے پیشِ نظر اب اُسے شرمسار ہونا پڑتا تھا۔ چونکہ اب وہ آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو چکا تھا، اس لئے اپنی مغفرت کے لئے بار ہا التجا پیش کیا کرتا۔ روضۃ القیومیہ کی شہادت ہے کہ ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر آپ نے جہانگیر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اُس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک تمہیں ساتھ نہ لے لوں۔

شہزادہ خرم جو شاہجہان کے لقب سے بعد میں تخت نشین ہوا، آپ کا انتہائی عقیدت مند تھا اور حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اسیری کے ایام میں کئی مرتبہ اپنے والد سے حضرت کے متعلق بطریقِ احسن جھگڑ چکا تھا۔ شہزادہ خرم جو شاہجہان کے آصف الدولہ کا داماد تھا اور جہانگیر کے بعد تاج و تخت کا حقدار، لیکن شہریار ملکہ نور جہاں کا داماد تھا اور وہ بادشاہ

کے دماغ پر سوار تھی۔ انتظامِ سلطنت کی لیاقت و قابلیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو شہزادہ خرم کے مقابلے میں شہزادہ شہریار طفلِ مکتب تھا اور ارکینِ سلطنت میں سے کوئی اُس کو ولیعہد بنانے کی حمایت نہیں کر سکتا تھا لیکن نورجہاں نے اِن تمام اُمور کو بالائے طاق رکھ کر ۱۰۲۹ھ میں شہریار کی ولیعہدی کا فتنہ کھڑا کر دیا اور پورے ملک کے امن و امان کو داؤ پر لگا دیا۔

شہزادہ خرم کو اس ستم ظریفی پر بڑا صدمہ ہوا اور مجبوراً اپنے باپ کے خلاف صف آرا ہو گیا۔ جہانگیر کے بالمقابل شہزادے کا لشکر عظیم تھا اور شاہی فوج میں بھی شہزادے کو حق پر سمجھنے والوں کی کمی نہ تھی۔ جب رن پڑا تو شہزادے کا پلہ بھاری تھا اور شاہی فوجوں کی شکست یقینی نظر آ رہی تھی۔ بادشاہ اس صورتِ حال سے گھبرا گیا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتح و ظفر کی دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے جہانگیر کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔

روضۃ القیومیہ کی شہادت ہے کہ شکست کے بعد شہزادہ خرم بحالت روپوشی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدد کی درخواست کی۔ آپ نے تسلی دی اور فرمایا کہ مجھے بارگاہِ خداوندی سے یہ القا ہوا ہے کہ جہانگیر کے بعد شاہجہان کے لقب سے تم تاج و تخت کے مالک ہو گے اور ایک عرصے تک سلطنت تمہاری نسل میں رہے گی۔ شہزادہ بہت خوش ہوا اور ایک آپ کی دستار مبارک بطور تبرک لے گیا جو مدتوں شاہانِ مغلیہ کے پاس رہی۔

جہانگیر چونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدت مند ہو گیا تھا۔ شاہی لشکر میں آپ کی موجودگی کے باعث قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور آپ کا حقیقی رنگ روپ نظر آیا تو عقیدت کا رشتہ انتہائی پختہ ہو چکا تھا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے بھی اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھایا اور بادشاہ کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی پوری کوشش کی۔ جہانگیر چونکہ آپ پر ہزار جان سے نثار ہو چکا تھا اس لیے سفر و حضر میں آپ کو اپنے ساتھ رکھتا اور جدائی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔

سنہ ۱۰۳۰ھ میں جب بادشاہ عازمِ لاہور ہوا تو آپ کا بھی لاہور میں ورودِ مسعود ہوا اور اپنے قدومِ میمنت لازم سے آپ نے اس شہر کو بھی نوازا۔ یہاں آپ نے لاہور کی قطبیت شیخ طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمائی۔ لاہور سے بادشاہ کی معیت میں سرہند شریف واپسی ہوئی۔ سرہند میں شاہی خیمے نصب ہوئے تو آپ نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی اور جتنے دن بادشاہ کا اس قصبے میں قیام رہا تو اصرار کر کے حضرت کی خانقاہ کا کھانا ہی کھاتا رہا۔ بادشاہ کہا کرتا تھا کہ ایسا لذیذ کھانا میں نے زندگی میں کبھی نہیں کھایا۔ یہ اُس مردِ حق آگاہ کی کرامت تھی ورنہ ایک درویش کے گھر میں لذیذ کھانے کہاں؟ یہاں سے بادشاہ عازمِ دہلی ہوا اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کو بھی اپنے ہمراہ رکھا۔ وہاں سے بنارس اور پھر اجمیر شریف جانا ہوا۔ یہاں کافی عرصہ قیام رہا۔

سنہ ۱۰۳۱ھ میں خاتم المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) نے اپنے صاحبزادے مولانا نور الحق رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت آپ سے چند باطنی اسرار پوچھے۔ آپ نے جو جوابی مکتوب لکھا وہ دفتر سوم کا مکتوب نمبر ۱۰۰ ہے۔ حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مذکورہ مکتوب کے آئینے میں آپ کے عرفان کو دیکھا تو بک گئے اور عقیدت مندانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہی دنوں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ، شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی جانب ایک مکتوب لکھا جس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید و قبولیت کا اعتراف کیا ہے۔

اِسی سال قیامِ اجمیر کے وقت شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہوئے اور چند ماہ بعد سرہند شریف میں خلافت سے نوازے گئے۔ اِسی قیامِ اجمیر کے دوران خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حکم سے مکتوبات شریف کا تیسرا دفتر مرتب فرمایا۔ اِس دفتر کا سالِ تدوین لفظ ثالث (۱۰۳۱ھ) اور معرفت الحقائق (۱۰۳۱ھ) سے ظاہر ہے۔ اِسی قیامِ اجمیر کے دوران آپ نے اپنے دو فرزندوں یعنی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۷۹ھ) اور خواجہ محمد سعید (المتوفی ۱۰۷۰ھ) رحمۃ اللہ علیہما کو اجمیر شریف طلب کیا اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ

اللہ علیہ کو نسبتِ خاصہ اور خلعتِ قیومیت سے سرفراز کر کے اپنا جانشین مقرر فرمایا اور محبوبیت ذاتی بھی عطا فرمائی جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور آپ کے فرزندوں کے سوا بارگاہِ رسالت سے کسی ولی کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے حضور مسندِ ارشاد پر بٹھایا اور تمام مریدین و خلفاء کو حکم دیا کہ ان سے بیعت کریں۔ اس کے بعد اگر کوئی مرید ہونے آتا تو آپ اسے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیتے اور خود کسی کو مرید نہ کرتے۔ غرضیکہ خانقاہ کے تمام معاملات اُن کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

وصال سے تقریباً ایک سال پہلے آپ نے بادشاہ سے بڑی کوشش کے ساتھ رخصت حاصل کی اور سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۲ھ) کے دربار میں حاضری کی غرض سے حسبِ معمول تشریف لے گئے۔ یہ ۱۰۳۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس مرتبہ آپ حضرت خواجہ کی آرامگاہ کے قریب کافی دیر مراقب رہے اور رخصت کے وقت آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ نے شایانِ شان حقِ مہمانی ادا فرمایا ہے۔ انھوں نے کیا دیا اور انہوں نے کیا لیا؟ یہ لینے والا جانے یا دینے والا۔ یہاں سے آپ عازمِ سرہند ہوئے۔ اہلِ سرہند نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ اُن کی مسرت و شادمانی کو بیان کرنے سے الفاظ کا میدان ناکافی ہے۔ قیامِ سرہند نے آپ کا دوران آپ نے مخلوقِ خدا سے انقطاعِ کُلی اختیار فرما لیا تھا اور صاحبزادوں نیز دو تین خادموں کے سوا کسی کو آپ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ تھی۔ مخلوق سے منقطع ہو کر ایک سال کے لگ بھگ آپ خالقِ برحق کی یاد میں مشغول رہے۔ کارِ تجدید سے فارغ ہونے اور اس کی کما حقہ بجا آوری کے بعد آپ نے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ٥ والی سنت پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

خلوت کے ایام میں ایک روز خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی، حضور! دکن میں آجکل امن و امان کی صورت مخدوش ہے۔ اجازت ہو تو اہل و عیال کو وہاں سے لے آؤں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ عرض گذار ہوئے۔ حضور! دعا فرمائیں کہ واپسی پر حاضرِ آستانہ ہو کر قدم بوسی

کا شرف نصیب ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ دعا تو کرتا ہوں۔ لیکن اب ملاقات اگلے ہی جہان میں ہو گی۔

سنہ ۱۰۳۳ھ کی شبِ برات کو اہلیہ محترمہ کی زبان سے نکل گیا کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آج کس کس کے نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جائیں گے اور کن کے باقی رکھے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا، تم تو شکوک و شبہات کی بات کر رہی ہو لیکن اُس شخص کا حال کیا ہو گا جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اُس کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ جب کرنوں کی تابانی اور اُن کے علم و عرفان کا یہ عالم ہے تو رسالت کے مہرِ درخشاں کی ضیا باریوں کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے۔ سخت حیرت ہے اُن زبان درازوں کی جرأت پر جو انبیائے کرام کے متعلق بھی لکھ دیتے ہیں کہ اُنھیں بھی اپنے خاتمے کا پتہ نہیں ہوتا اور ایسے خلافِ اسلام نظریات کو ایمان کی تقویت کا باعث شمار کرتے ہیں، حالانکہ ایسے خیالات سے تو ایمان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

سنہ ۱۰۳۳ھ میں آپ نے بعد نمازِ عید الاضحیٰ مختصر سی تقریر فرمائی اور مجمعِ عوام میں جو آپ کہنا چاہتے تھے وہ کہا۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

> "لوگو! میں نے تمہیں پہلے ہی اطلاع دے دی ہے کہ میں عنقریب دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں، آثار مجھے بتا رہے ہیں کہ میری عمر بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق تریسٹھ سال ہو گی۔ اب تریسٹھواں سال شروع ہو چکا ہے لہٰذا میں عنقریب تم لوگوں سے جُدا ہو جاؤں گا اور اپنے مولیٰ کا دیدار حاصل کروں گا خدا کے بندو! جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حاصل ہوا، وہ میں نے تم کو پہنچا دیا۔ یہ بھی تم سے مخفی نہیں کہ میں نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کس قدر کوششیں کیں، کتنے ظلم سہے، کتنی جفائیں برداشت کیں، کتنے سخت سے سخت مصائب اٹھائے، حتیٰ کہ قید تک منظور کی، لشکر میں رہنا اختیار کیا، لیکن اپنے کام میں کوتاہی نہیں کی۔ آہ! اب میں

تم سے جدا ہوتا ہوں اور تم کو اپنے پروردگار کے سپرد کرتا ہوں۔ میری اور تمہاری ملاقات اب قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے ہوگی، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ شیخ احمد نے ملتِ حقہ کے رواج دینے میں کیا کچھ کیا تھا۔"[1]

۱۰۳۴ھ کی ابتدا ہوئی تو ۱۲ محرم الحرام کو آپ خلوت سے نکل کر والدِ ماجد کے مزار پہ تشریف لے گئے۔ کافی دیر مراقبہ کیا اور اس کے بعد جملہ اہلِ قبور کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔ اس کے بعد جدِ امجد، حضرت رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے اور وہاں بھی اسی طرح مراقبے کے بعد دعائے مغفرت فرمائی۔ فراغت کے بعد دولت خانے میں جلوہ افروز ہو کر حسبِ معمول خلوت گزیں رہے۔ روضۃ القیومیہ میں ہے کہ آخری ایام میں آپ نے صاحبزادوں، خلفاء اور مریدوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُن تمام مریدوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا ہے جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے۔ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر نیک لوگ مجھے اپنے سلسلے میں معلوم ہوئے۔ نیز میرے فرزندوں کی عزت کرنا اُن سے دعا و توجہ کے لئے التماس کرنا اور مصیبت میں اُن سے مدد طلب کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پوری پوری معرفت اور مکمل قرب عطا فرمایا ہے۔ وہ تمام جہان میں شریف و کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہماری نسبتِ خاصہ اور تمام جہان کی قطبیت قیامت تک ہمارے فرزندوں میں رہے گی۔"[2]

ایک وہ وقت تھا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ نیز گلشنِ اسلام کی ڈالی ڈالی اور پتا پتا اس انتظار

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی مصنفہ مولوی زوار حسین شاہ صاحب، ص ۲۲۰

[2] روضۃ القیومیہ، ص ۲۶۲۔

میں تھا کہ نبی آخر الزمان، شہنشاہِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وصال فرمائے ہزار سال ہونے والے ہیں، تقریباً ہزار سال کے بعد اولعزم پیغمبر کی دنیا میں تشریف آوری ہوتی رہی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری سے ظاہر ہے، چونکہ اب بابِ نبوت مطلقاً بند ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب نبی تو ہرگز کوئی نہیں آئے گا۔ بلکہ اُمتِ محمدیہ کے کامل و اکمل افراد ہی انبیائے کرام کے نائب ہیں لیکن ہزار سال کے بعد اب جو ہستی یہ فریضہ ادا کرے گی، وہ فردِ کامل حقیقت میں اولوالعزم پیغمبروں کا نائب ہوگا۔ ایک وہ وقت تھا کہ انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں۔ اور اس آفتابِ عالمتاب نے ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء کو شہر سرہند سے طلوع فرمایا تھا اور گلشنِ اسلام کا ہر گل بوٹا فرطِ مسرت سے مولانا محمد سلیم جان مجددی مدظلہٗ کے لفظوں میں یہ کہہ رہا تھا۔ ؎

"دہر را مژدہ کہ وضعے دگرے پیدا شد — از شبِ تیرہ مبارک سحرے پیدا شد
ماہ و انجم بدرخشید و فلک داد نوید — بر زمیں مہرِ ہُدیٰ، جلوہ گرے پیدا شد
حُسنِ خلقت از رُخِ پُر نور برافگند نقاب — عشق رقصید کہ صاحب نظرے پیدا شد
مژدہ اے اہلِ دل، مژدہ اے اربابِ وفا — کہ مسیحا نفسے، چارہ گرے پیدا شد
سزاوارِ فخر اگر مادرِ گیتی نازد!! — در کنارش چہ خجستہ پسرے پیدا شد
شکر در باغِ شریعت زنہال فاروق — راحتِ قلب و نظر خوش ثمرے پیدا شد
محرمِ سرِّ نہاں، سالکِ راہِ ایقاں — صاحبِ عزم و عمل، دیدہ ورے پیدا شد
حامئ دینِ متیں، ماحئ شرک و بدعت — حق نما، حق طلبے، حق نگرے پیدا شد
نازشِ عالمیاں، قدوۂ خاصانِ خدا — در نکویانِ جہاں خوب ترے پیدا شد
بہ کمالات و فضائل، بہ علوم و عرفاں — خائق از اہلِ جہاں، ناموَرے پیدا شد"

لیکن آج وہ وقت آپہنچا ہے کہ وہی مہرِ درخشاں جو تریسٹھ سال سے ظلمت کدۂ ہند

کو اپنی ضیا باریوں سے منور کر رہا تھا، پوری دنیا کو نصابِ ہدایت دے رہا تھا۔ ایک مدت سے سربستہ رازوں کی نقاب کشائی کر رہا تھا، اب وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہونے کے لئے تیار بیٹھا تھا کیونکہ اُس کی زندگی، اُس کی زندگی کا ہر گوشہ اتباعِ رسول کی منہ بولتی تصویر تھی۔ وہ اپنے آقا و مولیٰ، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا حق ادا کرنے کی خاطر تریسٹھ ۶۳ سال سے زیادہ حیاتِ مستعار نہیں چاہتا تھا۔

۱۰ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ کو ضیق النفس کا دورہ پڑا جیسا کہ ہر سال ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ بخار بھی آنے لگ گیا تھا۔ روز بروز ضعف بڑھتا جا رہا تھا لیکن اس حالت میں بھی آخری وقت تک باجماعت نماز ادا کرتے رہے اور روزمرہ کے معمولات و وظائف میں سرِ مو فرق نہیں آنے دیا تھا۔ علالت کے دورانِ علالت اتباعِ شریعتِ مطہرہ کی اکثر وصیت فرماتے رہتے تھے۔

یہ ادران جیسے حالات و واقعات اور خود آپ کے فرمودات سے یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ آغوشِ رحمت خداوندی میں جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی وقت آیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادوں سے فرما رہے تھے کہ میری[۲] تجہیز و تکفین میں اتباعِ نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام کو ملحوظ رکھنا اور حدود شرعیہ کی رعایت کرنا۔ اہلیۂ محترمہ سے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس سے کوچ کر جانے کا وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے، میرا کفن اپنے مہر کی رقم سے تیار کروانا۔ صاحبزادوں کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ میری[۳] قبر گمنام جگہ پر بنانا۔ اس موقع پہ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ عرض گزار ہوئے، حضور! قبل ازیں آپ نے فرمایا تھا کہ میری قبر فرزند اکبر محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے گنبد میں ہوگی، بلکہ جگہ بھی آپ نے معین فرما دی تھی۔ نیز اُس جگہ کی شرافت و برکت بھی بیان فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی میں نے ایسا ہی کہا تھا۔ لیکن اب میری خواہش یہی ہے کہ مجھے گمنام جگہ دفن کیا جائے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو والدِ محترم کے قریب دفن کر دینا۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو باغ میں دفن کر دینا، لیکن میری[۴] قبر کچی رکھنا، پکی نہ بنانا۔ جب خواجہ سعید رحمۃ اللہ علیہ نے قبر کے سلسلے میں زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بات میں نے تمہاری مرضی پہ

چھوڑی، جہاں تمہیں مناسب نظر آئے، اُس جگہ دفن کر دینا۔[4]

علالت کے دوران اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رات کے وقت مرض کی شدت اور تکلیف انتہا کو پہنچ جاتی لیکن دن میں نسبتاً حالت بہت بہتر ہوتی تھی۔ دیکھنے والے جب دن میں آپ کی تکلیف میں کمی دیکھتے تو انھیں دلی مسرت ہوتی تھی لیکن آپ دن کے وقت رات کی نسبت مغموم رہتے تھے جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ شدتِ مرض میں جو لذّت نصیب ہوتی ہے اور جس قدر انعاماتِ الہیہ کی بارش ہوتی ہے، دن کے وقت اُس میں کمی واقع ہو جاتی ہے، جس کے باعث مغموم رہنے لگتا ہوں۔ یعنی:۔

[5] واقف ہو اگر لذتِ بیداریٔ شب سے
اُونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاکِ پُر اسرار

مرض کی ابتدا میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ چالیس پچاس روز کے بعد میں ہمیشہ کے لئے آپ لوگوں سے جُدا ہو جاؤں گا۔ لیکن ابھی چالیس روز بھی نہ گزرے تھے کہ مرض کافی گھٹ گیا، اطبّا نے صحت کا فتویٰ صادر فرما دیا اور لواحقین چالیس پچاس روز والی بات کو مطمئن ہو کر بھلاتے جا رہے تھے۔ صاحبزادگان نے اپنی تسکینِ قلب کے لئے مزاج پوچھا تو ایک آپ نے صحت یابی کی وجہ بیان کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا وہ خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۴ھ) کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایئے:۔

دریں ایّام روزے فرمودند کہ حضرت شیخ الانس والجن سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ در معاملہ دیدم کہ در حقِ من عنایات بلا نہایات نمودند و زبانِ مبارک خود در دہانِ	اُن ایام کے دوران ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں نے جن و انس کے شیخ یعنی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ مجھ پہ بے انتہا عنایت فرما رہے ہیں یہاں تک کہ اپنی زبانِ مبارک

---

[5] وصایاِ احمدی، مطبوعہ لاہور: ص ۱۵، ۱۶

سن کردہ فرمودند کہ مردم در معنی ایں بیتِ ماکہ ۔ افلت شموس الاولین وشمسنا + ابدا علیٰ افق العلیٰ لا تغرب ۔ وآب قولِ ماکہ قدمی ہٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ ۔ حیرانند شما حل آں بنویسید کہ ازیں ضعف صحت ست ولیکن حضرت ایشاں را نیاز آنجا کہ دریں بیماری شوقِ لقاء اُو سبحانہ، استیلا نمودہ بود و از کمال آں شوق گریہ برایشاں غالب میشد و ہمیشہ درآں ضعف بدعای ماثورہ اللھم الرفیق الاعلیٰ رطب اللسان می بودند و میفرمودند اگر طبیب گوید کہ مرضِ تو علاج پذیر نیست دریا شکراً للہ بفقرا مبلغہا بدہیم" ؎۵

میرے منہ میں ڈال کر فرمایا لوگ میرے اس شعر ۔ افلت شموس الاولین وشمسنا + ابدا علیٰ افق العلیٰ لا تغاب ۔ اور میرے اس قول کہ قدمی، ہٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ ۔ کے معانی میں حیران و ششدر ہیں ۔ آپ اِس کا حل لکھیں کہ اس بیماری سے صحت ہے ۔

لیکن حضرتِ والا کو اس کے برعکس اُس بیماری میں ذاتِ سبحانہ، تعالیٰ کے دیدار کا شوق بے انتہا ہو گیا تھا اور اس شوق کی زیادتی کے باعث آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور ہمیشہ اس دعائے ماثورہ میں رطب اللسان رہتے کہ اللھم الرفیق الاعلیٰ اور فرماتے کہ اگر کوئی طبیب کہے کہ تیرا مرض ناقابلِ علاج ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے اُسے فقراُ کے ساتھ کافی روپے دے دُوں گا ۔

* * *

گویا ایک وہ وقت تھا کہ آپ اصلاحِ خلق کی خاطر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے اور شمعِ سلام پر پروانہ وار نثار ہونے کے لئے زندہ رہنا چاہتے تھے اور ایک یہ وقت ہے کہ آغوشِ رحمتِ خداوندی میں جانے اور زندۂ جاوید ہونے کے لئے مثلِ سیماب مضطرب ہیں مضطرب کیوں نہ ہوتے کہ ساری عمر اتباعِ سنتِ نبوی میں گزاری لیکن ایک سنت پر عمل کرنا باقی رہ گیا تھا ۔

؎۵ زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ص ۲۸۶

اور وہ ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝ والی سنت۔

؎ برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

ادھر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لقائے یار کی خاطر سراپا اشتیاق بن کر رختِ سفر باندھے بیٹھے تھے لیکن ادھر سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۱ھ) نے مژدۂ صحت آسنایا۔ یہ بشارت حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے وفورِ جذبۂ شوق کے راستے میں بظاہر ایک رکاوٹ نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ اس چند روزہ صحت کے ذریعے اس سنت پر عمل کروایا جارہا ہے جس کا وقوع فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آخری ایام میں ہوا تھا۔ سبحان اللہ! حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اتباعِ سنت کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے۔ جبکہ جن سنتوں پر عمل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں لیکن حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی کئی سنتوں پر عمل کروانے کا اہتمام قدرت نے خود کیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر بے انتہا شفقت فرمانے اور مژدۂ صحت سنانے کے علاوہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اپنے ایک شعر اور ایک مشہور قول کی تشریح کرنے اور ان کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور خاطر نگاہِ انتخاب آخر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر آکر کیوں ٹھہری؟ اس سوال پر حقائق کی روشنی میں جس قدر غور کیا جائے گا۔ اسی قدر مختلف سلاسل کے متعلق پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا چلا جائے گا۔

کسی قدر صحت ہونے کی اس حالت میں وہ لطف و سرور کم ہو گیا تھا۔ جس سے آپ شدتِ مرض میں لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ آخر وہ وقت بھی آگیا جب بقول شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ آپ نے نمازِ تہجد ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ ہماری آخری نمازِ تہجد ہے[۱]۔ گویا اب ظاہری حیات

---

[۱] رسائلِ احمدی، ص ۱۲

کے صرف چند گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ نمازِ اشراق ادا کرنے کے بعد پیشاب کرنے کے لیے طشت طلب فرمایا۔ آپ کے خاص خادم مولانا محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ خالی طشت لے آئے فرمایا چھینٹیں اُڑیں گی، ریت والا طشت لاؤ۔ وہ ریت والا طشت لینے گئے لیکن آپ نے حضار سے فرمایا مجھے لٹا دو اب میں پیشاب نہیں کروں گا۔ شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ آپ نے پیشاب کرنے سے اس لیے انکار کیا ہوگا کہ وقتِ وصال بالکل نزدیک آگیا تھا اور سفرِ آخرت آپ، کی حالت میں کرنا چاہتے تھے کیونکہ انبیائے کرام کی سنت ہے۔ [1]

وصال سے تھوڑی دیر پہلے آپ کے سانس کی رفتار تیز ہوگئی تو خازن الرحمہ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے گھبرا کر حال پوچھا۔ فرمایا میری حالت بہت خوب ہے، عرض گزار ہوئے حضور! کونسی خوبی نظر آرہی ہے؟ فرمایا: "دو رکعت نماز کہ کردیم کافیست" یعنی جو دو رکعت نماز میں نے ادا کی کافی ہے۔ یہ آپ کا آخری کلام ہے۔ اس کے بعد کسی سے گفتگو نہیں کی۔ اس سلسلے میں مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:۔

ایں آخریں تکلم حضرت ایشاں است و ثبوت رسیدہ کہ آخریں تکلم جمیع انبیاء دربارۂ نماز بودہ۔ ایشاں گویا اتباعِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نمودند۔ [2]

یہ حضرتِ والا کا آخری کلام ہے اور آپ نے یہ ثبوت پیش کر دیا ہے کہ جمیع انبیائے کرام کا آخری کلام نماز کے متعلق ہوتا تھا۔ گویا حضرتِ امامِ ربانی قدس سرہٗ نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اتباع میں لیا کیا۔

چند لمحے بعد بوقتِ چاشت، بروز منگل ۲۸ر صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ر دسمبر ۱۶۲۴ء کو سرمایۂ ملت کا نگہباں جو اپنے فرض سے فارغ ہو کر بار بار اَللّٰھم الرفیق الاعلیٰ پکار رہا تھا۔ نیّرِ علم و عمل اور اسرار و معارف کا وہ مہرِ درخشاں جس نے ایک مدت سے اِس ظلمت کدہ کو

---

[1] وصالِ احمدی؛ ص ۱۶

[2] ایضاً : ص ۱۷

جگمگا رکھا تھا اور خزاں رسیدہ گلشنِ اسلام کو بہاروں سے ہمکنار کر دیا تھا اور یہی نہیں بلکہ اس چمنستان میں ایسے ایسے ثمر ور، سایہ دار اور پُر بہار پودے لگائے جن کی تابانی اور افادیت اپنی مثال آپ ہے۔ آخر رُشد و ہدایت کا وہ نیرِ تاباں اللہ اللہ کہتا ہوا غروب ہوا اور رحمتِ خداوندی کی آغوش میں چلا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

؎ ابرِ رحمت اُن کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے

متعدد حضرات نے آپ کے وصال کی تاریخیں کہیں۔ مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے سالہائے زیست کے مطابق ۶۳ مادّے نکالے لیکن تمام تاریخوں میں آیتِ مبارکہ سے نکالی ہوئی جس تاریخ کا جواب نظر نہیں آتا، وہ یہ ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ۔ ۳۴

وصال کے وقت سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی دائیں رخسار کے نیچے تھی اور بعد وصال ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ سنت کے مطابق رو بقبلہ محوِ استراحت ہیں۔ خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل دینے کے لیے جب کپڑے اُتارے گئے تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کے دونوں ہاتھ اسی طرح باندھے ہوئے ہیں جس طرح احناف کے نزدیک ہاتھ باندھنا مستحب ہے حالانکہ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دستور کے مطابق وصال کے فوراً بعد آپ کے ہاتھ اور پاؤں دراز کر دیئے تھے۔ دورانِ غسل آپ مسکراتے رہے۔ جسم مقدس کے تمام اعضا اپنی اصلی حالت کے مطابق نرم و نازک رہے۔ جب آپ کو کفن پہنا دیا گیا تو دونوں ہاتھ خود بخود اُس حالت پر آ گئے جس طرح بوقتِ قیام نماز میں باندھے جاتے ہیں۔ تمام حاضرین نے اس کرامت کو بچشمِ خود دیکھا۔ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت کی مرضی کے مطابق ہاتھوں کو اسی طرح رہنے دیا جائے، آپ بارگاہِ خداوندی میں بحالتِ نماز پیش ہونا چاہتے ہیں۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔ [1]

---

[1] وصالِ احمدی، ص ۱۹، ۲۰

کفن کا کپڑا سفید تھا جو مفتی بہ قول کے مطابق لفافہ، قمیص اور ازار پر مشتمل تھا۔ عمامہ وغیرہ کوئی زائد چیز کفن میں شامل نہیں کی گئی تھی۔ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، ازاں بعد آپ کے فرزندِ اکبر، خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے قبۂ انور میں مغربی جانب اس مجسمۂ حسن و جمال اور پیکرِ فضل و کمال کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ واہ زمانے تیری رفتار!

؎ کیا تیز پا ہیں ابلقِ لیل و نہار کی!
جمتی نہیں ہے ران کسی شہسوار کی

وصال کے بعد متعدد حضرات نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اپنے برزخی حالات و واقعات بتائے، بشارتیں دیں اور ضرورت مندوں کی اعانت و دستگیری فرمائی۔ آپ کے ایسے واقعات وصالِ احمدی، زبدۃ المقامات، حضرات القدس، روضۃ القیومیہ اور اخبار الاخیار وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں، جن کے مطالعہ سے آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مقالے کی ضخامت بڑھ جانے کے باعث انہیں بیان نہیں کیا گیا۔ اہلِ ذوق حضرات مذکورہ کتب کی جانب رجوع کریں، جن کے مطالعہ سے گلشنِ عقیدت میں بہار آ جاتی ہے۔

؎ تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

مزارِ پُرانوار:۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری آرامگاہ کا معاملہ چونکہ اپنے فرزندوں کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا، اس لیے مخدوم زادگان نے آپ کو اپنے برادرِ معظم خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے قبہ میں قبلہ کی جانب دفن کیا تھا کیونکہ اس جگہ کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا۔

”اپنے فرزندِ اکبر کی وفات کے چند ماہ پیشتر میں نے ایک بلند نور دیکھا کہ اس کی صفت و شان بیان سے باہر ہے اور وہ کیفیات سے مبرا و منزہ ہے۔ مجھے یہ آرزو رہی کہ وہ زمین میرا مدفن بنے اور وہ نور میری قبر پر روشن ہو۔ اس بات کا ہیں

نے اپنے فرزندِ اعظم سے ذکر کیا، جو محرمِ راز تھا اور تذکرۂ نور کے ساتھ اپنی آرزو سے مطلع کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میرا وہ لختِ جگر ہی اِس دولت کی جانب سبقت لے گیا اور پردۂ خاک کے اندر اُس دریائے نور میں مستغرق ہو گیا۔

؎ مبارک منعموں کو اپنی دولت!
مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

اِس عظمت والے شہر (سرہند شریف) کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ میرے فرزندِ اکبر (خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ) جیسی ہستی اس میں محوِ استراحت ہے جو اکابر اولیاء اللہ سے ہے اور ایک مدت کے بعد مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ وہ نور جو مذکورہ جگہ رکھا گیا ہے وہ میرے ہی انوارِ قلبیہ کا لمعہ ہے جو یہاں سے لے کر اُس جگہ روشن کیا گیا ہے، جس طرح سے چراغ روشن کر لیتے ہیں۔[1]

ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو اُسی جگہ دفن کیا گیا تھا۔ آپ کی قبرِ انور کو پختہ نہیں بنایا گیا تھا۔ لیکن ایک عرصے کے بعد خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس پر گنبد تعمیر کروایا تھا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب حضرت امام ربّانی علیہ الرحمہ کے خلیفہ یعنی خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی ملاحظہ فرمایا جائے:۔

"ایک مدت تک آپ (خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ) کی قبر خام رہی۔ ایک احاطہ اُس کے گرداگرد تھا۔ پھر آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خیال فرمایا کہ فرزند کی قبر عمارات کے درمیان واقع ہوئی ہے، بہتر ہے کہ اِس جگہ ایک گنبد بنا دیا جائے اور انبیائے کرام کی پیروی کی جائے۔ پس آپ کی قبر پر ایک گنبد تعمیر فرمایا۔"[2]

جن حضرات کو مزاراتِ اولیاء اللہ سے خدا واسطے کی دشمنی ہے وہ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۲۲
[2] حضرات القدس اُردو، دفتر دوم، ص ۱۹۸

غور تو کریں کہ کیا وہ بدعات سے دشمنی رکھنے میں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر ہیں؟

جب ۱۰۳۴ھ میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو اسی گنبد میں دفن کیا گیا تو خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما نے آپ کا مزار تعمیر کروایا۔ جب ۱۰۷۰ھ میں خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو انھیں بھی اسی مزار پُرانوار کے اندر دفن کیا گیا۔ جب ۱۰۷۹ھ میں خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس دنیا کو چھوڑا تو اکابرِ خاندانِ مجددیہ کی اجازت سے سلطان اورنگ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ یعنی روشن آرا بیگم بنت شاہجہان نے اپنی جیب خاص سے آپ کا مزار تعمیر کروایا اور آرائش کا جملہ انتظام کیا۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں مزارات سے دشمنی رکھنے کو اپنے فتووں پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے اور معتقدین و مثبتین پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مزارات کو محض ایک مذاق نہ بنالیا جائے کہ بھنگیوں چرسیوں کے بھی مزار بنائے جائیں۔ علاوہ بریں عرس کے نام سے بزرگوں کو ان کی آرام گاہوں میں اذیت پہنچانے کا جواز راہِ عقیدت ہر طرح اہتمام کیا جاتا ہے، اس کی اصلاح ازبس ضروری ہے۔

وہ جگہ جہاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب و غریب دریائے نور بتایا اور جس جگہ آپ کا مزار پُرانوار ہے۔ اس کے فیوض و برکات کو بیان کرتے ہوئے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بدرالدین سلطان پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی میں لکھا تھا۔

زمینِ ہند ہرچند پُر ظلمت و کدورت ست لیکن چشمۂ حیات در ظلمات ست[1]	ہندوستان کی سرزمین اگرچہ ظلمت و کدورت سے پُر ہے لیکن اس ظلمات میں چشمۂ حیات موجود ہے

اسی مکتوبِ محبت میں آپ نے روضۂ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے۔

---

[1] مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۱۵

اگر بہ نیتِ زیارتِ روضۂ مطہرۂ حضرتِ پیرِ دستگیر و ملاقات مجاورانِ آں مرقد بیایند و از برکاتِ ایں موطن نیز بہرہ مند شوند گنجائش دارد کہ فیوض و انوارِ این جائے ماخوذ و مستفاد از انوارِ آن موطن ست اما سہل الوصول ست”[1]

اگر حضرت پیرِ دستگیر کے روضۂ مطہرہ کی زیارت اور اُس مرقد کے مجاوروں سے ملاقات کی نیت سے آئیں اور اُس جگہ کے برکات سے بھی فائدہ اٹھائیں تو اِس (حاضری) میں گنجائش ہے کہ اِس جگہ سے جو فیوض و انوار حاصل کیے جاتے ہیں، اُن کا حاصل کر لینا آسان ہے۔

اسی مکتوب میں حضرتِ خواجہ نے اپنی اِن تمناؤں کا اظہار بھی کیا ہے:۔

توقع کہ این مسکین را دران اماکنِ شریفہ و در داخل بدعائے خیر یاد آرند و سلامتیٔ خاتمۂ اُو خواہند و در مواجہۂ روضۂ منورہ سلامِ فقیرانۂ این درویش عرض نمایند”[2]

توقع ہے کہ اِس مسکین کو اُس پاک جگہ پہ اور وہاں داخل ہوتے وقت دعائے خیر سے یاد کریں گے اور اُس کے خاتمے کی سلامتی چاہیں گے اور اُس روضۂ منورہ پہ حاضری دیتے وقت اِس درویش کا فقیرانہ سلام عرض کر دیں گے۔

خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اپنے مکتوبِ گرامی میں لکھا تھا۔

آرے اگر بہ نیّتِ زیارتِ روضۂ مطہرۂ حضرتِ پیرِ دستگیر و ملاقات مجاوران آن مرقدِ منیر بیایند بر جاست تا از فیوض و برکاتِ ایں موطن نیز مستفید شوند زمینِ ہند ہرچند پُر ظلمت و کدورت ست لیکن چشمۂ حیات در ظلمات ست”[3]

ہاں اگر حضرت پیرِ دستگیر کے روضۂ مطہرہ کی زیارت اور اُس مرقدِ منیر کے مجاوروں سے ملاقات کرنے کی نیت سے آئیں، درست ہے تاکہ اِس جگہ کے فیوض و برکات سے بھی فائدہ حاصل کریں۔ ہندوستان کی زمین اگرچہ ظلمت و کدورت سے بھرپور ہے لیکن چشمۂ حیات (وجودِ مجددِ الفِ ثانی) ظلمات میں ہے۔

---

[1] ایضاً [2] مکتوباتِ معصومیہ، دفترِ سوم، مکتوب ۵ [3] مکتوباتِ معصومیہ، دفترِ سوم، مکتوب ۱۴۲

اسی مکتوبات میں آپ نے اِس مزارِ انور کی عظمت اور اِس کے فیوض و برکات کو ان لفظوں میں بھی بیان کیا ہے :۔

طالبانِ حق جلّ وعلا کہ سرے نیازے ، بایں مزارِ فائض الانوار دارند واز روئے صدق طوافِ دریں مرقدِ مطہّر مینمایند ازاں فیوض و برکات مستفیض و مستفید میگردند"[1]

حق تعالیٰ جلّ وعلا کے عاشق جو اس مزارِ فائض الانوار سے نیازمندانہ عقیدت رکھتے ہیں اور سچے دل سے اس پاک مرقد کا طواف کرتے ہیں وہ اس جگہ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند اور مستفید ہوتے ہیں۔

شیخ ابوالمظفر برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب لکھتے ہیں خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا۔

شوقِ ملاقات و شوقِ زیارتِ روضۂ منوّرہ نمودہ بودند، فقیر را نیز مشتاق دانند واز انوار و اسرارِ روضۂ متبرکہ کہ ہموارہ مستفیض و مستنیر بوند ایں درویش دلریش برکات و فیوضِ ایں بقعۂ مبارکہ راچہ تواند بیان نمود کہ از فہم و وہمِ امثالِ ما قاصر فہماں بیرون ست ــــ تخمِ ولایت ست کہ در زمینِ ہند سبز گشتہ است و بآبِ زمزم و کوثر تربیت یافتہ ۔ لاجرم رشکِ ہند و ولایت شدہ است و ثمرات و

آپ نے جو روضۂ منوّرہ کی زیارت اور شوقِ ملاقات کا اظہار کیا تھا، فقیر کو بھی مشتاق تصور فرمائیں اور روضۂ متبرکہ کے اسرار و انوار جو کہ ہمیشہ مستفیض و مستنیر رہتے ہیں یہ دور ماندہ فقیر اِس بقعۂ مبارکہ کے برکات و فیوض کو کیا بیان کر سکتا ہے کیونکہ وہ ہمارے جیسے کوتاہ فہم لوگوں کے فہم و وہم سے باہر ہیں ــــ یہ تخمِ ولایت ہے، جو ہندوستان کی سرزمین میں زمزم و کوثر کے پانی سے پرورش پاکر سرسبز ہوا ہے۔ بلاشک و شبہ یہ ہندوستان ولایت کیلئے باعثِ رشک ہوگیا ہے، اور

---

[1] مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۲۲۹

نتائجِ آن مماثلِ ثمرات و نتائج حرمین شریفین آوردہ و مجاوران و زائرانِ او ازیں برکات بہرہ مند اند و ازیں ثمرات مستمند۔ ہنیئاً لارباب النعیم نعیمہا[1]

اِس کے نتائج و ثمرات حرمین شریفین کیطرح ظاہر ہوئے۔ اسکے مجاور اور زائران برکات سے بہرہ مند اور ان ثمرات سے مستفید ہیں۔ منعموں کو اپنی دولت مبارک ہو۔

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم نے اِس مزار پُر انوار اور صاحبِ مزار کے بارے میں اپنے تأثرات کا یوں اظہار کیا ہے:-

حاضر ہوا میں شیخِ مجدّد کی لحد پر !! وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار !
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جُھکی جس کی جہانگیر کے آگے جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

جو حضرات حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو واقعی سرمایۂ ملّت کا نگہبان سمجھتے اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کو وہ ہم سے لاکھوں گنا بہتر سمجھتے تھے اور اپنی اولادِ امجاد و خلفائے عظام کو بھی اسی رنگ میں رنگ گئے تھے تو مزاراتِ اولیاء کے سلسلے میں اُن کے لئے مذکورہ بالا عبارتیں سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہیں لیکن اس کے برعکس اگر کوئی اُن بزرگوں کی مسلّہ حیثیت ہی کا معترف نہیں اور اُن کے بالمقابل اپنی تحقیق کی گاڑی چلانا چاہتا ہے تو ایسے حضرات سے نہ ہم مخاطب ہیں اور نہ ایسے مخاطبے کی اس مقالے میں کوئی گنجائش ہے۔

جو حضرات اولیائے کرام کے عقیدت مند ہیں اور جن کے نزدیک بزرگانِ دین کے

---

[1] کلیاتِ اقبال، ص ۴۵۰، ۴۵۱

مزارات پر حاضر ہونا رحمتِ الٰہی کی بارش میں نہانا ہے اور جو اولیاء اللہ کی سچی عقیدت کو سعادتِ دارین کی ضمانت گردانتے ہیں، ایسے حضرات کی خدمت میں یہ عاجز دست بستہ عرض گزار ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے ہر فعل کی حدود متعین فرما دی ہیں اور اُن حدود پر پہرہ دینا علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث یہی بزرگ ہیں۔ یہ بات یقیناً اِن حضرات پر بخوبی عیاں ہوگی کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر عقیدت و احترام کے تقاضے کہاں تک پورے ہو رہے ہیں اور کہاں تک ان رہنماؤں کے دیکھتے دیکھتے شرعی حدود کو پامال کرنے کی جاہلانہ سرگرمیاں جاری ہیں۔

مزارات پر عورتوں کی حاضری کے بارے میں علمائے اہلسنت کا اختلاف ہے۔ اس پُر فتن دور میں عدمِ جواز کے قول کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔ علاوہ بریں اُس قوالی کے جواز پر بھی غور فرمایا جائے جو قوالی کا لیبل لگا کر سنائی جاتی ہے لیکن بکرے کا گوشت بتاکر گیدڑ [illegible] جا رہا ہے۔ اگر وہی قوالی پیش کی جاتی جو مشائخ چشت، اہلِ بہشت سنا کرتے تھے تو کس کو انکار کی مجال تھی۔ لیکن یہ فعلِ مشائخ جسے اُن روحانی طبیبوں نے مقرر فرمایا یقیناً وقت کا تقاضا اور شرعی حدود کے اندر ہوگا لیکن آجکل اکثر قوالوں نے اسے محض ایک تماشا، ذریعۂ لہو و لعب اور مجموعۂ محرمات ہی بنا رکھا ہے۔ کیا چشتی مشائخ ایسی قوالی سنا کرتے تھے؟ کیا اُن بزرگوں نے گانے باجے کو ذریعۂ قربِ الٰہی بتایا اور جواز کی سند دی تھی؟ اُن حضرات کی جانب ایسی نسبت کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ اگر ڈھولکی سارنگی کے ساتھ، طبلے اور ہارمونیم کی تان پر، تالیوں کی گونج میں، گویّوں کی پیش کردہ قوالی شریف بتانے اور جواز کی سند دینے دلانے کا سلسلہ جاری رہا تو وہ دِن دُور نہیں جب ساری فلمی صنعت کو ثقافت کے نام پر جواز کی سند دینے والے پیدا ہو جائیں۔

اگر مزاراتِ اولیاء سے عورتوں اور غیر شرعی قوالی کو دُور رکھا جائے تو بڑی حد تک یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ اُن مقدس مقامات پر منعقد ہونے والے میلے عرس کی شکل اختیار کر

لیں گے۔ ایسا کرنا یقیناً اُن بزرگوں کے لئے بھی خوشنودی کا باعث ہوگا اور اللہ کے اُن نیک بندوں کو اپنی نادانی یا مالی منفعت کے تحت جو ہم اذیت پہنچاتے اور انھیں آخری آرام گاہ میں فی سبیل اللہ تڑپاتے ہیں، اُس کے وبال سے نجات مِل جائے گی اور ایسا کرنے میں اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی بھلائی ہے۔

عقیدت کا اصلی اور بنیادی تقاضا تو یہ ہے کہ اُن بزرگوں نے دین و ملّت کی جو خدمات سرانجام دیں اُنھیں عام کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اُن حضرات کی مساعیٔ جمیلہ کو مشعلِ راہ بناکر اُن کے نقشِ قدم پر چلا جائے اور دوسروں کو بھی یہی ترغیب دلائی جائے۔ اگر اِس بنیادی تقاضے سے چشم پوشی روا رکھی گئی تو باقی اضافی باتوں سے عقیدت کے تقاضے اُن لوگوں کے نزدیک تو شاید پورے ہوجائیں۔ جن کا بزرگوں کے بارے میں یہی خیال ہو کہ وہ اپنے بزرگوں کے مزاروں پر ایسے ہی اضافی کام کرکے بزرگ بن گئے تھے، لیکن جن کے نزدیک حقیقت میں بزرگ وہی ہے جو واقعی نائب رسول ہو، تو ایسے حضرات کی عقیدت کا تقاضا اُسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب اُن کی دینی و ملّی خدمات کو اُجاگر کیا جائے اور اُن کے نقوشِ قدم کو مشعلِ راہ بناکر دین و ملّت کی خاطر جینا اور مرنا سیکھ لیا جائے۔

تیرے سینے میں پوشیدہ ہے رازِ زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہہ دے

تصانیفِ عالیہ:۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف میں مکتوبات سرِ فہرست ہیں جو علم و عرفان اور اسرار و معارف کا بحرِ بیکراں ہیں۔ یہ مجموعہ ہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے۔ جو ہر جویائے حق کی تشنگی دُور کرنے کا پورا سامان رکھتا ہے۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے ہزار سال کے لئے یہ مکمل ہدایت نامہ ہے۔ یہ مجموعہ ایسا مرشدِ کامل ہے کہ اگر اس کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ:۔

ع ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

مجموعہ مکتوباتِ امامِ ربانی تین دفتروں پر مشتمل ہے۔ جملہ مکتوبات کی تعداد، ۳۱۳ + ۹۹ + ۱۱۴ + ۱۰ = ۵۳۶ ہے۔ دفترِ سوم کے آخری دس مکتوب اضافی ہیں، جن کے مضامین آپ کی جانب سے ہیں۔ لیکن صاحبزادگان کے ہاتھوں لکھے گئے۔ گویا ۵۳۶ مکتوبات آپکے اپنے تحریر فرمودہ ہیں۔ اِن تحریروں سے آپنے وہ بڑے بڑے کام لیے جو ضخیم تصانیف سے بھی ممکن نہ تھے جملہ جواہر پارے آپکے برپا کیے ہوئے حیرت انگیز اسلامی انقلاب کی منہ بولتی شہادتیں اور آپکے مقربِ بارگاہِ الٰہیہ اور صاحبِ اسرار ہونے کے گواہ ہیں۔

مکتوباتِ امامِ ربانی کے دفترِ اوّل کو آپکے حکم سے مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب کیا۔ مرسلینِ عظام، اصحابِ بدر اور اصحابِ طالوت کی تعداد کے مطابق اس دفتر میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں۔ اِس دفتر کا تاریخی نام ۲۵ دُرالمعرفت تجویز فرمایا گیا تھا۔

دوسرے دفتر میں اسمائے حسنیٰ کی تعداد کے مطابق ۹۹ مکتوبات ہیں۔ آپ اُن دنوں قلعۂ گوالیار میں نظر بند تھے اور شعبِ ابی طالب و زندانِ یوسفی کی سنت ادا کر رہے تھے۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ، مولانا عبدالحی حصاری شادمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۸ھ میں دفترِ دوم مرتب فرمایا۔ اس دفتر کا تاریخی نام نور الخلائق ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب شاہی لشکر کے ساتھ رہتے تھے تو آپ نے خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پاس طلب کر کے دفترِ سوم مرتب کروایا۔ قرآنِ کریم کی سورتوں کی تعداد کے مطابق اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ دس مکتوبات اضافی ہیں۔ یوں اِس دفتر کے مکتوبات کا مجموعہ ۱۲۴ ہو گیا ہے۔ دفترِ سوم کا تاریخی نام معرفت الحقائق ۱۰۳۱ ہے۔ بلفظِ ثالث ۱۰۳۱ سے بھی اِس کی تاریخ ترتیب برآمد ہو جاتی ہے۔ دیگر تصانیف یہ ہیں:۔

۲ - اثبات النبوۃ ـــــ یہ رسالہ قیامِ آگرہ کے دوران غالباً ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں لکھا

۳ - ردِّ روافض ـــــ اِس کا تاریخی نام کو الفِ شیعہ (۱۰۰۲ھ) ہے۔

۴ - رسالہ تہلیلیہ ـــــ کلمہ طیبہ کے بارے میں عجیب و غریب اسرار و رموز پر مشتمل ہے سنہ ۱۰۱۰ھ میں تحریر فرمایا۔

۵ - شرحِ رباعیات ـــــ رباعیاتِ مرشد کی نظم و نثر میں یہ شرح غالباً سنہ ۱۰۱۲ھ میں لکھی۔

۶ - معارفِ لدنیہ ـــــ اڑتالیس معرفتوں کا یہ مجموعہ سنہ ۱۰۱۵ھ یا سنہ ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا گیا۔

۷ - مبداء و معاد ـــــ اکسٹھ ۶۱ مضامین کے اس مجموعہ سنہ ۱۰۱۵ھ یا سنہ ۱۰۱۶ھ میں مرتب کیا۔

۸ - مکاشفاتِ غیبیہ مجددیہ ـــــ اِن مضامین کو خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے سنہ ۱۰۵۱ھ میں ترتیب دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتنی ہی تصانیف کے نام تو بعض کتابوں میں مل جاتے ہیں لیکن وہ کہاں اور کس شکل میں موجود ہیں۔ اسی طرح کتنی ہی ممکن ہے وہ تصانیف بھی ہوں جن کا کسی کتاب میں کوئی تذکرہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں مولوی زوار حسین شاہ صاحب کی اپیل یہ ہے،

> "مذکورہ بالا سات رسائل کے علاوہ مندرجہ ذیل چار مزید رسائل کے نام تو اکثر کتب میں ملتے ہیں لیکن اِن کے متعلق آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ ان کے قلمی یا مطبوعہ نسخے کہیں موجود ہیں۔ اِن کے نام حسب ذیل ہیں،۔ (۱) رسالہ آداب المریدین (۲) تعلیماتِ عوارف (۳) رسالہ علمِ حدیث (۴) رسالہ جذب و سلوک ـــــ مزید عرض ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تصانیف اور اُن کی اشاعت کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، حرفِ آخر نہیں ہے۔ یہ صرف اپنی معلومات تک منحصر ہے۔ اُن کے علاوہ بھی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تصانیف کا ہونا ممکن ہے اور اِسی طرح اُن کی اشاعت بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ہوئی ہو، لہٰذا عرض ہے کہ اہلِ علم حضرات اپنی معلومات سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اُس کی تکمیل کی جا سکے۔"[1]

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی - ص ۶۶۷

اُمید ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت رکھنے والے حضرات موصوف کی اس استدعا پر غور فرمائیں گے اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی باقی تصانیف کے بارے میں اگر انھیں کوئی علم ہے تو اس سے جناب ننا صاحب موصوف، ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب، ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور اس ناچیز کو مطلع فرمایا جائے گا، تاکہ اس سے استفادہ کیا جا سکے اور عوام و خواص کو اس سے مطلع کرنے کا اہتمام کیا جا سکے۔

ع   برکریماں کارہا دشوار نیست

اولادِ امجاد:۔ اللہ رب العزت نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو سات صاحبزادے عطا فرمائے اور تین صاحبزادیاں جملہ حضرات کے مختصر حالات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ —— اِن کی پیدائش ۱۰۰۰ھ میں ہوئی۔ جدِ امجد شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ ان کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ۱۰۰۸ھ میں اپنے والد محترم کے ساتھ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نسبت حاصل کی۔ قلوب و قبور کے کشف میں خاص کمال حاصل تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علومِ عقلیہ و نقلیہ کی سندِ فراغت حاصل کی۔ جمعۃ المبارک کے روز جمادی الاخریٰ ۱۰۲۱ھ کو اکیس سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے خلعتِ خلافت پائی۔ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ وصال کی تاریخ:۔ "روز دوشنبہ نہم ربیع الاول" سے بھی نکلتی ہے۔ چونکہ فضل و کمال میں یگانہ تھے اس لیے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ انھیں آنکھ کا تارا شمار کرتے تھے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جگر کا ٹکڑا قرار دیتے تھے۔

۲۔ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ —— ان کا لقب خازن الرحمۃ ہے۔ شوال ۱۰۰۵ھ ولادت باسعادت ہوئی۔ معقولات و منقولات خصوصاً فقہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ۱۰۶۷ھ میں اپنے بھائیوں اور احباب و اقارب کے ساتھ حجِ بیت اللہ اور زیارت

روضۂ مطہرہ سے مشرف ہوئے۔ اِسی موقع کے متعلق ایک مرتبہ فرمایا کہ قیامِ مدینہ طیبہ کے دوران سر کی آنکھوں سے آٹھ مرتبہ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ یہ بھی صاحبِ کشف وکرامت اور والدِ محترم کی مقدس نشانی تھے۔ ۲۷ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

۳۔ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ —— ۱۱ شوال المکرم سنہ ۱۰۰۷ھ کو اِن کی ولادت ہوئی۔ پیدائشی ولی تھے ایّامِ شیرخوارگی رمضان المبارک کے مہینے میں دن کے وقت دودھ نہیں پیا کرتے تھے۔ صورت اور سیرت میں اپنے والدِ محترم سے کمال مشابہت رکھتے تھے سولہ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے اور تین ماہ میں قرآنِ کریم حفظ کر لیا تھا آپکے دور میں ۲۸ صفر سنہ ۱۰۳۷ھ مطابق نومبر سنہ ۱۶۲۷ء کو شہنشاہ جہانگیر کا لاہور میں انتقال ہوا، تو آپ نے اُس کی مغفرت کی بشارت دی۔ سنہ ۱۰۵۲ھ میں آپ کی والدۂ محترمہ کا انتقال ہوا۔ سنہ ۱۰۴۸ھ میں روشن آرا بیگم اور شاہی خاندان کے دیگر کئی افراد کو شرفِ بیعت نصیب ہوا۔ سنہ ۱۰۶۷ھ میں اپنے دو۲ بھائیوں اور ہزاروں مریدوں سمیت حجِ بیت اللہ اور زیارت روضۂ مطہرہ کی سعادت حاصل کی۔ آپکے سات۷ ہزار خلفاء اور نو لاکھ مرید تھے۔ مکتوباتِ معصومیہ کے نام سے آپ کے مکتوباتِ عالیہ تین۳ جلدوں میں ہیں۔ جملہ مکتوبات ۲۳۹ + ۱۵۸ + ۲۵۵ = ۶۵۲ ہیں۔ آپ کو وجع المفاصل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ھ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ کہتے ہوئے جانِ عزیز جاں آفریں کے سپرد کی تھی۔ روشن آرا بیگم نے اپنی جیبِ خاص سے مزار تعمیر کروایا اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے نورِ عالم رفتہ اور عالم تاریک باشد سے تاریخِ وفات نکالی۔

۴۔ خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ —— ان کی پیدائش سنہ ۱۰۱۰ھ میں ہوئی تھی بچپن ہی سے صاحبِ استعداد تھے اور کشف وکمال کی دولت سے بہرہ ور ہو گئے۔ ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۲۵ھ کو اس جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھار گئے تھے۔

[illegible] خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ ——— ان کی پیدائش ۱۰۱۷ھ میں ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خواہش پر امام ربانی علیہ الرحمہ نے کا یہ نام رکھا۔ ابھی یہ چار سال کے تھے کہ کرامتوں کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ اپنے حقیقی برادر مکرم، خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ سے چند گھنٹے قبل ۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف سدھار گئے۔

۶- خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ ——— ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی، صرف اتنا معلوم ہے کہ کھلنے سے پہلے ہی گلستان مجدد کی یہ کلی، ایام شیر خوارگی میں لقمۂ اجل ہو گئی تھی۔

۷- خواجہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ——— ان کی ولادت ۱۰۲۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا نام الہامی ہے۔ یہ شکل و شباہت میں اپنے والد محترم سے کمال مشابہت رکھتے تھے۔ قرآنِ کریم بچپن ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ آپ کا نکاح خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی اور خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ ۱۰۶۸ھ میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مطہرہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۰۹۶ھ میں وصال ہوا۔

۸- بی بی رقیہ رحمۃ اللہ علیہا ——— ان کے متعلق ماسوائے اس کے کچھ بھی معلوم نہیں کہ ایام شیر خوارگی میں وفات پائی تھی۔

۹- بی بی ام کلثوم رحمۃ اللہ علیہا ——— یہ خواجہ محمد فرخ رحمۃ اللہ علیہ سے چھوٹی تھیں اور خواجہ محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی۔ انھوں نے چودہ سال کی عمر میں ۸ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو وفات پائی۔

۱۰- بی بی خدیجہ بانو رحمۃ اللہ علیہا ——— یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے مولانا عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہوئیں۔ ان کے تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں ہوئیں۔ پیدائش اور وفات کی تاریخیں تشنۂ تحقیق ہیں۔

حضرتِ امام ربانی، مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو جہاں اولیائے کرام میں ایک خاص مقام حاصل ہے وہاں یہ خصوصیت بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ بہت کم بزرگ ایسے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد نے اِس دوبر کسبِ کمال کرکے علم و عرفان کے دریا بہائے، اور فیوض و برکات کے لعل و گہر لٹائے ہوں۔ حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کی [illegible] ہی میں استعداد کامل کو دیکھ کر خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال اند
اسرارِ الٰہی اند بالجملہ شجرۂ طیبہ
اند اَنْبَتَہَا اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا[1]

اُس شیخ کے فرزند جو ابھی بچے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ شجرۂ طیبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بخیر و خوبی پروان چڑھائے۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی۔ اُن کی وفات کے وقت خواجہ محمد صادق کی عمر بارہ سال، خواجہ محمد سعید کی عمر سات سال اور خواجہ محمد معصوم کی عمر پانچ سال تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔ گویا اُس وقت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ اکبر بھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اور دوسرے حضرات تو بالکل بچے ہی تھے۔ بچوں کی استعداد کا یہ عالم تھا جیسا کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب یہ کلیاں چٹک کر پھول بنیں اور اُن گلہائے رنگ رنگ نے اپنی تمام تر رعنائیوں کا عالم آشکار کر دیا تو اُس وقت گلستانِ شیخ سرہندی کی جلوہ آرائی اور بہاروں کا عالم کیا ہوگا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

؎ انھیں دیکھ کر خوشی سے ہوئیں خندہ زن بہاریں
وہیں پھول مسکرائے، وہ گزر گئے جہاں سے

خلفاء۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جہاں سرمایۂ ملت کے نگہبان تھے وہاں علم و عرفان اور اسرار و رموز کے بحرِ رواں بھی تھے جس سے اَن گنت مخلوقِ خدا نے اپنی تشنگی

---

[1] کلیاتِ باقی، ص ۱۳۰، حضرت امام ربانی، ص ۹۸۱، تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۳۱۴

بھائی۔ آپ نے گمراہی کو راہِ راست دکھانے اور طالبین کی تربیت کرنے میں عدیم المثال کارنامہ انجام دیا۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کے ڈیڑھ لاکھ مرید اور پانچ ہزار خلفاء تھے۔ یہاں تبرکاً بعض ان گرامی قدر خلفاء کے نام پیش کیے جاتے ہیں جن کا تذکرہ نویسوں نے صراحت سے یا مجمل ذکر کیا ہے۔ ذیل کی ترتیب بلحاظ منصب نہیں ہے بلکہ حروفِ تہجی کی رعایت کے پیشِ نظر ترتیب قائم کی گئی ہے۔

۱۔ شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ ـــــ ۱۲ شوال ۱۰۵۳ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۲۔ مولانا احمد برکی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ انھوں نے ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔

۳۔ مولانا احمد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

۴۔ مولانا امان اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ـــــ ۱۰۲۱ھ میں حج بیت سے فارغ ہو کر مصر و شام گئے اور وہیں وفات پائی۔

۵۔ سید باقر سارنگپوری رحمۃ اللہ علیہ ـــــ آپ کو آخری عمر میں خلافت سے نوازا گیا تھا۔

۶۔ مولانا بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ آپ قدیم اصحاب اور اجل خلفاء سے تھے۔

۷۔ شیخ بدیع الدین سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ـــــ خلیفۂ اکبر اور مشہور زمانہ تھے۔ ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی۔

۸۔ شیخ حسن برکی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ ظاہری علم سے لبریز اور علمِ لدنی سے مالامال تھے۔

۹۔ مولانا حمید احمدی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ آپ کامل اصحاب میں سے تھے۔

۱۰۔ شیخ حمید بنگالی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ قدیم خلفاء سے تھے۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔

۱۱۔ حاجی خضر خاں افغان رحمۃ اللہ علیہ ـــــ مرشدِ برحق کے جاں نثار تھے۔ ۱۰۳۵ھ میں وصال ہوا۔

۱۲- شیخ داؤد ساکی رحمۃ اللہ علیہ —— ان کے مزاج میں انکساری نہایت درجہ تھی۔

۱۳- میر صفر احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ —— یہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے خسر ہیں سنہ ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

۱۴- شیخ طاہر بدخشی رحمۃ اللہ علیہ —— سنہ ۱۰۴۶ھ کو جونپور میں وفات پائی۔

۱۵- شیخ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ —— بروز پنجشنبہ ۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۰۴۰ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔

۱۶- خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں رحمۃ اللہ علیہ —— حضرت باقی باللہ علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر سنہ ۱۰۵۲ھ کو دہلی میں فوت ہوئے۔

۱۷- خواجہ عبداللہ عرف خواجہ خورد رحمۃ اللہ علیہ —— حضرت باقی باللہ علیہ الرحمہ کے چھوٹے صاحبزادے سنہ ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔

۱۸- شیخ عبدالحی حصاری رحمۃ اللہ علیہ —— علاقہ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ میں وصال ہوا۔

۱۹- مولانا عبدالغفور سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ —— حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔

۲۰- مولانا عبدالواحد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ —— ان پر مراقبے اور عبادت کا شوق ہر وقت غالب رہتا تھا۔

۲۱- شیخ عبدالہادی فاروقی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ —— سنہ ۱۰۳۱ھ کو بدایوں میں انتقال ہوا۔

۲۲- مولانا غازی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ —— شریعت و طریقت کی پوری نگہبانی کرتے تھے۔

۲۳- مولانا فرخ حسین ہروی رحمۃ اللہ علیہ —— ۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۰۶۸ھ کو صبح کی نماز ادا کرتے ہوئے سجدے میں وفات پائی۔

۲۴- مولانا قاسم علی رحمۃ اللہ علیہ —— خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے ان اصحاب سے تھے جن

کی شیخ مجدد نے تربیت فرمائی۔

٢٥ صوفی قربان قدیم رحمۃ اللہ علیہ ——— حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ازواروں سے تھے۔

٢٦- صوفی قربان قدیم رحمۃ اللہ علیہ ——— اتباعِ سنتِ نبوی کا نادر نمونہ تھے۔

٢٧- شیخ کریم الدین باباحسن ابدالی رحمۃ اللہ علیہ ——— انھوں نے ٢ محرم الحرام ١٠٥٠ھ کو وفات پائی۔

٢٨- سید محب اللہ مانکپوری رحمۃ اللہ علیہ ——— بعض درجاتِ خفا حاصل کر لینے پر خلافت سے نوازے گئے تھے۔

٢٩- خواجہ محمد اشرف کابلی رحمۃ اللہ علیہ ——— حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے خاص مصاحبوں سے تھے۔

٣٠- شیخ محمد چتری رحمۃ اللہ علیہ ——— یہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔

٣١- خواجہ محمد سعید سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ——— حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دوسرے فرزند تھے۔

٣٢- خواجہ محمد صادق سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ——— یہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فرزند اکبر تھے۔

٣٣- شیخ محمد صادق کابلی رحمۃ اللہ علیہ ——— خلافت کے بعد لاہور میں مقیم رہے۔ اور ١٠١٨ھ میں وفات پائی۔

٣٤- مولانا محمد صالح کولابی رحمۃ اللہ علیہ ——— شیخ کے قدیم اصحاب سے تھے۔ ١٠٣٨ھ میں انتقال ہوا۔

٣٥- مولانا محمد صدیق کشمی رحمۃ اللہ علیہ ——— رسالہ مبدأ و معاد کے مرتب ہیں۔ ١٠٥١ھ

میں فوت ہوئے۔

۳۶۔ خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ یہ امام ربانی علیہ الرحمہ کے تیسرے فرزند جانشین تھے۔ فضل و کمال میں یگانۂ روزگار ہوئے۔

۳۷۔ خواجہ میر محمد نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ ولادت سنہ ۹۰۰ھ میں ہوئی۔ خلفاء میں فخر تھے۔ سنہ ۱۰۵۸ھ میں وفات پائی۔

۳۸۔ مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ خواجہ میر نعمان علیہ الرحمہ کے داماد اور دفتر سوم کے مرتب ہیں۔ مکاشفاتِ غیبیہ مجددیہ بھی انھوں نے ترتیب دیا۔ غالباً سنہ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔

۳۹۔ شیخ مزمل رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ مرشدِ برحق کے خاص خدمت گزار تھے۔ سنہ ۱۰۳۶ھ میں وصال ہوا۔

۴۰۔ حافظ محمود لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ ولایت کے انتہائی درجے پر فائز اور مخلص احباب سے تھے۔

۴۱۔ شیخ نور محمد پٹنی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ نامور خلیفہ اور رجال الغیب کے زمرے سے تھے۔

۴۲۔ مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ مرشدِ گرامی کے دیرینہ خدمت گزار اور مکتوبات دفتر اول کے مرتب تھے۔

۴۳۔ مولانا یار محمد قدیم بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ قیام و صیام کے دلدادہ اور فضل و کمال کے مرقع تھے۔ سنہ ۱۰۳۲ھ میں وفات پائی۔

۴۴۔ شیخ یوسف برکی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ مردِ مستعد اور صادق الاخلاص تھے۔ سنہ ۱۰۲۴ھ میں وصال ہوا۔

۴۵۔ مولانا یوسف سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ـــــــ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے ان مریدوں سے تھے۔ جن کی تربیت امام ربانی علیہ الرحمہ نے فرمائی۔

اپنے بہار در کنار گلستان کو دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یوں دعائیں مانگا کرتے ہوں گے۔

سے

پھلا پھولا ہے یا رب میری اُمید کا گلشن!
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

مکتوب الیہم:- جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ مکتوباتِ امام ربانی میں پانچ سو چھتیس ۵۳۶ مکتوبات ہیں۔ جہاں یہ مکتوبات اسلامی انقلاب کے منہ بولتے گواہ ہیں، وہاں یہ علم و عرفان اور اسرار و حقائق کا وہ عظیم الشان مجموعہ ہے۔ جس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جن حضرات کے نام یہ مکتوبات لکھے اُن کے اسمائے گرامی قارئینِ کرام کی خدمت میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے پیش کیے جائیں گے، پہلے اُن مکتوبات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ جن کے مکتوبات الیہم کے نام معلوم نہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۔ دفتر سوم، مکتوبات ۴۳، ۲۰۶، یہ مخدوم زادوں کے نام ہیں۔
۲۔ دفتر سوم، مکتوبات ۱۱۴، اِس کے مکتوب الیہ کا نام نہیں ملتا۔
۳۔ دفتر دوم، مکتوبات ۹۱، یہ مکتوب بعض احباب کے نام ہے۔
۴۔ دفتر اوّل، مکتوب ۸۶، یہ مکتوب پرگنہ برکہ کے کسی حکیم وقت کے نام ہے۔
۵۔ دفتر اوّل، مکتوب ۱۰۴، یہ پرگنہ ستگن کے قاضیوں کے نام ہے۔
۶۔ دفتر دوم، مکتوبات ۱۵، یہ سامانہ کے ساداتِ عظام، قاضیوں اور محتسبوں کے نام ہے۔
۷۔ دفتر سوم، مکتوب ۱۸، ۴۱، یہ ایک عالمہ خاتون کے نام لکھے گئے۔
۸۔ دفتر دوم، مکتوب ۵۳، یہ گرد و نواح کے کسی شیخ کے نام لکھا گیا۔
۹۔ دفتر سوم، مکتوبات ۲۴، میر محمد امین کی والدہ محترمہ کے نام لکھا گیا۔
۱۰۔ دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۰، یہ میر محمد نعمان بدخشی علیہ الرحمہ کے ایک فرزند کے نام تحریر فرمایا۔

یہ بارہ ۱۲ مکتوبات ہیں۔ اب باقی پانچ سو چوبیس ۵۲۴ مکتوبات کے مکتوب الیہم کے اسمائے گرامی پیش کیے جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ وضاحت پیش کی جائے گی کہ اُن کے نام کتنے اور کون کونسے مکتوب تحریر فرمائے گئے۔

۱۱- خواجہ ابراہیم قبادیانی —— دفتر سوم، مکتوب ۲۳

۱۲- ملا ابراہیم —— دفتر سوم، مکتوب ۳۸

۱۳- خواجہ ابوالحسن بہابدخشی اکشمی —— دفتر دوم، مکتوب ۹۶

۱۴- مخدوم زادہ الکنگی، خواجہ ابوالقاسم —— دفتر اول، مکتوب ۹۰، ۱۸۵، ۱۹۸، ۱۸۰ -
دفتر دوم، مکتوب ۴۷

۱۵- خواجہ ابوالمکارم —— دفتر سوم، مکتوب ۱۱۶

۱۶- مولانا احمد برکی —— دفتر اول، مکتوب ۲۳۹، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۷۵ - دفتر دوم، مکتوب ۱۴

۱۷- مولانا احمد دیبنی —— دفتر سوم، مکتوب ۱۶

۱۸- سید احمد بجواڑی —— دفتر اول، مکتوب ۹۵، ۱۰۸

۱۹- سید احمد قادری —— دفتر اول، مکتوب ۸۴

۲۰- شیخ ادریس سامانی —— دفتر اول، مکتوب ۲۵۳

۲۱- مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ —— دفتر سوم، مکتوب ۷۰

۲۲- قاضی اسلم —— دفتر سوم، مکتوب ۱۱۲

۲۳- قاضی اسمٰعیل فریدآبادی —— دفتر سوم، مکتوب ۸۹

۲۴- مولانا امان اللہ فقیہ —— دفتر اول، مکتوب ۲۸۶، ۳۰۱ - دفتر سوم، مکتوب ۲۰

۲۵- سید انبیا و سارنگپوری —— دفتر اول، مکتوب ۲۸۸

۲۶- مرزا ایرج —— دفتر اول، مکتوب ۲۱۹

۲۷- ملا ایوب محتسب —— دفتر اول، مکتوب ۲۲۳

۲۸- میر باقر سارنگپوری —— دفتر اول، مکتوب ۲۶۳

۲۹- مولانا بدرالدین سرہندی —— دفتر اول، مکتوب ۲۸۹، ۲۹۰ —— دفتر دوم،
مکتوب ۴۰ —— دفتر سوم، مکتوب ۳۱،

۳۰ - شیخ بدیع الدین سہارنپوری ـــــ دفتر اول، مکتوبات ۱۸۸، ۱۹۲، ۲۴۲، ۲۵۰،
۲۵۹ ، ۲۶۹ ، ۲۸۲ - دفتر دوم، مکتوب ۱۴، ۸۸ - دفتر سوم، مکتوب ۴

۳۱ - مرزا بدیع الزمان ـــــ دفتر اول، مکتوب ۴، ۷، ۷۵

۳۲ - بہادر خان ـــــ دفتر اول، مکتوب ۸۳

۳۳ - شیخ بہاؤالدین سرہندی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۴۸، ۱۶۴

۳۴ - حاجی بیگ فرنگی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۲۵

۳۵ - شیخ تاج ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۹۳

۳۶ - جباری خاں ـــــ دفتر اول، مکتوب ۶۷، ۶۸، ۶۹

۳۷ - جعفر بیگ سہانی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۳۹

۳۸ - شیخ جمال ناگوری ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۳۰

۳۹ - جمال الدین ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۳۰

۴۰ - خواجہ جمال الدین حسین ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۴۲ - دفتر سوم، مکتوب ۵۶/۸۱

۴۱ - جمال الدین حسین بدخشی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۷۷

۴۲ - خواجہ جمال الدین حسین کولابی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۱۳، ۲۲۳

۴۳ - شیخ حامد تہاری ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۸۰

۴۴ - صوفی حبیب خادم ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۸۶

۴۵ - خواجہ حسام الدین احمد مرزا ـــــ دفتر اول، مکتوب ۳۲، ۹۲، ۲۰۷، ۲۱۶، ۲۲۹،
۲۳۷ ، ۲۴۸ ، ۲۶۷ ، ۲۷۳ ـــــ دفتر دوم مکتوب ۱۷، ۲۶ ، ۴۵ ـــــ دفتر سوم مکتوب
۴۰ ، ۶۲ ، ۱۱۵ ، ۱۲۱۔

۴۶ - شیخ حسن برکی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۷۱ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۷۷ ـــــ دفتر سوم،
مکتوب ۱۰۵۔

۴۷ - شیخ حسن کشمیری دہلوی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۷۹ - دفتر سوم، مکتوب ۱۲۲۔

۴۸ - سید حسین مانکپوری ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۲۱

۴۹ - مُلّا حسینی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۰۳

۵۰ - شیخ حمید اجمیری ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۱۰۳

۵۱ - مولانا حمید احمدی ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۵۷

۵۲ - شیخ حمید سنبھلی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۱،

۵۳ - شیخ حمید بنگالی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۵۸، ۲۲۰، ۲۹۲ - دفتر دوم، مکتوب ۳۹، ۴۲۔

۵۴ - خان اعظم مرزا عزیز کوکہ ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۶۵، ۶۶

۵۵ - خان جہاں بن دولت خان لودھی ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۴۷ - دفتر سوم مکتوب ۵۴

۵۶ - حاجی خضر خان افغان ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۴۷

۵۷ - خضر خان ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۹۴

۵۸ - خواجۂ جہاں ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۵، ۷۲

۵۹ - مرزا داراب خان ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱، ۷، ۲۱۵، ۲۴۹ - دفتر دوم، مکتوب ۵، ۶

۶۰ - شیخ داؤد ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۱۰

۶۱ - شیخ درویش ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۴۱، ۴۲، ۹۷

۶۲ - سید رضی الدین محمد باقی المعروف خواجہ باقی باللہ ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱ تا ۲۰

۶۳ - سلیم یعنی بادشاہ جہانگیر ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۷، ۴

۶۴ - مولانا سلطان سرہندی ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۵، ۱۱۳۰

۶۵ - سکندر خان لودھی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۸۲، ۹۲

۶۶ - سید شاہ محمد ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۵۴

۶۷ - خواجہ شرف الدین حسین بدخشی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۴۶، ۱۵۹، ۱۸۹ ـــــ

دفتر دوم، ۲۵، ۳۱، ۶۸، ۸۲ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۵۹

۶۸ - شریف خاں ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۵۸

۶۹ - مُلّا شمس الدین ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۲۳ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۳

۷۰ - مرزا شمس الدین ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۱۳، ۵۰

۷۱ - میر شمس الدین علی خلخالی ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۲، ۵ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۱۱۱

۷۲ - مولانا شیر محمد لاہوری ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۵۱

۷۳ - مولانا شکیبی اصفہانی ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۰۵، ۲۱۰

۷۴ - صدر جہاں ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۴، ۱۹۵

۷۵ - حکیم صدرا ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۰۹

۷۶ - شیخ صدر الدین ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۰

۷۷ - مولانا صفر احمد رومی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۷ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۶۵

۷۸ - شیخ محمد صوفی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۳۱

۷۹ - مولانا طاہر بدخشی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۷۱، ۲۱۷،
دفتر دوم، مکتوب ۲۰، ۲۷، ۸۶ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۳۷، ۹۱، ۱۲۴

۸۰ - مولانا طاہر خادم ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۵، ۱۰۸

۸۱ - مولانا طاہر لاہوری ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۵۵

۸۲ - سید عبد الباقی سارنگ پوری ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۳۹

۸۳ - شیخ عبد الجلیل تھانیسری ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۲

۸۴ - شیخ عبد الحق محدث دہلوی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۱۵ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۲۹

۸۵ - مولانا عبد الحی حصاری ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۷۷، ۲۹۱، ۳۰۴ ـــــ دفتر دوم
مکتوب ۷، ۳۷،

۸۶ - مفتی عبد الرحمٰن کابلی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۴۵، ۱۸۶

۸۷ - میر عبد الرحمٰن ولد میر محمد نعمان ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۴۴

۸۸ - مرزا عبد الرحیم خانِ خاناں ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۳، ۶۷، ۶۹، ۷۰، ۱۹۱، ۱۹۵،
۲۱۴، ۲۳۲، ۲۶۸ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۸، ۶۲، ۶۶

۸۹ - شیخ عبد الصمد سلطان پوری ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۶۹

۹۰ - شیخ عبد العزیز جون پوری ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۱

۹۱ - حافظ عبد الغفور ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۸۴

۹۲ - مولانا عبد الغفور سمرقندی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۴۲، ۲۰۶، ۲۲۵

۹۳ - حکیم عبد القادر ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۰۵

۹۴ - عبد القادر بن شیخ زکریا ـــــ دفتر اول، مکتوب ۹۸

۹۵ - مولانا عبد القادر انبالوی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۸۴ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۶، ۵۷، ۹۴،
دفتر سوم، مکتوب ۱۱۸

۹۶ - مولانا عبد الکریم سنامی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۷۸

۹۷ - خواجہ عبد اللہ ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۶۶ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۲۲، ۲۵، ۵۹،
دفتر سوم، مکتوب ۵۶، ۶۰، ۷۱

۹۸ - شیخ عبد اللہ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۱۰۱

۹۹ - حاجی عبد اللطیف خوارزمی ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۹۸

۱۰۰ - شیخ عبد المجید لاہوری ـــــ دفتر اول، مکتوب ۲۲

۱۰۱ - مولانا عبد الواحد لاہوری ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۱۶، ۳۰۷ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۴

۱۰۲ - حکیم عبد الوہاب ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۵۷

۱۰۳ - شیخ عبد الوہاب بخاری ـــــ دفتر اول، مکتوب ۵۵، ۵۶

۱۰۴۔ شیخ عبدالہادی بدایونی ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۶۵

۱۰۵۔ خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبد اللہ مخدوم زادگان ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۹۶ ــــ دفتر سوم، مکتوب ۱۷

۱۰۶۔ مرزا عرب خان ــــ دفتر دوم، مکتوب ۹۰

۱۰۷۔ مولانا علی کشمی ــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۷

۱۰۸۔ مرزا علی جان ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۸۹

۱۰۹۔ خواجہ عمک ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۷، ۲۸

۱۱۰۔ مولانا غازی نائب ــــ دفتر دوم، مکتوب ۵

۱۱۱۔ خواجہ غلام محمد (برادر حقیقی) ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۸۷ ــــ دفتر دوم، مکتوب ۱۲

۱۱۲۔ شیخ غلام محمد ــــ دفتر سوم، مکتوب ۱۱۷

۱۱۳۔ مرزا حکیم فتح اللہ ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۸۰، ۸۵، ۲۰۲

۱۱۴۔ فتح خاں افغان ــــ دفتر دوم، مکتوب ۸۷

۱۱۵۔ فرخ حسین ــــ دفتر دوم، مکتوب ۶۷

۱۱۶۔ شیخ فرید بخاری ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۴۳ تا ۵۲، [illegible] تا ۶۴، ۱۰۳، ۱۵۲، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۲۳، ۲۶۹

۱۱۷۔ شیخ فرید تھانیسری ــــ دفتر دوم، مکتوب ۴۱

۱۱۸۔ شیخ فرید انہونی ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۹۹

۱۱۹۔ مولانا فیض اللہ پانی پتی ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۳۰۸

۱۲۰۔ خواجہ قاسم قلیچ خانی ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۹۰

۱۲۱۔ مولانا قاسم علی بدخشی ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۸

۱۲۲۔ صوفی قربان بیگ ــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۴، ۲۸۳

۱۲۳۔ صوفی قربان جدید —— دفتر سوم، مکتوب ۹۷

۱۲۴۔ قلیچ خان —— دفتر اول، مکتوب ۲۴، ۷۶، ۱۴۱

۱۲۵۔ قلیچ اللہ بن قلیچ خان —— دفتر اول، مکتوب ۷۳، ۱۸۴ —— دفتر دوم، مکتوب ۳۴

۱۲۶۔ شیخ کبیر —— دفتر اول، مکتوب ۹۱، ۹۲

۱۲۷۔ کوچک بیگ حصاری —— دفتر اول، مکتوب ۲۰۱

۱۲۸۔ خواجہ گدا —— دفتر دوم، مکتوب ۴۹

۱۲۹۔ لالہ بیگ —— دفتر اول، مکتوب ۸۱

۱۳۰۔ سید محب اللہ مانکپوری —— دفتر اول، مکتوب ۲۷۲، ۲۸۵، ۲۹۸، ۳۰۵ —— دفتر
مکتوب ۱۹، ۸۹ —— دفتر سوم، مکتوب ۳، ۷، ۱۲، ۲۹

۱۳۱۔ مولانا محب علی تھٹوی —— دفتر اول، مکتوب ۲۶۲

۱۳۲۔ شیخ محمد لاہوری —— دفتر اول، مکتوب ۲۶، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۳۶

۱۳۳۔ خواجہ محمد اشرف کابلی —— دفتر اول، مکتوب ۱۳۱، ۱۴۷، ۱۸۷، ۲۰۵، ۲۲۲، ۲۲۵،
۲۵۱ —— دفتر دوم، مکتوب ۳۰ —— دفتر سوم، مکتوب ۱۰۷

۱۳۴۔ مولانا محمد افضل —— دفتر دوم، مکتوب ۴۳

۱۳۵۔ مولانا محمد امین کابلی —— دفتر اول، مکتوب ۱۶۶، ۱۹۹

۱۳۶۔ خواجہ محمد تقی —— دفتر اول، مکتوب ۳۶، ۵۸، ۶۹

۱۳۷۔ شیخ محمد چتری باخیری —— دفتر اول، مکتوب ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۲۹۳

۱۳۸۔ خواجہ محمد سعید بن شیخ مجدد —— دفتر اول، مکتوب ۲۵۹، ۲۹۶، ۳۱۱ —— دفتر
مکتوب ۳، ۵۵، ۷۱، ۹۱، ۹۸ —— دفتر سوم، مکتوب ۲، ۴۳، ۴۶، ۴۸،
۶۴، ۷۳، ۷۷، ۷۸، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۸، ۹۳، ۱۰۴، ۱۰۶

۱۳۹۔ محمد شریف —— دفتر اول، مکتوب ۹۶

۱۴۰۔ خواجہ محمد صادق بن شیخ مجدد ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۸۱، ۲۰۸، ۲۲۲، ۲۳۹، ۲۹۰

۱۴۱۔ مولانا محمد صادق کشمیری ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۰۶، ۱۰۷ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۲۲،
۲۸ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۹

۱۴۲۔ مولانا محمد صادق ولد حاجی محمد مومن ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۴۴

۱۴۳۔ مولانا محمد صادق کابلی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۴۸، ۱۴۹

۱۴۴۔ مولانا محمد صالح بدخشی کولابی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۶۱، ۱۸۲، ۲۴۱، ۲۴۴، ۳۰۶
دفتر دوم، مکتوب ۲۳ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۸، ۸۶، ۹۵

۱۴۵۔ میر محمد صالح بدخشی کولابی ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۸، ۸۶، ۱۲۶

۱۴۶۔ شیخ محمد صوفی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۳۱

۱۴۷۔ شیخ محمد صدیق بدخشی ـــــ دفتر اول، مکتوب ۱۳۲ تا ۱۳۶، ۱۹۲، ۱۷۹، ۲۰۸، ۲۱۲
دفتر دوم، مکتوب ۲۱، ۵۱ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۸

۱۴۸۔ خواجہ محمد طالب بدخشی دفتر دوم، مکتوب ۴۸

۱۴۹۔ مولانا محمد طالب بیانکی دفتر اوّل، مکتوب ۲۳۷

۱۵۰۔ مولانا محمد عارف ختنی دفتر دوم، مکتوب ۹

۱۵۱۔ مولانا حاجی محمد فرکتی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۳۰۹ ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۲۴، ۳۰

۱۵۲۔ مولانا محمد مراد بدخشی کشمی ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۱۹ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲۴

۱۵۳۔ محمد مراد توربیگی ـــــ دفتر دوم، مکتوب ۸۱

۱۵۴۔ خواجہ محمد معصوم بن شیخ مجدد ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۲۹۴، ۳۰۰، ۳۰۲ ـــــ دفتر دوم،
مکتوب ۶، ۱۱، ۵۵، ۶۲، ۷۳، ۹۸ ـــــ دفتر سوم، مکتوب ۲، ۴۳، ۵۳، ۶۲،
۶۴، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۹۴، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۰ ۔

۱۵۵۔ مولانا محمد معصوم کابلی ـــــ دفتر اوّل، مکتوب ۱۴۰، ۱۸۳

۱۵۶ - محمد مقیم قصوری ــــ دفتر سوم، مکتوب ۶۶
۱۵۷ - شیخ محمد کلاں لاہوری ــــ دفتر اول، مکتوب ۲۱
۱۵۸ - شیخ محمد مودود برادر شیخ مجدد ــــ دفتر اول، مکتوب ۲۲۶ ــــ دفتر دوم، مکتوب ۱۰
۱۵۹ - محمد مومن ولد خواجہ علی خان ــــ دفتر دوم، مکتوب ۶۴
۱۶۰ - میر محمد نعمان بدخشی کشمی ــــ دفتر اول، مکتوب ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۴۳، ۲۰۴، ۲۰۴، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۴۶، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۸۱، ۳۱۲ ــــ دفتر دوم، مکتوب ۴، ۹۲، ۹۹ ــــ دفتر سوم، مکتوب ۱، ۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۶، ۳۰، ۳۶، ۴۹، ۱۰۲
۱۶۱ - خواجہ محمد ہاشم بدخشی کشمی ــــ دفتر اول، مکتوب ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۱۲ ــــ دفتر دوم، مکتوب ۴، ۹۲، ۹۹ ــــ دفتر سوم، ۱۸ تا ۲۲، ۵۲، [illegible]، ۹۰، ۹۲، ۹۶،
۱۶۲ - مولانا محمد ہاشم ــــ دفتر دوم، مکتوب ۴۵
۱۶۳ - شیخ محمد یوسف ــــ دفتر اول، مکتوب ۵۰
۱۶۴ - حافظ محمود لاہوری دفتر اول، مکتوب ۱۴۴، ۱۶۵، ۲۸۰
۱۶۵ - سید محمود دفتر اول، مکتوب ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱ دفتر دوم، مکتوب ۹۳
۱۶۶ - محمود پہلوان دفتر اول، مکتوب ۸۷، ۸۸، ۱۹۶
۱۶۷ - شیخ مزمل دفتر اول، مکتوب ۱۵۳، ۱۴۴، ۱۵۵، ۱۵۶
۱۶۸ - مولانا مظفر دفتر اول، مکتوب ۱۰۲
۱۶۹ - مرزا مظفر خان دفتر دوم، مکتوب ۷۸ دفتر سوم، مکتوب ۲۲، ۳۲
۱۷۰ - مقصود علی تبریزی دفتر دوم، مکتوب ۹۵ دفتر سوم، مکتوب ۲۲، ۳۲
۱۷۱ - خواجہ مقیم دفتر اول، مکتوب ۱۲۸
۱۷۲ - ممریز خان افغان دفتر سوم، مکتوب ۵۵

۱۷۳- منصور عرب دفتر اوّل، مکتوب ۱۸۵، ۱۹۶

۱۷۴- میر منصور دفتر سوم، مکتوب ۹۳، ۹۶، ۱۲۰

۱۷۵- مرزا منوچہر دفتر سوم، مکتوب ۲۵

۱۷۶- شیخ مودود محمد دفتر سوم، مکتوب ۱۱۹

۱۷۷- قاضی موسیٰ شاہین دفتر سوم، مکتوب ۶۹

۱۷۸- میر مومن بلخی دفتر اوّل، مکتوب ۱۵۱ دفتر سوم، مکتوب ۹۹

۱۷۹- خواجہ مہدی علی کشمیری دفتر دوم، مکتوب ۵۲

۱۸۰- قاضی نصر اللہ دفتر سوم، مکتوب ۵

۱۸۱- شیخ نظام الدین تھانیسری دفتر اوّل، مکتوب ۲۹، ۳۰

۱۸۲- سید نظام دفتر اول، مکتوب ۱۲۹

۱۸۳- شیخ نور محمد دفتر اوّل، مکتوب ۱۷۰، ۲۰۰ دفتر دوم، ۳۴، ۸۵ دفتر سوم
مکتوب ۱۱۱، ۱۲۲،

۱۸۴- شیخ نور الحق بن شاہ عبد الحق محدث دہلوی دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰

۱۸۵- نور محمد انبالوی دفتر دوم، مکتوب ۹۳

۱۸۶- ہردے رام دفتر اوّل، مکتوب ۱۶۷

۱۸۷- یار محمد جدید بدخشی طالقانی دفتر اوّل، مکتوب ۱۶۰

۱۸۸- مولانا یار محمد قدیم بدخشی دفتر اوّل، مکتوب ۱۱۷، ۲۱۱

۱۸۹- شیخ یوسف برکی دفتر اوّل مکتوب ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۴ دفتر دوم،
مکتوب ۷۹

۱۹۰- حاجی یوسف کشمیری دفتر اوّل مکتوب ۲۹۵، ۳۰۳ دفتر دوم مکتوب ۳۹

⁂

شجرۂ طیبہ: سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی آفتابِ ہدایت ہے۔ جملہ انبیائے کرام اسی آفتابِ ہدایت سے منور ہو کر دنیا کو منور کرتے رہے اور قیامت تک اولیائے کرام بھی اسی مہرِ درخشاں کی کرنیں بن کر اس عالمِ آب و گل کو جگمگاتے رہیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی نیرِ تاباں کی کرنوں میں سے ایک نمایاں کرن تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کا شجرۂ طیبہ یوں ہے۔

۱۔ **سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** — آپ مکہ مکرمہ میں ۱۲ ربیع الاوّل، عام الفیل مطابق اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے جو آپ کا ظہور ہے ورنہ حقیقتِ محمدیہ کی پیدائش تمام کائنات سے پہلے ہے اور ساری مخلوق کی پیدائش اسی نورِ اطہر سے ہوئی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا اور قرآنِ کریم کا نزول شروع ہوا جو تقریباً ۲۳ سال میں مکمل ہوا۔ ۵۳ سال کی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں وصال فرمایا۔ روضۂ اطہر مدینہ منورہ میں مرجعِ خلائق ہے۔

۲۔ **حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ** ۔ اسمِ گرامی عبداللہ، لقب صدیق و عتیق اور کنیت ابوبکر ہے۔ انبیائے کرام کے بعد آپ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ پیدائش عام الفیل کے دو سال چار ماہ بعد ہوئی۔ آپ یارِ غار و خلیفۂ اوّل ہیں۔ محبوب رب العالمین کے گنبدِ خضرا میں محوِ استراحت ہیں۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو منگل کے روز آپ کا وصال ہوا۔

۳۔ **حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ** ۔ آپ اصفہانی تھے۔ شروع میں آتش پرست رہے۔ غزوہ خندق سے تھوڑا عرصہ پہلے ۵ھ میں مشرف اسلام ہوئے۔ ۱۰ رجب ۳۳ھ میں وصال ہوا۔ مزارِ انور مدائن میں ہے۔

۴۔ **حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم** ۔ آپ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ جلیل القدر تابعی، امامِ زمانہ اور مدینہ طیبہ کے فقہا

سبعہ سے ہیں۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

۵۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اسم گرامی جعفر، کنیت ابوعبداللہ اور لقب صادق ہے۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپکے حقیقی نانا تھے۔ آپ تبع تابعین سے ہیں۔ ۸۰ھ میں ولادت ہوئی اور رجب یا شوال ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

۶۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا اسم گرامی طیفور، کنیت ابویزید اور لقب سلطان العارفین ہے آپ مادرزاد ولی تھے۔ ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ کو شہر بسطام میں وصال فرمایا۔

۷۔ شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسم گرامی علی بن جعفر اور کنیت ابوالحسن ہے حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے طریقت پائی خرقان، آپ کی نسبت بطریق اویسیت ہے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ ۴۲۵ھ میں خرقان نامی گاؤں کے اندر وفات پائی۔

۸۔ شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسم گرامی فضل اللہ اور کنیت ابوعلی ہے شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور دامادی کا شرف پایا۔ خواجہ ابوالقاسم قشیری سے بھی فیض حاصل کیا۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) آپ ہی کے ارادت مند اور تربیت یافتہ تھے۔ ۵۱۱ھ میں وفات پائی۔ مزار طوس میں ہے۔

۹۔ خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۱ھ) اور خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ھ) نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ وفات پائی۔ مزار شہر مرو میں ہے۔

۱۰۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ شیخ الشیوخ، قطب زمانہ اور مجتہد فی الطریقت تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے آٹھ اصول آپ ہی کے مقرر فرمودہ ہیں، جو یہ ہیں:۔

(۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگہداشت (۸) یادداشت۔ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ کو غجدوان میں آپ کا وصال ہوا اور مقدس مزار اسی جگہ ہے۔

۱۱۔ خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلفاء سے ہیں۔ یکم شوال ۶۱۶ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک ریوگر میں ہے۔ جو بخارا سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۲۔ خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ بخارا سے نو میل کے فاصلے پر انجیر فغنہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ خواجہ عارف ریوگری علیہ الرحمہ کے خلیفہ و جانشین ہیں۔ ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ کو وفات پائی۔

۱۳۔ خواجہ عزیزاں علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ بخارا سے تھوڑے فاصلے پر قصبہ رامیتین میں پیدا ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر میں ۲۸ ذی الحجہ ۷۱۵ھ کو شہر خوارزم میں وفات پائی۔

۱۴۔ خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسمِ گرامی محمد اور لقب بابا سماسی ہے۔ آپ بخارا سے نو میل کے فاصلے پر سماس نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ کو اپنے گاؤں میں وفات پائی۔

۱۵۔ خواجہ شمس الدین امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ عالی نسب سید تھے۔ بخارا سے چھ میل کے فاصلے پر سوخار میں پیدا ہوئے۔ پیشہ زراعت تھا لیکن کوزہ گری میں کمال رکھتے تھے بخارا کی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں۔ ۸ جمادی الاخریٰ ۷۷۲ھ کو اپنے قصبہ سوخار میں وفات پائی۔

۱۶۔ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا اسمِ گرامی محمد، لقب نقشبند اور کنیت بہاؤ الدین ہے۔ امامِ سلسلہ اور ساداتِ عظام میں امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ پیدائش ۴ محرم الحرام ۷۱۸ھ کو بخارا سے تین میل کے فاصلے پر قصرِ عارفاں میں ہوئی۔

تہتر سال کی عمر میں ۲ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو ہوئی۔ قصر عارفاں سے بھی سن وصال برآمد ہوتا ہے۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ اصولوں پر تین کا اضافہ آپ نے کیا، جو یہ ہیں۔

(۱) وقوف عددی (۲) وقوف زمانی (۳) وقوف قلبی۔

۱۷۔ خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خواجہ محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء سے اور داماد تھے۔ بدھ کے روز ۲۰ رجب المرجب ۸۰۲ھ کو موضع جغانیاں میں وفات پائی۔

۱۸۔ خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اہم رکن ہیں۔ آپ سے اس سلسلے کی بہت نشر و اشاعت ہوئی۔ ۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ کو موضع ہلغون میں وفات پائی۔

۱۹۔ خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے خلفاء سے ہیں۔ بادشاہِ وقت بھی آپ کا مرید تھا۔ پیدائش ۸۰۶ھ میں ہوئی اور ۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ کو موضع سمرقند میں وفات پائی۔

۲۰۔ خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خواجہ یعقوب چرخی کے اعزہ سے ہیں۔ غرہ ربیع الاول ۹۳۶ھ کو موضع وخش میں وفات پائی۔ مزار پُرانوار اسی جگہ ہے۔

۲۱۔ خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خواجہ محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم، بھانجے اور سجادہ نشین ہیں۔ آپ نے بروز جمعرات ۱۹ محرم الحرام [illegible]ھ کو وفات پائی۔

۲۲۔ خواجہ محمد امکنگی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ خواجہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے، خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ کی ولادت ۹۱۸ھ میں ہوئی اور وفات موضع امکنہ میں ہوئی۔ جو بخارا سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔

۲۳۔ خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کا اسم گرامی سید رضی الدین محمد باقی ہے۔ آپ کو خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں۔ پیدائش آپ کی کابل میں ہوئی۔ آپ صحیح النسب سید اور امام علی نقی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ بروز شنبہ ۲۵ جمادی الاول ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں

وفات پائی۔ بحرِ معرفت اور نقشبندِ وقت سے وفات کی تاریخ نکلتی ہے۔

۲۴۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسمِ گرامی احمد ہے۔ آپ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں پیدا ہوئے اور اس ظلمتکدۂ پاک و ہند کو تریسٹھ سال اپنے انوار سے منور کر کے ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو سرہند شریف میں وفات پائی۔ اس شجرۂ طیبہ کو اختصار کے ساتھ ان لفظوں میں منظوم کیا جا سکتا ہے۔

بخش دے یارب محمد[1] مصطفےٰ کے واسطے | حضرتِ بوبکر[2] و سلمان[3] باخدا کے واسطے
قاسم[4] و جعفر[5] زبہر بایزید[6] و بوالحسن[7]، | بوعلی[8] و خواجہ یوسف[9] مقتدا کے واسطے
عبدِ خالق[10] خواجہ عارف[11] خواجہ محمود[12] و علی[13] | بابا سماسی[14]، امیر[15] الاولیا کے واسطے
شہ بہاؤالدین[16]، علاؤالدین[17] یعقوب[18] عبید[19] | زاہد[20] و درویش[21] و امکنگی[22] ملا کے واسطے
خواجۂ باقی[23] کے صدقے دے مجھے علم و عمل
عافیت احمد[24] مجددِ پیشوا کے واسطے

یہ اشعار اِس عصیاں شعار کے ولیٔ نعمت، مرشدِ برحق، حضرت شاہ محمد مظہر اللہ مفتیِ اعظم دہلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) کے ہیں۔ ضرورتاً آخری شعر میں لفظی تصرف کیا گیا ہے۔ آپ بھی سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بزرگ اور اسلاف کا نمونہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو یہ نسبت جن واسطوں سے حاصل ہوئی، وہ اگلے لفظوں میں پیش کی جاتی ہے جبکہ پہلے شعر میں لفظی تصرف کیا گیا ہے۔

رحم فرما یا الٰہی بہر معصومِ[25] ولی، | خواجۂ عبدالاحد[26] مردِ خدا کے واسطے
شہ حنیف[27] و شہ محمد[28] رازداں مردِ خدا | شہ محمد[29] مظہری قطبِ ورا کے واسطے
شہ زماں[30] و حاجی احمد[31] متقی، شاہِ حسین[32] | شہ امام[33] با علی مشکل کشا کے واسطے
حضرتِ مسعود[34] و صادق[35] شاہ رکن الدین[36] ولی | شہ محمد مظہر اللہ[37] پیشوا کے واسطے

ان بزرگوں یعنی عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے مرشدی و مولائی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک، کا مختصر تذکرہ اپنے مخدوم زادہ، ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ، کے لفظوں میں پیش کرتا ہوں۔

۲۵ - وفات خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۷۹ھ، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔ عمر مبارک ۷۰ سال ہے۔

۲۶ - وفات خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۲ھ۔ مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔ صاحب روضۃ القیومیہ نے تاریخ وفات ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۱۱۲۷ھ لکھی ہے۔

۲۷ - وفات خواجہ محمد حنیف رحمۃ اللہ علیہ غرّہ صفر المظفر سنہ ۱۱۳۳ھ، مزار مبارک موضع بامیاں میں واقع ہے جو کابل کے نزدیک ہے۔

۲۸ - وفات خواجہ محمد زکی بازدال رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۱۳۳ھ مزار مبارک موضع اشکی واقعی میں واقع ہے جو حجاز مقدس میں ہے۔

۲۹ - وفات خواجہ محمد مظہری سندھی رحمۃ اللہ علیہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۱۴۹ھ مزار مبارک مکہ معظمہ میں ہے۔

۳۰ - وفات خواجہ محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ ۴ ذیقعدہ سنہ ۱۱۸۸ھ، مزار مبارک قصبہ لواری شریف میں واقع ہے جو مغربی پاکستان کے سابق صوبہ سندھ میں بدین کے قریب ہے۔

۳۱ - وفات حضرت خواجہ احمد متقی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶ ذیقعدہ سنہ ھ، مزار مبارک، موضع قاضی احمد میں واقع ہے، جو سابق صوبہ سندھ کے شہر ہالہ سے کچھ فاصلے پر ہے۔

۳۲ - وفات حضرت حاجی شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ ۱۶ صفر المظفر سنہ ۱۲۴۴ھ۔ مزار مبارک موضع رتڑ چھتر میں ہے، جس کو مکان شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ موضع مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔

۳۳ - وفات حضرت امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۳ شوال المکرم سنہ ۱۲۸۲ھ یوم پنجشنبہ،

مزار مبارک مکان شریف میں واقع ہے۔

۴۴ - وفات حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ، مزار مبارک دہلی میں واقع ہے۔" [۵۱]

۴۵ - وفات حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء، مزار مبارک، مکان شریف میں ہے۔" [۵۲]

۴۶ - وفات حضرت مولانا رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ، مزار مبارک الور میں ہے۔ [۵۳]

۴۷ - وفات حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء مزار مبارک شاہی مسجد فتحپوری دہلی کے صحن میں شمال مشرق کی جانب زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔" [۵۴]

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت مکاشفاتِ عینیہ کی تصریح کے مطابق اکیس ۲۱ واسطوں سے ہے۔ اس تصریح کے مطابق خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی اس شجرے میں نہیں ہے لیکن اکثر تذکروں میں چونکہ آپ کا اسمِ گرامی شاملِ شجرہ ہے اس لئے یہاں ذکر کیا گیا اور اس کے مطابق یہ نسبت بائیس ۲۲ واسطوں سے حاصل ہوئی۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں یہ بیعت پچیس ۲۵ واسطوں سے، سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ستائیس ۲۷ واسطوں سے اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں تیئیس ۲۳ واسطوں سے حاصل ہے۔ باقی شجرے پیشِ خدمت ہیں۔

۲ - سلسلہ عالیہ قادریہ :- سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[۵۱] تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی، ص ۵۲۹، ۵۳۰ [۵۲] ایضاً، ص ۱۵۳

[۵۳] ایضاً، ص ۱۰۵ [۵۴] ایضاً، ص ۳۰۸، ۳۱۱

۱ - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
۲ - حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳ - حضرت حسن مثنیٰ
۴ - حضرت عبداللہ المحض
۵ - حضرت شاہ موسیٰ الجون
۶ - حضرت سید عبداللہ المحدث
۷ - حضرت سید موسیٰ ثانی
۸ - حضرت سید عبداللہ جیل
۹ - حضرت سید محمد مورث
۱۰ - حضرت سید ابو صالح
۱۱ - حضرت سید عبداللہ جیلی
۱۲ - حضرت سید موسیٰ جنگی دوست
۱۳ - حضرت سید یحییٰ زاہد
۱۴ - حضرت سید عبدالقادر جیلانی
۱۵ - حضرت سید عبدالرزاق
۱۶ - حضرت سید شرف الدین
۱۷ - حضرت سید عبدالوہاب
۱۸ - حضرت سید بہاؤ الدین
۱۹ - حضرت سید عقیل
۲۰ - حضرت شمس الدین صحرائی
۲۱ - حضرت شمس الدین عارف
۲۲ - حضرت سید گدا رحمٰن
۲۳ - حضرت شاہ فضیل
۲۴ - حضرت شاہ کمال کیتھلی
۲۵ - حضرت شاہ سکندر کیتھلی
۲۶ - حضرت مجدد الف ثانی سرہندی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

۳ - سلسلہ عالیہ چشتیہ :- سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱ - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲ حضرت خواجہ حسن بصری
۳ - شیخ عبدالواحد
۴ - شیخ فضیل بن عیاض
۵ - حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم
۶ - شیخ حذیفہ مرعشی
۷ - شیخ ابوہبیرہ بصری
۸ - شیخ ممشاد علو دینوری
۹ - شیخ ابواسحاق شامی
۱۰ - شیخ ابواحمد چشتی
۱۱ - شیخ ابومحمد چشتی
۱۲ - شیخ ابویوسف چشتی
۱۳ شیخ مودود چشتی
۱۴ - حاجی شریف زندنی

۱۵۔ شیخ عثمان ہارونی
۱۶۔ خواجہ معین الدین اجمیری
۱۷۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
۱۸۔ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر
۱۹۔ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر
۲۰۔ شیخ شمس الدین پانی پتی
۲۱۔ شیخ جلال الدین پانی پتی
۲۲۔ شیخ احمد عبد الحق رودولوی
۲۳۔ شیخ احمد عارف
۲۴۔ شیخ محمد عارف
۲۵۔ شیخ عبد القدوس گنگوہی
۲۶۔ شیخ رکن الدین
۲۷۔ شیخ عبد الاحد
۲۸۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

۴۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۔ خواجہ حسن بصری
۳۔ شیخ حبیب عجمی
۴۔ شیخ داؤد طائی
۵۔ شیخ معروف کرخی
۶۔ شیخ سری سقطی
۷۔ خواجہ جنید بغدادی
۸۔ خواجہ ممشاد علو دینوری
۹۔ شیخ ابو اسحاق شامی
۱۰۔ شیخ ابو احمد
۱۱۔ شیخ ابو محمد
۱۲۔ شیخ ابو نجیب ضیاء الدین
۱۳۔ شیخ شہاب الدین سہروردی
۱۴۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی
۱۵۔ شیخ صدر الدین
۱۶۔ شیخ رکن الدین ابو الفتح
۱۷۔ سید جلال الدین بخاری
۱۸۔ سید اجمل بہرائچی
۱۹۔ سید بڈھن بہرائچی
۲۰۔ شیخ درویش محمد
۲۱۔ شیخ عبد القدوس گنگوہی
۲۲۔ شیخ رکن الدین
۲۳۔ شیخ عبد الاحد
۲۴۔ شیخ احمد سرہندی

(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ارشاداتِ عالیہ:۔ حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیفِ عالیہ اور خصوصاً مکتوبات میں بیشمار ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں کہ چند لفظوں میں بہت کچھ فرماتے چلے گئے۔ ایسے جملے حد و شمار سے باہر ہیں جن کے اندر کوزے میں دریا کو سمویا ہے۔ بطور نمونہ ایسے چند ارشاداتِ عالیہ پیشِ خدمت ہیں:۔

۱۔ انسان کی پیدائش سے مقصود اُس کی عاجزی و انکساری ہے۔

۲۔ جب تک انسان قلبی مرض میں مبتلا ہے کوئی عبادت اُس کے لئے نافع نہیں بلکہ مضر ہے

۳۔ انبیائے کرام نے وحدتِ وجود کی نہیں بلکہ وحدتِ معبود کی دعوت دی ہے۔

۴۔ شریعت دنیوی و اُخروی تمام سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔

۵۔ شریعت کا مقصود نفسانی خواہشات کو زائل کرنا ہے۔

۶۔ صاحبِ شریعت کی اتباع کے بغیر نجات محال ہے۔

۷۔ سعادتِ دارین کی دولت سرورِ کونین کی متابعت پر موقوف ہے۔

۸۔ شریعت کی پیروی اور نبی کی اطاعت نجاتِ اُخروی کی ضامن ہے۔

۹۔ آدمی کو کھانے پینے کے لئے نہیں بلکہ عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

۱۰۔ دینِ متین سے فساد کے لزومات کو رفع کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔

۱۱۔ شریعت و طریقت ایک دوسری کا عین ہیں، ان میں بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔

۱۲۔ شریعت و طریقت ایک دوسری سے جُدا نہیں بلکہ ایک دوسری کا عین ہیں۔

۱۳۔ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے، شاہراہ دوسری کا عین ہیں۔

۱۴۔ فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۱۵۔ ولادت فصوص سے نہیں بلکہ نصوص سے ہوتی ہے۔

۱۶۔ مذہبِ اہلسنت و جماعت کی بال برابر مخالفت بھی کرنا خطرناک ہے۔

۱۷۔ جو مذہبِ اہلسنت و جماعت سے جُدا ہوئے وہ گمراہی اور خرابی میں ہیں۔

۱۸ - کتاب وسنت کے وہی معنی معتبر ہیں جو علمائے اہلسنت نے سمجھے ہیں۔

۱۹ - اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا بداعتقادی اور سمِّ قاتل ہے۔

۲۰ - اہلسنت وجماعت ہی ناجی گروہ ہے۔

۲۱ - اِس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرقۂ ناجیہ میں داخل فرمایا۔

۲۲ - سب سے بدترین وہ فرقہ ہے جو صحابۂ کرام سے بغض وعناد رکھتا ہے۔

۲۳ - صحابۂ کرام پر طعن کرنا قرآنِ مجید اور شریعتِ محمدیہ پر طعن کرنا ہے۔

۲۴ - صحابۂ کرام کی پیروی کا پابند صرف اہلسنت وجماعت کا گروہ ہے۔

۲۵ - صحابۂ کرام میں عیب نکالنا پیغمبرِ خدا کی ذات میں عیب نکالنے کے مترادف ہے۔

۲۶ - بعض صحابہ میں عیب نکالنا سب کی متابعت سے محروم ہونا ہے۔

۲۷ - صحابہ کے خلاف بولنے سے زبان کو روکنا اور انھیں اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیے۔

۲۸ - تمام صحابۂ کرام کی متابعت ضروری ہے، اصول میں وہ سب متفق تھے۔

۲۹ - صحابہ کی خواہشات شریعت کے تابع تھیں، اُن کا اجتہادی اختلاف حق کی سربلندی کے لیے تھا۔

۳۰ - تمام صحابۂ کرام افضلیتِ صدیقِ اکبر پر متفق تھے۔

۳۱ - خلفائے راشدین کی افضلیت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے۔

۳۲ - سادات سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کے باعث محبت رکھنی چاہیے۔

۳۳ - علماء کی سیاہی (لکھنے والی) قیامت میں شہیدوں کے خون سے وزنی ہوگی۔

۳۴ - علمائے حق کی نظر صوفیہ کی نظر سے بلند تر ہے۔

۳۵ - علماء ہی شریعت کے حامل ہیں، انھیں ترجیح دینے میں شریعت کی ترویج ہے۔

۳۶ - لوگوں کی نجات علماء کے ساتھ وابستہ ہے۔

۳۷ - علمائے آخرت کے کلام کی برکت سے توفیقِ عمل بھی مل جاتی ہے۔

۳۸۔ حقیقت سے واقف کار علماء کی دعا و توجہ کا طالب رہنا چاہیے۔

۳۹۔ حلال و حرام کے معاملے میں ہمیشہ دیندار علماء کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

۴۰۔ تمام نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دینداروں اور شریعت کی پابندی کرنے والوں سے میل جول رکھا جائے۔

۴۱۔ دنیا کی جانب رغبت ہونا علماء کے چہرے پر بدنما داغ ہے۔

۴۲۔ دولت کے حریص دنیادار علماء کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔

۴۳۔ علماء ہی بہترین مخلوق ہیں اور علماء ہی بدترین مخلوق ہیں۔

۴۴۔ بہتّر گمراہ فرقے علمائے سوء کی کارگزاری کا زندہ ثبوت ہیں۔

۴۵۔ جسم کو زندہ کرنے کی نسبت قلب کو زندہ کر دینا عظیم الشان ہے۔

۴۶۔ پیرِ حق تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

۴۷۔ اللہ والوں کی صحبت کبریتِ احمر ہے۔

۴۸۔ صوفیہ کے علوم و معارف اگر کتاب و سنت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود۔

۴۹۔ اولیاء اللہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنا زہرِ قاتل ہے۔

۵۰۔ اللہ تعالیٰ جس کو برباد کرنا چاہے اُسے بزرگوں پر طعن و تشنیع میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۵۱۔ ناقص پیر کی صحبت زہرِ قاتل اور اُس کی طرف رجوع کرنا مہلک ہے۔

۵۲۔ شدید ریاضتوں سے بھی وہ بات میسر نہیں آتی جو بزرگوں کی صحبت سے مِل جاتی ہے

۵۳۔ دنیا دار صوفیہ سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔

۵۴۔ وہ علم جس سے عمل مقصود ہے علمِ فقہ اُس کا کفیل ہے۔

۵۵۔ دشمنانِ دین کے مقابلے پر قولی جہاد بھی جہادِ اکبر ہے۔

۵۶۔ کفار کے ساتھ سخت رویّہ اختیار کرنا خُلقِ عظیم میں داخل ہے۔

۵۷۔ اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی ذلت میں ہے۔

۵۸ - جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہوگی اُسی قدر اسلام کی ذلت ہے۔

۵۹ - کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور اُن پر سختی کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔

۶۰ - مسلمان ہونے کے لیے کفر اور کافری سے بیزار ہونا ضروری ہے۔

۶۱ - فقیر کی نظر میں خدا کے دشمنوں سے بیزاری کے برابر کوئی عمل نہیں۔

۶۲ - فقیر کی تمنا یہی ہے کہ اللہ اور رسول کے دشمنوں پر سختی کی جائے۔

۶۳ - اللہ اور رسول کے دشمنوں سے میل جول اور محبت رکھنا بہت بڑی تقصیر ہے۔

۶۴ - کامل محبت کی نشانی یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں سے دلی عداوت رکھی جائے۔

۶۵ - سلاطین و حکام سے میل جول ابدی ہلاکت اور دائمی نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔

۶۶ - بادشاہوں کے دربار کا چرب و شیریں لقمہ قلبی مرض میں اضافہ کرتا ہے۔

۶۷ - دولت مندوں کی صحبت زہر قاتل ہے۔

۶۸ - دنیا بظاہر شیریں اور خوشنما ہے لیکن حقیقت میں زہر قاتل ہے۔

۶۹ - دنیا اس لیے مبغوض ہے کہ یہ نفس کی معاون ہے۔

۷۰ - ملک میں بادشاہ رُوح کی طرح اور رعایا جسم کے مانند ہے۔

۷۱ - الہام دوسرے کے لئے حجت نہیں ہے۔

۷۲ - الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے نہ کہ کمالاتِ زائدہ کا ظاہر کرنے والا۔

۷۳ - فرضی عبادتوں کے مقابلے میں نفلی عبادتیں بالکل بے حقیقت ہیں۔

۷۴ - فرائض سے اعراض کر کے نوافل میں مشغول ہونا نفع سے خالی ہے۔

۷۵ - برُے افعال سے ہر وقت توبہ کرنی چاہیے، کیا خبر کہ توبہ کی مہلت ملے یا نہ ملے۔

۷۶ - لمحاتِ زندگی کو حق تعالیٰ کی مرضی کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔

۷۷ - چند روزہ زندگی کو موہوم مقاصد میں صرف کر دینا اچھا نہیں۔

۷۸ - فوت شدگان کی صدقہ و دعا سے مدد کرنی چاہیے، وہ زندوں کی مدد کے محتاج ہیں

۷۹۔ جوانی نفس و شیطان کے غلبہ کا وقت ہے۔ جوانی کے تھوڑے عمل کا بھی ثواب، زیادہ ہے۔

۸۰۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر بڑا احسان ہے کہ وہ نیکی کے راستے پر چلتا ہُوا اپنے بال سفید کرے۔

۸۱۔ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا و صدقہ کے ذریعے ہر وقت دور کرتے رہو۔

۸۲۔ مجازی مالک کی رضامندی کا خیال رکھتے ہو لیکن حقیقی مالک کی مرضی کو نظرانداز کر دیتے ہو۔

۸۳۔ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کا بندوں کو حکم دیا ہے وہ اُسے کر سکتے ہیں۔

۸۴۔ تہجد کا التزام کریں کہ وہ طریقہ کی ضروریات سے ہے۔

۸۵۔ تمام احکامِ شرعیہ کو عقل کی میزان پر تولنا اچھا نہیں ہے۔

معاندینِ مجدّدِ اعظم:۔ قدرت کا یہ نظام ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ ہر پھول کے ساتھ کانٹا ہوتا ہے۔ پوری انسانی تاریخ اِس بات پر شاہد ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رُشد و ہدایت اور بھلائی کے لیے مصلحین کو پیدا کیا وہاں اُن کے اصلاحی کاموں میں روڑے اٹکانے کے لئے مفسدین بھی کھڑے ہوتے رہے۔ انبیائے کرام کے ساتھ ایسے لوگوں نے جو مخالفت روا رکھی اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اُن برگزیدہ بندوں کو ستایا گیا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، بلکہ امام الانبیاء سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باقی جملہ انبیاءِ کرام سے زیادہ ایذائیں پہنچائی گئیں۔ یہی سلوک علیٰ قدرِ مراتب اولیائے عظام کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اسی کے پیشِ نظر شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم نے فرمایا تھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

قرآنِ کریم نے مخالفینِ انبیاء کے بارے میں بتایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کیے ہیں
الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ	آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ اُن میں ایک
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۰[1]	دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکہ کو۔

اور دوسرے مقام پر ایسے انسان نما کانٹوں کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن
الْمُجْرِمِيْنَ ۰[2]	بنا دیئے تھے مجرم لوگ۔

اسی نظامِ قدرت کے تحت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی مخالفت بھی ہوئی اور آپ کے کارنامے کی ہمہ گیری کے لحاظ سے مخالفت بھی ہمہ گیر ہوئی۔ مخالفین کی صف میں جہاں بادشاہ کھڑا تھا وہاں علماء و مشائخ بھی موجود تھے لیکن اُن کا شمار علمائے حق اور مشائخِ عظام میں نہیں ہے۔ وہ اپنے مالک کی رضا چاہنے پر خوشنودیٔ سرکار کو ترجیح دے چکے تھے۔ اُنھوں نے اپنے علم سے آخرت سنوارنے اور مشعلِ راہ کا کام لینے کی جگہ اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ مال و دولت، جاہ و منصب اور آرام و راحت کی طلب ہی اُن کی منزلِ مقصود تھی۔ جبکہ سرہندی مجدد اُنھیں ترغیب دلا رہا تھا کہ اِس فانی آرام و راحت سے منہ موڑ کر ابدی راحت کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے۔ نظریات کا یہ اختلاف مخالفت کا متقاضی تھا۔

اس دور میں جو گمراہی کے ارکانِ ثلاثہ بنے ہوئے تھے یعنی حکومت، علمائے سوء اور غلط کار صوفیہ، اُن کا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے خلاف صف بستہ ہو جانا غیر متوقع نہ تھا۔ مصلحین کے ساتھ معتدین و مفسدین نے ہمیشہ جو سلوک کیا ہے۔ وہی اُنھوں نے کرنا تھا۔ ان تینوں کے علاوہ روافض کی مخالفت بھی غیر متوقع نہ تھی۔ ان دشمنانِ صحابہ و منکرینِ قرآن نے اس شمعِ ہدایت

---

[1] پارہ ۸، سورۂ الانعام، آیت ۱۱۲

[2] پارہ ۱۹، سورۂ الفرقان، آیت ۳۱

کر بجھانے اور حقانیت کے بیباک علمبرداروں کا منہ ہمیشہ کے لئے خاموش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

مخالفین و معاندین کا پانچواں گروہ وہ ہے، جس کی آنکھیں ہدایت کے اس مہر درخشاں کو دیکھ کر چندھیا گئی تھیں سو شرح صدر سے آپکے منصب کا اعتراف اس لیے کرنا نہیں چاہتے تھے کہ ایسا کرنے میں اُن کا اپنا مقام بہت پست ہو جاتا تھا۔ اُن کی اونچی دکانوں کا پھیکا پکوان ظاہر ہوتا تھا۔ اپنا کاروبار چلانے، اپنی شخصیت برقرار رکھنے کی خاطر انھوں نے حسد کی آگ میں جل بھن کر معاندانہ روش اختیار کر لی اور آپ کے خلاف بساط بھر طوفان بدتمیزی برپا کرتے رہے بے سروپا الزامات عائد کرتے رہے اور اِس طرح چراغِ مصطفوی سے کسب ضیا کرنے اور فیضان حاصل کرنے کے بجائے شرارِ بولہبی بن کر ستیزہ کار رہنے لگے۔

اِس گروہ کی الزام تراشیوں کا سرچشمہ حسن خان کابلی ہے یہ شخص حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ ایک مرحلے پر وہ آپکے کسی متوسل سے ناراض ہو گیا۔ شکر رنجی تو اُس معتمد سے ہوئی لیکن خانصاحب موصوف نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے غیظ وغضب کا نشانہ بنا لیا۔ مکتوبات کے بعض مسودے لے گیا، اُن میں من مانی تحریفیں کیں اور اُن جعلی عبارتوں کے تحت ایک استفتاء مرتب کر کے اُس وقت کے نامور علماء کی خدمت بھیج دیا۔ بعض حضرات اس فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے اور انھوں نے حسن خان افغان کے پیش کردہ خاکے پر قطعاً اعتماد نہ کیا جبکہ بعض حضرات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے بدظن ہو گئے۔ اندرونِ ملک عبداللہ خویشگی قصوری نے اس فتنے کو ہوا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔

اپنی دکان چمکانے کی فکر میں مذکورہ فتنے کے اندر مبتلا ہونے والوں میں ایک صاحب گجرات یا اورنگ آباد کے رہنے والے شیخ محمد صالح بھی تھے۔ انھوں نے اپنی بدنیتی کے تحت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلاف اشتباہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ پھر اپنے

متوسلین میں سے سورت کے رہنے والے دو شخصوں میں محمد عارف اور عبداللہ کی وساطت سے وہ رسالہ ایک معقول رقم کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہاں کے کسی عالم سے حضرت امام ربانی کا رد لکھوانے میں کامیابی حاصل کی جائے۔ جوئندہ یابندہ، چنانچہ وہاں کے ایک عالم، سید محمد برزنجی پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب ہوگئے۔ مکتوباتِ امام ربانی کی محرف عبارتوں کے تحت اُن سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے رد میں ایک کتاب ایرادات برزنجی کے نام سے لکھوالی۔ حرمین شریفین کے علمائے کرام نے اُس نامعقول اور مضحکہ خیز رسالے کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے برعکس علامہ شیخ نور الدین محمد بیگ رحمۃ اللہ علیہ نے ایراداتِ برزنجی کا رد لکھا جو عمائدِ حرمین طیبین کی تقاریظ و تصادیق سے بہترین ہے، یہ رسالہ اس فتنے کی بیخ کنی میں کافی و وافی ہے۔

جب مذکورہ بدعقیدہ افراد کو مدینہ منورہ میں کامیابی کی جگہ رسوائی نصیب ہوئی تو اپنی زشت خوئی اور مخلوقِ خدا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی خاطر مدینہ طیبہ کے بعض غیر ثقہ اور نامعلوم حضرات سے بھی اُس پر تقریظیں حاصل کیں اور ہندوستان میں اپنے قبلہ و کعبہ کے پاس لے آئے۔ چنانچہ محمد صالح مذکور نے ایراداتِ برزنجی کی روشنی میں دوبارہ چاند کی طرف تھوکنے کی کوشش کی اور مکاشف الاسرار کے نام سے دوسرا رد بھی لکھ مارا لیکن سراسر کرشمۂ تلبیس ہونے کے باعث کسی نے اِس رسالے کے مضامین پر کان نہ دھرے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ سلطنت زندہ درگور ہوگئی۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ (المتوفی سنہ ۱۲۴۰ھ / سنہ ۱۸۲۴ء) اور مولانا وکیل احمد سکندرپوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبروں پر اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمتوں کی بارش برساتا رہے۔ کہ ان دونوں بزرگوں نے مذکورہ فتنے کی بیخ کنی میں قابلِ فخر کاوش فرمائی۔ جہاں اِن حضرات نے حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت کا حق ادا کیا وہاں ایک قابلِ تقلید مثال بھی قائم فرمائی۔

مولانا وکیل احمد سکندرپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایراداتِ برزنجی کا رد الکلام المنجی بردِ ایرادات

برزنجی کے نام سے عربی میں لکھا اور حق تو یہ ہے کہ جواب لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کا یہ مبارک رسالہ ۱۳۱۲ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہو گیا تھا۔ شیخ محمد صالح گجراتی کے رسالے مکاشف الاسرار کا رد آپ نے انوارِ احمدیہ کے نام سے لکھا اور یہ کتاب بھی مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی تھی آپ نے شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک ضخیم رسالہ شرح و بسط سے لکھا تھا۔ جو ہدیۂ مجددیہ کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں مطبع مذکور سے شائع ہوا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے معتقدین و متوسلین بلکہ خلفاء سے ہے۔ ان کے اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ عمر میں تیرہ ۱۳ سال بڑے ہونے کے باعث یہ مجددِ اعظم کو میاں شیخ احمد سلمہٗ لکھا کرتے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "وجودِ شیخ عبدالحق در دہلی غنیمت ست"۔ ایک دوسرے کا کس درجہ احترام کرتے تھے یہ دونوں حضرات کے مکاتیب سے ظاہر ہے۔ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعے میں نظر بند کیا گیا تو شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا افسوس ہوا اور فوراً ہمدردی سے بھرا ہوا خط ارسال کیا۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے آخر میں فرمایا،

"وجودِ شریف الیشاں دریں غربتِ اسلام اہلِ اسلام را مغتنم ست"[1]	آپ کا وجود اس غربتِ اسلام کے دور میں مسلمانوں کے لیے غنیمت ہے۔

حسن خان مذکور کے فتنے کا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی عارضی طور پر شکار ہو گئے تھے۔ اس کی پیش کردہ جعلی عبارتوں پر یقین کر کے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بدظن ہوئے اور ایک رسالے کی شکل میں فتویٰ صادر فرما دیا۔ لیکن اس کے بعد رحمتِ الٰہی نے دستگیری فرمائی اور شیخ موصوف نے ایک مکتوب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں صورتِ حال معلوم کرنے کی غرض سے ارسال کیا۔ یہ حضرت شیخ محقق دہلوی علیہ الرحمہ سے کوتاہی واقع ہوئی۔ ورنہ انہیں فتویٰ صادر فرمانے سے پہلے صورتِ حال معلوم کرنی چاہیے تھی۔

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۲۹

مذکورہ مکتوب کے جواب میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن خاں افغانی کی محرف عبارتوں کے بالمقابل اصل عبارتیں ارسال کیں اور جن عبارتوں پر فتویٰ صادر فرمایا گیا تھا۔ اُن سے اپنی برات کا اعلان کیا۔ آخر بڑی حد تک حضرت شیخ کی تسلی ہو گئی اور وہ وقت بھی آیا کہ دونوں بزرگوں کے درمیان اسی محبت کا رابطہ قائم ہو گیا جو اس سے پہلے تھا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مذکورہ مکتوب شیخ کو معارج الولایت کے حوالے سے اپنی کتاب حیات شیخ عبدالحق میں صفحہ ۳۱۲ سے ۳۴۴ تک نقل کیا ہے۔ شیخ نے اِس مکتوب کی غرض یہ بیان فرمائی:۔

اصل غرض نصیحت و خیر خواہی و کشفِ حال ست۔[1]	اصل مقصد نصیحت، بھلائی چاہنا اور صورتِ حال معلوم کرنا ہے۔

اسی مکتوب گرامی کے شروع میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اِن الفاظ سے یاد کیا ہے:۔ ایھا الشیخ العالم الفاضل العارف الذی اجتباہ الیہ وخصّہ بفضلہٖ و اعطاہ من المعارف مالم یبلغہ من العارفین کما ھو تحرّ فوافی نفسہ واللہ اعلم بالمتقین فان خصّہ اللہ بالاجتباء فنحن نرجوا ان یھدینا الیہ کما یھدی المتین"[2]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ فتوے سے رجوع کرنا اُلقات میں مشہور اور مختلف قابلِ اعتماد تصانیف میں مذکور ہوا ہے۔ تیرھویں صدی کے مجدد، شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) کے مکاتیب میں ہے:۔

در مکتوبی مرسل بحضرت میرزا حسام الدین خلیفہ حضرت خواجگان خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہما نوشتہ اند کہ غبارے کہ فقیر را بخدمت حضرت	اس مکتوب میں جو آپ (شیخ عبدالحق) نے مولوی حسام الدین خلیفہ خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہما کیلئے لکھا، اس میں تحریر فرمایا ہے کہ

---

[1] حیات شیخ عبدالحق، ص ۳۴۳

[2] ایضاً، ص ۳۱۳

شیخ احمد بود رفع شد و غشاوہ بشریت نماند و ذوق و وجدان در دل چیزے افتادہ کہ با چنین عزیزاں بد نباید بود[1]

اس فقیر کے دل میں جو حضرت شیخ احمد کی جانب سے غبار تھا وہ رفع ہو گیا ہے اور بشریت کا حجاب نہیں رہا۔ ذوق و وجدان سے میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ ایسے عزیزوں سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔

آپ کے ملفوظاتِ عالیہ میں شیخ محقق علیہ الرحمہ کے مذکورہ مکتوب کا یوں ذکر فرمایا گیا ہے:۔

و ہم میفرمودند کہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اخلاص نامہ بخواجہ حسام الدین احمد خلیفۂ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نوشتہ بودند و در آں ترقیم نمودہ کہ میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ می آیند، احوال دل من دگرگوں گشتہ و غشاوۂ بشری در دل من نماندہ و بخاطر آمدہ کہ با چنیں، بزرگاں بد نباید بود۔ پس از لفظ غشاوہ معلوم شد کہ اعتراضات ایشاں ہمہ از راہِ بشریت و نفسانیت بود نہ از راہِ حقیقت این سخن جواب ہمہ اعتراضات شیخ ہست[2]

یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام جو خط لکھا اس میں تحریر کیا کہ میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں میرے دل کی حالت بدل گئی ہے اور بشری حجاب اب میرے دل نہیں رہا ہے اور یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ ایسے بزرگوں سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ پس لفظ حجاب (غشاوہ) سے معلوم ہوا کہ ان کے اعتراضات از راہِ بشریت و نفسانیت تھے نہ کہ از راہ حقیقت۔ یہ بات شیخ کے تمام تر اعتراضات کا جواب ہے۔

---

[1] مکاتیب [illegible] مطبوعہ [illegible] ص ۱۰۱

[2] [illegible]، ص [illegible]

مذکورہ ملفوظ کے اندر اسی سلسلے میں حضرت شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ	شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک
خود نوشتہ اند کہ من در بارۂ رفع اشتباہ	رسالے میں لکھا ہوا ہے کہ میں نے حضرت مجدد
حضرت مجدد تفکر کردم ناگاہ آیتے کہ در بارۂ	رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مراقبہ کیا تو فوراً میرے
رفع اشتباہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ التحیات و	دل میں وہ آیت وارد ہوئی جو حضرت موسیٰ
التسلیمات نازل شدہ است در دلِ من	علیٰ نبینا وعلیہ التحیات والتسلیمات کے رفعِ
وارد شد۔ پس حضرت ایشاں فرمودند کہ	اشتباہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے پس حضورِ
ازینجا معلوم شد ہر کہ معتقد حضرت مجدد	والا (مولانا غلام علی) نے فرمایا کہ یہاں سے
ست موسیٰ است و ہر کہ منکر ست	معلوم ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا
فرعونے ست نعوذ باللہ [1]	معتقد تبعِ موسیٰ اور آپ کا منکر تبعِ فرعون

ہے ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مولانا شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُس رسالے کا جواب بھی تحریر فرمایا تھا، جو انہوں نے حسن خان افغان کی کارگزاری کے تحت بزعمِ خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے کا ایک مکتوب میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

بلکہ ایک رسالہ در جواب حضرت شیخ عبدالحق	بلکہ میں نے ایک رسالہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ
رحمۃ اللہ علیہ کہ بے تحقیق محض باستماع سخنانِ	اللہ علیہ کے جواب میں کہ انہوں نے بغیر تحقیق
بے سروپا گویاں در انکار و اعتراضات بر کلام	محض بے پر کی اڑانے والوں کی باتیں سن کر
حضرت مجدد نوشتہ زبان طاعنان دراز ساختند	کلامِ حضرت مجدد پر انکار و اعتراضات کیے
تحریر کردہ ام سبحان اللہ! این جاہل کجا و مقابلہ	اور زبانِ طعن دراز کرنے والوں کو موقع دیا،

---

[1] ردالمعارف، ص ۴

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کجا از ین جا احوال اعتراضات دریافت میشود کہ جاہلے آں اعتراضات بر دارد، پس آں اعتراضات قدرے ندارد۔ حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب بعد مطالعہ آں رسالہ فرمودند کہ ایں رسالہ در ردِ اعتراضات کافی ست۔" [1]

خود تحریر کیا ہے۔ سبحان اللہ! کہاں میرے جیسا جاہل اور کہاں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اِسی سے اُن اعتراضات کی حالت معلوم ہو جاتی ہے کہ ایک جاہل اُن اعتراضوں کے پرخچے اُڑا رہا ہے۔ پس اُن اعتراضات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب نے اُس رسالے کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا کہ ردِ اعتراضات میں یہ رسالہ کافی ہے۔

اس زمین کے اُوپر اور آسمان کے نیچے اس کونسی ہستی ہو گزری ہے جس کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ دشمنوں اور مخالفوں نے جس پر زبانِ طعن دراز نہیں کی؟ حضرات انبیائے کرام سے بڑھ کر تو کوئی بزرگ نہیں ہو سکتا لیکن اُن حضرات کی مخالفت سب سے زیادہ کی گئی۔ دشمنوں نے اُنھیں ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور قسم قسم کے الزامات اُن معصوم ہستیوں پر عائد کیے گئے۔ انبیائے کرام کے نائبوں کو بھی علیٰ قدرِ مراتب اس نعمت سے حصہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت آپ کی بلند و بالا شخصیت کی طرح ہمہ گیری میں دوسرے بزرگوں کی مخالفت سے ممتاز ہے۔ حکومتِ[1] وقت، علمائے[2] سوء، صوفیانِ[3] خام، مشرکینِ[4] ہند اور روافض وغیرہ سب کے پہلو میں خار بن کر چبھتے اور آنکھوں میں کھٹکتے رہے۔ آپ کا جرم صرف یہی تھا کہ اسلام کے چشمۂ صافی سے فتوحاتِ مدینہ کے جام پلا کر آپ مخلوقِ خدا کو مالکِ حقیقی کے حضور جھکانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس کے سوا نہ کوئی ذاتی غرض تھی اور نہ کسی دنیاوی

---

[1] مکتوباتِ شاہ غلام علی، مطبوعہ مدراس، ص ۲۹

منفعت کا آپ کی مساعی جمیلہ میں کوئی دخل تھا۔

علمائے سوء اور صوفیانِ گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت نے مخالفت میں اگر حکمرانوں کے کان بھرے یا حکومتِ وقت نے معاندانہ سلوک کیا یا روافض و ہنود نے آپ کے گرد سازشوں کے جال بچھائے تو اس میں سے کونسی بات ایسی ہے جسے اس ہستی کے بارے میں غیر متوقع کہا جا سکے جس نے اولوالعزم پیغمبروں کی نیابت کا فریضہ ادا کیا ہے۔ یہ سب کچھ ہوا اور جس شدت سے ہوا اُس کے تصور سے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان جملہ واقعات وحالات میں سے اگر کوئی چیز غیر متوقع تھی تو وہ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت۔ دین کی خاطر دشمنوں کے وار، شمشیر و سناں کے زخم مردانہ وار برداشت کیے جاتے ہیں۔ اور کوئی شکایت نہیں ہوتی لیکن اپنوں کی جانب سے اگر پھول بھی مارا جائے تو رنج پہنچتا ہے، دِل دکھتا ہے، گِلہ ہوتا ہے۔

بہر حال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کوتاہی سرزد ہوئی کہ وہ سراسر ناقابلِ یقین شخص کی باتوں پر اعتماد کر کے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں رسالہ لکھ بیٹھے۔ لیکن ایک وقت وہ آیا کہ حقیقی صورتِ حال اُن کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور انھوں نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا جیسا کہ گزشتہ سطور میں قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ علاوہ بریں انھوں نے اپنے صاحبزادہ، شیخ نورالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء) کی معرفت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا اور تسکینِ قلب حاصل کرنے کی خاطر کتنی ہی باتیں دریافت کیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً جو مکتوب بھیجا شیخ موصوف کے نام اس نے رہے سہے پردے بھی ہٹا دیے اور معاملہ نیازمندی تک آپہنچا۔

مذکورہ چند سطور بغرضِ تفہیم اِس لیے سپردِ قلم کیں کہ فی زمانہ ایک صاحب جو مسندِ ارشاد پر فائز اور کافی حلقۂ ارادت رکھتے ہیں اور اپنے بعض جاہل مریدوں کو رازداری سے یہ

بتاتے بھی رہتے ہیں کہ انھیں غوثِ دوراں کا منصب مرحمت فرمایا گیا ہے۔ انھوں نے اپنی تبلیغ میں دو باتوں کو سرِ فہرست رکھا ہوا ہے۔ (۱) ابو طالب کو صاحبِ ایمان باور کرانا۔ (۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر طرح طرح کے الزامات عائد کر کے لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرنا۔ اِس سلسلے میں وہ چونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کا ناجائز سہارا لیتے ہیں۔ بایں وجہ اس مخالفت کی حقیقت اور انجام کا ذکر کر دینا ضروری نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کی سچی عقیدت نصیب فرمائے۔ آمین

؎
چلی ہی آتی ہیں شوق میں یاں زباں پہ بے اختیار باتیں
سکوتِ نخوت بھی مسکرا اٹھے جو دیوانہ وار باتیں

باب دوم

اعترافِ عجز:۔ یہ کوتاہ علم و تہی دست ایسے آسمانِ علم و عرفاں کے کیا فضائل و کمالات بیان کر سکتا ہے۔ ذرہ پہاڑ کی رفعتوں کا کیا اندازہ کر سکتا ہے؟ قطرے کو بحرِ بیکراں کی وسعتوں کا کیا علم ہو سکتا ہے؟ فضل و کمال سے خالی یہ عصیاں شعار و سراپا معصیت بھلا اُس ہستی کی تابانیوں اور ضیا باریوں کے بارے میں کیا لکھ سکتا ہے۔ جس کے بارے میں خود اُس کے مرشدِ گرامی، خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا:۔

۱۔ میاں شیخ احمد فضل و کمال کے نیّرِ تاباں ہیں، جن کی روشنی میں ہمارے جیسے کتنے ہی ستارے گم ہیں۔

۲۔ ہماری اور میاں شیخ احمد کی مثال خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ اور آن کے مرید خواجہ عبداللہ انصاری کی ہے کہ اگر وہ اور زندہ رہتے تو اپنے مرید سے شرفِ ارادت حاصل کرتے۔

۳۔ میاں شیخ احمد جیسی ہستی آج اس آسمان کے نیچے کوئی اور نہیں ہے۔

۴۔ صحابہ و تابعین کے بعد میاں شیخ احمد جیسی ہستیاں چند ہی گزری ہیں۔

۵۔ میاں شیخ احمد قطبیت ارشاد و قطبیت مدار دونوں کے جامع ہیں۔

۶۔ میری محنت رائگاں نہیں گئی کیونکہ میاں شیخ احمد جیسی نادرالوجود ہستی کی تربیت کر چلا ہوں۔

۷۔ میاں شیخ احمد مُرید نہیں بلکہ مراد اور محبوب ہیں۔

۸۔ راہِ سلوک میں ہمارا توقف میاں شیخ احمد کی توجہ ہی سے دُور ہوا تھا۔

۹۔ میاں شیخ احمد کی ذات پر مجھے فخر ہے۔

۱۰۔ میاں شیخ احمد کے ذریعے ہی مجھ پر روشن ہوا کہ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے۔

(ملت [illegible] خاتمہ)

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

۱۱۔ جس کے بارے میں بقول علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ زبانِ رسالت سے صلہ کا لفظ صادر ہوا اور آپ نے خود اپنے لیے یہ لفظ ایک مکتوبِ گرامی میں استعمال کیا، جبکہ آپ سے پہلے امتِ محمدیہ میں کسی نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا تھا، ملاحظہ ہو مکتوبات امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۔

۱۲۔ جس کے بارے میں بقول علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ زبانِ رسالت سے صلہ کا لفظ صادر ہوا اور کرتو علمِ کلام کے مجتہدین سے ہے۔

۱۳۔ جس کے عقائد کی بارگاہِ رسالت میں مقبولیت ہو چکی ہے اور اولیائے کرام سے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایسے عقیدے رکھنے چاہئیں۔

۱۴۔ جو تصوف میں منصبِ امامت و درجۂ اجتہاد پر فائز ہے۔

۱۵۔ جو اولوالعزم پیغمبروں کا نائب اور اُن کا قائم مقام ہے۔

۱۶۔ جس کا تجدیدی کارنامہ جملہ مجددین میں اپنی نظیر آپ ہے۔

۱۷۔ جس کے لئے خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے برائے دعائے مغفرت خط لکھ کر اپنے ایک خلیفہ کو دیا تھا۔

۱۸۔ جس کے ظہور کی کتنے ہی اولیائے کبار نے بشارتیں دی تھیں۔

۱۹۔ جس کے ظہور کی بشارت اُن کے والدِ گرامی، خواجہ عبد الاحد قدس سرہٗ کو قبل از وقت مل گئی تھی۔

۲۰۔ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جیسی نادرِ روزگار ہستی جس کو مجدد الف ثانی قرار دیتی تھی۔

۲۱۔ جس نے تحدیثِ نعمت کے طور پر خود بتایا ہے کہ وہ مجددِ الف ثانی ہے۔

۲۲- جس کی عظمت اور بزرگی کو شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغۂ عصر معاصر نے تسلیم کیا ہے۔

۲۳- معاصر ہونے کے باوجود شیخ فضل اللہ برہان پوری جس کو کشورِ روایت کا مہرِ درخشاں اور دوسرے اولیاء اللہ کو ستاروں کی مانند بتایا کرتے تھے۔

۲۴- شیخ حسن غوثی رحمۃ اللہ علیہ جیسا باکمال معاصر جس کو تاجدارِ کشورِ روحانیت بتائے۔

۲۵- میر مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ولیٔ کامل و صاحبِ نظر جن سے بیعت ہونے کی خواہش مند ہو، توجہ اور انوارِ قدسیہ کے افاضات کی درخواست کرے۔

۲۶- بقول حضرت میر مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ اگر حضرت بایزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی قدس سرہما ان کے دور میں ہوتے تو نیازمندانہ حاضرِ بارگاہ ہوتے۔

۲۷- جس کے عدیم المثال کارنامے کو یگانے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب تسلیم کرتے ہیں۔

۲۸- جس کو بشارت دی گئی کہ اس کے سلسلے میں بیعت ہونے والوں کو بخش دیا جائے گا۔

۲۹- جس کو مژدہ ملا کہ جس کی نمازِ جنازہ پڑھو گے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

۳۰- جس کو بارگاہِ رسالت سے خلعتِ قیومیت عطا فرمائی گئی تھی۔

۳۱- جس کو متشابہات کا علم اور حروفِ مقطعات کا مفہوم منکشف فرمایا گیا تھا۔

۳۲- جس کی نسبت امام مہدی علیہ الرضوان کو حاصل ہوگی۔

۳۳- جس کے کشف کا اندازہ کرنے سے اولیائے کاملین بھی عاجز ہے۔

۳۴- مسائلِ شرعیہ کو جس کے لئے کشفیہ بھی کر دیا گیا تھا۔

۳۵- جس کی اصابتِ رائے کو تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں۔

۳۶- جس نے گلشنِ اسلام میں وہ گلہائے رنگا رنگ کھلائے کہ نصابِ ہدایت جمع کر دیا۔

۳۷- جس کے اقوال و آراء کو اہلِ علم و اہلِ کمال کی نظر میں سند کا درجہ حاصل ہے۔

۳۸ - جس کے متوسلین آج بھی دنیا میں اِس کثرت سے ہیں کہ دوسری کسی ہستی کے شاید ہی اتنے ہوں گے۔

۳۹ - جس نے دینِ متین کے ہر شعبے میں تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا۔

۴۰ - جس کے خلفاء نے نہ صرف سرزمین ہند میں بلکہ پوری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔

رُشد و ہدایت کے ایسے مہرِ درخشاں کی تابانی اور ضیا باری کو یہ ذرۂ ناچیز کیا بیان کر سکتا ہے۔ ایسے سرچشمۂ فضل و کمال کی یہ ناکارہ کیا شان بیان کر سکتا ہے جس شمعِ فروزاں نے ایک عالم کو منور کر رکھا ہے۔ اُس ہستی کے کمالات کا تصور بھلا اس بے بصر سے کہاں ممکن ہو سکتا ہے جس سے قدرت نے اولوالعزم پیغمبروں کی جگہ کام لیا ہو۔ اس میدان میں احقر کو اپنی مجبوری اور بیکسی کا پورا پورا احساس ہے۔

اِس کے باوجود حضرت مجدد الف رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات بیان کرنے کی خاطر قلم سنبھالا ہے۔ اپنے رہوارِ قلم کو اس میدان میں اذنِ خرام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ عاجز مجددِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و منصب اور کمالاتِ علیہ کو سمجھنے سے سراسر مجبور ہے لیکن ایک گنجائش ایک راستہ موجود ہے کہ خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقام و منصب کی بیان کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ آپ کی تصانیفِ عالیہ اور خصوصاً مکتوبات ایسی تصریحات سے جگمگا رہے ہیں اور مابعد کے اہلِ نظر حضرات نے آپ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اپنی اپنی بساط کے مطابق انہوں نے آپ کے منصب کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ لہٰذا ان جملہ تصریحات کی روشنی میں احقر اِس موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت کر رہا ہے، جبکہ اس سلسلہ تجلیاتِ اما[illegible]بانی کا اولین ماخذ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوباتِ عالیہ ہیں۔ احقر دانشِ برہانی سے پہلو بچا کر اسی دانشِ نورانی کی روشنی میں کچھ عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔

اِک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی ۵
ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی

کسبِ کمال : حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کی اجازت و خلافت اپنے والدِ محترم، شیخ عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی تھی۔ زندگی میں ہی والدِ مکرم نے آپ کو اپنا قائم مقام و جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ سنہ ۱۰۰۷ھ میں جب شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی تو حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی ان کی جگہ مسندِ ارشاد کی زینت بنے تھے۔ سنہ ۱۰۰۸ھ میں آپ حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہر کی غرض سے روانہ ہوئے۔ قیامِ دہلی کے دوران آپ کے ایک دوست مولانا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مشائخ نقشبندیہ میں آجکل خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ثانی نہیں ہے۔ چونکہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں ہی جلوہ افروز تھے اس لیے شرفِ زیارت حاصل کرنے کی جانب آپ کو راغب کیا۔

جب آپ خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے چند روز کے لیے آپ کو بطور مہمان ٹھہرایا۔ انھوں نے ایسا کیوں کیا، یہ بابِ اوّل میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اُن سے ارادت کا شرف حاصل کیا اور تقریباً سوا دو مہینے حضرت خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور منازلِ سلوک طے کرتے رہے۔ اسی دوران میں آپ مرشدِ گرامی کے حضور اسی طرح رہے جیسے رہنے کا حق ہے۔ کسبِ فیض کی غرض سے مرید کو شیخ کی بارگاہ میں کس طرح رہنا چاہیے، اس سلسلے میں خود حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تصریح فرمائی ہے۔

"اگر فضلِ ایزدی سے شیخ کامل میسر آجائے تو اُس کے حصول کو نعمتِ عظمیٰ شمار کرتے ہوئے سالک اُس کے آستانے کا خدمت گزار بن جائے اور اپنی ذات کو اُس کے تصرفات کا تابع بنا دے ...... شیخ کے اختیار میں اپنے اختیار کو گم کر دے۔ اپنے دل کو تمام مرادوں سے خالی کر کے شیخ کی خدمت پر کمربستہ ہو جائے۔ شیخ کے ہر حکم کو رُوحِ سعادت گردانتے ہوئے پوری کوشش

سے اس کی تعمیل کرے۔ مرشدِ کامل اگر ذکر کو اس کی استعداد کے لیے مناسب سمجھے گا، تو ذکر کی تلقین کرے گا۔ اگر اُسے توجہ یا مراقبہ مناسب نظر آئے گا، تو ان کی جانب اشارہ کر دے گا اور اگر صرف صحبت کو کافی سمجھے گا۔ تو صحبت اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ قصہ مختصر کہ صحبتِ شیخ کے وقت راہِ سلوک کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذکر کی حاجت نہیں بلکہ جو کچھ اُسے طالبِ صادق کے حال کے مناسب نظر آئے گا اس کے کرنے کا خود حکم دے گا اور اگر راہِ شرائط میں طالب سے کسی امر میں کسی کوتاہی کا ارتکاب ہوگا، تو صحبت اس کی تلافی کرے گی۔ اور شیخ کی توجہ اس نقصان کو پورا کر دے گی۔" [1]

دوسرے مقام پر اسی چیز کو آپ نے سید محمود رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مکتوب گرامی لکھتے ہوئے یوں بیان فرمایا۔

"مرشدِ کامل کی خدمت میں پہنچ جانے کے بعد سالک تمام مرادوں سمیت اپنے آپ کو اس طرح شیخ کے سپرد کر دے جس طرح میت غسال کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، کیونکہ فنائے اوّل یہی فنائے شیخ ہے اور فنا فی اللہ کا ذریعہ وسیلہ یہی فنا ہے۔

زاں رومی کے چشمِ تست احول
معبودِ تو پیرِ تست اوّل

کیونکہ افادے اور استفادے کا راستہ طرفین (مخلوق و خالق) کی مناسبت پر مبنی ہے۔ شروع میں طالب کو اپنی انتہائی پستی اور نااہلی کے باعث بارگاہ عز سلطانہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی، لہٰذا اس وقت درمیان میں

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۸۷

ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہوتی ہے جو طالب و مطلوب کے مابین برزخ کا کام دے اور وہ شیخ کامل کی ذات ہے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ ارادت حاصل کر لیا تو اپنے آپ کو مرشدِ کامل کے حضور اُسی طرح پیش کر دیا جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اور دو ماہ چند روز مرشدِ برحق کی خدمت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کرتے رہے۔ اس عرصے میں آپ نے کیا حاصل کیا، مرشدِ کامل نے آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا، اس سلسلے میں خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یُوں تصریح فرمائی ہے۔

"جب اس فقیر کو اِس راہ (سلوک) کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت نے مجھے سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (خواجہ باقی باللہ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہیں سے میں نے ان بزرگوں کے طریقے کو اخذ کیا اور اُن بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ اُن بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضراتِ خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے، اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج النہایت فی البدایت سے کسی قدر سیرابی نصیب ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہو گیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا اور میں نے اس راہ کو شیرِ خدا، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روحانی تربیت کے ذریعے انجام تک پہنچایا، یعنی مجھے اُس اسم تک عروج حاصل ہو گیا جو میرا مربی یعنی پرورش کنندہ تھا اور پھر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی روحانیت کی مدد سے اُس اسم قابلیتِ اولیٰ کے درجے تک عروج حاصل کیا، جسے حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۶۱

سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد مجھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی دستگیری سے اس قابلیتِ اولیٰ سے بھی بلندی نصیب ہوئی اور وہاں سے پھر میں اس مقام تک پہنچ گیا جو اس قابلیت سے بھی بلند تر ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ قابلیت گویا اس مقام کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اس کا اجمال ہے۔ یہ مقام اقطابِ محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے اور اس فقیر کو اس مقام تک ترقی حضرتِ رسالتِ خاتمیت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی۔ اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس فقیر کو حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ کی روحانیت سے بھی ایک گونہ امداد حاصل رہی، جو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہٗ کے خلیفہ اور خود قلیب ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منتہائے عروج اسی مقام تک ہے اور دائرۂ ظلیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اصل اور ظل ملے ہوئے ہیں۔ افراد کی ایک جماعت کو اس وسعت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے۔ بعض اقطاب کو بھی افراد کی صحبت کے ذریعے سے اس مقامِ ممتزج (ظل آمیز اصل) تک عروج حاصل ہو جاتا ہے، جہاں، انھیں اس اصل ظل آمیز کا مشاہدہ ہو جاتا ہے، لیکن اصلِ خالص تک پہنچ جانا یا اصلِ خالص کا بہ تفاوتِ درجات مشاہدہ کرنا صرف افراد ہی کا خصوصی امتیاز ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاءُ والله ذوالفضل العظيم۔

اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے۔ سرورِ دین و دنیا علیہ الصلوات والتسلیمات المبارکات والتحیات النامیات کی جانب سے قطبیتِ ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پہ سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایتِ خداوندی جل شانہ و عم احسانہ شاملِ

> حاصل ہوئی تو اِس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اِس مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی، حتیٰ کہ اِس فقیر کو مقامِ اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا۔ اِس آخری عروج میں، جو کہ مقاماتِ اصل کا عروج ہے، اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی امداد حاصل رہی اور اُن کی قوتِ تصرف نے اُن تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا۔ اور پھر وہاں سے مجھے اِس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا، جیسا کہ اِس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے اور اس فقیر کو اس نسبتِ فردیت کا سرمایہ، جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد (مخدوم عبدالاحد) سے حاصل ہوا تھا۔"[۵۱]

دیگر سلاسل کے اکابر اولیائے کرام سے کسبِ فیض کرنے اور اُن حضرات کی روحانی امداد کے ذریعے جو بلند سے بلند تر مقامات حاصل کیے، اُن کے متعلق آپ نے فرمایا ہے۔

> "اس فقیر کو نزول کے وقت میں جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصہ حاصل کیا اور ہر مقام کے مشائخ میرے کام میں معاون و مددگار رہے اور انھوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخابات سے ایک بڑا حصہ مجھے عطا فرمایا۔ سب سے پہلے اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بہت بڑا حصہ مجھے نصیب ہوا

---

[۵۱] مبدا و معاد، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی، سنہ ۱۳۸۸ھ / سنہ ۱۹۶۸ء، ص ۹۳ تا ۹۶

> ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے دیگر مشائخ سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرت اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں، بلکہ اِس مقام کے رئیس ہیں۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ لدنی کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا۔ اِس نعمتِ علیہ کا فتح باب حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے ہوا اور اِس کے بعد مزید جتنا کمال حاصل ہوا، اُس بحرِ بیکراں کی وسعتوں کا ایک ناقابلِ ذکر قطرہ کیا اندازہ کر سکتا ہے کہ بیان کرے۔ اس سلسلے میں آپ نے اشارۃً فرمایا ہے۔

> "اِس فقیر کو علمِ لدنی کی توفیق حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورتِ حال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ میں مقامِ اقطاب سے نہیں گزر گیا۔ مگر اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ درمیان میں آ سکے۔"[2]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے منازلِ سلوک طے کرنے کے بارے میں خاندانِ نقشبندیہ مجددیہ کے گلِ سر سبد، یعنی شاہ غلام علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ) نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب الطریقۃ	صاحبِ سلسلہ طریقت، امام ربانی مجدد الف ثانی
حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ، طریقہ	شیخ احمد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طریقہ
چشتیہ از پدر بزرگوار خود گرفتہ اند و از دراج	چشتیہ اپنے والدِ محترم سے حاصل کیا اور اس

---

[1] ایضاً، ص ۹۰

[2] ایضاً، ص ۹۰

علیہ این سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم
فیضہا واجازت وخلافت یافتہ ودر خوردی
بار منظورِ نظرِ عنایت حضرت شاہ کمال قادری
قدس سرہٗ بودند وخرقہ تبرک حضرت شاہ کمال
از دستِ شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہما حضرت شاہ
کمال بالباس آں ایشاں را تاکیدات فرمودہ
پوشیدند واز ارواحِ مقدسہ اکابر خاندان ،
قادریہ وروحِ پُر فتوح حضرت غوث الثقلین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ فیوض وبرکات و اجازت
وخلافت فائز شدہ واجازت طریقۂ کبرویہ
از مولانا یعقوب صرفی کہ در خطۂ کشمیر کمالاتِ
ایشاں مشہور است دارند۔ اما نسبت حضراتِ
خواجگانِ نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم
کہ از خواجۂ آفاق حضرت خواجہ باقی باللہ یافتہ
اند بر حضرت ایشاں غالب ست و ذکر و شغل
و وضع و آداب ہمیں طریقہ معمول دارند پس
تحریر چار شجرہ ضرور ست برائے تبرک و
تیمن تا موجب برکتِ متوسلانِ ایں سلسلہ شود۔
و باوجود اخذ و کسب فیوض ہر چار خاندانِ عالی
شان از جناب الٰہی بمواہب جلیلہ و عطایائے
جمیلہ سرفراز شدہ اند کہ عقل و ادراکِ آں ،

سلسلے کے بزرگوں کی پاکیزہ ارواح سے
فیوض و برکات حاصل کیے اور اجازت وخلافت
پائی ، قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔ اور ابھی یہ
بچپن ہی کی عمر میں تھے کہ حضرت شاہ کمال
قادری قدس سرہٗ کی ان پر نظرِ عنایت ہوگئی
انھوں نے حضرت شاہ کمال کا خرقہ متبرک شاہ
سکندر کے ہاتھوں پہنا ، جس کے پہنانے کی
شاہ کمال نے انھیں تاکید فرمائی تھی۔

اور اکابر خاندانِ قادریہ اور حضرت غوث
الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحِ پُر فتوح
سے فیوض و برکات اور اجازت وخلافت سے
مشرف فرمائے گئے۔

اور طریقۂ کبرویہ کی اجازت مولانا یعقوب
صرفی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی ، جن کے کمالات
کی جنت نشان ریاستِ کشمیر میں شہرت ہے۔
لیکن نقشبندی خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرار
ہم کی جو نسبت آپ کو خواجۂ جہاں خواجہ باقی اللہ
رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی اُس کا حضرت
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر غلبہ ہے اور
ذکر و شغل اور وضع و آداب میں بھی طریقہ
آپ کا معمول رہا۔ پس تبرک اور تیمن کے طور پر

کمالات وحالات حیران ست۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارہ حضرتِ ایشاں، فرمودہ اند کہ ہمچوں ایشاں زیرِ فلک نیست ودریں اُمت مثل ایشاں چند کس معلوم میشود ومعلومات ومکشوفاتِ ایشاں ہمہ صحیح وقابل آن ست کہ بنظرِ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات درآید واز مکاتیبِ شریفہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کمالِ حضرت ایشاں معلوم میشود۔[1]

کے سلسلہ میں چاروں شجروں کا تحریر کرنا ضروری ہے تاکہ اِس سلسلہ کے متوسلین کے لئے وہ موجبِ برکت ہوں۔

چاروں عالی شان خاندانوں سے فیوض و برکات حاصل کر لینے کے باوجود براہِ راست جنابِ الٰہی سے وہ مواہبِ جلیلہ اور نرالی عطائیں ہوئیں کہ عقلِ انسانی اُن حالات وکمالات کے ادراک میں حیران وششدر ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِن کے متعلق فرمایا ہے کہ اِن جیسا بزرگ (آج) زیرِ فلک نہیں ہے اور اُمتِ محمدیہ میں ان جیسے معدودے ہی معلوم ہوتے ہیں اور ان کے جملہ معلومات و مکشوفات صحیح ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی نظر میں درست قرار پانے کے لائق۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز کے مکتوبات سے مجدد الف ثانی قدس سرہ کے کمال کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشدِ کامل، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور وساطت سے مذکورہ ایام میں جو منازلِ سلوک طے کیے اور سیر وعروج حاصل ہوا، اُس کے بارے میں مُلّا ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے یوں آپ نے خود تفصیلی انکشاف

---

[1] مکتوبات شاہ عبداللہ دہلوی، مطبوعہ مدراس، ص ۱۴۱

فرمایا اور حقائق و واقعات کے رُخ سے پردہ اُٹھایا تھا۔

؎اے برادر! اللہ تعالیٰ آپ کو راہِ راست پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اس درویش کو جب اس راستے کی آرزو اور تمنا ہوئی تو خدائے جلّ و علا کے کرم نے اس سلسلے میں دستگیری فرمائی اور اِس ناچیز کو ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، نہایت کو ہدایت میں داخل کرنے والے طریقے کے ہادی، درجاتِ ولایت تک پہنچانے والے راستے کے رہنما اور پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے مولیٰ اور امام الشیخ، خواجہ محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کی خدمت میں پہنچا دیا، جو اکابر حضرات نقشبندیہ کے خانوادے کے اکابر خلفاء سے ہیں۔

آپ نے اِس درویش کو اسم ذات جلّ سلطانہٗ کا ذکر تعلیم فرمایا اور اپنے معروف طریقے کے مطابق توجہ فرمائی۔ یہاں تک میرے اندر کمال لذت پیدا ہو گئی۔ اور کمال اشتیاق سے گریہ نصیب ہُوا۔ ایک ہی روز میں بے خودی کی وہ کیفیت جو اِن اکابر کے نزدیک معتبر ہے اور جسے غیبت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، میسّر آگئی۔

بے خودی میں اِس عاجز نے ایک دریائے مہیب دیکھا اور جملہ موجودات کی صورتوں کو اُس دریا میں سائے کی طرح پایا۔ یہ بے خودی رفتہ رفتہ مجھ پر پوری طرح غالب آگئی اور کافی دیر رہنے لگی۔ کسی روز ایک پہر تک رہتی اور کسی روز دو پہر تک۔ بعض اوقات اسی حالت میں رات ہو جاتی۔ جب میں نے اپنا یہ حال مرشدِ گرامی کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تجھے فنا کی ایک قسم حاصل ہو چکی ہے اور مجھے ذکر سے منع کرتے ہوئے اِس آگاہی کی نگہداشت کا حکم فرمایا۔

دو روز کے بعد مجھے ان بزرگوں کی معرفت اور مصطلح حاصل ہوئی۔ جب میں نے یہ کیفیت بھی آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے استفسار فرمایا کہ تو سارے جہاں کو متصل اور واحد دیکھتا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ میدانِ فنا معتبر ہے جو اس بے شعوری میں دیدِ انفصال کے ساتھ حاصل ہو۔ اُسی رات بے شعوری کی صفت کے ساتھ

وہ فنا بھی حاصل ہو گئی۔ چنانچہ یہ حالت بھی آپکے گوش گزار کی۔ اور فنا کے بعد جو حالت وارد ہوئی وہ بھی عرض کی گئی اور یہ بھی عرض کیا کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی نسبت علم حضوری پاتا ہوں اور جو اوصاف مجھ سے منسوب ہیں انھیں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ منسوب دیکھتا ہوں۔

اس کے بعد ایک نور ظاہر ہوا جس نے تمام اشیاء کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اُسے حق جل وعلا کا نور جانا اور اس نور کا رنگ سیاہ تھا۔ مرشدِ گرامی کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا، تو آپ نے فرمایا کہ حق جل وعلا تیرے مشاہدے میں آچکا ہے لیکن نور کے پردے میں ہے۔ آپنے یہ بھی فرمایا کہ کشادگی اور انبساط جو اس نور میں ظاہر ہوا، وہ ذاتِ حق تعالیٰ جل شانہٗ، کے متعدد اشیاء کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے پھیلا ہوا نظر آیا ہے، جو بلندی اور پستی میں واقع ہیں، تجھے اس انبساط اور فراخی کی نفی کرنی چاہیے۔

اس کے بعد اس سیاہ نور نے جو پھیلا ہوا تھا۔ سکڑنا اور تنگ ہونا شروع کیا، یہاں تک کہ صرف ایک نقطہ کی مانند رہ گیا۔ آپنے فرمایا کہ اس نقطے کی بھی نفی کرنی چاہیے اور مقامِ حیرت میں آنا چاہیئے۔ میں نے اِسی طرح کیا تو وہ موہوم نقطہ بھی درمیان سے زائل ہو گیا اور معاملہ مقامِ حیرت تک جا پہنچا، جہاں خود بخود حق سبحانہٗ تعالیٰ کا شہود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور درمیان میں نور کے پردے کا واسطہ باقی نہیں رہتا۔

جب میں نے یہ کیفیت بھی خدمتِ عالی میں عرض کی تو آپنے فرمایا کہ یہی تو نقشبندی بزرگوں کا حضور ہے اور نسبتِ نقشبندیہ اسی حضور سے عبارت ہے اور اس حضور کو غیب بھی کہتے ہیں اور نہایت کے بدایت میں درج ہونے کی صورت اسی مقام میں پیدا ہوتی ہے۔ طالبِ حق کے لئے اِس نسبت کا حضور ہے جبکہ دوسرے سلاسل میں پیر اس کی جگہ مرید سے اذکار و اوراد شروع کروا دیتے ہیں۔ تاکہ طالب اُن پر عمل کرتا ہوا ساحلِ مراد تک پہنچے۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

○ اس درویش کو یہ نادر الوجود نسبت تعلیمِ ذکر کی ابتدا سے شمار کریں تو دو ماہ چندرو

کے بعد حاصل ہو گئی۔

- اِس نسبت کے ساتھ متصف ہونے کے بعد دوسری فنا بھی حاصل ہو گئی، جسے فنائے حقیقی کہتے ہیں۔ اور اِس قدر دلی فراخی اور کشادگی حاصل ہو گئی کہ عرش سے مرکزِ زمین تک، دنیا میں جو کچھ ہے اُس کشادگی کے سامنے رائی کے دانے کے برابر بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔
- اِس کے بعد میں نے اپنے آپ کو اور عالم کے ہر فرد بلکہ ہر ذرّے کو حق جل وعلا کے ساتھ دیکھا۔
- اس کے بعد میں نے عالم کے ہر ذرّے کو اپنا عین دیکھا اور خود کو اُن تمام چیزوں کا عین پایا۔ یہاں تک کہ میں نے تمام عالم کو ایک ذرّے میں گم پایا۔
- اِس کے بعد اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرّے کو اِس قدر فراخ اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم کو بلکہ اس عالم جیسے کئی جہانوں کی اُس میں گنجائش ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرّے کو ایک وسیع نور پایا، جو ہر ذرّے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور دنیا کی تمام شکلوں اور صورتوں کو اُس نور میں مٹنے اور فنا ہونے والی پایا۔
- اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرّے کو پایا کہ وہ جہان کو قائم رکھنے والا ہے۔
- جب حضرتِ مرشدِ گرامی کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ میدانِ توحید میں حق الیقین کا مقام یہی ہے اور جمع الجمع اسی مقام کو کہتے ہیں۔
- اِس کے بعد عالم کی شکلوں اور صورتوں کو جیسا کہ پہلے حق پاتا تھا، اب درجۂ وہم میں دیکھا اور پہلے میں ہر ذرّے کو حق محسوس کرتا تھا لیکن اب کسی فرق اور تمیز کے بغیر درجۂ وہم میں پانے لگا۔ اِس مرحلے پر بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن اسی دوران میں فصوص الحکم کی ایک عبارت یاد آ گئی جو میں نے حضرت والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سُنی تھی کہ صاحبِ فصوص نے فرمایا ہے ــــــ "اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ جہان حق سبحانہٗ ہے اور

اگر چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ جہان مخلوق ہے اور اگر چاہے تو اِس طرح کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک جہت سے حق ہے اور ایک جہت سے مخلوق ہے اور اگر چاہے تو اس طرح کہہ کر سکتا ہے کیونکہ دونوں میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔

یہ عبارت کسی قدر رائس بے قراری میں تسکین کا باعث بن گئی۔ اِس کے بعد حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تا حال تیرا حضور صاف نہیں ہوا۔ اپنے کام میں مشغول ہو جا تاکہ موجودات کے موہوم ہونے کی تمیز ظاہر ہو جائے۔ میں نے فصوص کی مذکورہ عبارت جو عدم تمیز کو ظاہر کرتی ہے، آپکے سامنے پڑھی تو مرشدِ گرامی نے فرمایا کہ شیخ محی الدین عربی نے اس عبارت میں کاملین کا حال بیان نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ عدم تمیز بھی بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے۔

○ حسبِ حکم میں اپنے کام میں مشغول ہوگا۔ مرشدِ گرامی کی توجہ کے باعث حق سبحانہٗ تعالیٰ دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان فرق ظاہر فرما دیا، یہاں تک کہ میں نے موجود حقیقی کو موہوم متخیل سے ممتاز پایا اور صفات و افعال و آثار جو موہوم سے صادر ہوتے دکھائی دیتے تھے آن کا صدور حق سبحانہٗ سے دیکھا اور اُن صفات و افعال کو بھی موہوم محض پایا اور خارج میں ایک ذات کے سوا کسی کو موجود نہ دیکھا۔ جب یہ حالت بھی خدمتِ عالی میں عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ فرق بعد الجمع کا مرتبہ یہی ہے اور کوشش کی انتہا اسی مقام تک ہے۔ اِس سے زیادہ تو اُسی پر ظاہر ہوتا ہے جس کی طبیعت اور استعداد میں ودلیعت فرمایا گیا ہو۔ اِس مرتبے کو مشائخ طریقت نے مقامِ تکمیل کے نام سے موسوم کیا ہے۔

○ جاننا چاہیئے کہ اس درویش کو مرتبۂ اُولیٰ میں جب سکر سے صحو کی طرف لایا گیا اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف کیا گیا، تو اُس وقت اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے کے اندر جب نظر ڈالتا تھا تو سوائے حق کے کچھ نہیں پاتا تھا اور ہر ذرے کو حق تعالیٰ

کے شہود کا آئینہ پاتا تھا۔ اِس مقام سے مجھے پھر حیرت کیطرف لے گئے۔ جب مجھے اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرّے کے ساتھ پایا اور یہ پہلا مقام اِس دوسرے مقام کی نسبت بہت پست نظر آیا۔ پھر حیرت کیطرف لے گئے اور جب مجھے ہوش میں لایا گیا تو اِس مرتبے میں حق سبحانہٗ کو میں نے عالم کے ساتھ نہ تو متصّل پایا اور نہ منفصل۔ نہ اُسے عالم میں داخل پایا اور نہ اِس سے خارج۔ معیّت واحاطہ وسریان کو جس کو جسطرح پہلے دیکھتا تھا، اب دیکھا کہ وہ بالکل زائل ہوگئے۔ اس کے باوجود اسی کیفیت کے ساتھ مشاہدہ کروایا گیا بلکہ گویا محسوس کروا دیا گیا اور جہان بھی اُس وقت مشہود رہتا لیکن حق سبحانہٗ کے ساتھ مذکورہ نسبت اب بالکل نہیں رکھتا تھا۔

- مجھے پھر حیرت کی طرف لے گئے۔ جب ہوش میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ایک نسبت ہے، جو مذکورہ نسبت سے جدا ہے اور مجہول الکیفیت ہے۔ وہ بلند و بالا ذات بھی میرے مشاہدے میں آئی لیکن ایسی نسبت کے ساتھ جو مجہول الکیفیت ہے۔

- اس کے بعد پھر مجھے حیرت کی طرف لے گئے اور اِس مرتبہ قبض کی ایک قسم لاحق ہوئی جب مجھے ہوش میں لائے تو وہ بلند و بالا ذات مذکورہ مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر مشہود ہوئی، ایسے طور پر کہ عالم کے ساتھ اُسے کوئی نسبت نہ تھی، نہ معلوم الکیفیت اور نہ مجہول الکیفیت۔ اُس وقت عالم اسی کیفیت کے ساتھ مشہود رہتا اور اُس وقت مجھے ایک خاص علم مرحمت فرمایا گیا کہ اُس علم کے سبق خالق اور مخلوق کے درمیان دونوں قسم کا شہود حاصل ہو جانے کے باوجود کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ رہی اور اُس وقت میرے علم میں لایا گیا کہ یہ شہود اِس صفت اور اِس تنزیہ کے ساتھ ذاتِ حق سبحانہٗ نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بلند ہے، بلکہ یہ شہود کو اللہ تعالیٰ کے تعلقِ تکوین کی مثالی صورت ہے، جو کوئی تعلقات سے ورا ہے، خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا

مجہول الکیفیت لیکن ذاتِ حق تعالیٰ نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بہت دور ہے۔

کیف الوصول الیٰ سعاد ودونہا
قللُ الجبال ودونہن خیوف

○ اے عزیز اگر قلم کو تفصیلِ احوال اور شرحِ معارف میں اذنِ خرام دوں تو معاملہ دراز اور بات طویل ہو جائے گی، خاص کر توحید وجودی کے معارف اور اشیاء کی ظلیت کے علوم اگر سپردِ قلم کیے جائیں تو وہ جماعت جس نے اپنی ساری عمر توحید وجودی کا علم حاصل کرنے میں گزاری ہے، اُن حضرات کو بخوبی یوں محسوس ہونے لگے کہ انھوں نے ابھی دریا سے ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ جائے تعجب ہے کہ یہی جماعت اس درویش کو اُن علماء میں شمار کرتی ہے جو توحید وجودی کے منکر ہیں اور اپنی کوتاہ نظری کے باعث اُن کا گمان ہے کہ توحید وجودی کے معارف ہی پر اڑے رہنا کمال ہے۔ اور اِس مقام سے ترقی کرنا گویا نقص میں داخل ہے۔

؎ بے خردے چند ز خود بے خبر
عیب پسندند بزعم ہنر

اس مسئلے میں مذکورہ جماعت کی دلیل مشائخ متقدمین کے وہ اقوال ہیں، جو اُن حضرات سے توحید وجودی کے بارے میں واقع ہوئے ہیں حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ اِس جماعت کو انصاف کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بھلا اِن لوگوں نے کیسے جان لیا کہ اگلے مشائخ کو توحید وجودی کے مقام سے ترقی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ اِسی مقام پر رُکے رہے تھے۔ گفتگو معارفِ توحید وجودی کے نفس حصول میں نہیں ہے، کیونکہ وہ تو بالیقین واقع ہے، وہاں گفتگو اس مقام سے آگے ترقی کرنے میں ہے۔ اگر صاحبِ ترقی کو توحید وجودی کا منکر قرار دینے کی اصطلاح قائم کرلی جائے تو یہی ہے وہ معاملہ جس میں اختلاف ہے۔

○ ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت

۔ کرتی ہے اور قطرہ بحرِ بیکراں کی طرف اشارہ کرتا ہے تو ہم نے بھی اس مسئلے میں مختصر کلام اور قطرے پر ہی کفایت کی ہے۔

○ اے برادر! جب حضرت خواجہ نے اِس فقیر کو کامل و مکمل جانا تو تعلیمِ طریقہ کی اجازت رحمت فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت میرے سپرد کر دی، حالانکہ اُس وقت تک مجھے اپنے کمال و تکمیل میں تردّد تھا۔ مرشدِ کامل نے فرمایا کہ شک شبہ کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی کیونکہ مشائخِ عظام نے اِسی مقام کو مقامِ تکمیل و کمال بتایا ہے۔ اگر اس مقام کو شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھا جائے تو مشائخِ کرام کے کامل ہونے میں شک لازم آئے گا۔ حسبِ ارشاد میں نے طریقت کی تعلیم دینی شروع کر دی اور طالبین کے حال پر توجہ دیتا رہا۔ چنانچہ اُن طالبوں نے کافی اثرات محسوس کیے اور اُن کے سالوں کے کام ساعتوں میں ہونے لگ گئے اور کچھ عرصہ میں اسی کام میں سرگرمِ عمل رہا۔

○ آخر کار میں ایک کمی پر مطلع ہوا اور مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جسے اکابر مشائخ نے نہایت کہا ہے تا حال وہ مجھ پر آشکارا نہیں ہوئی نیز سَیرالی اللہ اور سیر فی اللہ کے بارے میں معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا ہیں۔ مذکورہ کمالات کی طرح انھیں حاصل کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ چنانچہ مجھے اپنی کمی اور کوتاہی کا پختہ یقین ہوگا۔ چنانچہ وہ طالب جو میرے سپرد تھے میں نے اُن سب کو جمع کیا اور اپنی خامی ظاہر کرتے ہوئے اُن سے درخواست کی کہ وہ میرے پاس سے چلے جائیں لیکن اُن طالبینِ حق نے میرے اس بیان کو تواضع اور کسرِ نفسی پر محمول کیا اور میرے متعلق اُن کا جو عقیدہ تھا اُس سے وہ سرِ مُو نہ پھیرے۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے صدقہ وہ احوال بھی مرحمت فرمائے جن کا انتظار تھا۔"[1]

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی دفترِ اول، مکتوب ۲۹۰

یوں تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ باقی تینوں سلاسل کے فیض یافتہ تھے لیکن خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ کرم اور توجہ کے باعث جو فیض سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے طریقے میں پایا وہ اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ حضرت خواجہ کے احسانات کو اپنے مخدوم زادوں کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے آپ نے خود یوں بیان کیا:۔

”حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی بارگاہ میں عرض گزار ہوں کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپکے والدِ محترم کے احسانات میں غرق ہے۔ فقیر نے اِس طریقہ کی بسم اللہ تک کا سبق اُن سے ہی حاصل کیا اور اِس راستے کا سب کچھ اُن سے سیکھا۔ اندراجِ النہایت فی البدایت اُن کی نظرِ کرم کے صدقے حاصل ہوئی اور سفر در وطن کی سعادت سے اُن کے طفیل مشرف ہوا۔ اُن کی بارگاہِ لطف و کرم نے اِس ناچیز کو دو اڑھائی ماہ کے عرصے میں نسبتِ نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اُن بزرگوں کا حضورِ خاص عطا فرمایا اور وہ تجلیات، ظہورات، انوار، رنگ، بے رنگی اور بے کیفیتی، جن کا حصول اِس عرصے میں اُن کے طفیل ہوا وہ شرح و بیان سے باہر ہیں۔ اُس مردِ خدا کی توجہ سے معارفِ توحید، اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سریان میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ ایسا رہ گیا ہو، جس کا راز اِس فقیر پر نہ کھلا ہو اور جس کی حقیقت پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا اِن معارف کے مقامات اور مبادی میں سے ہے۔“[1]

دوسرے مقام پر آپ نے اِن احسانات اور کسبِ کمال کا تذکرہ یوں کیا ہے:۔

”جاننا چاہیے کہ میرے پیر و مرشد اور بخدا میرے پیشوا اُن کے توسل سے میں

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

> نے اس راستے میں آنکھیں کھولی ہیں اور اُن کی وساطت سے طریقت میں لب کشائی کی ہے اور طریقت کی تو بسم اللہ تک کا سبق اُن سے لیا ہے اور مولویت کا ملکہ بھی اُن کی نظرِ کرم سے حاصل ہوا۔ اگر میرے پاس علم ہے تو اُن کا صدقہ ہے اور اگر کسی قدر معرفت حاصل ہے تو اُن کی نظرِ کرم کا اثر ہے۔
>
> میں نے اندراج النہایہ فی البدایہ کا سبق اُن سے ہی حاصل کیا ہے اور قیومیت کے طریقے پر نسبتِ انجذاب بھی اُن سے ہی اخذ کی ہے۔ اُن کی ایک نظر سے میں نے وہ کچھ پایا جو دوسرے چالیس روز کے چلے میں بھی نہیں پا سکتے اور اُن کی توجہ سے وہ کچھ حاصل ہوا جو سالہا سال کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔“ [1]

یہ اللہ والے نگاہوں ہی نگاہوں میں کیا مرحمت فرما دیتے ہیں، کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں، کسی طرح قسمتیں بدل دیتے ہیں، کہاں سے کہاں یہ وہ معاملہ ہے۔ جس کے لیے قیل و قال کا میدان بہت بہت تنگ ہے۔ یہ قال کی نہیں بلکہ حال کی باتیں ہیں۔ اسی لیے شاعرِ مشرق، علامہ محمد اقبال مرحوم نے مردانِ خدا کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں
جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ اُن کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہیں خلوت گزینوں میں
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں [2]

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴۲
[2] کلیاتِ اقبال، ص ۱۰۴

دو اڑھائی ماہ شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر آپ نے جب منازلِ سلوک طے کر لیے، اکابر نقشبندیہ کی نسبتِ خاصہ حاصل کر لی اور میدانِ کمال میں اپنا مقامِ خاص حاصل کر لیا تو مرشدِ گرامی کے حکم سے رونق افزائے سرہند ہوئے۔ اواخر ۱۰۰۸ھ سے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال تک اس تین چار سال کے عرصے میں جس قدر آپ روحانی ترقی کرتے رہے اُس کے بارے میں حضرت خواجہ خواجگان کو لکھتے رہے جیسا کہ دفترِ اول کے پہلے بیس مکتوبات سے ظاہر ہے۔ مزید دو مرتبہ بنفسِ نفیس بھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی نظرِ کیمیا اثر کی بدولت جو روحانی و کشفی منازل مزید طے کیے اُن سے مطلع کرتے اور صحبتِ شیخ کا شرف حاصل کرتے رہے۔

مکتوب ۲۹۰ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنی ایک کمی کا ذکر فرمایا تھا، لیکن یہ ابتدائی ایام اور حضورِ خواجہ کے زمانے کی بات ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ کمی بھی دُور ہو گئی۔ تجلیِ ذاتی برقی بھی حاصل ہو گئی، جو نہایت ہے اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ بھی میسر آ گئی جیسا کہ آئندہ سطور سے واضح ہو گا۔ بلکہ وہ کچھ آپ کو حاصل ہوا جو قسامِ ازل نے گروہِ اولیاء سے صرف آپ کے لیے ودیعت کر رکھا تھا ——— ایک عروج کا حال بیان کرتے ہوئے آپ نے خواجہ محمد عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا تھا:۔

> مع حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کی توجہ کے باعث بندگی کی حقیقت تک پہنچائے۔ عرش پر بہت سے عروجات واقع ہوئے ہیں۔ مرتبہ اول:۔ مسافت طے کرنے کے بعد جب عرش پر پہنچا تو یہ عروج ایسا تھا کہ ہمیشہ کا گھر (جنت) نیچے محسوس ہوتا تھا۔ اُس وقت دل میں خیال آیا کہ دیگر حضرات کے مقامات کا مشاہدہ کروں۔ جب اِس جانب متوجہ ہوا تو دوسرے حضرات کے مقامات نظر آ گئے اور اُن افراد کو بھی تفاوتِ درجات کے مطابق اُن مقامات میں پایا،
>
> مرتبہ دوم:۔ پھر ایک عروج اور حاصل ہوا، جس میں مشائخ عظام، آئمہ اہل بیت اور خلفائے راشدین کے مقامات ظاہر ہوئے اور حضرت رسالت پناہ

علیہ الصلوات والتسلیمات کا مقامِ خاص دیکھا اور اسی طرح باقی انبیاء و رسل اور معزز فرشتوں کے مقامات، بمطابق اُن کے درجات کے، عرش سے اُوپر مشہود ہوئے۔ عرش سے اُوپر اس مقدمہ میں عروج واقع ہُوا کہ مرکزِ خاک سے عرش تک یا اس سے کچھ نیچے اور حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرّہ الاقدس کے مقام تک منتہی ہُوا۔ اِس مقام سے اُوپر بھی بعض مشائخ کے مقامات تھے، بعض اِسی مقام میں اور بعض اِس سے ذرا اُوپر نیچے جیسے شیخ معروف کرخی اور شیخ ابوسعید خراز۔ کچھ مشائخ ایسے بھی ہیں جن کے مقاماتِ اس سے نیچے نظر آئے جبکہ بعض کے مقامات اُسی درجے میں ہیں نیچے تو شیخ علاؤالدولہ اور شیخ نجم الدین کبری جیسے مشائخ تھے اور اِن سے اُوپر آئمہ اہلِ بیت تھے اور اُن سے اُوپر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے الگ ایک جانب تھے۔ اِسی طرح ملائکہ مقربین کے مقامات بھی ایک جانب تھے لیکن سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام کو جملہ مقامات پر فوقیت و سرداری حاصل ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم بحقائق الامور کلہا۔ اور میں جب چاہتا ہوں عروج حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات خواہش کے بغیر ہی واقع ہو جاتا ہے۔"[1]

عالمِ صحو و سکر کے وارد ہونے، عروج و نزول میں علومِ غریبہ و معارفِ عجیبہ کے فائض ہونے جہت کے تمام ہونے اور سیر فی اللہ کے آغاز ہونے کی مرشدِ کامل کو اطلاع دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب اوّل۔

عالمِ صحو و بقا کی ابتدا اواخر ماہ ربیع الآخر سے ہو چکی تھی اور اب تک بقائے خاص سے ہر لحظہ مشرف کیا جا رہا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین قدس سرہٗ کی تجلیٔ ذاتی کی ابتدا ہو چکی ہے۔ مجھے صحو میں لاتے ہیں اور پھر حالتِ سکر کی طرف لے جاتے ہیں اور اِس عروج و نزول میں علومِ غریبہ و معارفِ عجیبہ فائض کر رہے ہیں اور ہر مرتبہ خاص احسان و شہود سے، جو مقامِ بقا کے مناسب ہے، مشرف کر رہے ہیں۔ چھ رمضان المبارک کو ایک ایسے بقا و احسان سے مشرف فرمایا گیا ہے۔ جس کے متعلق کیا عرض کروں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نہایتِ استعداد اسی مقام تک ہے اور وہ وصل جو اِس مقام کے مناسب ہے، اُس سے مشرف فرما دیا گیا ہے۔ جذبہ کی جہت اب تمام ہو چکی ہے اور سیر فی اللہ جو اِس مقامِ جذبہ کے مناسب ہے، اُس کا آغاز ہو چکا ہے۔ جس قدر فنا اکمل ہو گی، بقا بھی اُسی پر ویسی ہی مرتب ہو گی اور جس قدر بقا اکمل ہو گی۔ اسی قدر حالتِ صحو بھی زیادہ حاصل ہو گی اور جس قدر حالتِ صحو زیادہ ہو گی، شریعتِ غرا کے مطابق علوم کا افاضہ بھی اُس کے مطابق زیادہ ہو گا کیونکہ کامل صحو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور وہ علوم جو اُن سے صادر ہوتے ہیں وہ سراسر شریعت اور عقائد ہیں، جو ذات و صفات کے بیان میں ہیں۔ ان علوم کے ظاہر کی مخالفت بقیہ سکر سے واقع ہوتی ہے۔ اِس وقت جو معارف اس کمینہ پر فائض و وارد ہوتے ہیں۔ اکثر معارف شرعیہ پر مشتمل ہیں اور اُن میں یہی ہوتا ہے کہ علم استدلالی کشفی و بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور مجمل مفصل ہو جاتا ہے۔"[1]

ایک عروج کا حال آپ نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یُوں لکھ کر بھیجا تھا۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲

کمترین غلام، احمد کی گزارش یہ ہے کہ وہ مقام جو عرش سے اُوپر تھا، یہ ناچیز اپنی رُوح کو بطریق عروج اُس مقام میں پاتا تھا۔ ایک عرصے کے بعد اپنے جسم عنصری کو بھی اُسی مقام میں پایا اور اُس وقت یہ خیال گزرا کہ تمام عالمِ عنصریات و ملکیات نیچے کو چلا گیا اور وہاں اُن کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا ہے اور اُس مقام میں صرف بعض اکابر اولیاء اللہ کے مقامات تھے۔ اب تمام عالم کو اپنے سمیت اُس مقام میں پا کر حیرت ہوتی ہے کہ مکمل بیگانگی کے باوجود خود کو اُن کے ساتھ پاتا ہوں۔ الغرض وہ حالت جو کبھی کبھی رونما ہوا کرتی تھی اور اُس میں یہ بندہ نہ اپنے آپ کو دیکھتا تھا نہ جان کر، نہ نظر سے کچھ دیکھتا تھا اور نہ علم میں کوئی چیز ہوتی تھی، وہ حالات اب دائمی ہو چکی ہے اور خلقت کا وجود دیدہ و دانش سے باہر ہو چکا ہے۔

اِس کے بعد اُس مقام میں ایک عالیشان محل ظاہر ہُوا، جس کی بلندی تک سیڑھیاں ہیں۔ بندہ اُن سیڑھیوں سے باہر آیا۔ اس کے بعد وہ مقام بھی باقی جہان کی طرح آہستہ آہستہ اور لمحہ بہ لمحہ نیچے چلا گیا اور اس فقیر نے اپنے آپکو بلندی پہ پایا۔ بندہ اتفاق سے تحیۃ الوضو کے نفل ادا کر رہا تھا کہ ایک مقام رفیع نمایاں ہُوا اور چار اکابر نقشبندیہ کو اُس مقام میں دیکھا اور بعض دوسرے مشائخ سید الطائفہ جنید بغدادی جیسے بھی اُس مقام میں پائے جبکہ بعض مشائخ اس سے اُوپر کے مقام میں بھی ہیں، لیکن اُن کے پلئے پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور بعض اپنے اپنے درجات کے مطابق اُن سے نیچے ہیں اور اپنے آپ کو اُن سے بہت دُور پایا۔ بلکہ اُن سے کوئی نسبت ہی نہ دیکھی۔ اِس واقعہ سے سخت، پریشانی اور اضطراب کی کیفیت لاحق ہوئی اور قریب تھا کہ دیوانہ ہو جاؤں یا فرطِ غم سے جسم رُوح میں جدائی ہو جائے۔ کچھ عرصہ اسی حالت میں گزرا۔ بالآخر

> آپ کی توجہات کے باعث اپنے آپ کو مقام کے مناسب پایا۔ پہلے میرا سر اُس مقام کے برابر تھا۔ پھر بتدریج بلند ہوتا چلا گیا اور اُس مقام بلند پر پہنچ کر متمکن ہو گیا۔ توجہ کے بعد دل میں گزرا کہ اس مقام تک پہنچنا اُس واقعہ کے نتائج سے ہے۔ جو خدمتِ آنجناب کے زمانہ میں واقع ہوا تھا اور جو خدمتِ اقدس میں عرض بھی کیا تھا کہ حضرت امیر (حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تجھے آسمانوں کا علم سکھانے آیا ہوں۔ جب خوب توجہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ مقام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔" [1]

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے حصول کے بارے میں آپ نے مرشدِ گرامی کو یوں مطلع کیا تھا۔

> جذبے کی جہت سے اگرچہ سیر الی اللہ مکمل اور تمام ہو چکی ہے لیکن اس کے بعض لوازم اور توابع باقی تھے، جو اُس فنا کے ضمن میں جو سیر فی اللہ کے مرکزی مقام میں واقع ہوئی ہے، تمام اور مکمل ہو گئے ہیں اور فنا کے حالات اِس سے پہلے عریضے میں تفصیلاً عرض کر چکا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ اس فنا کو جو نہایت کام کہا ہے، اِس سے اُن کی مراد وہی فنا ہو جو تجلّیِ ذات اور سیر فی اللہ کے تحقّق وجود کے بعد متحقق ہوتی ہے اور ارادے کی فنا بھی اسی فنا کا ایک شعبہ ہے۔" [2]

اِسی مقام میں آپ کو دوسری مرتبہ عروج ہوا تو بعض اکابر کے مقامات کا مشاہدہ کیا اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی اِس دوران آپ کو روحانی سرپرستی حاصل رہی۔ اِس عروج کے دوران آپ نے جن حضرات کے مقامات کا مشاہدہ کیا اور جس رنگ میں مشاہدہ کیا، اُن کا اظہار حضورِ خواجہ یوں

---

[1] مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ،

[2] مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۱

یوں فرمایا تھا۔

"دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کو دوبارہ ملاحظہ کرنے سے کچھ اور مقامات تلے اوپر ظاہر ہوئے۔ عجز و نیاز کے ساتھ توجہ کرنے کے بعد جب اس مقام سے مقامِ سابق د نون تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرتِ عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور دو مقام اِس سے اوپر اور ہیں جن کا عنقریب ذکر ہوگا۔ اس سے اوپر ایک مقام اور دکھائی دیا۔ جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کو بھی اِس مقام سے عبور حاصل ہو چکا ہے اور اِس مقام سے بھی اوپر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ آخر بطریقِ عروج وہاں تک پہنچنا نصیب ہوا۔ مشائخ عظام سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پایا۔ اُس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے خلفاء کو بھی اِس مقام سے عبور واقع ہو چکا ہے، لیکن یہ واقع ہے کہ عبور و قیام نیز گزرنے اور ٹھہرنے میں فرق ہے۔ اِس سے اوپر کوئی اور مقام محسوس نہیں ہوتا تھا سوائے مقامِ حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام کے بالمقابل ایک مقام اور ظاہر ہوا، جو نہایت نورانی تھا اور ایسا نورانی کہ قبل ازیں دیکھنے میں آیا نہیں تھا۔ مقامِ صدیقِ اکبر سے یہ مقام قدرے بلند تھا جیسے زمین سے چبوترے کو قدرے بلند رکھا جاتا ہے۔ اِس مقام کے متعلق معلوم ہوا کہ یہ مقامِ محبوبیت ہے۔ یہ مقام رنگین اور منقش تھا اور اس کے عکس و پرتو سے میں نے اپنے

آپ کو بھی رنگین اور منقش پایا۔"[1]

مقامِ فنا و بقا، ہر شے کی وجہِ خاص، سیر فی اللہ کی حقیقت اور تجلی ذاتی برقی کے حصول کی مرشدِ گرامی کو خبر دیتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رقم فرمایا تھا۔

"وہ علوم جو مقامِ فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے تھے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مہربانی سے منکشف ہو چکے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہر چیز کی وجہ خاص کیا ہے اور سیر فی اللہ کس معنی میں ہے اور تجلی ذاتی برقی کسے کہتے ہیں اور محمدی المشرب کون ہوتا ہے۔ اسی طرح کے دیگر علوم اور ہر مقام کے لوازم و ضروریات پر اطلاع بخشی گئی ہے اور شاید ہی کوئی ایسی چیز باقی رہی ہو جس کا اولیاء اللہ نے نشان بتلایا ہو یا جو انھیں راہ میں پیش آئی ہو اور اِس ناچیز کو دکھائی نہ گئی ہو۔ جو مقبول ہوتا ہے وہ بغیر کسی علت اور سبب کے مقبول ہوتا ہے۔ یہ فقیر جس طرح ذواتِ اشیاء کو مجعول و مخلوق جانتا ہے اُن کی اصل قابلیتوں اور استعدادوں کو بھی مصنوع و مخلوق ہی سمجھتا ہے۔ اللہ رب العزت قابلیت کے تابع نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی چیز اُس پر حاکم ہو"[2]

مشائخ عظام نے فرمایا کہ سیر الی اللہ حقیقت میں پچاس ہزار سال کا راستہ ہے لیکن بفضلِ ایزدی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سعادت چند روز میں حاصل ہو گئی تھی جیسا کہ آپ نے تصریح فرمائی ہے۔

"یہ کمترین غلام، احمد عرض کرتا ہے کہ اِس راہ کے بے نہایت ہونے پر آہ ہزار آہ اِتنی جلدی سیر اور واردات و عنایات کا حصول نہایت ہی مقامِ حیرت ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ،

---

[1] مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۱

[2] مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۲

> پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ آیۂ کریمہ تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم، کان مقدارہ خمسین الف سنۃ[عہ] میں شاید اسی جانب اشارہ ہے۔ جب کام ناامیدی کو پہنچ گیا تھا۔ اور تمام امیدیں منقطع ہو گئی تھیں تو ھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا و ینشر رحمتہ[عہ] کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ نے کام بنا دیا۔ چند روز ہوئے کہ انتہا میں سیر واقع ہوئی ہے۔"[1]

تحدیثِ نعمت اور اطلاعِ احوال کے تحت آپ نے مرشدِ برحق کی خدمت میں یہ بھی لکھ کر بھیجا تھا۔

> عجیب بات ہے کہ اب اِس فقیر کو حق الیقین سے مشرف کر دیا گیا ہے۔ اس تعلم میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب نہیں رہے ہیں۔ یہ ناچیز عینِ حیرت اور بے نشانی میں علم و شعور سے متصف ہے، اور عینِ غیب، حضور کا حکم رکھتی ہے۔"[2]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے خلیفۂ اعظم خواجہ میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے لطائفِ پنجگانہ کی سیر اور اُن کے احوال و لوازم بتاتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

> میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے، اِس کے سیر کی ابتدا قلب سے ہوتی ہے۔ قلب سے گزر کر مراتبِ رُوح میں سیر واقع ہوتی ہے جو اِس سے اوپر ہے اور رُوح سے گزر کر یہ معاملہ سِر تک پہنچتا ہے، جو اِس سے اوپر ہے۔ اسی طرح خفی اور اخفیٰ کا معاملہ ہے۔

[عہ] (ترجمہ) چڑھتے ہیں ملائکہ اور رُوح اس کی طرف ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

[عہ] (ترجمہ) وہی ذات ہے جو ناامیدی کے بعد بارش برساتی اور اپنی رحمت بکھیرتی ہے۔

[1] مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۲

[2] مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۸

ان لطائفِ پنجگانہ کو طے کرنے اور اِن میں سے ہر ایک کے مخصوص علوم و معارف حاصل کرنے اور ان کے مخصوص احوال و مواجید کے متحقق ہو جانے کے بعد اِن پنجگانہ لطائف کے اصول میں سیر واقع ہوتی ہے، جن کے مقامات عالمِ کبیر ہیں کیونکہ جو کچھ عالمِ صغیر میں ہے اُس کا اصل عالمِ کبیر میں ہے۔ عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے مجموعۂ کائنات مراد ہے۔ لطائفِ پنجگانہ کے اصول میں سیر کا آغاز عرشِ مجید سے ہے جو انسان کے قلب کی اصل ہے اور اِس کے اُوپر رُوحِ انسانی کی اصل ہے اس کے اُوپر سِرِ انسانی کی اصل، اِس کے اُوپر خفی کی اصل اور اِس کے اُوپر اخفیٰ کی اصل ہے۔

جب عالمِ کبیر کے اِن پنجگانہ مراتب کو تفصیلی طور پر طے کر کے اُس کے آخری نقطہ تک پہنچتے ہیں اُس وقت دائرہ امکان کو طے کر کے آگے فنا کی منزلوں میں سے منزلِ اوّل کے اندر قدم رکھا جاتا ہے۔ اِس کے آگے اگر ترقی میسر آئے تو اسماء و صفاتِ واجب تعالیٰ کے ظلال میں سیر واقع ہوتی ہے اور یہ ظلال وجوب و امکان کے مابین برزخ کی طرح ہیں اور عالمِ کبیر کے اِن پنجگانہ مراتب کے لئے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُن ظلال میں بھی اُسی ترتیب سے سیر ہوتی ہے۔ جس طرح اُن کے فروع میں مذکور ہوئی۔

اگر اللہ جلّ شانہٗ، کے فضل و کرم سے کوئی اِن ظلال کی منزلوں کو طے کر کے آخری نقطے تک پہنچ جائے تو پھر اسماء و صفاتِ واجب تعالیٰ میں سیر واقع ہوگی اور اسماء و صفات کی تجلیات ظاہر ہوں گی اور شیون و اعتبارات کا ظہور جلوہ فرمائے گا اور اُس وقت عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کا مرحلہ پوری طرح طے ہو جائے گا اور طے کرنے کا حق ادا ہو جائے گا۔

اِس کے بعد اگر بفضلِ خداوندی اِس مقام سے بھی ترقی کرنا نصیب ہو

نفس کے اطمینان پڑے گا اور مقامِ رضا حاصل ہو جائے گا، جو سلوک کے مقامات میں نہایت اہم مقام ہے۔ اِس مقام میں شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے، اور انسان حقیقی اسلام سے مشرف ہوتا ہے اور اِس مقام میں جو کمالات حاصل ہوتے ہیں اِن کے مقابلے میں عالمِ امر سے متعلق کمالات ایسے ہیں جیسے دریائے محیط کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ مذکورہ جملہ کمالات کا تعلق اِسمِ ظاہر سے ہے لیکن جو کمالات اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں وہ اِن کے علاوہ ہیں اور اُن کا پوشیدہ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ جب ان دونوں اسمائے متعلق جملہ کمالات حاصل ہو جائیں تو سالک کو گویا اُڑنے کے لئے دو بازو میسر آجاتے ہیں، جن کی مدد سے وہ عالمِ قدس میں پرواز کر کے انتہائی ترقی کرتا ہے۔ اس معاملے کی تفصیل بعض مسودات میں بیان کی جا چکی ہے جنہیں فقیر زادے جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں[1]

جب کسی کو یہ عروج میسر آئے کہ وہ دائرہ امکان سے باہر قدم رکھے تو وہاں ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے۔ وہ محض ایک آن ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے حقیقت میں یہ مقام فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور تبعیت و وراثت کے طور پر اولیائے عظام کو بھی اس میں سے کچھ حصّہ مِل جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اِس عروج کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی ہے۔

> مد جاننا چاہیے کہ ممکن جب قربِ الٰہی جلّ سلطانہٗ کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے تو ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات مقاماتِ عروج کے اندر حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور طوفانِ نوح بھی موجود تھا

---

[1] مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر اوّل، مکتوب، ۲۵

علیہ وا علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ اہلِ بہشت کو بہشت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھا تھا۔ بہشت کا داخلہ شروع ہونے کے پانچ سو سال بعد، جو وہاں کے حساب سے نصف دن ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو، جو دولت مند صحابہ علیہم الرضوان سے تھے بہشت میں داخل ہوتے دیکھا۔ جب پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے دیر ہونے کی وجہ پوچھی تو اُن نے اپنے دشوار گزار راستوں اور کٹھن مرحلوں کا حال عرض کیا۔ یہ سب کچھ وہاں ایک آن کے اندر ہوا اور گزشتہ و آئندہ کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔"[1]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج ہوئی جو آپ کے مخصوص معجزات سے ہے تبعیت و وراثت کے طور پر اعلیٰ قدرِ مراتب اِس خصوصیت سے اکابر اولیاء کو بھی حصہ ملتا ہے اور انھیں بھی عروج روحانی میسر آتا ہے۔ لیکن جس قدر فرق نبوت و ولایت کے درمیان ہے یہی فرق نبی کی معراج اور ولی کے عروج میں ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس بنیادی و اصولی فرق کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"باید فہمید کہ ایں حالت مر جسدِ پیغمبر و روحِ الیشاں شدہ بود و مشہودِ بصر و بصیرت و دیگراں را کہ طفیلی اند، اگر ایں حالت بطریقِ تبعیت دست دہد، مقصود بر روح است و مخصوص بہ بصیرت۔"[2]

اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ یہ حالات (معراج) پیغمبر خدا کے جسم و روح دونوں کو پیش آئے اور بصارت و بصیرت کے ساتھ انھوں نے مشاہدہ فرمایا تھا، اگر تبعیت کے بطور یہ حالت دوسروں کو رحمت فرمائی جائے تو وہ صرف روح کے ساتھ محدود ہوگی اور بصیرت کے ساتھ مخصوص۔

---

[1] مبدا و معاد، مطبوعہ کراچی، ص ۴۹

معراج میں جس طرح فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازل اور ابد کو متحد اور ایک آن پایا اور وہاں گزشتہ و آئندہ کے کتنے ہی اہم اُمور کا مشاہدہ فرمایا تو بطور تبعیت و وراثت کے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی روحانی عروج حاصل ہوتا رہا۔ آپ نے بھی ایسے بعض اہم واقعات کا مشاہدہ کیا لیکن بطور طفیلی اور مذکورہ بدیہی و اصولی فرق کے ساتھ، کیونکہ حبیبِ پروردگار (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے مخصوص کمالات اور فضائل مختصر ہیں تو انبیائے کرام بھی شریک نہیں پھر اولیائے کرام کا کیا ذکر ——— چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے روحانی عروج کے بعض واقعات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

> "ایک فقیر کو بھی بعض اوقات حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے یہ حالت میسر آئی ہے کہ میں نے اُن ملائکہ کو جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں دیکھا ہے کہ اب تک انھوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا اور ملائکہ علیین جنھیں سجدے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، انھیں سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا تھا کہ اپنے شہود میں فنا و غرق ہیں اور آخرت کے جن حالات کا وعدہ فرمایا گیا ہے، سب کا اُسی آن میں مشاہدہ کیا۔ چونکہ اس واقعہ کو مدت گزر گئی ہے اس لئے احوالِ آخرت کی (جن کا مشاہدہ کیا تھا) تفصیل بیان نہیں کی کیونکہ مجھے اپنے حافظے پر اعتماد نہیں رہا ہے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت زبانِ حال سے یہ فرما رہے ہوں گے:

اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

---

[1] مبدا و معاد، ص ۶۹

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم　　اِک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں
کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا　　مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں
عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصّہ تمام
اِس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

کشفی کمال:- حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مرشدِ گرامی ہی کے منظورِ نظر نہ تھے بلکہ حد درجہ مقبولِ بارگاہِ رسالت تھے اور حضرت امامِ ربانی علیہ الرحمہ کے عقائد و نظریات کی حقانیت و صداقت پر بارگاہِ رسالت کی تصدیقی مہر ثبت ہے۔ دورِ حاضر میں آپ کے عقائد و نظریات - قرآن و سنت کے مطابق اسلامی نظریات اور حق و صداقت کے امین ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ عقائد کے بارے میں اپنا ایک کشفی واقعہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تحریر کر کے بھیجا وہ دیدۂ بینا کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا چین ہے۔ لکھا ہے:-

> "رسالہ ہٰذا کی تحریر کے بعد یُوں معلوم ہُوا کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمت کے مشائخ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور یہ رسالہ دستِ مبارک میں پکڑا ہُوا ہے اور یہ رسالہ دستِ مبارک میں پکڑا ہُوا ہے اور کمال کرم و مہربانی سے اسے بوسہ دے رہے ہیں اور مشائخ کو دکھا رہے ہیں کہ اِس طرح کے عقائد رکھنے چاہئیں اور مشائخ کی وہ جماعت جو اس رسالہ کے علوم سے سعادت مند تھی، وہ بہت نورانی اور ممتاز تھی اور نادر الوجود تھی......
> اسی مجلس میں اِس واقعہ کی اشاعت کا بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس احقر کو حکم دیا۔"[1]

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۴۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکشوفات کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے۔

> "علومِ شرعیہ نظریہ استدلالیہ کو فقیر کے لیے ضروریہ کشفیہ کر دیا گیا ہے۔ علمائے شریعت کے اصولوں سے بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے۔ انھیں علوم اجمالیہ کو تفصیلی کر دیا گیا ہے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قسامِ ازل سے بے انتہا علومِ عجیبہ و معارف دقیقہ سے نوازا اور آپ پر خوب ان کی بارش برسائی، جن کی تصریحات و مثال سے پہلے بزرگوں کی تصانیفِ عالیہ خاموش ہیں اور یہ علوم و معارف شریعتِ مطہرہ سے بال برابر مخالفت نہیں رکھتے۔ چنانچہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے اس سلسلے میں آپ نے یوں وضاحت فرمائی تھی۔

> "عرض ہے کہ جب سے اس فقیر کو صحو میں لایا اور بقا سے نوازا گیا ہے اس وقت سے علومِ غریبہ اور معارفِ نادرہ غیر متعارفہ مسلسل فائض اور وارد ہو رہے ہیں ان میں سے اکثر چیزوں کا بیان اس کی مستعمل اصطلاح سے موافقت نہیں رکھتا جیسا کہ مسئلہ وحدتِ وجود اور اس کے متعلقات کے بارے میں کہا گیا ہے حالانکہ مجھے ابتدائے حال ہی میں اِس سے مشرف فرما دیا گیا تھا اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ میسر آ گیا تھا۔ بلکہ اِس مقام سے مجھے بدرجہا ترقی مرحمت فرما دی گئی تھی۔ اس ضمن میں فقیر کو انواع و اقسام کے علوم عطا فرمائے گئے ہیں۔ جبکہ اِن مقامات و معارف کی تصدیق مشائخ کے کلام میں صراحۃً نہیں پائی جاتی، صرف بعض بزرگوں کے کلام میں اجمالی اشارات و رموز پائے جاتے ہیں۔ ان علوم و معارف کی صحت کا حال یہ ہے کہ ظاہرِ شریعت اور اجماعِ علمائے اہلسنت

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۸

سے پوری طرح موافقت و مطابقت رکھتے ہیں اور شریعتِ مطہرہ کی ظاہری روش سے ذرا بھی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ جبکہ یہ حکماء اور اصولِ عقلیہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے، بلکہ اس جماعت کے اصولوں سے بھی ان علوم کی کوئی موافقت نہیں ہے جو اصولِ اسلام میں اہلِ حق سے مخالفت رکھتی ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے راشدین و صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقامات کو اپنی کشفی نظر سے دیکھ کر بھی گفتگو فرمائی ہے۔ اِس سلسلے میں عین الیقین کے طور پر جو آپ کے سامنے آیا وہ شریعتِ مطہرہ کے خلاف بھی نہیں ہے۔ بلکہ موافقت رکھتا ہے چنانچہ حضرات شیخین کی شان میں آپ یوں رقمطراز ہیں۔

> اِس حقیر کی نظر میں حضرت شیخین (حضرات ابوبکر و حضرت عمر) کی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے نرالی شان اور بلند و بالا درجہ ہے، گویا یہ دونوں حضرات کسی دوسرے کے ساتھ مشارکت ہی نہیں دیکھتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم خانہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو بلندی و پستی کا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل اِس دولت سے مشرف ہیں اور دیگر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمسرائے یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ دریں حالات درجے کے لحاظ سے وہاں اولیائے اُمت کا کیا دخل ہے۔

ع ایں بس کہ رسد ز دُور بانگِ جرسم[عہ]

یہ حضرات بھلا کمالاتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا حاصل کریں جبکہ وہ دونوں

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۸

[عہ] یہی کافی ہے کہ دُور سے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی ہے۔

بزرگ اپنی بزرگی و یکتائی کے باعث انبیائے کرام علیہم السلام میں شمار ہونے کے لائق اور اُن کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ[عہ]۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتم پرسی کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر نے صحابہ کرام کی مجلس میں کہا کہ:۔ مَاتَ[عہ] تِسْعَةُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ۔ جب بعض حضرات کا اس معنی کے سمجھنے میں توقف کیا تو آپ نے فرمایا کہ علم سے میری مراد علم باللہ ہے نہ کہ حیض و نفاس کا علم[لہ]۔

حضرات صدیق و فاروق اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مراتبِ عالیہ کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

"حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیاں اُن کی ایک نیکی کے برابر ہیں، جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروق کو حضرت صدیق سے ہے اُس انحطاط و کمی سے زیادہ ہے جو حضرت صدیق کو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ اس پر قیاس کرنا چاہیئے کہ دوسرے حضرات کا حضرت صدیق سے انحطاط کس قدر ہوگا۔ حضرات شیخین تو وصال کے بعد بھی رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جُدا نہ ہوئے اور اُن کا حشر بھی یکجا ہوگا جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔ پس اُن کی فضیلت بلحاظ قرب ہے یہ قلیل البضاعت اُن کے کیا فضائل و کمالات بیان کر سکتا ہے۔ ذرّے کی

[عہ] (ترجمہ) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمر ہوتا

[عہ] (ترجمہ) آج دس حصّوں میں سے نو حصّے علم فوت ہو گیا ہے۔

[لہ] مکتوبات امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۵۱

کیا بساط کہ رفعتِ آسمان پر گفتگو کرے اور قطرے کی مجال کہ بحرِ عمان کی بات زبان پر لائے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ اپنے مکتوبات میں بکثرت اظہار فرمایا ہے کیونکہ وہ شریعتِ مطہرہ سے کامل موافقت رکھنے اور علم الیقین سے عین الیقین کا درجہ حاصل کیے ہوئے ہیں۔ کشف و مشاہدہ کے تحت آپ نے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ تصریح فرمائی ہے۔

> حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کمالاتِ محمدی کے حاصل ہونے اور ولایتِ محمدی کے درجوں تک پہنچنے کے باوجود جانبِ ولایت میں گزشتہ انبیاء سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جانبِ دعوت میں، جو مقامِ نبوت کے مناسب ہے، حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکورہ طرفین میں حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طرفین میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لئے نبوت کی جانب سے ولایت کی جانب سے ولایت اُن میں غالب ہے، اور اسی مناسبت کے باعث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانبِ ولایت غالب ہے۔

خلفائے اربعہ کے تعینات کا مبادی صفت العلم ہے اگرچہ جہات اور اجمال و تفصیل کا اختلاف ہے اور یہ صفت اجمال کے طور پر ربِ محمد ہے اور تفصیل کے طور پر ربِ حضرتِ خلیلؑ ہے اور اجمال و تفصیل کی برزخیت

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۵۱

کے اعتبار سے ربِ نوح ہے، جیسا کہ صفۃ الکلام، ربِ حضرت موسیٰ، صفۃ القدرۃ ربِ حضرت عیسیٰ اور صفۃ التکوین ربِ حضرتِ آدم ہے۔

اب ہم رُوئے سخن اصل بات کی جانب پھیرتے ہیں کہ حضرتِ صدیق اور حضرتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما علیٰ قدرِ مراتب نبوتِ محمدی کا بوجھ اٹھانے ولے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھنے اور جانبِ ولایت کے غلبہ کے باعث ولایتِ محمدی کا بوجھ اٹھانے والا فرمایا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو ذوالنورین کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

چونکہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بارِ نبوت کے اٹھانے والے ہیں اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ مقامِ دولت جو مرتبۂ نبوت سے پیدا ہوا ہے وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد باقی انبیاء کے درمیان ان میں اتم و اکمل ہے اور جملہ آسمانی کتابوں میں قرآنِ مجید کے بعد اِن کی کتاب بہترین صحیفۂ ہدایت ہے، اِسی واسطے موسیٰ علیہ السلام کی اُمت امم سابقہ کی نسبت بہشت میں زیادہ جائے گی، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اور آن کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل و اکمل ہے، اِسی لیے افضل و اکمل ہے، پیغمبر کو ملّتِ ابراہیمی کی متابعت کا حکم دیا گیا تھا۔ آیۂ کریمہ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا اِس مضمون پر گواہ ہے۔

حضرت مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کا رب بھی صفۃ العلم ہے وہ بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں، گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قوم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پہ ہے اور دوسرا قوم حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پہ۔

جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایتِ محمدی کے دائیں جانب واقع ہے اور ولایتِ عیسوی اس ولایت کے بائیں جانب۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ولایتِ محمدی کے حامل ہیں اس لئے مشائخ و اولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں۔ اکثر اولیائے عظام جو کمالاتِ ولایت سے مخصوص ہیں اُن پر حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات زیادہ ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخین کی افضلیت پر اہلسنت و جماعت کا اجماع نہ ہوتا تو یہ حضرات کشف کے باعث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا حکم دیتے، کیونکہ حضرات شیخین کے کمالات انبیاء علیہم السلام کے کمالات سے مشابہ ہیں اور صاحبانِ ولایت کی وہاں تک رسائی نہیں ہے اور اُن کے کمالات کے بلند ترین درجوں تک پہنچنے سے ان حضرات کے کشف قاصر ہے، کیونکہ اُن کمالات کے مقابلے میں کمالاتِ ولایت گویا راستے میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہیں۔ کمالاتِ ولایت تو قصرِ کمالاتِ نبوت تک پہنچنے کا زینہ ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کیا خبر اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور؟ آج یہ بات اکثر لوگوں کو عہدِ نبوت سے دوری کے باعث گراں گزرے گی اور قبولیت میں پس و پیش کریں گے لیکن کیا کیا جائے جبکہ ادھر معاملہ یہ ہے۔

؎ درپسِ آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند
ہر چہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم عہ

لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہ فقیر اس گفتگو میں علمائے اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ عیہم کے ساتھ موافقت رکھتا ہے اور اُن کے اجماع سے متفق ہے

عہ (ترجمہ) مجھے آئینے کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیا ہے۔ جو اُستادِ ازل نے کہا میں وہی کہتا ہوں۔

اِس فقیر نے اُن کے استدلال کو کشف سے مبرہن کر دیا ہے اور اُن کے اجمال کی تفصیل کر دی ہے۔ اِس فقیر کو جب تک اپنے نبی کی متابعت میں مقامِ نبوت کے کمالات تک نہ پہنچایا گیا اور اُن کمالات سے پورا حصہ عطا نہیں فرمایا گیا تھا اور فضائلِ شیخین کی بذریعہ کشف اطلاع نہیں بخشی گئی تھی، اُس وقت تک تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں دکھایا گیا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ "۔ [1]

مقامِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مقام علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک کشفی واقعہ یوں رقم فرمایا تھا۔

ایک روز کسی شخص نے کہا کہ یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بہشت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ اِس مقام کے اندر حضرات شیخین کی خصوصیات خدا جانے کیا ہوں گی۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ اِس اُمت کا بہشت میں داخلہ ان دونوں حضرات کی رائے اور تجویز سے ہوگا۔ گویا حضرت صدیق بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں، اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں اور ایسا مشہور ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نور سے بھرپور ہے"۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ یوں رقمطراز ہیں:-

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر (حضرت علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، اس لیے اقطاب و ابدال

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۵۱ [2] ایضاً

واوتاد کے مقام (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں اور کمالاتِ ولایت کی جانب اُن میں غالب ہے) کی تربیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امداد و اعانت کے سپرد ہے۔ قطب الاقطاب یعنی قطبِ مدار کا سر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیرِ قدم ہے۔ قطب مدار ان کی حمایت و رعایت ہی کے سہارے اپنے ضروری امور سرانجام دیتا اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہ اور امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اِس مقام میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ شریک ہیں"۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قطبِ ارشاد کے وجود و منصب اور اُس کے فرائض و خصائص سے اپنے فرزندِ اکبر خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا۔

> اے فرزند! وہ معرفت جو رسالہ مبدأ و معاد میں اِسی افادہ اور استفادہ کے بارے میں لکھی گئی ہے جو قطبِ ارشاد سے متعلق ہے، وہ اپنی افادیت کے باعث چونکہ اِس مقام سے بھی مناسبت رکھتی ہے لہٰذا وہ معرفت اِس مکتوب میں بھی تحریر کی جاتی ہے، لہٰذا اِس سے یقین حاصل کریں۔
>
> قطبِ ارشاد جو کمالاتِ فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے، وہ عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے اور قرنوں اور زمانوں کے بعد ایسا گوہر یکتا ظہور میں آتا ہے۔ یہ عالمِ تیرہ و تار اُس کی نورانیت سے منوّر ہو جاتا ہے اور اُس کے رُشد و ہدایت اور ایمان و معرفت سے حصّہ ملتا ہے تو اُسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور بغیر اُس کے وسیلے کے کوئی اِس دولت کو پا نہیں سکتا۔
>
> اُس کے نورِ ہدایت نے دریائے محیط کی طرح ساری دنیا کو گھیرا ہوا ہوتا ہے وہ گویا دریائے منجمد ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا اور وہ شخص جو اُس بزرگ کی

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۵۱

طرف متوجہ ہے اور اُس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا ایسا ہو کہ وہ بزرگ خود کسی طالب کی طرف متوجہ ہے تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں ایک روزن کھل جاتا ہے اور اِس راستے سے وہ توجہ اور اخلاص کے مطابق اُس کے دریائے کرم سے سیراب ہوتا ہے۔ اِسی طرح وہ شخص جو ذکر الٰہی میں مشغول ہے اور اُس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے، انکار سے نہیں بلکہ بایں وجہ کہ اُسے پہچانتا نہیں ہے تو اُسے بھی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن دوسری صورت کی نسبت پہلی صورت میں افادہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن وہ شخص جو اِس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اُس سے ناخوش ہے تو اگرچہ وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہی کیوں نہ رہے لیکن رُشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہے گا یہ انکار و آزار حصولِ فیض سے مانع ہو جاتا ہے، خواہ وہ بزرگ اُس کے عدم افادے کی جانب متوجہ ہو، اُس کے ضرر کا قصد کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اُس سے مفقود ہے۔ حقیقت میں وہ رُشد و ہدایت کی ایک بے معنی سی صورت ہے۔ جس کا نفع بہت قلیل ہوتا ہے —— ایسی جماعت جو اُس عزیز سے محبت و اخلاص رکھتی ہے۔ اگر اُس کی توجہ اور ذکر الٰہی سے خالی ہو لیکن صرف اُس کی محبت کے سبب اُنھیں رشد و ہدایت کے نور سے حصہ مِل جائے گا۔[1]

شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوال پر آپ نے امامت و خلافت، قطبیت و غوثیت کی وضاحت کرتے ہوئے اور قطبِ ارشاد و قطبِ مدار کے مقام و منصب کے بارے میں یوں فرمایا تھا۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۰

“جانا چاہیئے کہ نبی علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل متبعین جب تبعیت کے طور پر مقامِ نبوت کے کمالات کو پوری طرح حاصل کر لیتے ہیں تو اُن میں سے بعض کو منصبِ امامت پر فائز کر دیا جاتا ہے اور بعض کو اِن کمالات کے مجرد حصول پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے بزرگ نفس کمال کے حصول میں برابر ہیں، فرق صرف منصب پر فائز کرنے نہ کرنے کا ہے یا اُن اُمور کا جو اُس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور کامل متبعین جب ولایتِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو اُن میں سے بعض کو منصبِ خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو اُن کمالاتِ کے مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے —— یہ دونوں منصب کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کمالاتِ ظلیہ میں منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے اور منصبِ خلافت کے مناسب قطبِ مدار کا منصب۔ گویا یہ نیچے والے دونوں مقام اُن اوپر والے دونوں مقاموں کے ظل ہیں۔ شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطبِ مدار ہی غوث ہوتا ہے اور اُن کے نزدیک غوثیت قطبیت سے علیحدہ کوئی منصب نہیں ہے، جبکہ فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ غوث قطبِ مدار سے علیحدہ ہوتا ہے اور وہ اُس کے فرائض میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ قطبِ مدار بعض اُمور میں اُس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے مناسب مقرر کرنے میں بھی اُس کا دخل ہے اور قطب کو اُس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ قطب کے اعوان و انصار بھی قطب حکمی ہیں۔“[1]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۵۶

اکثر بزرگانِ دین توحید وجودی کے قائل رہے ہیں اور اِس مسئلے میں اُنھوں نے رئیس الکاشفین، شیخ اکبر، محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ میدانِ کشف میں شیخ اکبر سے بھی بدرجہا آگے تھے اور آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے، حالانکہ آپ خود بھی اِسی کے ایک عرصہ تک قائل رہے تھے لیکن جب کشفی میدان میں بے نہایت ترقی ہوئی تو مکشوف ہُوا کہ توحید کی اصل حقیقت توحید شہودی ہے۔ یہ معاملہ چونکہ میدانِ تصوف سے ہے اور اِس کی بنیاد قیل و قال پر نہیں بلکہ کشف و الہام پر ہے، لہٰذا جو حضرات اِس کوچے سے نابلد ہیں اُن کے لیے مناسبت ہی نہیں کہ خواہ مخواہ اِس پر بحث کا دروازہ کھولتے پھریں ـــــ خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکشوفات کے تحت اس پر طویل بحث کرتے ہوئے تمام بحث کو سمیٹ کر یوں ارشاد فرمایا۔

> "اگرچہ یہ احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق تھے۔ لیکن اِن کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فقیر نے اگر وحدتِ وجود کے نظریہ کو قبول کیا تھا، تو کشف کی بنا پر ایسا کیا تھا نہ کہ از روئے تقلید اور اگر اب انکار ہے تو یہ بھی الہام کے باعث ہے جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتا، اگرچہ الہام دوسرے پر حجت نہیں ہے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ اولیاء اللہ میں وہ منفرد ہستی ہے جن کے کشفیہ علوم و معارف پوری شریعت مطہرہ پر محیط ہیں۔ شاید ہی اُصولی یا فروعی کوئی مسئلہ ایسا ہوگا جس کی استدلالی حیثیت کو آپ نے کشفی نہ کر دیا ہو۔ آپ کی تصانیفِ عالیہ اور خصوصًا مکتوبات میں اِس امر کی اتنی مثالیں ہیں جن کا حصر میرے جیسے نادان کے لیے ناممکن نا سہی تو مشکل ضرور ہے۔ یہاں صرف بعض کشفی اُمور کے تذکرے پر بایں وجہ اکتفا کیا تجلیاتِ امام ربانی

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل۔ مکتوب ۳۱

کی ہر جلد کے ہر بیان میں اِس کی متعدد مثالیں قارئین کرام کے سامنے آتی رہیں گی لہٰذا ما قلّ و کفیٰ کے تحت صرف ان چند امور کے بیان کو بطورِ مثال کافی سمجھا گیا ہے۔

؎ تھا ضبط بہت مشکل سیلابِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

انتہائے کمال :- اللہ تعالیٰ نے قرونِ اُولیٰ کے اکابر اور آئمہ مجتہدین کے بعد گروہِ اولیاء اللہ میں حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو نرالی ہی شان مرحمت فرمائی ہے۔ قدرت نے آپ سے وہ کام لیا ہے جس کے لیے پہلی اُمتوں میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث فرمائے جاتے تھے۔ ایسے نامساعد حالات میں برِ اسلامی انقلاب لانے کی مثال اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ اگرچہ جید عالم اور شیخ طریقت تھے لیکن یہ اُس شہبازِ لامکانی، مجددِ الفِ ثانی کے دو بازو تھے جو تجدیدِ دین و ملت کی خاطر مرحمت فرمائے گئے تھے۔ چنانچہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے سرمایۂ ملت کے اِس نگہبان نے اپنی پیدائش کے مقصد کی جانب یُوں اشارہ فرمایا تھا۔

> "اے فرزند! اِس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے، میرے سپرد ایک عظیم کام ہے۔ مجھے نہ پیری مریدی کے لیے دنیا میں لایا گیا اور نہ میری پیدائش سے تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ وہ اور ہی معاملہ اور کام ہے جو شخص مناسبت رکھتا ہوگا وہ فیض حاصل نہیں کر سکے گا۔ اُس عظیم کام کے مقابلے میں تکمیل و ارشاد کا کام بالکل معمولی ہے، جیسے راستے میں پھینکی ہوئی چیز۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت کو اُن کے باطنی معاملات سے یہی نسبت ہے۔ اگرچہ منصبِ نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور اُس کے خصائص سے تبعیت و وراثت کے طور پر اُن کے کامل متبعین کو حصہ میسر ہے علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات۔"[1]

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۱

زمانۂ رسالت سے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ظہور ہوا۔ آپ کے ذریعے اُن علوم و معارف اور اسرار و رموز کا انکشاف ہوا جو دوسرے کسی بزرگ نے ظاہر نہیں فرمائے تھے۔ گویا دوسرے ہزار سال میں شریعتِ مطہرہ کے سربستہ رازوں کا انکشاف قسامِ ازل نے آپ کے لئے ودیعت فرمایا ہوا تھا۔ اسی لیے خواجہ میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

> "یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں اور وہی آخریت ہے، جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔"[1]

اس دعویٰ کو مدلل کرتے ہوئے آپ نے ہزار سالہ مدت کی خاصیت اور دوسرے ہزار سال کی تجدید دین و ملت کے بارے میں یہ بیان قلم حق ترجمان سے زیبِ قرطاس کیا تھا۔

> "اس امت کی آخریت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے ہزار سال گزرنے میں یہ عظیم خاصیت ہے کہ امور میں تغیر آجاتا ہے اور اس کا اشیاء کے تبدیل ہونے میں قوی اثر ہوتا ہے، چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے لہٰذا متقدمین کی نسبت اسی طراوت و آبداری کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور تائیدِ شریعت و تجدیدِ ملت اس دوسرے ہزار سال میں ہو رہی ہے اور اس امر کے دو معتبر گواہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔

؎ فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۱

> اے برادر! آج یہ سخن اکثر لوگوں پر گراں گزرے گا کیونکہ اُن کے لیے یہ بات بعید از فہم ہے، لیکن وہ اگر انصاف کا کام میں لائیں اور علوم و معارف کا ایک دوسرے سے موازنہ کریں اور احوال صحت و سقم کا فیصلہ شریعت سے مطابقت و عدم مطابقت کے لحاظ سے کریں نیز شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر کو مدِّ نظر رکھیں کہ کون اسے زیادہ ملحوظ رکھتا ہے تو شاید اُن کا ان علوم کو بعید جاننا کافور ہو جائے۔ دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنے کتب و رسائل میں تحریر کیا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی کنیزیں ہیں اور نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ وہ نبی کی ولایت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت سے قطعاً برابری نہیں۔ کاش! وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرے کو محیطِ بیکراں سے ہوتی ہے۔ اِس قسم کی بہت سی باتیں اپنے اُس مکتوب میں لکھی تھیں جو اپنے فرزند کے نام ارسال کیا تھا، اُس میں ملاحظہ فرمائیں مقصود اس گفتگو سے تحدیثِ نعمت اور اِس طریقے کے طالبین کی ترغیب ہے، نہ کہ دوسروں پر اپنی بزرگی جتانا[1]“

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ دوسرے ہزار سال کے مجدد ہیں جیسا کہ آپ نے کئی مقامات پر تصریح فرمائی ہے اور آپ کے بعد جملہ سلاسل کے مشائخ عظام اور علمائے کرام نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک مکتوبِ گرامی کے اندر اِس سلسلے میں یہ بھی فرمایا ہے:۔

> مطلع رہیں کہ ہر سَو سال کے بعد مجدِّد گزرا ہے لیکن سَو سال کا مجدد اور ہوتا ہے اور ہزار سال کا مجدِّد اور ہوتا ہے۔ جو فرق سو اور ہزار میں ہے وہی فرق

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۶۱

اِن دونوں قسم کے مجددوں کے مراتب میں ہوتا ہے بلکہ اِس سے بھی زیادہ۔

نیز مجدد وہ ہوتا ہے کہ اُس مدت میں اُمتیوں کو فیوض وبرکات سے جو حصہ پہنچتا ہے، خواہ وہ اپنے وقت کے قطب، اوتاد، ابدال اور نجباء ہی کیوں نہ ہوں[1]

بعض حضرات ایسے مرحلے پہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ حدیث میں تو صرف علیٰ رَأسِ کُلِّ مِائَۃٍ آیا ہے، لہٰذا ازروئے حدیث مجددِ صرف سو سال کا ہونا چاہیے یہ ہزار سالہ تجدید کہاں سے کہاں آگئی ——— ایسے حضرات کی خدمت میں ہم یہ اُصولی بات عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ بزرگانِ دین کے جن اقوال واحوال کو دوسرے بزرگوں نے درست تسلیم کیا ہو، انھیں مِنْ وعَنْ درست تسلیم کر لینے کے سوا ہمارے جیسے بے خبر لوگوں کے لیے اور چارۂ کار نہیں ہے۔ اگر ہر کس وناکس کو اکابر اولیاء پر نقد وجرح کا دروازہ کھولنے اور اِن کے معلومات کی میزان پر بزرگوں کو تولنے کی اجازت دے دی جائے تو میدانِ تصوف میں انقلاب آجائے گا، بزرگوں کی عظمت ایسا بازیچۂ اطفال ہو کر رہ جائے گی کہ اُن کی عظمت کے نشانات اور کشف وکرامت کے واقعات نشانۂ تمسخر بن جائیں گے۔

کاش! ہم یہ مدِ نظر رکھا کریں کہ ذرّے کو آسمان کی رفعتوں کا کیا اندازہ اور قطرے کو محیطِ بیکراں کی وسعتوں کا کیا علم؟ جانِ برادر! العلماء ورثۃ الانبیاء کے بموجب علمائے حق انبیائے کرام کے نائب ہیں لیکن یہ شرف مجدد کو بالخصوص اور بدرجۂ اتم حاصل ہوتا ہے یہ انبیائے کرام کی نیابت کا عموم وخصوص وجود ہے۔ فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے:۔

؎ خلق سے انبیاؑ، انبیاء سے رُسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴۴

اِس شعر سے واضح ہو رہا ہے کہ عام انبیائے کرام پر مرسلینِ عظام کو فضیلت ہے، جن کی تعداد تین سو تیرہ بتائی جاتی ہے۔ اِس گروہِ مرسلین میں سے پانچ اولوالعزم پیغمبروں کو باقی حضرات پر بھی فضیلت حاصل ہے، جن کے اسمائے گرامی ترتیب زمانی کے لحاظ سے یہ ہیں: (۱) حضرت نوح (۲) حضرت ابراہیم (۳) حضرت موسیٰ (۴) حضرت عیسیٰ (۵) امام الانبیاء حضرت محمد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اگر اولوالعزم پیغمبروں کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر کے بعد دوسرے کی آمد اگلے ہزار سال کے اندر ہوئی ہے۔ چونکہ ہمارے اور ساری کائنات کے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کا دروازہ مطلقاً بند ہو گیا تھا۔ اب نہ کوئی نیا نبی پیدا ہوگا، نہ نئی شریعت آئے گی، نہ آسمان سے کوئی کتاب نازل ہوگی، نہ کسی پر وحی آئے گی۔ اب قیامت تک شریعتِ محمدیہ ہی دستورِ کائنات ہوگی، قرآنِ مجید ہی سرچشمۂ ہدایت ہوگا۔

نبی آخر الزمان، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلے خلق کی ہدایت کے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا جاتا تھا۔ کسی کو ایک بستی والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ کسی کو چند بستیوں میں تبلیغ کرنے پر مامور فرمایا گیا۔ کسی کی ذمہ داری ایک خاص علاقے میں تبلیغ کرنا قرار پائی، کوئی پوری قوم کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا۔ کسی کو پورے ملک کی تبلیغ کا ذمہ سونپا گیا لیکن انبیاء و مرسلین کے پورے گروہ میں ایک وہ بھی ہستی ہے جسے ساری نوعِ انسانی کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

یہی حال انبیائے کرام کے نائبوں کا ہے کہ کسی کی ہدایت کا دائرہ کار ایک بستی یا چند بستیوں تک محدود ہے۔ جبکہ بعض وہ بھی ہیں جن کی مساعی جمیلہ کے نقوش تاریخ امت کے صفحات پر انمٹ ہو کر جگمگا رہے ہیں، اگرچہ دونوں قسم کے حضرات نیابتِ انبیاء سے مشرف ہیں۔ اِسی طرح نائبین میں وہ حضرات بھی ہیں۔ جن کے تجدیدی کارنامے تاریخ کے صفحات

میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایسے حضرات کو اصطلاحِ شرع میں مجدد کہتے ہیں اور وہ حضرات مرسلین کی نیابت سے سرفراز ہوتے ہیں لیکن کوئی وہ بھی ہے جو اولوالعزم پیغمبروں کی طرح تقریبا ہزار سال بعد دنیا میں آئے اور اُس کے فرقِ اقدس پر تجدیدِ الفِ ثانی کا تاج اور خلعتِ قیومیت کا جامہ زیبِ تن ہے، جیسا کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔

نیابت کا یہ معاملہ عام انبیائے کرام سے اولوالعزم پیغمبروں کی نیابت تک پہنچتا ہے جبکہ اس فقیر کی نظر میں نیابت کی صرف ایک بالائی سیڑھی باقی رہ جاتی ہے کہ کوئی ایسی ہستی بھی ہو جو سرورِ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائبِ کامل بن کر آئے، جس کا سلسلۂ رُشد و ہدایت زمان و مکان کی قید سے آزاد اور غیر محدود ہو۔ اِس عاجز کو ایسا نظر آتا ہے کہ امام الانبیاء کی کامل نیابت کا یہ منصبِ خاص حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم وعندہ اُمّ الکتاب۔

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اِن حالات میں سرے سے یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا کہ مجدد تو سو سال کے لیے ہوتا ہے یہ ہزار سالہ مجدد کی بات کدھر سے آ گئی کیونکہ جب مجددین سے کم درجے والے حضرات بھی نیابتِ انبیاء سے مشرف ہیں۔ تو مجددوں میں سے بعض کا خاص اور ممتاز ہو جانا کیونکر بعید ہوگا؟ سو سالہ مجدد مرسلینِ عظام کا نائب ہوتا ہے اور ہزار سالہ مجدد کو اولوالعزم پیغمبروں کی نیابت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

جب مرسلینِ عظام پر اولوالعزم پیغمبروں کی فضیلت کے بارے میں کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو اُن کے نائبین کی بات آنے پر یہ بات کہاں سے نکل آئی کہ سو سالہ مجدد پہ ہزار سالہ مجدد کو فضیلت کیوں ہے یا ہزار سالہ مجدد کہاں سے آ گیا حضورِ والا! جہاں سے اولوالعزم پیغمبر آتے تھے وہیں سے اُن کا نائب، ہزار سالہ مجدد بھی آیا تھا۔

اگر لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے تحت کوئی اِن حضرات کی فضیلت کا انکار کرے تو یہ استدلال علمائے اہلسنت کی تصریحات کے مطابق نہیں ہوگا۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ نفس

بوت میں واقعی انبیائے کرام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ اُن میں سے ہر ایک کو خلق
ی ہدایت کے لیے خالق کی جانب سے مامور فرمایا گیا تھا، لیکن یہ تسلیم کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ کام
ور ذمہ داری کی ہمہ گیری نیز دائرہ کار کی وسعت کے لحاظ سے اُن حضرات میں بھی ایک کو دوسرے
فضیلت ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اور اسی طرح کتنی ہی آیات اِس
ت کی گواہ ہیں۔ اسی طرح اُن حضرات کی نیابت میں کارِ تجدید سرانجام دینے والے حضرات
کام کی وسعت اور دائرہ کار کی ہمہ گیری اُن کی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت کا سبب
یوں نہ بن سکے گی؟ اگر کسی کا کارنامہ اپنی مثال آپ ہو تو دوسروں سے کیوں ممتاز نہ ہوگا؟ جبکہ۔

؎ نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر

و حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سلسلے میں یہ وضاحت فرمائی ہے۔

> اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ پہلی امتوں میں ایسے ظلمتوں سے بھرے ہوئے
> دور کے اندر اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت جاری کرتا تھا۔
> اور اس وقت امت جو تمام امتوں سے بہتر ہے اور جس کے پیغمبر آخری
> رسول علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا رتبہ
> دیا ہے کہ وجود علماء کو وجودِ انبیاء کی جانب سے کفایت کرنے والا فرمایا۔ لہٰذا
> ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علمائے مجدد کا تعین فرماتے ہیں کہ شریعت
> کا احیاء فرمائے، خاص طور پر ہزار سال گزرنے کے بعد کہ اگلی امتوں میں وہ
> اولوالعزم پیغمبر بعثت کا وقت ہوتا اور اس وقت دوسرے پیغمبروں پر اکتفا
> نہ کیا جاتا تھا۔ اِس طور طریقے کے مطابق فی زمانہ ایک ایسا عالم، عارف
> اور تام المعرفت درکار ہے۔ جو اُممِ سابقہ کے اولوالعزم قائم مقام ہو۔
>
> فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
> دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد [۱]

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۲۴۔

بات وہی ہے کہ جس طرح دوسرے پیغمبروں پر اولوالعزم پیغمبروں کو اُن کے کام کی ہمہ گیری کے باعث فضیلت حاصل ہوگی جس کو اولوالعزم پیغمبروں کی نیابت حاصل ہے اور جس مردِ حق آگاہ اور سرمایۂ ملت کے نگہبان کا کارنامہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ واقعی اُس نے ایسے ناساعد حالات میں تجدید دین و ملت کا فریضہ انجام دیا ہے جیسے اوقات میں اُممِ سابقہ کے اندر اولوالعزم پیغمبر ہی مبعوث فرمائے جاتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جیسا کام ویسی محنت اور جیسی محنت ویسا صلہ۔ محنت اور قربانی کا شجر ہی بارور ہوا کرتا ہے۔

ع کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اور صد ہزار انجم بھی اپنی قربانی پیش کرتے وقت زبانِ حال سے یہی کہتے کہ سحر کی اور اُن کی قربانی کی رہینِ منت نہیں بلکہ یہ بھی کسی خورشیدِ عالمتاب کی آمد کا کرشمہ ہے جو پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والا ہے۔ ایسے صد ہزار انجم یعنی گروہِ اولیاء اللہ میں ایسی ہستی جس کے دم قدم سے شبِ ظلمت نے رختِ سفر باندھا اور اُس روز ایمان افروز کی صبحِ عید ہوئی، حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہی نظر آتی ہے، جن کے بارے میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہی نظر آتی ہے جس نے اولوالعزم پیغمبر کی جگہ کام دیا، وہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کام کی ہمہ گیری اور دائرہ کار کی وسعت کے لحاظ سے آپ کی ذاتی صلاحیت اور حصولِ مقصد کے وسائل کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ کما حقہٗ اہلِ نظر سے بھی نہ ہو سکا۔ جن علوم و معارف اور اسرار و رموز سے قسامِ ازل نے آپ کو نوازا وہ صرف آپ ہی کا حصہ تھے۔ چنانچہ اُن کے متعلق حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود یوں وضاحت فرمائی ہے:

> ” سبحان اللہ! وہ معارف جو اِس فقیرِ حقیر سے بغیر کسی ارادے اور تکلف کے ظاہر ہو رہے ہیں، اگر بہت سے آدمی بھی جمع ہو کر انھیں مرتب کرنے کی کوشش

کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کو نصیب ہوگا، ؎

اگر پادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن“ [1]

اِن علوم و معارف سے متعلق اپنے فرزندوں اور دوسرے حضرات کے بارے میں آپ نے یہ فرمایا تھا۔

عنایتِ خداوندی سے علوم و معارف موسلا دھار بارش کی طرح برس رہے ہیں عجیب و غریب اسرار و رموز پر اطلاع بخش رہے ہیں۔ میرے فرزند اپنی اپنی استعداد کے مطابق اِس راز کے محرم ہیں۔ دوسرے چند دوست کچھ روز حضور، حضور میں رہتے ہیں اور کچھ روز غیب میں۔ اِسی لیے تو کہتے ہیں کہ ولی خواہ کتنا ہی عالی مرتبہ کیوں نہ ہو، وہ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا“ [2]

اپنے معارف کے سلسلے میں اُس محرمِ اسرارِ الٰہیہ نے یہ وضاحت بھی فرمائی تھی،

علوم و معارف موسلا دھار بارش کی طرح برسائے جا رہے ہیں، قوتِ مدرکہ جن کے اُٹھانے سے عاجز ہے، بلکہ قوتِ مدرکہ تو محض برائے تعبیر ہے ورنہ بادشاہ کی عطاؤں اور بخششوں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اُٹھا سکتی ہیں۔“ [3]

انتہائی کمال تو یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ کشفیہ علوم و معارف کی کتاب و سنت سے مکمل موافقت و مطابقت ہے اور مخالفت بال برابر بھی نہیں۔ چنانچہ اپنے فرزندِ اکبر، خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۲۴ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۲۸

[3] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۸

اِس سلسلے میں یہ فرمایا تھا۔

"اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کے متعلق اہل اللہ میں سے کسی نے صراحۃً یا اشارۃً گفتگو نہیں کی، بڑے لعلی معارف اور اکمل علوم ہیں، جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و ممکنات کو جس طرح ممکن اور لائق تھا بیان کیا ہے۔ یہ نہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں اور نہ اہلِ حق کے اقوال سے متصادم ہیں۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص علوم و معارف، کتاب و سنت کی مخالفت سے کیوں پاک رہے؟ اہلِ حق کے اقوال سے کیوں نہ ٹکرائے جبکہ وہ کشفی ہیں اور اُن کا دار و مدار کشف و الہام پر ہونے کے باعث احتمالِ خطا سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ اِن علوم و معارف کے خطا سے محفوظ رہنے کی وجہ کا خود آپ نے یوں انکشاف فرمایا تھا۔

اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں، اُمید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے، جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے۔ اِس بیان کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر اِن علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں التجا کی تو معزز فرشتوں کو دیکھا (علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام) کہ اِس مقام کے گرد و نواح تک سے شیطان کو بھگاتے تھے اور اُس جگہ کے گرد نہ آنے دیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔"[2]

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین شیخ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص الخاص علوم کے اظہار و کتمان کے سلسلے میں یوں فرمایا تھا۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۲۴ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۲۴

حق جل سلطانہٗ کے انعامات سے یہ فقیر کیا لکھے اور اس کی نعمت کا شکر کس طرح ادا کرے۔ وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے خداوند جل شانہٗ کی توفیق سے ان میں سے اکثر سپردِ قلم کر دیئے جاتے ہیں، جو اہل و نااہل کے گوش گزار ہوتے رہتے ہیں، لیکن وہ اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر دوسروں سے متمیز ہے، ان میں سے شمہ بھی ظاہر نہیں کر سکتا بلکہ رموز و اشارات میں بھی ان کا کوئی لفظ زبان پر نہیں لا سکتا۔ میرا عزیز فرزند (خواجہ محمد صادق) کہ فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقاماتِ سلوک و جذبہ کا نسخۂ کامل ہے، ان اسرارِ دقیقہ کا کوئی رمز اس سے بھی بیان نہیں کی جاتی اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں پوری کوشش کام میں لائی جاتی ہے حالانکہ یہ فقیر جانتا ہے کہ میرا وہ فرزند محرمانِ اسرار سے ہے اور خطا و غلط سے محفوظ لیکن کیا کرے کہ معانی کی دقت زبان کو پکڑ لیتی ہے یہ نقدِ وقت ہے۔ وہ اسرار ایسے نہیں ہیں کہ میں خود انھیں بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان کیے نہیں جا سکتے۔

؎ فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

یہ دولت جس کے چھپانے میں ہم کوشاں رہتے ہیں انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں اور سا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے متبعین سے جس کسی کو اس دولت کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں، اس دولت میں شریک ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کا علم حاصل کیا ہے۔ ان میں سے ایک علم وہ ہے جو تم میں پھیلاتا رہتا ہوں اور دوسرے علم کو اگر تمہارے سامنے ظاہر کر دوں تو میرا گلا کاٹ دو گے۔ اور وہ دوسرا علم وہی ہے جسے علمِ اسرار

کہتے ہیں کہ ہر کسی کے فہم کی اُس تک رسائی نہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآءُ واللہ ذوالفضل العظیم“[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ولایت کی خصوصیات کے بارے میں فرمایا ہے:۔

میرا خیال یہ ہے کہ میری پیدائش سے یہ مقصود ہے کہ ولایتِ محمدی، ولایتِ ابراہیمی علیہما الصلوات والتحیات کے رنگ سے رنگی جائے اور اِس ولایت کا حُسن ملاحت اُس ولایت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مِل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں۔ اِس رنگ کے ملاوٹ کی وجہ یہ ہے کہ محبوبیتِ محمدیہ کا مقام درجہ عُلیا تک پہنچ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ملّتِ ابراہیمی علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کا حکم اِسی لیے دیا گیا ہو کہ اِس دولتِ عظمیٰ کا حصول میسّر آجائے اور حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی صلوات وبرکات اپنے نبی کے لیے طلب کرنا اسی غرض سے ہو۔ ملاحت وصباحت دونوں صفات کی ملاوٹ کے بغیر اُس بلند ذات کے حُسن صفات اور افعال وآثار سب حُسنِ صباحت سے مستفاد ہیں، جو کثیر البرکت ہے۔ حُسنِ ملاحت حضرتِ اجمال کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ گویا ملاحت حُسنِ مطلق کا مرکز ہے اور صباحت اُس دائرے کا مرکز ہے اور حضرتِ تعالیٰ وتقدس کی ذات میں بساطت کی طرح وسعت بھی ہے، لیکن وہ بساطت ووسعت نہیں کہ جو ہمارے فہم میں آسکے نہ وہ اجمال وتفصیل کہ ہمارے ادراک میں آسکے“۔[2]

اپنی ولایت کے متعلق اِسی مکتوبِ گرامی میں آپ نے یہ بھی بتایا ہے:۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۲

[2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۶

> یہ فقیر چونکہ ولایتِ محمدی اور ولایتِ موسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پروردہ ہے اور مقامِ ملامت میں موطن و مسکن رکھتا ہے اور ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے غلبۂ محبت کے باعث نسبتِ محبوبیت غالب اور نسبتِ محبیت مغلوب و مستور ہے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ولایتِ محمدی اور ولایتِ موسوی کے خواص اور ان کے مجموعے سے جو ولایتِ خاصہ مرکب ہوئی ہے اس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے:-

> اِس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایتِ محمدی اور ولایتِ موسوی کی پروردہ ہے اور ان دونوں بزرگوں علیٰ صاحبہما الصلوٰۃ والسلام کے طفیل نسبتِ محبوبی اور نسبتِ محبی سے مرکب ہے، کیوں کہ محبوبوں کے رئیس حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور محبوں کے سردار حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ اٰل کل الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث میری ولایت کا کاروبار ہی دیگر ہے اور علیحدہ معاملہ اس کے ساتھ مربوط ہے، اگرچہ میری ولایت کی اصل اپنے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے، جسے ولایتِ محمدی کہتے ہیں کہ جس کا اصل منشا صرف نسبتِ محبوبیت ہے لیکن جب ولایتِ موسوی کی کیفیت بھی اِس میں شامل ہو گئی جو صرف محبیت سے پیدا ہوتی ہے، تو وہ بھی اسی رنگ سے رنگین ہو گئی اور دوسری ہیئت پیدا ہو گئی، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری حقیقت پیدا ہو گئی، جس کا ثمرہ اور نتیجہ ہی دوسرا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:-

ے ازیں افیون کہ ساقی در مے افگند　　حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴

فصل بالخیر۔ جو کاروبار اِس ولایت سے وابستہ ہے اگر اُس میں سے تھوڑا سا بھی بیان کروں یا اُن معاملات کی جانب اشارہ کروں جو اِن دونوں ولایتوں کے ساتھ خاص ہیں تو گلا کاٹ دیا جائے گا اور حلقوم ذبح کر دیا جائے گا جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض علوم کے اظہار میں جو جو انھوں نے پیغمبر خدا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کیے تھے، فرمایا تھا کہ میرا گلا کاٹ دیا جائے، تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے۔ گہرے اسرارِ الٰہی جن سے اللہ جل شانہٗ اپنے خاص الخاص بندوں کو مطلع فرماتا ہے نامحرموں کو ایسے اسرار کے نزدیک سے بھی نہیں گزرنے دیتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے رحمتِ عالم وعالمیان ہونے کے باعث حضرت ابوہریرہ وغیرہ پر وہ اسرار ظاہر فرمائے اور سننے والوں کی قابلیت کو جانتے ہوئے اُن پر مخفی رازوں کے موتی نچھاور فرمائے۔ پس میرے جیسا مفلس وکم بضاعت آدمی اُن اسرار کے ظاہر کر دینے کے خطرے سے ہراساں و لرزاں رہتا ہے کیونکہ اپنی خرابی اور آوارگی کے باعث اُن بلند مطالب سے اپنی کوئی مناسبت نہیں دیکھتا بس اِتنا جانتا ہے کہ

: کریماں کارہا دشوار نیست[1]

قرآن کریم کی بعض آیتیں اپنے مفہوم و معنیٰ کے لحاظ سے محکم کہلاتی ہیں اور بعض کو متشابہ [illegible] کا حقیقی علم اللہ جل شانہٗ کو ہے اور اُس کی عطا سے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ اُمتِ محمدیہ کے خاص الخاص حضرات کو بھی اپنے نبی کی تبعیت و وراثت کے طور پہ علومِ متشابہات کا کچھ حصہ علیٰ قدرِ مراتب مرحمت فرما دیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسی آیتیں اسرارِ الٰہیہ سے لبریز ہوتی ہیں، لہٰذا اُن کے معانی سے تھوڑا بہت پردہ اُنھی کے لیے اُٹھایا جاتا ہے،

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۵

جو محرمِ رازہو اور راز کو راز دیکھ سکے ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی ایک محرمِ راز ہیں ۔ قرآن کریم میں محکمات و متشابہات کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے ؛-

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ
مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ
فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا
تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔ
وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی
الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ
وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ [1]

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری ، اس
کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں ، وہ کتاب
کی اصل ہیں اور دوسری وہ جن کے معنی میں
اشتباہ ہے ۔ وہ جن کے دلوں میں کجی ہے
وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں ، گمراہی چاہنے
اور اُس کا پہلو نکالنے کو اور اُس کا ٹھیک
پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے
کہتے ہیں کہ ہم اِس پر ایمان لائے ، سب ہمارے
رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے
مگر عقل والے ۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُمتِ محمدیہ کے ان خوش نصیب افراد اور محرمانِ راز سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبعیت و وراثت کے طور پر متشابہات کے علم سے حصہ مرحمت فرمایا تھا ۔ حضرت مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اس کا یوں ذکر فرمایا ہے ؛-

> "آخر کار جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے تاویلاتِ متشابہات کا تھوڑا سا حصہ اِس فقیر پر ظاہر فرمایا اور اُس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر اِس مسکین کی زمینِ استعداد میں جاری فرمادی تو معلوم ہوا

---

[1] پارہ ۳ ، سورۂ آلِ عمران ۷ آیت ،

کہ علمائے راسخین کو بھی تاویلاتِ متشابہات سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ”۱

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جہاں کشف و روحانیت کے اندر گروہِ اولیاء اللہ میں اپنی نظیر آپ ہیں اور جتنے مخفی اسرار آپ نے ظاہر فرمائے وہ کسی دوسری ہستی سے ثابت نہیں ہیں، وہاں آپ کا علمی پایہ بھی بہت بلند ہے، چنانچہ بارگاہِ رسالت سے آپ کو مجتہدینِ علم کلام میں شامل کر دیا گیا تھا۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر آپ نے اس فضلِ خداوندی اور عنایتِ مصطفوی کا یوں تذکرہ فرمایا تھا۔

احوالِ سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضرت پیغمبرِ خدا علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں اس فقیر سے فرمایا تھا کہ تو علمِ کلام کے مجتہدین سے ہے۔ اس وقت سے مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی رائے خاص اور علم مخصوص ہے۔ اشاعرہ و ماتریدیہ کے اکثر اختلافی مسائل سے جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ابتدائی طور پر حقیقت اشاعرہ کی جانب نظر آتی ہے لیکن جب نورِ فراست اور باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔ علمِ کلام کے اختلافی مسائل میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کی موافق ہے۔ ”۲

مولانا طاہر بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے قضائے معلّق و مبرم سے متعلق اپنا یہ واقعہ تحریر فرمایا تھا۔

میرے حضرت قبلہ گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی

---

۱ مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۷۰ ۲ مبدأ و معاد، مطبوعہ کراچی، ص ۵۴، ۵۵۔

قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے، ماسوائے میرے۔ اگر میں چاہوں تو اس میں بھی تصرف کر دوں۔ اس بات سے بہت سے تعجب کیا کرتے اور اسے بعید از فہم بتایا کرتے تھے یہ نقل بہت مدت تک اِس فقیر کے ذہن میں رہی۔ یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اِس دولت سے مشرف فرمایا۔ کسی روز ایک مصیبت کو دفع کرنے کے درپے ہُوا، جو ایک دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی۔ اُس وقت بڑے عجز و نیاز اور خشوع و خضوع سے التجا کی تو معلوم ہُوا کہ اِس کی قضا کسی امر سے متعلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ اس صورتِ حال سے بڑی نا اُمیدی ہوئی، لیکن حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی یاد آگیا۔ دوبارہ ملتجی اور متضرع ہُوا اور سراپا عجز و نیاز بن گیا۔ تب محض فضل و کرم سے اِس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلّق دو طرح پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہُوا ہے اور فرشتے اُس پر مطلع ہیں اور دوسری وہ قضا ہے۔ جس کا معلّق ہونا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ اور وہ لوحِ محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے، لہٰذا قضائے معلق کی اِس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔ پھر معلوم ہُوا کہ حضرت سید قدس سرہٗ کا قول بھی اِسی قسم دوم کے متعلق ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ کہ اُس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے، کیونکہ اس میں تصرف و تبدیلی عقلاً اور شرعاً محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اُس قضا کی حقیقت کا علم ہی نہیں ہے تو اُس میں تصرف کیسے کر سکتا ہے؟ اور (میں نے) اُس مصیبت کو دفع فرما دیا ہے۔“ [1]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۱۷

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اسی مقام ومنصب کے اظہار کی خاطر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) نے آیت یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ ...... کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادوں کے معلم، علامہ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی کو نورِ بصیرت سے دیکھا تو اس پر شقی لکھا ہوا تھا، اس امر کا تذکرہ صاحبزادوں سے کیا تو وہ بصد ملتمس ہوئے حضرت! دعا فرمایئے کہ یہ شقاوت سعادت میں تبدیل ہو جائے۔ آگے کیا ہوا، یہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی زبانی سنیئے۔

فقال المجدّد نظرت فی اللوح المحفوظ فاذا فیه انّه قضاء مبرم لا یمکن ردّہ فلجاء ولداہ الکریمان فی الدعاء لمّا السامنه فقال المجدد فذکرت ما قال غوث الثّقلین السید محی الدین عبد القادر الجیلی رضی اللّٰه عنه ان القضاء المبرم ایضا یرد بدعوتی فدعوت اللّٰه سبحانه وقلت اللّٰهم رحمتك واسعة وفضلك غیر مقتصر علیٰ احد ارجوا واسئلك من فضلك العمیم ان تجیب دعوتی فی محو کتاب الشقاء من ناصیة مُلّا طاهر انه محیٰ منها کلمة شقی وکتب مکانه سعیدا وما ذالك علی اللّٰه بعزیز۔[1]

مجدّد صاحب نے فرمایا کہ ہم نے لوح محفوظ میں دیکھا تو اس میں یہ (شقاوت) قضائے مبرم تھی، جس کا بدلنا ممکن نہیں۔ جب معزز صاحبزادوں نے دعا کی بہ زور التجا کی تو مجدد فرماتے ہیں کہ مجھے سید محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد گرامی یاد آیا کہ میری دعا سے قضائے مبرم بھی بدل جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر میں اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض گزار ہوا کہ اے اللہ! تیری ذات سے پر امید ہوں اور تیرے فضل کسی ایک پر محدود نہیں ہے۔ میں تیری ذات سے پُر امید ہوں اور تیرے فضلِ عمیم کا سوال کرتا ہوں کہ مُلّا طاہر کی پیشانی سے شقاوت کا لفظ مٹانے سے متعلق میری دعا قبول فرما۔ پس شقی کا لفظ مٹ گیا

---

[1] تفسیر مظہری، جلد پنجم، ص ۲۰۰

اور اُس کی جگہ سعید لکھا گیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

؎ نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دائرہ ولایت کے مرکز اور فیوض و برکات کے واسطوں کا ذکر کرتے ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

> میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی، وہ اِن کے ذریعے ہی پہنچی کیونکہ وہ اِس راہ کے آخری نقطے کے نزدیک ہیں اور اِس مقام کا مرکز اِن سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دَور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کے سپرد ہوا اور اِن کے بعد اس منصب پر ائمہ اثنا عشر میں سے ہر بزرگ کا ترتیب وار تفصیلی تقرر ہوا۔ اس طرح اِن حضرات کے وصال کے بعد جس کا بھی فیض و ہدایت سے حصہ ملا۔ اِن میں سے اگلے بزرگ کے ذریعے ملا۔ اگرچہ وہ اقطاب یا نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں۔ پس سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ ملحق رہنے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔
>
> یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچی اور جب ان بزرگوار کی باری آئی تو مذکورہ منصب ان کے سپرد ہوا اور آئمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی دوسرا اِس مرکز پر معلوم نہیں ہوتا۔ اِس راہ میں جو بھی فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوتا ہے، خواہ وہ اقطاب و نجباء ہی کیوں

نہ ہوں، یہ معاملہ آپ ہی کے واسطے سے مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ مرکز ان (شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) کے سوا کسی کو میسّر نہیں ہوا، اس لیے آپ نے فرمایا ہے :-

أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا
أَبَدًا عَلٰى أُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرُبُ

شمس سے مراد فیضانِ ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضان مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ وابستہ ہوا جو پہلے مذکورہ بزرگوں سے تعلق رکھتا تھا اور پہلوں کی طرح حضرت شیخ ہی فیض و ہدایت کے وصول کا واسطہ قرار پائے تو جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے تو اِن کے وسیلے ہی سے وابستہ ہے۔ دریں حالات أَفَلَتْ شُمُوسُ الْأَوَّلِيْنَ فرمانا یقیناً درست قرار پاتا ہے۔"[1]

حسبِ تصریحاتِ مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ فیض کے وسیلہ و واسطہ اب غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں لیکن اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اِس دوسرے ہزار سالہ دور میں فیض کا واسطہ مجددِ الف ثانی ہے یہ دونوں اقوال بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں چنانچہ اِس اشکال کا حل اور اِس سوال کا جواب حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے۔

گوئیم کہ مجدّدِ الف ثانی دریں مقام، نائب مناب حضرت شیخ ست و بہ نیابتِ حضرتِ شیخ ایں معاملہ با و	میں کہتا ہوں کہ مجدِدِ الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کا نائب ہے اور حضرت شیخ کی نیابت ہی کے باعث یہ معاملہ اُس سے وابستہ ہے،

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۳

مر اوراست چنانکہ گفتہ اند نُوْرُ الْقَمَرِ	جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ
مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ فَلَا مَحْذُوْرَ[1]	الشَّمْسِ چاند کا نور سورج کے نور سے مستفاد
	ہے، تو اب کوئی تضاد باقی نہ رہا۔

۵ المدد شیخ مجدّد، نائبِ غوث الورٰی
تیرا اختر دشمنوں سے بر سرِ پیکار ہے

استدراک:۔ حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اولیائے عظام میں منفرد نظر آتی ہے۔ قدرت نے جو آپ سے اولوالعزم پیغمبروں کی جگہ کام لیا وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور تاریخ میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ دوسری جانب دیکھیں تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جن علوم و معارف اور سربستہ اسرار و رموز کی نقاب کشائی فرمائی، آپ سے پہلے اِن چیزوں کو کسی دوسرے نے اِس طرح بیان نہیں فرمایا اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ قسّامِ ازل نے یہ معاملات آپ ہی سے وابستہ فرما دیئے تھے۔

مذکورہ امور کو دیکھتے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ صحابہ کرام و آئمہ مجتہدین کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی سرخیلِ جملہ اولیاء ہیں اور کوئی ولی خواہ وہ غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کیوں نہ ہوں، آپ پر فضیلت نہیں رکھتے۔ اِس خیال کو اُس وقت اور بھی تقویت پہنچتی ہے جب مجددِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وضاحت سامنے آتی ہے:۔

> حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت میں عظیم شان ہے اور انھیں بلند ترین درجہ حاصل ہے۔ ولایتِ محمدیہ خاصۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو لطیفہ کے راستے سے انھوں نے آخری نقطے تک پہنچایا ہے اور

---

[1] ایضاً

> اِس دائرے کے سرحلقہ ہوئے ہیں۔ یہاں سے کسی کو یہ وہم نہ گزرے کہ جب حضرت شیخ قدس سرہٗ ولایتِ محمدیہ خاصّہ کے سرحلقہ ہیں تو سب اولیاء اللہ سے افضل ہوں گے کہ ولایتِ محمدی جملا انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے فوقیت رکھتی ہے۔ اِس سلسلے میں ہماری گزارش یہ ہے کہ حضرت شیخ اُس ولایتِ محمدی کے سرحلقہ ہیں جو لطیفہ کے راستے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، نہ کہ مطلق ولایت کے سرحلقہ کہ جس سے افضلیت لازم آئے۔ علاوہ بریں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مطلق ولایتِ محمدیہ کا سرحلقہ ہونا بھی افضلیت کو مستلزم نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوّتِ محمدیہ میں پیش قدم ہو اور اُن کمالات کے باعث افضلیت اُس کے لیے ثابت ہو۔[1]

اِس عبارت کے آخری الفاظ سے ہر پڑھے لکھے قاری کا ذہن اسی طرح جاتا ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ علیہ نے تبعیت و وراثت کے طریقے پہ کمالاتِ نبوت میں پیش قدمی رکھنے کا اشارہ اپنی جانب ہی فرمایا ہے کیونکہ اگر کوئی دوسری ہستی مراد ہوتی تو صراحت کے ساتھ اُن کا ذکر فرما دینے سے کوئی امر مانع نہیں تھا۔ اِس عبارت سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں انھیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی افضلیت حاصل ہے۔

علاوہ بریں جب یہ چیز سامنے آتی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ ولایتِ محمدیہ کا سرحلقہ ہونا تسلیم کیا ہے لیکن اپنے متعلق کتنے ہی مکتوبات میں تصریح فرمائی ہے کہ آپ کو تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوّتِ محمدیہ سے وافر حصّہ ملا ہے اور یہ بھی آپ نے متعدد مکاتیب عالیہ

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۹۲

میں تصریحاً فرمایا ہے کہ کمالاتِ نبوت کو کمالاتِ ولایت پر بہت زیادہ برتری حاصل ہے۔ بلکہ اُن کے مقابلے میں یہ کمالات ایسے ہیں جیسے راستے میں پھینکی ہوئی چیزیں، جیسا کہ مکتوب ٢٥١ اور ٢٦١ میں موجود ہے۔ اِن تصریحات کی روشنی میں یہ خیال ذہنوں میں اور بھی جاگزیں ہو جاتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر بھی افضلیت حاصل ہے اور آپ ہی سرخیلِ جملہ اولیاء ہیں۔

شاید ایسے ہی خیالات کے پیشِ نظر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری مرض میں وصال سے چند روز پہلے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ پر ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ میرے قول قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ اور میرے شعر اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ کی تشریح فرمائیے کہ لوگ ان کے معانی میں شک کرتے ہیں۔ آپ کو اس مرض سے شفا حاصل ہو جائے گی —— یہ واقعہ وصالِ احمدی کے حوالے سے باب اوّل میں مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ قول کی تشریح مدتوں پہلے فرما چکے تھے جیسا کہ دفتر اوّل میں مکتوب ١٩٢ میں موجود ہے، جو شیخ محمد چتری رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا گیا تھا، لیکن اُس کی موجودگی میں بھی افضلیت کا مسئلہ ابھی تصفیہ طلب تھا۔ حسبِ ارشاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلوبہ شعر کی تشریح فرمائی اور افضلیت کے مسئلہ کو ہمیشہ کے لیے حل فرما دیا۔ آپ کے اُن ارشاداتِ عالیہ کے جواہرات کو قیومِ ثانی، خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حق رقم نے جمع فرمایا، جو دفتر سوم میں مکتوب ١٢٢ کے بطور شامل اور مولانا نور تہاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب صادر فرمایا گیا تھا۔ زیرِ نظر مسئلہ کی رُو سے اِس مکتوبِ گرامی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ وضاحت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اُس وقت فرمائی جب آپ اپنے کمالات کے آخری نقطے کو چھو رہے تھے۔

اس مکتوبِ گرامی کے اندر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ خود کو نائبِ غوثِ اعظم قرار دیتے ہوئے فرماتا کہ —— مجددِ الف ثانی دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ ست و بہ

نیابتِ حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است ——— صورتِ حال کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ نیز اپنی اس نیابت کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ؛۔ نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُوْرِ الشَّمْسِ ——— اس ارشادِ گرامی نے حقیقت کے چہرے پر کوئی نقاب نہیں رہنے دیا۔ صاف صاف واضح ہو گیا کہ گروہِ اولیاء کے ملجا و ماوٰی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ ہیں اور حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اُن کے نائب ہیں۔ حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ اُسی مہرِ درخشاں سے اکتسابِ فیض کر کے چودھویں کا چاند بنے تھے۔

ماہرین پر مخفی نہیں کہ مکتوباتِ امامِ ربانی سابقہ جملہ تحریرات و تصریحات اور اس مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم کی نگارشات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مقام و منصب کے بارے میں موافقت نظر آتی۔ معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپ پر غوثِ اعظم کا منصب و مقام پوری طرح ظاہر نہیں ہوا ہو گا، اسی لیے قبل ازیں انہیں صرف راہِ ولایت سے واصل بتایا گیا تھا، حالانکہ صورتِ حال اگر یہی ہوتی تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کبھی بھی خود کو حضرت شیخ قدس سرہٗ کا نائب مناب قرار نہ دیتے کیونکہ تبعیت و وراثت کے طور پر آپ نے کمالاتِ نبوت سے اتنا وافر حصہ پایا ہے جو دوسروں کو میسر نہیں آیا اور کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کمالاتِ ولایت کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ بلکہ راستے میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح معمولی ہیں۔ اِن حالات میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو زیادہ سے زیادہ یہی منصب مل سکتا تھا کہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نائب بنا دیا جاتا لیکن جب حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ خود کو اُن کا نائب بتاتے ہیں تو ادنی کمالات والا اعلیٰ منصب پر کیونکر فائز ہو سکتا ہے؟ جملہ تصریحات کی روشنی میں اس فقیر بے مایہ کی رائے تو یہی ہے کہ مرضِ وصال سے پہلے مجددِ اعظم قدس سرہٗ کے مقام و منصب مل سکتا تھا کہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نائب بنا دیا جاتا لیکن جب حضرت مجددِ اعظم قدس سرہٗ کے مقام و منصب پر کماحقہ، اطلاع نہیں بخشی گئی ہو گی، مطلع ہوتے

حقیقت سامنے آئی تو صاف فرمادیا کہ وہ حاکمِ اعلیٰ اور میں نائب مناب ہوں، وہ سورج ہیں اور میں چاند ہوں، چاند نے سورج ہی سے استفادہ کیا اور ظلمت کدۂ دہر میں رشد و ہدایت کی چاندنی بکھیری ہے۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نیابت صرف کمالاتِ ولایت میں ہے اور کمالاتِ نبوت میں وافر فیضیاب ہونے کے باعث آپ مطلقاً غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب نہیں ہیں —— احقر اس رائے سے متفق نہیں ہے کیونکہ کمالاتِ نبوت کو کمالاتِ ولایت پر انتہائی برتری حاصل ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ کمالات والا اس کا نائب قرار پائے جو صرف ادنیٰ کمالات کا حاصل ہو۔ اگر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف کمالاتِ ولایت کے سرحلقہ ہوتے تو غوثیتِ کبریٰ یعنی قطب الاقطاب کا تاج انھیں کیونکر میسر آتا؟ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ انھیں سورج اور خود کو چاند کیوں قرار دیتے؟ اپنے نائب ہونے کا کیوں اعلان کرتے؟ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے اس مکتوب ۱۲۳ کو لکھتے وقت کوئی ایسی وضاحت کیوں نہ فرمائی جو سابقہ تصریحات سے مطابقت رکھتی بلکہ آخری وضاحت کو انھوں نے بھی تسلیم کیا اور اسی طرح سپردِ قلم کر دیا۔ اگر حقیقت اس آخری وضاحت کے ذرا بھی برعکس ہوتی تو خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ اس کے بیان فرما دینے سے کبھی دریغ نہ کرتے کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے جو عقیدت ان کے جانشین و پیرزادہ، خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کو تھی اس کے مقابلے میں ہم جیسے لوگوں کی عقیدت کس گنتی شمار میں ہے؟

احقر کو اپنی رائے کی سو فیصد صحت پر اصرار نہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصریحات کے پیشِ نظر جس نتیجے پر یہ کوتاہ نظر پہنچا اس کا اظہار کیا ہے۔ اگر کسی بزرگ کے نزدیک صورتِ حال اس کے برعکس یا مختلف ہو، تو مجددِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں وہ اپنی تحقیقی رائے سے مطلع فرمائیں، چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد، ہم ایسے حضرات کے ممنونِ کرم

ہوں گے۔ اپنی رائے کی بنیاد صرف جوشِ عقیدت کے اظہار پر نہ رکھی جائے بلکہ دلائل سے اِس طرح مزین و مبرہن ہو کہ اُس کا مبنی بر حقیقت ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے بلکہ اور منصف مزاج کے لیے مجالِ انکار نہ رہے۔

سیرت کا کمال: انسان کے کمال کی آئینہ دار اُس کی سیرت ہی ہوتی ہے۔ انسان کی عظمت کا راز اُس کی سیرت کے کمال میں مضمر ہوتا ہے۔ فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ غرضیکہ ہر بڑے انسان کی سیرت بھی بڑی باکمال تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی چونکہ گروہِ اولیاء اللہ میں ایک ممتاز ہستی اور مقربِ بارگاہِ الٰہیہ ہیں۔ آپ کی سیرتِ مقدس کو بھی پہلو سے بھی دیکھا جائے تو شریعتِ مطہرہ کی منہ بولتی تصویر اور اتباعِ رسول کی عملی تحریر نظر آتی ہے۔

آپ کی سیرت مقدسہ پر زبدۃ المقامات، روضۃ القیومیہ، حضرت القدس اور دیگر کتنی ہی تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ تفصیلی کا ذوق رکھنے والے حضرت مذکورہ بنیادی کتابوں کی جانب رجوع کر سکتے ہیں۔ نیز اِس سلسلے میں مخدومی ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ کی تصنیف سیرتِ امام ربانی منظرِ عام پر جلوہ گر ہونے والی ہے، جو اِس موقعہ پر کوئی تشنگی باقی نہیں رہنے دے گی اس لیے احقر نے تفصیل سے بچتے ہوئے برکت حاصل کرنے کی غرض سے مکتوباتِ امام ربانی کی روشنی میں آپ کی سیرتِ مقدسہ کی صرف ایک جھلک پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔
وباللہ التوفیق۔

اسلام کا بنیادی اور مرکزی سبق عقیدۂ توحید ہے۔ ایک سچے مسلمان کا وحدتِ معبود پر غیر متزلزل عقیدہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے معبودِ برحق کے سوا دوسرے کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو عقیدۂ توحید سے انحراف قرار دیتا ہے۔ جبکہ یہ فعل عبادت کی غرض سے کیا جائے یا اُس کے لیے سجدے کا خدا کی طرح استحقاق ثابت کیا جائے۔ اگر صرف تعظیم کی غرض سے کسی کے لیے سجدہ کیا جائے تو شریعتِ مطہرہ کے نزدیک یہ فعل حرام ہے اگرچہ اسے عقیدۂ توحید

سے بغاوت نہیں کہیں گے اور فاعل کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔ غرضیکہ دونوں میں سے کسی بھی قسم کا سجدہ کرنا مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے معبودِ برحق کے حضور ریزی کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ حکم عام ہے لیکن اہلِ عزیمت کے نزدیک مخلوق کے کسی فرد کے حضور جھکنا بھی جائز نہیں ہے۔ جبکہ وہ اپنی برتری کا ڈھول بجا کر دوسرے کو جھکنے پر مجبور کرتا ہو ـــــ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دَور میں مغل فرمانروا اکبر نے خلیفۃ اللہ بن کر اپنے لیے سجدے کو ضروری ٹھہرایا تھا، جسے زمین بوس کا نام دے کر سرکاری درباری علماء نے جائز قرار دیا ہوا تھا۔ اور اسے شاہی آداب کا ایک حصہ سمجھا جانے لگا تھا۔ جہانگیر کو یہ ساری صورتِ حال ورثے میں ملی تھی اور اس سے چونکہ شاہی کبر و رعونت کے جذبے کی خوب پرورش ہوتی تھی اس لیے سجدے کو آدابِ شاہی کا جزو بنا کر جُوں کا توں برقرار رکھا گیا تھا۔

جس ہستی کو قدرت نے سرمایۂ ملّت کا نگہبان بنایا تھا اگر وہ اِس زکام کی رکاوٹ نہ کرتا تو بخار کی نوبت آنے کا خطرہ تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے درباری علماء کے برخلاف اِس سجدے کے عدمِ جواز پر زور دینا شروع کر دیا۔ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب لکھتے ہوئے اِس سجدے کا اپنے شرعی حکم بطور خلاصہ یوں بیان فرمایا تھا:۔

“اے بھائی! سجدہ جو زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے، یہ نہایت درجہ اپنی ذلت و انکساری کے اظہار پر دلالت کرتا ہے اور انتہائی عاجزی و تواضع پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایسی تواضع اللہ جلّ سلطانہ، کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے اور اُس کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں۔”[1]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۲

بادشاہ کے لیے جو حسب معمول سجدہ ہوتا تھا، اُس کے بارے میں آپ نے یوں اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔

‟اگرچہ بعض فقہاء نے بادشاہوں کے لیے تعظیمی سجدہ جائز قرار دیا ہے لیکن خود سلاطینِ عظام کے شایانِ شان یہی ہے کہ اِس بارے میں وہ بھی خدا کے حضور تواضع پیش کریں اور اس درجہ ذلت و انکساری کے اظہار (سجدہ) کو کسی دوسرے کے لیے جائز نہ ٹھہرائیں۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو اُن کا تابع فرمان کیا اور اُن کا محتاج بنایا ہے تو اِس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور اِس قسم کے ادب کو جو انتہائی عاجزی و انکساری کا مظہر ہے (یعنی سجدہ) اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے جائز نہ رکھیں اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہاء کی ایک جماعت نے اِسے جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کی حسنِ تواضع یہ ہونی چاہیئے کہ اِسے اپنے لیے جائز نہ سمجھیں‟[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کاغذی شیر یا زبانی جمع خرچ سے کام لینے والے نہ تھے بلکہ اتباعِ سنتِ نبوی کے پیکرِ کردار کے غازی اور سرمایۂ ملت کے نگہبان تھے۔ آپ نے جو کہا اُس پر عمل کر کے دکھایا۔ جب حاسدوں نے آپ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور اس مردِ قلندر کو دربار میں طلب کیا گیا تو آپ نے بادشاہ کے لیے تعظیمی سجدہ نہیں کیا تھا۔ حاسدوں نے اِس موقع کو غنیمت جانا اور اِسے آپ کے متکبّر و مغرور اور مخالفِ جہانگیر ہونے کی دلیل ٹھہرایا۔ بادشاہ نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو خانقاہ میں بیٹھ کر خدا کے سوا دوسروں کے لیے سجدہ کرنے کو ناجائز قرار دینے والے نے جہانگیر کے شاہی جاہ و جلال اور کرّ و فر کو خطرے میں نہ لاتے ہوئے۔ ہادیٔ اعظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کے پیشِ نظر ظالم بادشاہ کے روبرو

---

[1] ایضاً

[illegible] کا اظہار کر کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے بادشاہوں کے لئے سجدہ کے جواز کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

بادشاہ کے کبر و رعونت کی درباری سرکاری علماء ایک مدت سے [illegible] اپنے اپنے تھے اُن کے فتوے مرضی سرکار اور شاہی اشاروں کے گرد گھومتے رہتے تھے۔ ایسے حالات میں سرہند کے مجددِ اعظم کا کلمۂ حق جو بادشاہ کے دماغِ مغرور پر ایک کاری ضرب تھا۔ بادشاہ تڑپ اُٹھا، غصے سے بل کھا کر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ سانپ کی طرح بل کھاتا اور پھنکاریں مارتا تھا کہ وقت کے شہنشاہِ اعظم کو ایک فقیر گودڑی پوش خطرے میں نہیں لاتا، مغل ایمپائر کے جاہ و جلال سے مرعوب نہیں ہے۔ بھرے دربار میں بادشاہ کے حضور تعظیمی سجدے سے انکار کرنے والے مجددِ اعظم کے جذبِ قلندرانہ اور نعرۂ شیرانہ کو دیکھ کر شاہی دربار کے در و دیوار فرطِ مسرت میں زبانِ حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہے تھے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

بعض خوشامدی حضرات نے آپ کو زبردستی بادشاہ کے حضور جھکانے کی کوشش کی۔ لیکن ہر تدبیر ناکام رہی۔ بادشاہ زبردست خفت محسوس کر رہا تھا کہ لاؤ لشکر والا ایک فقیر بے نوا کو اپنے سامنے جھکانے سے مجبور ہو رہا تھا۔ بالآخر اپنی خفت مٹانے اور شاہی رگِ غرور کو تسکین دینے کی خاطر یہ تدبیر نکالی کہ شیخ سرہندی کو دربار سے باہر لے جا کر فلاں جانب سے لایا جائے۔ اُس طرف کی دیوار میں دربار کی طرف صرف ایک کھڑکی کھلتی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ کھڑکی کے راستے دربار میں داخل ہوتے وقت خود بخود سر جھک جائے گا اور اِسی کو اپنے حضور جھکانے پر محمول کر لیا جائے گا۔

قربان جائیں اللہ والوں کی ایمانی فراست اور جذبِ قلندرانہ پر کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب اُس کھڑکی کے راستے دربار میں داخل ہونے لگے تو پہلے دایاں پیر داخل کیا۔

پھر بایاں، جبکہ پشت دربار کی جانب تھی اور پھر باقی جسم اندر نکالا اور اِس طرح دربارہ، داخل ہوئے کہ بادشاہ کے حضور جھکنے کا ایک ہلکا سا دھبّہ بھی آپ کی ردائے خدا پرستی پر نہ لگنے پایا! —— ان چند جماعتوں کے کتنے مہتم بالشان اُمور طے کر دیئے تھے —— توحید کے پرستاروں کا ہمیشہ کے لیے سر کتنا بلند ہو گیا —— جسموں پر حکمرانی کرنے والوں اور دلوں میں جاگزیں ہو کر اُن پر حکومت کرنے والوں کی طاقت و عظمت کا الگ الگ نقشہ کھل کر سامنے آ گیا —— حق کے علمبردار موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کس طرح اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا کرتے ہیں، یہ سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا —— جب وہ فاروقی مجدّد، جو مستِ جامِ بادۂ الفت تھا، عشقِ الٰہی سے سرشار ہو کر، فانی فی اللّٰہ اور باقی باللّٰہ ہو کر آسمانِ حق و صداقت میں چار چاند لگا رہا تھا، عشقِ الٰہی سے حقیقی کی لاج رکھنے پہ تلا ہوا تھا، تو عشق بھی بھڑک اٹھا اور مجدّدِ اعظم کی بارگاہ میں اپنا یہ پیام بھیج دیا۔

سن اے طلبگارِ دردِ پہلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومناتِ دل کا ہوں، تو سراپا ایاز ہو جا
نہیں ہے وابستہ زیرِ گردوں کمالِ شانِ سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا
غرض ہے پیکارِ زندگی سے کمالِ پائے ہلال تیرا
جہاں کا فرضِ قدیم ہے تو ادا مثالِ نماز ہو جا
نہ ہو قناعت شعار گلچیں! اسی سے قائم ہے شان تیری
وفورِ گل ہے اگر چمن میں، تو اور دامن دراز ہو جا
گئے وہ ایام، اب زمانہ نہیں ہے صحرانوردیوں کا
جہاں میں مانندِ شمعِ سوزاں میانِ محفل گداز ہو جا
وجود افراد کا مجازی ہے، ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ، یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا[۱]

---

[۱] کلیاتِ اقبال، ص ۱۲۹

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں یہ بات آئی کہ شیخ نظام تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء) کے بعض خلفاء کو اُن کے مریدین سجدہ کرتے تھے اور وہ انھیں ایسا کرنے سے منع نہیں کرتے۔ سرمایۂ ملت کے فاروقی نگہبان نے شیخ نظام الدین تھانیسری علیہ الرحمہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے اِس قباحت کے سدِ باب کی یوں تاکید فرمائی تھی۔

> "معتمد حضرات سے منقول ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید اُن کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور صرف زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی سورج سے زیادہ واضح ہے۔ انھیں منع فرمایئے اور سختی سے منع فرمایئے۔ ایسے افعال سے ہر کسی کو پرہیز کرنا چاہیئے لیکن اُن حضرات کے لیے پرہیز کرنا زیادہ ضروری ہے جو خلقِ خدا کے مقتدا ہیں، کیونکہ معتقدین اُن کے اعمال کی پیروی کر کے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔"[۱]

ایک سچے مسلمان کا شیوہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کو اپنے مالک کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے۔ مالک کی جانب سے دُکھ آئے یا سُکھ وہ ہر حالت میں خوش رہتا اور لُطف و لذت پاتا ہے کیونکہ تنگی میں ہے یا کشادگی میں، دُکھ میں ہے یا سُکھ میں، صحت مند ہے یا بیمار، نفع میں ہے یا نقصان میں، آرام پا رہا ہے یا اذیت سہہ رہا ہے۔ بانکہ میں غرضیکہ ہر حالت میں حالات کی جانب سے نظر ہٹا کر اپنی پوری توجہ اُس کی رضا جوئی پر مرکوز رکھتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں جملہ حالات کی کنجیاں ہیں۔ وہ ہر قسم کے حالات کا اِس لیے خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے کہ مالکِ حقیقی نے اُس کی بہتری اِسی میں سمجھی ہے۔ رضائے الٰہی کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مُلّا بدیع الدین علیہ الرحمہ کے لیے لکھا ہے:۔

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۹

"مقبول بندہ وہ ہے جو اپنے مولیٰ کی رضا پر راضی رہے۔ جو اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے۔ بندے کو چاہیے کہ مالک اگر اس کے گلے پر چھری بھی چلائے تو شاداں و فرحاں رہے اور مالک اگر اس کے گلے پر چھری بھی چلائے تو شاداں و فرحاں رہے اور مالک کے اس فعل کو اپنی مرضی بنا لے۔ اگر معاذ اللہ اس فعل کی جانب سے کراہت پیدا ہوئی یا دل نے تنگی محسوس کی، تو یہ آئینِ بندگی کے خلاف اور راندۂ درگاہِ مولیٰ ہونا ہے"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں جہانگیر کے حکم سے شاہی فوجوں کے ساتھ رہتے تھے تو یہ بات متعلقین پر بڑی گراں گزر رہی تھی۔ ان ایام میں آپ نے صاجزادگان یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم قدس سرہما کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے انھیں ایامِ مصیبت کی قدر و قیمت بتاتے ہوئے صابر و ذاکر رہنے کی یوں تلقین فرمائی تھی۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔ فرزندانِ گرامی اگرچہ ہماری دائمی صحبت کے مشتاق و خواہاں ہیں، لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوا کرتیں:۔

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَھِی السُّفُنُ

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنے کو غنیمت جانتا ہوں اور اس مدت کی ایک ساعت کو دوسری بہت سی ساعتوں سے بہتر دیکھتا ہوں یہاں وہ کچھ میسر ہے جو دوسری جگہوں میں متصور نہیں کہ اس کی مثال میسر آ سکے۔ اس جگہ کے علوم و معارف جدا ہیں اور یہاں کے احوال و مقامات نرالے ہیں۔ سلطان کی جانب سے پابندی کو اپنے مالک کی کمال مہربانی اور رضامندی کا دریچہ سمجھتا ہوں اور اس قید میں اپنی سعادت شمار کرتا ہوں، خصوصاً اس

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۸۸

> اختلاف کے دنوں میں عجیب و غریب کاروبار ہے اور مفارقت کے اوقات میں بھی عجیب ناز برداری ہے لیکن جو تازہ و عجیب دولت ہر روز پہنچتی ہے وہ فرزندوں سے دوری کی کھٹک اور عدم ملاقات کے باعث اضطراب جگر ہے[1]

عام آدمی رنج و کلفت کے ایام میں چیخ اٹھتا ہے، بے قرار و مضطرب رہتا ہے، سکونِ قلب کی دولت کھو بیٹھتا ہے اور اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ جس کی مدد اس مصیبت کو دفع کر سکتی ہے اس سے استمداد و استعانت کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی مصیبت کے اوقات میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ وہ ہر حالت میں خوش رہتے ہیں اور اپنی مرضی کو اپنے مولیٰ کی رضا کے اوقات میں یہ کیفیت نہیں ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا پایہ اِس میدان میں بھی بہت بلند ہے اور آپ کی سیرتِ مقدسہ کا یہ پہلو بھی انتہائی تابناک ہے۔ چنانچہ قید و بند اور رنج و الم کی آندھیوں میں بھی اس مردِ حق آگاہ نے رشد و ہدایت کے روشن کیے ہوئے چراغ کو جلائے رکھا اور کسی بھی مرحلے پر بجھنے نہیں دیا بلکہ اس کی نور باری میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ چنانچہ فوج کی معیت کے دنوں میں آپ نے اپنے مخدوم زادگان، خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے فرمایا تھا۔

> لوگ ہر وقت ہماری تکلیف کو مدِنظر رکھتے اور اِس تنگی سے رہائی چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نامرادی و بے اختیاری و ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے اور اِس کے برابر کونسی نعمت ہے کہ آدمی کو اس کے اختیار کر دیا جائے اور اپنے اختیار سے اُسے زندگی بخشیں اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کر دیا جائے اور دائرہ اختیار سے اُسے باہر کر کے ایسا

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۸،

کر دیں جیسے میت غسال کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔[1]

اسی مکتوبِ گرامی میں آپ نے اوقاتِ مصیبت و راحت کا فرق یوں بیان فرمایا تھا۔

در ایام حبس گاہے کہ مطالعۂ ناکامی و بے اختیاری خود می نمودم عجب حظ میگرفتم و طرفہ ذوق میافتم بے اربابِ فراغت ذوقِ اربابِ بلا راچہ دریابند و از جمال بلائے اُوچہ درک نمایند، طفلاں را خط منحصر در شیرینی ست و آنکہ از تلخی حظ فراگرفتہ است را بجوئے نمی خرد۔

مرغِ آتشخوارہ کے لذت شناسد دانہ را[2]

ایام حبس میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا تو عجب لطف اُٹھاتا اور نرالا ذوق پاتا ہوں۔ ہاں آرام و راحت والے مصیبت زدگان کے ذوق کو کیا جانیں اور اُس کی مصیبت کے جمال کا کیا ادراک کریں۔ بچوں کی لذت مٹھائی میں منحصر ہے اور جس نے تلخی کی لذت پائی ہو وہ اسے ایک جَو کے بدلے نہیں خریدتا

ع مرغِ آتش خور کو دانے میں کیا آئے مزہ

اِسی دوران حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر شریف پہنچنے سے پہلے اپنے صاحبزادگان یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایک مختصر گرامی نامہ ارسال فرمایا، جو الفاظ کے لحاظ سے اگرچہ مختصر ہی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن زندگی گزارنے کے وہ زریں اصول بیان فرمائے بیان فرمائے جو ہر خاص و عام کو مشعلِ راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ اِس مکتوبِ گرامی کے اندر آپ نے کوزے میں دریا بند فرمایا ہے۔ آیئے الفاظ کے مبارک نگینوں میں مطالب و معانی کی ایمان افروز چاندنی کا نظارہ تو فرمایئے۔

اگر اجمیر پہنچ گیا اور نہیں بلاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اطمینان سے رہیں اور اپنی تمام تر توجہ کو مولیٰ جل شانہٗ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف کریں۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی۔ دفتر سوم، مکتوب ۸۳ [2] ایضاً

ایسا نہ ہو کہ فارغ ہو بیٹھیں اور نفس کو خوش کرنے لگیں اور اہل و عیال سے پوری محبت پیدا کر لیں اور اہم معاملے کو درہم برہم کر چھوڑیں۔ اگر ایسا کرنا تو سوائے محرومی اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور کوئی نفع نہ ہوگا۔ اس صحبت اور اِس دولت کو غنیمت جانیں اور اہم معاملے میں گزاریں۔ خبر شرط ہے۔ نئے معارف جو تمہارے لیے لکھ کر بھیجے ہیں وہ تمہارے لیے ایک کے بعد دوسرا سبق ہیں۔ اُنھیں سرسری طور پر نہ پڑھیں بلکہ محنت سے اُن کا مطالعہ کریں۔ شاید اُن رازوں کی جانب سے کھڑکی کھل جائے اور سرمایۂ سعادت حاصل ہو جائے تمہارے بارے میں مجھے بشارت دی گئی ہے جو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کی کہ تمھیں پہنچا دی جائے۔ اُمید ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہیں ضائع نہ کرے گا بلکہ قبول فرمائے گا۔ لیکن ترساں و لرزاں رہیں اور لہو و لعب سے واسطہ نہ رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری کوئی دوسرا اثر پیدا کر دے لہٰذا بارگاہِ خداوندی میں ملتجی و متضرع رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری کوئی دوسرا اثر پیدا کر دے لہٰذا اہل حقوق سے ضرورت کے مطابق، اختلاط رکھیں اور اُن کی خاطرداری کریں اور مستورات کی جماعت کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے عمر گزاریں اور اُن کے حق میں امرِ معروف و نہی منکر سے دریغ نہ کریں اور جملہ اہل خانہ کو نماز، اپنی اپنی درستی اور شرعی احکام کی تعمیل کرنے کی ترغیب دیتے رہیں کیونکہ تم اپنی رعیت کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔ حق سبحانہ، تعالیٰ نے تمہیں علم مرحمت فرمایا ہے اُس کے موافق عمل بھی کرامت فرمائے اور اُس پر استقامت بخشے۔"[1]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی دفتر سوم، مکتوب ۸۵

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قید کے دنوں میں اپنے فرزندانِ گرامی کے نام ایک مکتوب میں انھیں پند و نصائح سے نوازا اور اوقاتِ مصیبت کی قدر و قیمت ایسے لفظوں میں بیان فرمائی کہ اُس مکتوبِ گرامی کو طالبینِ رضائے حق کا دستور العمل کہہ سکتے ہیں۔ اس مکتوب کی روشنی میں غم زدہ اور آفت رسیدہ لوگوں کو سامانِ راحت میسر آ سکتا ہے کیونکہ ایسے نامساعد حالات میں اِس کے مندرجات روشنی کا بلند مینار اور اُمید کی کرن ثابت سکتے ہیں۔ اِس ایمان افروز مکتوبِ گرامی کو احقر نے پڑھا تو ایک لفظ بھی نظر انداز کرنے قابل نہ دکھائی دیا۔ ہر فقرے کے اندر اُس مردِ حق آگاہ کی بلند پایہ سیرتِ مقدسہ کی تابانی منہ سے بول رہی ہے۔ اُس ہدایت نامے کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ و باللہ التوفیق۔

مکتوب ۲

خوشی اور غمی، آسانی اور تنگی، نعمت اور نقمت، رحمت اور زحمت، سختی اور نرمی، عطا اور بلا غرضیکہ ہر حالت میں سب تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور صلوٰۃ و سلام ہو اُس آقا پر جس کے برابر کسی نبی کو اذیت نہیں پہنچائی گئی۔ اور جس کے برابر کسی رسول کی آزمائش نہیں کی گئی۔ اسی لیے وہ تمام جہانوں کی رحمت ہوئے اور اگلوں پچھلوں کے سردار ٹھہرے۔

فرزندانِ گرامی! مصیبت کا وقت اگرچہ تلخ اور بے مزہ ہے لیکن فرصت اگر دیں تو غنیمت ہے۔ اِن دنوں جس طرح کی فرصت تمہیں بخشی ہے۔ اس پر خدا کا شکر ادا کرو۔ اپنے کام کی جانب متوجہ رہو اور اپنے لیے لمحہ یا ایک لحظہ بھی فرصت کا تجویز نہ کرو۔ اِن تین کاموں میں سے کسی ایک کام میں مشغول رہو۔ (۱) تلاوتِ قرآنِ مجید۔ (۲) لمبی قرأت کے ساتھ نماز ادا کرنا (۳) کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تکرار۔

پہلے کلمہ لَا سے اپنی نفسانی خواہشات کی نفی کریں نیز اپنے مقاصد اور مرادوں کو دفع کر دیں کیونکہ اپنی مراد طلب کرنا گویا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ

کہ میدانِ سینہ میں کسی مراد کی گنجائش نہ رہے اور تخیلات میں بھی کوئی ہوس نہ رہے تاکہ بندگی کی حقیقت ثابت ہو جائے۔ اپنی مراد چاہنے کا نتیجہ اپنے مولیٰ کی مراد کو دفع کرنا ہے اور اپنے مالک سے معارضہ کرنا ہے۔ یہ معنی اپنے مولیٰ کی نفی کی جائے۔ یہ کوشش اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک تمام خواہشات سے پاک نہ ہو جائے اور مرادِ مولیٰ کے ساتھ کوئی اور مراد نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ یہ دولت مصیبت کے ایام اور آزمائش کے دنوں میں آسانی سے میسر ہو جاتی ہے جبکہ دوسرے دنوں میں خواہشات سدِ سکندری بن جاتی ہیں۔ گوشے میں تنہا بیٹھ کر مشغول رہیں کیونکہ فرصت غنیمت ہے۔ فتنوں کے اوقات میں تھوڑے عمل کو بھی زیادہ کی طرح قبول فرماتے ہیں جبکہ ایامِ راحت میں سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں۔ خبر شرط ہے۔ خواہ ملاقات ہو یا نہ ہو لیکن نصیحت یہی ہے کہ کوئی ہوس باقی نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اِس معنی سے آگاہ کر دینا اور اُنھیں اچھی طرح سمجھا دینا۔

باقی اِس دنیا کے احوال جبکہ چند روز میں گزر جاتے ہیں۔ لہٰذا اُنھیں کیا معرضِ بیان میں لایا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت رکھنا اور اُنھیں پڑھنے کی ترغیب دیتے رہنا اور اہلِ حقوق کو جہاں تک ہو سکے ہماری جانب سے راضی رکھنا اور سلامتیٔ ایمان کی دعا سے ممد و معاون رہنا۔

دوبارہ تاکید کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ اِس وقت کو بے کار امور میں صرف نہ کریں اور ذکرِ الٰہی جل شانہٗ کے سِوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہوں، خواہ وہ مطالعۂ کتب اور تکرارِ طلبہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ذکر کا وقت ہے۔ نفسانی خواہشات جو معبودانِ باطل ہیں۔ اُنھیں لَا کے تحت لائیں تاکہ تمام منتفی ہو جائیں اور کوئی مراد یا مقصد سینے میں باقی نہ رہے، یہاں تک کہ میری رہائی جو بالفعل تمہارے اہم مقاصد سے ہے یہ بھی تمہارا مقصود نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر، فعل اور ارادے سے راضی رہیں۔

کلمۂ طیبہ کی جانبِ اثبات میں (اِلَّا اللہ کہتے وقت) ذاتِ باری تعالیٰ کے سِوا جو معلومات و متخیلات سے وراء الوراء ہے، کوئی اور نہ ہو۔ حویلی، سرائے، کنواں، باغ، کتابوں اور دوسری

چیزوں کا غم معمولی ہے۔ چاہیے کہ کوئی چیز تمہارے کام (ذکرِ الٰہی) میں مزاحم نہ ہو اور مرضی حق جلّ وعلا کے سوا تمہاری کوئی مرضی نہ ہو۔ اگر ہم وفات پا جائیں تو یہ تمام چیزیں ہم سے چھن جائیں گی۔ اگر ہماری زندگی میں ہی چھن جائیں تو فکر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں (اولیاء اللہ) نے اِن چیزوں کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے اور ہم ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے اختیار سے چھوڑ رہے ہیں۔ اور اُس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اُمید ہے کہ اُس کے خاص بندوں میں شمار ہوں گے۔

جس جگہ بیٹھے ہو اُسی کو اپنا وطن شمار کرو۔ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے چاہیے کہ حق جلّ شانہٗ کی یاد میں بسر ہو۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے آخرت کی جانب متوجہ رہیں۔ اپنی والدہ کو تسلّی دیں اور آخرت کی ترغیب دیتے رہیں۔ اگر حق سبحانہٗ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائے گی۔ ورنہ تقدیرِ الٰہی پر رضی رہیں اور دعا کریں کہ ہم جنت میں اکٹھے ہو جائیں اور ملاقاتِ دنیا کی آخرت میں تلافی چاہنے کے معاملے کو فضلِ خداوندی کے سپرد کر دیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔“[1]

خاصانِ خدا کا یہ خاصہ رہا ہے وہ اللہ و رسول (جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ سننے اور برداشت کرنے کے روادار نہ ہوتے تھے۔ یہ صفت صحابہ کرام میں جس درجہ پائی جاتی تھی وہ اپنی نظیر آپ ہے لیکن اُس مقدس گروہ میں بھی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی عدیم النظیر منہ بولتی تصویر تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے جدِ امجد، امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات کا پرتو تھے۔ یہ صفت مجدّدِ اعظم کی سیرتِ مقدسہ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اِس دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔

ملّا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مجدّدِ اعظم کی خدمت میں لکھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی کہتے ہیں۔

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ سوم، مکتوب ۲

کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے اور فلاں فلاں کتابوں سے استدلال کرتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تڑپ اٹھتے ہیں، بلبلا نے لگتے ہیں اور ملا حسن کشمیری علیہ الرحمہ کے خط کا جواب لکھتے ہوئے اپنے فاروقی انداز میں تحریر فرماتے ہیں۔

> "آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہ' وتعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔ میرے مخدوم! فقیر ایسی باتوں کے سننے کی قطعًا تاب نہیں رکھتا اور بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے۔ اور تاویل و توجیہ کی فرصت بھی نہیں دیتی۔ ایسی باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی یہاں محمد عربی علیہ وعلیٰ الہٖ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا۔ ہمیں نص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں خود علمِ غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی ہے اور اپنے لیے عالم الغیب فرمایا ہے۔ حق سبحانہ' سے علمِ غیب کی نفی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے بلکہ حقیقت میں حق سبحانہ' کی تکذیب ہے۔ غیب کا کوئی اور معنی تاہم بھی اس برائی سے نہیں بچاتا۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ۔ کاش میں جانتا کہ انھیں شریعتِ مطہرہ کے اس درجہ صریح خلاف بات کہنے پر کیا چیز ابھار رہی ہے۔" [لہ]

آج اس پُر فتن دَور میں شیخ عبد الکبیر یمنی کی یاد تازہ کرنے والے تو ہزاروں افراد مل جاتے ہیں۔ جو علم کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود شانِ خداوندی اور عظمتِ مصطفوی کے خلاف غیر اسلامی نظریات کی نشر و اشاعت ہی کو اپنا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ افتخار گردانتے ہیں۔ علمائے اہلسنت اور شریعتِ مطہرہ کے ہر بہی خواہ کو چاہیے کہ ایسے غلط نظریات کے سدِ باب

[لہ] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۰۰

میں ہمہ وقت کوشاں رہیں۔ اسلامی نظریات کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے والوں کی فہمائش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں اور جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ پر پوری طرح عمل کریں ورنہ کل بروزِ قیامت جب دین میں تحریف کرنے والوں کی گرفت ہو گی تو ایسے بخوشی برداشت کرنے والوں کو بھی حق و صداقت کا خون کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا۔ جب نیکیاں بدیاں میزانِ عدل پر تُل رہی ہوں گی تو مقدس اسلام بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض گزار ہو گا:۔

؎ لائیں تو قتل نامہ، ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں قصبہ سامانہ کے کسی خطیب نے خطبۂ جمعہ سے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر خارج کر دیا جب یہ بات مجددِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم میں آئی تو فوراً فاروقی رگ حرکت میں آگئی اور سامانہ کے سرکردہ لوگوں کے لئے ایک طویل مکتوب لکھ کر جہاں حکمِ شرع بیان کیا وہاں اُن لوگوں کو بھی فہمائش کی جو علم و فضل کے سرچشمے بنے بیٹھے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

”خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکرِ پاک اگرچہ شرائطِ خطبہ سے نہیں کہ شعائرِ اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم سے ضرور ہے۔ ان کے مبارک ذکر کو دانستہ یا سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا۔ جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ اُس نے تعصب یا عناد سے ایسا نہیں کیا تو بھی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کی وعید کا جواب کیا ہو گا؟ مقامِ تہمت سے خلاصی کس طرح ملے گی جبکہ فرمانِ رسالت ہے۔ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ (تہمت کی جگہ سے بچو)۔ اگر حضرات شیخین کی تقدیم و تفضیل میں یہ شخص توقف کرتا ہے تو طریقِ اہلسنت کا تارک ہے اور حضرات ختنین (حضرات عثمان و حضرت علی) کی محبت میں شک رکھتا ہے تو بھی اہلِ حق سے خارج اور دور ہے۔“ [1]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۱۵۔

اِس امر کے دلائل قائم کرنے کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

"معلوم نہیں کہ ایسا بدبودار پھول ہندوستان میں آجتک کبھی کھلا ہو۔ بعید نہیں کہ یہ معلوم نہیں یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو بدنام کر دے بلکہ سرزمین ہند سے اعتماد اٹھ جائے۔"[1]

آخر میں آپ نے اہل علم کو حمایتِ حق پر کمربستہ کرنے اور اپنا فرض پہنچانے کی دعوت دیتے ہوئے اپنی فاروقی رگ کے حرکت میں آنے کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

"ایسے واقعات رونما ہونے کے باوجود غفلت برتنا بدعقیدہ لوگوں کو دلیر کرنا اور دین میں رخنہ انداز ہونے کا مترادف ہے اور یہ بات بھی سہل پسندی میں شمار ہوتی ہے۔ اُدھر مہدی کی جماعت کھلے بندوں اہل حق کو اپنے باطل خیالات کی دعوت دیتی ہے اور وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ریوڑ سے ایک دو افراد کو بھیڑیا بن کر اُچک لے جاتے ہیں۔ زیادہ کیا تکلیف دوں حقیقت یہ ہے کہ جب یہ وحشت انگیز خبر سننے میں آئی تو اس نے شورش پیدا کی اور میری فاروقی رگ کو حرکت دی۔"[2]

بد مذہبوں سے صرف نظر کرنا گویا بد مذہبی کو قبول کرنا ہے۔ اسی لیے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے غلط نظریات رکھنے والوں کا رد کرنے کی فہمائش فرمائی ہے اور ایسے مواقع پر جو ٹس سے مس نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُنہیں حق و باطل کے غالب یا مغلوب ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

اِس سے نازک مرحلہ کفر و اسلام کا ہے۔ اسلام سے قلبی لگاؤ اور اُس کی نشر و اشاعت میں بساط بھر کوشاں رہنا مسلمان ہونے کی علامت ہے۔ اِس کے ساتھ ہی اہل اسلام سے محبت

---

[1] ایضاً

[2] ایضاً

رکھنا اور اُن کی خیر خواہی پر کمر بستہ رہنا بھی ضروری ہے۔ غرضیکہ ایک سچے مسلمان کی ساری ہمدردیاں اسلام و مسلمین کے لیے وقف ہونی چاہئیں اور کفر و کفار کے ساتھ دلی عداوت ہونا بھی اُسی طرح ضروری ہے۔ کفر اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے کا اعلان ہے اور کافر حکومتِ الٰہیہ کے دشمن اور باغی ہیں۔ خدا کے دشمنوں سے دشمنی نہ رکھنے والا خود خدا کے دشمنوں میں شمار ہوگا۔ ملی غیرت اور ایمانی تقاضا یہی ہے کہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دلی دشمنی رکھی جائے۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حکیمانہ انداز میں شیخ فرید بخاری کو یہی نکتہ سمجھاتے ہوئے فرمایا تھا۔

> آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکمل متابعت آپ کے ساتھ کمال محبت رکھنے کی فرع ہے کیونکہ محبِ جسے چاہتا ہے اُس کی اطاعت کرتا ہے اور کمال محبت کی نشانی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ پوری طرح عداوت رکھی جائے۔ محبت میں دوغلے پن کی گنجائش نہیں ہے۔ محبِ محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے اور مخالفت کی مجال نہیں رکھتا۔ اور محبوب کے مخالفوں سے کسی بھی وجہ سے صلح نہیں کر سکتا اور دو متضاد محبت جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ اجتماعِ ضدین کو محال کیا گیا ہے۔ ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔"[1]

آجکل یہ بیماری بڑی عام ہے کہ ایک جانب گستاخانِ رسول گز گز بھر کی زبانیں نکال کر بارگاہِ رسالت میں گستاخیاں کر کے سچے مسلمانوں کے قلب و جگر کو گھائل کرتے رہتے ہیں تو دوسری جانب راسخ العقیدہ مسلمانوں میں ایسے بھی افراد موجود ہیں جو اُن گستاخوں کا رد کرنے والوں کو بُرا جانتے اور کوستے رہتے ہیں کہ یہ فسادی ہیں، آپس میں ایک دوسرے پر کیچڑ بازی کرتے اور پگڑی اُچھالتے ہیں۔ اگر یہ گستاخانِ رسول سے رواداری اور مروّت کا برتاؤ کرنے والے عظمتِ رسول کو سامنے رکھیں اور

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۶۵۔

دلوں میں واقعی محبتِ رسول کی دولت موجود ہو تو دشمنانِ رسول کے بارے میں علی الاعلان یہ کہتے نظر آتے۔

؎ دشمنِ احمد پہ شدت کیجیے
ملحدوں سے کیا مروت کیجیے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کافروں سے دشمنی رکھنے کے بارے میں جو تلقین فرمائی ہے وہ ہندو مفادات کا تحفظ کرنے والے، گاندھی کا کلمہ پڑھنے والے گاندھوی حضرات اور غیر مسلموں سے دفاعی، اقتصادی، تجارتی، سفارتی اور ثقافتی دوستی رکھنے والے لیڈروں کو غور سے دیکھنی چاہیے۔ کفار سے تعلقات رکھنے کے بارے میں سرمایۂ ملت کے نگہبان نے یوں فرمایا ہے:۔

> "کفار جو کہ اللہ عزوجل کے اور اُس کے رسول علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے دشمن ہیں، دشمنی رکھنی چاہیے اور اُن کو ذلیل وخوار رکھنے میں کوشاں رہنا چاہیے اور کسی بھی وجہ سے اُنھیں عزت کا مقام نہیں دینا چاہیے اور اُن بدنصیبوں کو اپنی مجلس میں نہیں بلانا چاہیے اور اُن سے اُنس نہ رکھا جائے اور اُن کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیے اور اِن تک جہاں ممکن ہو کسی کام میں اُن کی جانب رجوع نہ کیا جائے، اگر ایسی ضرورت پڑ جائے کہ اِس کے سوا چارہ نہ ہو تو قضائے حاجت کی طرح نفرت اور مجبوری کے ساتھ اپنی ضرورت کر لی جائے۔"[1]

مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہے اور اللہ و رسول کے دوستوں سے اُسے دلی محبت ہوتی ہے۔ وہ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کی منہ بولتی تصویر ہوتا ہے۔ صحابۂ کرام جو ملتِ اسلامیہ کی خشتِ اوّل اور شمعِ رسالت کے عدیم النظیر پروانے تھے اُن سے محبت رکھنے کے بارے میں حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تلقین فرمائی ہے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۶۵

"عاقل منصف اصحابِ رسول کی عداوت کو ہرگز اُن کی محبت پر ترجیح نہیں دے گا، بلکہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث اُنھیں دوست رکھے۔"[1]

اہل بیتِ اطہار سے محبت رکھنے کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر اس عبارت کے آئینے میں ملاحظہ ہو:۔

"اس فقیر کے والا بزرگوار جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ مند تھے، اکثر اوقات محبتِ اہل بیت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے، لہٰذا اس کو پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اُن کے مرضِ موت میں یہ فقیر حاضر تھا۔ جب وہ آخری وقت کے نزدیک پہنچے اور اس دارِ فانی کا شعور و احساس گھٹنے لگا، تو اس فقیر نے اُنھیں اُن کے وہ ارشادات یاد دلائے اور محبتِ اہل بیت کے بارے میں پوچھا۔ اُنھوں نے بے خودی کے عالم میں فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اُس وقت یہ فقیر اللہ عزّ و جل کا شکر بجا لایا۔ اہل بیت کی محبّت اہلسنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔ جبکہ مخالفینِ اہلسنت اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔"[2]

ساداتِ عظام جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولادِ امجاد میں شمار ہیں، ان کی محبت اور تعظیم بھی اہلسنت کا سرمایہ اور معمول ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اسی تعلقِ خاطر کی بنا پر فرمایا ہے:۔

سرورِ دین و دنیا علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتحیات سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث سادات کثیر البرکات ہیں۔ اور اُن حضرات کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے کہ قاصر بیان اُن کی تعریف و توصیف کر سکے، ہاں اُنھیں اپنی سعادت کا ذریعہ جانتے ہوئے اس بارے میں لب کشائی کی جرأت کرتا بلکہ اُن کے وسیلے سے خود کو

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۳۶ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۳۶

قابلِ تعریف بنانے کی غرض سے اُن سے دوستی کا اظہار کرتا ہے جس پر فقیر مامور ہے"۔[1]

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے بادشاہ ہیں، کائنات کی ہر چیز اُن کے تابع ہے اور اُن کی خاطر ہی عالمِ وجود میں آئی ہے، آپ حبیبِ پروردگار ہیں، چاہتے تو آپ کے اشارے پر سونے کے پہاڑ ساتھ چلتے، ہر قسم کی راحت کا حصول آپ کی خواہش پر منحصر تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے فقیری اختیار کی، ساری عمر شہنشاہی میں فقیری کی اور اپنے فقر پر فخر کرتے ہوئے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ فرماتے۔ جب فقیری اتنی مرغوب و محبوب شے ہے تو اہلِ دانش نے ہمیشہ فقرا کو اپنے دیدہ و دل میں جگہ دی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فقرا کے بارے میں مُلّا تکلیبی اصفہانی علیہ الرحمہ کو لکھا تھا۔

> "آپ جب تک اس دنیا میں رہیں فقرا کی محبت پر زندہ رہیں اور جب اس دنیا سے رخصت سفر باندھیں تو فقرا کی محبت کا سایہ لے کر جائیں۔ جب قبر سے اُٹھیں تو اُن کی محبت لے کر اُٹھیں، اُس وجود پاک کی حرمت سے جس نے فقر پر فخر کیا اور اِسے دولتمندی پر ترجیح دے کر اختیار فرمایا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا"۔[2]

مال و دولت اور آرام و راحت کو چھوڑ کر برضا و رغبت فقیری اختیار کرنے کی وجہ دنیا کی بے بنیاد اور بے حقیقت ہونے کے سوا یہ بھی ہے کہ یہ زہر ملا ہوا شہد اور ذکرِ الٰہی سے غافل کر دینے والا نشہ ہے۔ اسی لیے مردانِ خدا اور سچے عاشقوں نے ہمیشہ دنیا سے کنارہ کشی کی اور اس سے صرف اُتنا حصہ ہی اختیار کیا جس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی حقیقت کے بارے میں شیخ فرید بخاری کو لکھا تھا۔

دنیا بظاہر شیریں ہے اور صورت میں تازگی رکھتی ہے لیکن حقیقت میں زہرِ قاتل

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۵۹ ۔ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۱

ہے۔ اِس کا فائدہ باطل اور اس میں گرفتار ہونا بے کار ہے۔ اِس کا مقبول ذلیل و خوار ہے اور اِس پہ فدا ہونے والا پاگل ہے۔ اِس کا حکم سونے میں لپٹی ہوئی نجاست جیسا ہے اور یہ شکر ملے ہوئے زہر کی مثل ہے۔ عقلمند وہ ہے جو ایسی بے کار دولت پر فریفتہ نہ ہو اور ایسے خراب سامان کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔"[1]

دنیا اس لیے مبغوض ہے کہ یہ نفسانی خواہشات کی ممد و معاون ہے اور خواہشات کی پیروی کرنا انسان کو اس کے خالق و مالک کا باغی بنا دیتی ہیں۔ اسی لیے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔

کمینی دنیا اس لیے حق سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک ملعونہ و مبغوضہ ہے کہ دنیا کا حصول نفسانی خواہشات کے حصول کا ممد و معاون ہے، پس جو دشمن کی مدد کرے وہ ضرور لعنت کا مستحق ہے، اسی لیے فقر فخرِ محمدی ہوا علیہ وعلیٰ الہ الصلوات و التسلیمات کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوات و التسلیمات کی بعثت کا مقصد نفس کو عاجز کرنا ہے اور تکلیفات شرعیہ میں یہ حکمت ہے کہ نفسِ امارہ عاجز اور خراب ہوتا ہے۔ شرائع نفسانی خواہشات کو مٹانے کی غرض سے وارد ہوئی ہیں۔ جس قدر شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا اُسی قدر نفسانی خواہشات زوال پذیر ہوں گی۔"[2]

دنیا کی جانب رغبت رکھنے والے علماء کے بارے میں آپ نے یوں حقیقت بیان فرمائی ہے:۔

دنیا دار علماء جن کی بھاگ دوڑ کمینی دنیا کی دولت کے لیے ہے، اُن کی صحبت زہر قاتل ہے اور اُن کی یہ بیماری متعدی بیماری ہے۔"[3]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۵۰ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۵۰

[3] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۴۷

دنیادار علماء کی حقیقت کو آپ نے حکیمانہ مثالوں کے ذریعے یوں بھی سمجھایا ہے:۔

> "محبتِ دنیا اور اس کی جانب رغبت رکھنا علماء کے چہرۂ جمال کا بدنما داغ ہے مخلوق کو اگرچہ ایسے علماء سے بھی فائدے پہنچتے ہیں لیکن ایسے علماء کا علم خود اُن کے لئے نفع مند نہیں ہوتا۔ علماءِ سو رنگِ پارس کی طرح ہیں کہ اُس کے ساتھ لگنے سے لوہا اور تانبا تو سونا بن جاتے ہیں۔ لیکن وہ خود پتھر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ ہوتی ہے، لوگ اُس آگ سے مستفید ہوتے ہیں لیکن پتھر اور بانس اپنی اندرونی آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر پاتے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ علم اُن کے حق میں نقصان دہ ہے کہ اُس علم نے اِن پر حجت تمام کر دی ہے"۔[۱]

ہر عیب و نقص سے منزّہ اللہ جلّ مجدہٗ کی ذاتِ کریم ہے اور اُس نے انبیائے کرام علیہم السلام کو معصوم پیدا فرمایا۔ اولیائے کرام کو باری تعالیٰ غلطیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اگر کسی وقت اُن بزرگوں سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو اُن کی شان کے شایاں نہ ہو تو فوراً بہتر پہلو کی جانب رجوع فرما لیتے ہیں۔ اپنی کسی غلطی یا کوتاہی سے رجوع کر لینا انسانی فطرت کے لحاظ سے اعلیٰ کمالات میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم المرتبت ہستی کے ہاں بھی دو تین مثالیں ملتی ہیں کہ اپنی زندگی میں آپ نے بھی بعض باتوں سے رجوع کیا۔ ایک واقعے کی نشاندہی آپ نے خود یوں فرمائی ہے۔

> رسالہ مبدا و معاد میں اولوالعزم پیغمبروں صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہٗ علیہم کی افضلیت کے بارے میں چند فقرے لکھے ہیں کہ اُن کے بعض پر افضلیت ہے، چونکہ اُس تحریر کی بنیاد کشف و الہام پر ہے جو ظنی ہے لہٰذا مقامِ فضیلت

---

[۱] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۳

> میں ایسا لکھنے اور فرق کرنے پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں کیونکہ اس باب میں دلیل قطعی کے بغیر زبان کھولنا جائز نہیں ہے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی ابتدا میں اپنے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح توحید وجودی کے قائل تھے لیکن جب اللہ رب العزت نے آپ کو کشف و عروج میں انتہائی بلند مقام مرحمت فرما دیا۔ اور آپ پر منکشف ہوا کہ یہ نظریہ حقیقت کی پوری طرح ترجمانی نہیں کرتا بلکہ حقیقت نفس الامری وحدۃ الشہود میں منحصر ہے تو آپ نے وحدت الوجود سے رجوع فرما لیا۔ جیسا کہ اپنے فرزندِ اکبر خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے آپ نے توحید وجودی سے رجوع کرنے کے بارے میں فرمایا تھا۔

> فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں جو لکھا ہے کہ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے تو یہ اس معاملے کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے کے باعث لکھا اور بعض معارف جو توحید وجودی کے بارے میں لکھے ہیں، وہ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ عدم اطلاع کے باعث لکھے گئے۔ جب معاملے کی اصل حقیقت سے فقیر کو مطلع فرمایا گیا تو جو کچھ ابتدا اور وسط میں لکھا اور کہا تھا اُس سے نادم ہوا اور توبہ کی۔"[2]

انسان کے جملہ کمالات کا دار و مدار اتباعِ شریعتِ مطہرہ پر ہے۔ شریعت کی پیروی سے انسان ہوش و حواس کی موجودگی میں کسی وقت بھی بے نیاز اور مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ انسان قدر بندگی میں کمال پیدا کرتا جائے گا اُسی قدر شریعت کی پیروی میں پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ مرزا شمس الدین کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے شریعتِ مطہرہ کے بارے میں یہ وضاحت یوں فرمائی۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل مکتوب ۲۰۹

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۹۰۔

> "اس جگہ کوئی غلطی نہ کرنا اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے کہ پیروئی احکامِ شرعیہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اس معاملے کی اصل و بنیاد شریعت ہے۔ پس درخت خواہ کتنا ہی بلند و بالا ہو جائے اور دیوار خواہ کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ بنیاد سے مستغنی نہیں ہو سکتی اور اس کی احتیاج سے بے نیازی حاصل نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر قصرِ عالیشان خواہ کتنی ہی رفعت پیدا کر لے اور پستی سے بہت دور نکل جائے لیکن مکان کے نیچے والے حصے سے وہ بے بنیاد نہیں ہو سکتا اور پستی کی احتیاج اس سے زائل نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض نیچے والے حصے میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو یہ خرابی بلندی والے حصے میں بھی اثر انداز ہو گی اور نچلے حصے کا زوال اوپر والے حصے کے زوال کا سبب بنے گا۔ پس شریعت کی ہر وقت اور ہر حال میں ضرورت ہے اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی سیرتِ مقدسہ اتباعِ رسول کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اتباعِ رسول اگرچہ عشقِ رسول کی فرع ہے لیکن عشقِ رسول کی دلیل بھی ہے۔ مرزا داراب کو آپ نے اس سلسلے میں یوں فرمایا تھا۔

> "آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی سرخروئی سید الاولین و الآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپ کی پیروی کے باعث ہی حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام تک پہنچتے ہیں —— پس آپ کے لئے ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ اخوانہ وسلم کی پیروی اور سنت کو لازم قرار دے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۵۰۔

ہیں اور شریعتِ حقہ کے موافق اعمال بجا لائیں۔" [۵۱]

شریعتِ مطہرہ کی پیروی اِس درجہ ضروری ہے کہ آپ اِس کی بجا آوری کے لیے ہر ایک کو تلقین فرماتے رہتے تھے۔ شیخ فرید کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے اتباعِ شرع کی یوں ہدایت فرمائی تھی:۔

"یہ لازم اور ضروری ہے کہ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں سر توڑ کوشش کی جائے اور اہلِ شریعت یعنی علماء و صلحا کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہیے۔" [۵۲]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اتباعِ رسول کے سات درجے بیان فرمائے ہیں اور اُن درجوں کی حقیقت بیان کی ہے۔ اُس مکتوب کی عام افادیت کے پیشِ نظر ہم اُسے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن بعض ضمنی باتوں کو حذف کر کے صرف اتباعِ رسول سے متعلق جملوں کا اُردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْق۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت جو دینی و دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے، یہ کئی مرتبے اور درجے رکھتی ہے۔ پہلا (درجہ)۔ عوام اہلِ اسلام کا ہے، جو احکامِ اسلام اور سنتِ سنیہ کی متابعت سے وابستہ ہے، دریں حالات کہ اِس کے ساتھ قلبی تصدیق تو ہو لیکن اطمینانِ نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو، کیونکہ یہ درجۂ ولایت کے ساتھ متعلق ہے اور علمائے ظاہر یا عابد و زاہد حضرات جن کا معاملہ اطمینانِ نفس کے ساتھ وابستہ ہے دریں حالات وہ سارے اِسی درجۂ متابعت میں شریک ہیں اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں وہ سب برابر ہیں۔ نفس اس مقام میں کفر اور سرکشی سے آزاد نہیں ہوتا تو لازم ہوا کہ اِس درجے کو متابعت کی صورت

---

[۵۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل مکتوب ۲۲۹

[۵۲] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۹۵

حاصل ہے اور متابعت کی یہ صورت بھی حقیقی متابعت کی طرح آخرت کی کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ بھی جہنم کے عذاب سے نجات دلانے والی اور جنت کے داخلے کی بشارت دینے والی ہے۔ خدائے ذوالمنن نے کمال مہربانی سے نفس کے اِس انکار کا اعتبار نہیں کیا اور دل کی تصدیق کا اعتبار فرماتے ہوئے نجات کا دار و مدار اِسی تصدیق پر رکھا ہے۔

ــــہ می‌توانی کرد ہی اشک مرا حُسنِ قبول
اے کہ دُرّ ساختۂ قطرۂ بارانی را

متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُن اقوال و اعمال کی پیروی ہے، جو کہ باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس میں تہذیبِ اخلاق، صفاتِ رذیلہ سے بچنا اور باطنی و معنوی امراض کا ازالہ ہے جو طریقت کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ اُن اربابِ سلوک سے وابستہ ہے۔ جنھوں نے صوفیہ کے طریقے کو کامل مرشد سے حاصل کیا ہو اور سیر الی اللہ کے صحراؤں اور بیابانوں کو طے کیا ہو۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال و اذواق و مواجید کی پیروی ہے۔ یہ درجہ ولایتِ خاصّہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اُن اربابِ ولایت کے ساتھ خاص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔ جب ولایت کا مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور سرکشی و نافرمانی سے باز آ جاتا ہے۔ نیز وہ انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد جو متابعت کی کوشش کرے گا وہ حقیقی متابعت کے تحت ادا کرے گا، روزہ رکھے گا تو اُس کا بھی یہی حال ہوگا، زکوٰۃ ادا کرے گا تو وہ بھی اسی طریقے پر ہوگی۔ غرضیکہ شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام کی بجاآوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہوگی۔

متابعت کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ پہلے درجے میں متابعت کی صورت تھی اور اِس درجے میں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے

انبیا مخصوص ہے کہ اِس کے بعد متابعت کی حقیقی دولت کے باعث اطمینانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے۔ اولیاء اللہ کو اگرچہ تمکینِ قلب کے باعث کسی قدر اطمینانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے لیکن نفس کو کمال درجے کا اطمینان کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے بعد حاصل ہوتا ہے کہ علمائے راسخین کو یہ کمالات وراثت کے طور پر میسر آسکتے ہیں۔ پس علمائے راسخین بواسطہ کمالِ اطمینانِ نفس شریعتِ مطہرہ کی حقیقت کو پا لیتے ہیں جو حقیقتِ اتباع پر موقوف ہے اور دوسرے حضرات چونکہ یہ کمال نہیں رکھتے لہٰذا کبھی تو وہ صورتِ شریعت سے متصف ہوتے ہیں اور کبھی حقیقتِ شریعت سے۔

علمائے راسخین کی پہچان بیان کر دیتا ہوں تاکہ ہر ظاہر دان رسوخ کا دعویٰ نہ کرنے لگے اور اپنے نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ شمار نہ کرتے لگ جائے۔ عالمِ راسخ وہ ہے کہ اُسے کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ ملا ہو اور حروفِ مقطعات کے اسرار سے جو قرآنِ کریم کی سورتوں کے شروع میں ہیں حصہ رکھتا ہو۔ متشابہات کی تاویل بہت ہی پوشیدہ اسرار سے ہے۔ یہ خیال نہ کرنا کہ تاویل اسے کہتے ہیں جیسے ید کی قدرت سے اور وجہ کی ذات سے کی جاتی ہے کیونکہ یہ تو علمِ ظاہر ہے، اِس کا اسرار سے کیا علاقہ۔ اِس بھید کے جاننے والے پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور یہ رموز و اشارات اُن کے معاملات کے بارے میں ہیں۔ اور دوسروں کو اُن کی تبعیت و وراثت کے طور پر اِس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

متابعت کے اِس درجے کا حصول جو اطمینانِ نفس اور صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی متابعت کو پا لینے سے تعلق رکھتی ہے کبھی تو بغیر توسطِ فنا و بقا اور بغیر توسلِ سلوک و جذبہ میسر ہو جاتی ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کوئی چیز درمیان میں نہیں ہوتی اور یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن ولایت کے راستے سے اِس دولت تک پہنچنا بہت قریب ہے، اگرچہ دوسرے راستے سے پہنچے اور دوسرا راستہ اِس فقیر کی نظر میں سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت اور بدعت کے نام و نشان تک سے اجتناب

کرتا ہے۔

صحابۂ کرام کو تمام کمالات کے حصول میں پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کافی تھی اور علمائے سلف سے جس کو رسوخ کی دولت سے مشرف فرمایا گیا۔ صوفیہ کا طریقہ اختیار کرنے اور سلوک وجذبہ کی مسافت طے کرنے کے بغیر سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کے التزام اور ناپسندیدہ بدعات سے اجتناب کرنے کے باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کی حرمت کا علیہ وعلیٰ الہٰ الصلوٰۃ والسلام۔

متابعت کا پانچواں درجہ سرورِ کون ومکان علیہ وعلیٰ الہٖ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا اتباع ہے کہ علم وعمل کو اِن کمالات کے حصول میں کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ان کا حصول محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر منحصر ہے۔ یہ درجہ بہت ہی بلند ہے اور پہلے درجات کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے اصل میں یہ کمالات انبیائے اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور تبعیت ووراثت کے طور پر جس کو چاہیں اِس دولت سے مشرف فرمادیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُن کمالات کا اتباع ہے جو آپ کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ خاص ہیں۔ جس طرح درجۂ پنجم کے کمالات کا حصول محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے وابستہ ہے، اس چھٹے درجے کے کمالات کا حصول محبت پر منحصر ہے کہ اِسے فضل واحسان پر فوقیت ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بہت ہی کم حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔ پہلے درجے کے علاوہ متابعت کے مذکورہ اگلے پانچوں درجوں کا تعلق عروج سے ہے اور اِن کا حصول صعود کے ساتھ مربوط ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ مذکورہ تمام درجات کا جامع ہے کہ اِس مقام میں نزول بھی تصدیقِ قلب و اطمینانِ نفس ہے اور جسم کے عناصر کا اعتدال بھی اِس میں ہے جو نافرمانی اور سرکشی سے باز آجاتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اِس درجۂ متابعت کے اجزا ہیں اور یہ درجۂ کل کی طرح ہے۔

کامل پیروکار وہی شخص ہے جو متابعت کے اِن ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور جو شخص بعض درجے رکھتا ہے اور بعض نہیں رکھتا وہ بھی علیٰ قدرِ مراتب پیروکاروں میں شمار ہوتا ہے۔ ظاہری علماء پہلے ہی درجے میں خوش ہیں۔ کاش! وہ اِسی درجے کو پورے طرح حاصل کرلیں۔ یہ حضرات متابعت کو صرف صورتِ شریعت ہی میں منحصر جانتے اور اِس کے علاوہ کسی اور جانب دیکھنا گوارا ہی نہیں کرتے اور طریقۂ صوفیہ کو جو درجاتِ متابعت کے حصول کا وسیلہ ہے اُسے بیکار تصور کرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر حضرات جو پیر اور پیشوا بنے بیٹھے ہیں، وہ ہدایہ اور بزدوی کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔

؎

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمانِ اُو ہماں است[1]

یوں تو تمام بزرگ ہی اتباعِ شریعت کے پیکر تھے۔ سنت کی پیروی اور بدعت سے اجتناب کرتے تھے لیکن اِس میدان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اہتمام کچھ نرالا ہی نظر آتا ہے۔ آپ کے مکتوبات اتباعِ سنت اور اجتنابِ بدعت کی تلقین سے لبریز ہیں۔ اِس موضوع پر تفصیلی اور تحقیقی بحث تو جلد دوم میں کی جائے گی، انشاءاللہ تعالیٰ، یہاں صرف ایک مثال اور پیش کردیتا ہوں کہ سنتوں کو زندہ کرنے اور بدعات کو مٹانے کی ترغیب دیتے ہوئے آپ نے مُلّا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے لکھا تھا۔

یہ کیسی نعمت ہے کہ مُحِبّوں اور مُخلِصوں کی تمام سُنَنِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی جانب ہو جائے اور وہ منکرہ و ناپسندیدہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مٹانے پر کمربستہ ہو جائیں۔ سنت و بدعت ایک دوسری کی ضد ہیں اور ایک کا وجود دوسری نفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی۔ دفتر دوم، مکتوب ۵۲

کو زندہ کرنا دوسری کو مارنے کا مستلزم ہے، یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کو مٹانا ہے اور اسی طرح بر عکس "۔[1]

اسی مکتوبِ گرامی میں آپ نے سنت و بدعت کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے :۔

"تمام سنتیں حق جل سلطانہٗ کی پسندیدہ ہیں اور اُن کی ضد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج بدعتوں کے پھیل جانے کے باعث یہ بات اکثر لوگوں پر گراں گزرے گی لیکن کل بروزِ قیامت معلوم ہو جائے گا کہ راہِ ہدایت پر ہم ہیں یا وہ "۔[2]

؎ محمدؐ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے۔
اسی میں ہو اگر خامی تو ایمان نامکمّل ہے۔

تبلیغی کمال :۔ اللہ رب العزّت نے انسان کو اشرف مخلوق بنایا ہے۔ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خاطر پیدا کیا۔ لیکن انسانوں کو صرف اپنی عبادت و معرفت کے لئے عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔ انسانی افراد جب اپنے مقصدِ حیات کو فراموش کر کے گم کردہ منزل ہوئے تو خدائے ذوالمنن نے اُن کی رہنمائی کے لئے انبیائے کرام کو ہر دور میں محض اپنے فضل و کرم سے مبعوث فرمایا جو اپنے اپنے دَور میں بھولے بھٹکے انسانوں کو مالکِ حقیقی کے آگے جھکنے کی تلقین فرماتے رہے۔

انبیائے کرام کا سلسلہ جو ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ نبیٔ آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر ختم ہو گیا۔ اب قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں فرمایا جائے گا، کوئی کتاب آسمان سے نازل نہیں ہوگی، کوئی نئی شریعت نہیں آئے گا۔ اب قیامت تک شریعت صرف شریعتِ محمدیہ ہوگی، کتاب صرف قرآن مجید ہوگی۔ قرآنِ مجید

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۵۵ [2] ایضاً

انسانوں کے لیے کامل و اکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی موجودگی میں کسی کتب کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہاں تفہیم کی خاطر سنتِ نبوی کے ہم محتاج ہیں کیونکہ کتنے ہی مجمل احکام کی تفصیل ہمیں سننِ مصطفویہ ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ گویا قرآنی احکام پر اس طرح عمل کیا جائے جس طرح صاحبِ قرآن نے بتایا اور یہ متن و حاشیہ یعنی کتاب و سنت ہی قیامت تک کے انسانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔

انسانی افراد کی ہدایت کے لیے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جاتا تھا۔ لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چونکہ سلسلۂ نبوت بالکل ختم ہوگیا ہے، لہٰذا آپ کے بعد انبیائے کرام کی جگہ علمائے کرام ہی مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت کا فریضہ ادا کرتے آئے ہیں اور تا قیامت یہ حضرات انبیائے کرام کے نائب و وارث کی حیثیت سے یہ فرض ادا کرتے رہیں گے کیونکہ العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

یہ قبل ازیں حدیثِ تجدید کے تحت بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرات علمائے کرام سے ہر صدی کے اندر کم از کم ایک ایسی ہستی کو اللہ تعالیٰ ضرور پیدا فرماتا ہے جو اس امت کے لیے اس کے امرِ دین کو نئی تازگی بخشتا ہے اور اس کی رگوں میں تازہ اور صالح خون دوڑا دیتا ہے۔ ایسے بزرگوں کو اصطلاحِ شرع میں مجدد کہتے ہیں۔ مجددین کی اسی لڑی میں امامِ ربانی حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو نہ صرف سو سال کے مجدد ہیں۔ جبکہ دوسرے ہزار سالہ دور کے مجدد ہیں۔ اسی لیے آپ کو مجددِ اعظم اور مجدد الف ثانی کہا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی پیدائش ۱۴ شوال ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء کو ہوئی تھی جبکہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کی تاجپوشی ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو کلانور، ضلع گورداسپور (پنجاب) میں ہوئی تھی۔ گویا آپ کے اس عالمِ آب و گل میں تشریف لانے سے آٹھ سال پہلے متحدہ ہندوستان کی عنانِ حکومت اس شخص کے ہاتھ میں آگئی تھی جس نے اس سرزمین میں متحدہ قومیت کا بیج بونا تھا اور اسلام کو منسوخ قرار دے کر اس کی جگہ دینِ الٰہی کے نام سے نیا مذہب

ایجاد کرنا تھا۔ اکبر نے ۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ھ کی رات میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا۔ دورِ اکبری اور عہدِ جہانگیری میں بھی اَن گنت اہلِ علم حضرات گزرے ہیں جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:-

۱۔ قاضی ابوالمعالی اکبرآبادی	(المتوفی ۹۶۹ھ/ ۱۵۶۱ء)
۲۔ شاہ محمد غوث گوالیاری	(المتوفی ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ء)
۳۔ مخدوم اشرف لبادری	(المتوفی ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ء)
۴۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی	(المتوفی ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء)
۵۔ شیخ عبدالعزیز گلبنی	(المتوفی ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء)
۶۔ شیخ علی متقی برہان پوری	(المتوفی ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء)
۷۔ شیخ عبدالعزیز چشتی دہلوی	(المتوفی ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء)
۸۔ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی	(المتوفی ۹۷۸ھ/ ۱۵۷۰ء)
۹۔ ملا حسین ہروی	(المتوفی ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۲ء)
۱۰۔ میر عبداللطیف قزوینی	(المتوفی ۹۸۱ھ/ ۱۵۷۳ء)
۱۱۔ شیخ نظام الدین امیٹھوی	(المتوفی ۹۸۱ھ/ ۱۵۷۳ء)
۱۲۔ شیخ بھکاری کاکوروی	(المتوفی ۹۸۱ھ/ ۱۵۷۳ء)
۱۳۔ شیخ محمد احمد آبادی	(المتوفی ۹۸۲ھ/ ۱۵۷۴ء)
۱۴۔ مفتی جمال خاں دہلوی	(المتوفی ۹۸۴ھ/ ۱۵۷۶ء)
۱۵۔ میر سید محمد امروہوی	(المتوفی ۹۸۴ھ/ ۱۵۷۶ء)
۱۶۔ شیخ عبدالغفور اعظم پوری	(المتوفی ۹۸۵ھ/ ۱۵۷۷ء)
۱۷۔ شیخ محمد طاہر پٹنی	(المتوفی ۹۸۶ھ/ ۱۵۷۸ء)
۱۸۔ شیخ بلال تھانیسری	(المتوفی ۹۸۹ھ/ ۱۵۸۱ء)

۱۹ - مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری	(المتوفی سنہ ۹۹۰ھ / سنہ ۱۵۸۲ء)
۲۰ - صدر الصدور شیخ عبدالنبی گنگوہی	(المتوفی سنہ ۹۹۲ھ / سنہ ۱۵۸۴ء)
۲۱ - قاضی نظام بدخشی	(المتوفی سنہ ۹۹۲ھ / سنہ ۱۵۸۴ء)
۲۲ - میر ابوالغیث بخاری	(المتوفی سنہ ۹۹۵ھ / سنہ ۱۵۸۶ء)
۲۳ - شیخ معین	(المتوفی سنہ ۹۹۵ھ / سنہ ۱۵۸۶ء)
۲۴ - شیخ عبدالوہاب متقی	(المتوفی سنہ ۹۹۸ھ / سنہ ۱۵۹۲ء)
۲۵ - شیخ چاپن میواتی	(المتوفی سنہ ۹۹۸ھ / سنہ ۱۵۸۹ء)
۲۶ - شیخ مبارک ناگوری	(المتوفی سنہ ۱۰۰۱ھ / سنہ ۱۵۹۲ء)
۲۷ - شیخ عبدالغنی بدایونی	(المتوفی سنہ ۱۰۰۳ھ / سنہ ۱۵۹۴ء)
۲۸ - شیخ ابوالفیض فیضی	(المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ / سنہ ۱۵۹۵ء)
۲۹ - شیخ فضل اللہ برہان پوری	(المتوفی سنہ ۱۰۰۵ھ / سنہ ۱۵۹۶ء)
۳۰ - مولانا الہ داد سلطان پوری	(المتوفی سنہ ۱۰۰۶ھ / سنہ ۱۵۹۷ء)
۳۱ - شیخ ابوالفضل علامی	(المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ / سنہ ۱۶۰۲ء)
۳۲ - خواجہ باقی باللہ دہلوی	(المتوفی سنہ ۱۰۱۲ھ / سنہ ۱۶۰۳ء)
۳۳ - مولانا میر کلاں محدث اکبرآبادی	(المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ / سنہ ۱۶۰۵ء)
۳۴ - شیخ عبدالواحد بلگرامی	(المتوفی سنہ ۱۰۱۷ھ / سنہ ۱۶۰۸ء)
۳۵ - شیخ نظام الدین تھانیسری	(المتوفی سنہ ۱۰۲۴ھ / سنہ ۱۶۱۵ء)
۳۶ - شاہ عیسیٰ جند اللہ برہان پوری	(المتوفی سنہ ۱۰۳۱ھ / سنہ ۱۶۲۱ء)
۳ - قاضی نصیر الدین برہان پوری	(المتوفی سنہ ۱۰۳۱ھ / سنہ ۱۶۲۱ء)
۳۸ - ملا عبدالسلام لاہوری	(المتوفی سنہ ۱۰۳۷ھ / سنہ ۱۶۲۹ء)
۳۹ - شیخ عبدالقادر احمد آبادی	(المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ / سنہ ۱۶۴۲ء)

۴۰۔ مُلّا عصمت اللہ سہارن پوری	(المتوفی ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء)
۴۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی	(المتوفی ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء)
۴۲۔ شیخ محب اللہ سید پوری	(المتوفی ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء)
۴۳۔ قاضی محمد اسلم ہروی	(المتوفی ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۱ء)
۴۴۔ مُلّا محمود جون پوری	(المتوفی ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء)
۴۵۔ مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی	(المتوفی ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء)

یہ جملہ اہلِ علم اور ان جیسے دیگر کتنے ہی حضرات موجود تھے لیکن اِن میں سے بعض تو اکبری سیلاب کی نذر ہو گئے، بعض ایسے بھی ہیں جو بے دینی کے ارکانِ ثلاثہ میں شامل ہو کر نام اور دام پیدا کرنے لگے لیکن اکثر حضرات نے حالات سے مصالحت نہ کی بلکہ اسلامی اقدار کی محافظت پر تا زیست کمربستہ رہے۔ وہ جیتے رہے تو اسلام کے لئے اور اس جہان سے رخصت ہوئے تو اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سُرخ رُو ہو کر حاضر ہوئے۔ ان حضرات نے اگرچہ بساط بھر احیائے دین کا فریضہ ادا کیا لیکن ان کی سعیٔ مشکور کے نتائج خبردی تھے۔ اِن حالات میں جس مردِ حق آگاہ نے بے دینی کے اِس بپھرے ہوئے سیلاب کے آگے ہمیشہ کے لئے بند باندھا، تلاطم خیز طوفانوں کے تھپیڑے سہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تجدید و احیائے دین کا فریضہ محیر العقول طریقے پر انجام دیا وہ صرف اور صرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی ذاتِ گرامی ہے جن کی مساعیٔ جمیلہ تجدید و احیائے دین کی تاریخ کا ایک سنہری اور تابناک باب ہے، سرزمین پاک و ہند کا ذرّہ ذرّہ اُس وقت آپ سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

سے
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہیدِ جستجو کر دے

سرمایۂ ملت کے اِس نگہبان نے گمراہی کے ارکانِ ثلاثہ یعنی حکومتِ وقت، علمائے سُوء اور غلط کار صوفیہ کی ایسے حکیمانہ انداز سے اصلاح کی کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ آپ کا حکیمانہ تبلیغی نظام

علماء ومشائخ کو ہمیشہ مشعلِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔ آج کے پُرفتن دور میں جبکہ ہر سمت سے بے دینی اور لادینیت کا سیلاب اسلامی اقدار کو پامال کرتا جا رہا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے تبلیغی نظام سے سبق حاصل کرکے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارا جا سکتا ہے۔ صورتِ حال کی زلفِ پریشان کو سنوارا جا سکتا ہے۔ گلشنِ اسلام کو آج بھی بہاروں سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے لیکن حجروں اور خانقاہوں میں آرام سے بیٹھ کر نہیں بلکہ میدانِ کارزار میں کود کر، راستے کی ہر رکاوٹ کا خندہ پیشانی سے مردانہ وار استقبال کرکے، ہر کربلا اور ہر قلعہ گوالیار سے گزر کر ساحلِ مراد پر پہنچنا نصیب ہوگا۔ کیا ہے کوئی مردِ میدان!

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش   اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اِس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار   نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک   بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مِری پیدا کرے گی سوز و ساز   اِس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لوگے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل!   موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود   پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور!   خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی!

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جب ملک کی دینی فضاؤں کا معائنہ کیا تو حالات دگرگوں ظرآ۔ گمراہی تینوں جانب سے پھیل رہی تھی۔ اولاً تو حکومتِ وقت ہی جہالت کی علمبردار درا سم سے برگشتہ نظر آتی تھی۔ ثانیاً بیشتر علمائے دین تن پروری میں مست اور حبِ جاہ و ل سرگرداں تھے۔ ثالثاً صوفیائے خام نے تصوف کی آڑ میں اسلام کا حلیہ اس طرح بدلنا شروع یا تھا کہ مخلوقِ خدا کو اُس کے معبودِ برحق کے آگے جھکنے سے ہٹا کر صرف اپنے حضور جھکنے کی

مذموم سعی کی جا رہی تھی۔ آپ گمراہی کے اِن تینوں سوتوں کو بند کرنے اور صورتِ حال کی اصلاح کرنے پر کمربستہ ہو گئے۔ سرمایۂ ملت کا یہ نگہبان جب اپنے خالق و مالک کی اعانت کے بھروسے پر اصلاحِ ملک و ملت کے لیے میدانِ عمل میں آگیا تو سرزمینِ ہند کے ذرّے ذرّے کی زبان پر یہ نغمہ جاری تھا۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!

حکومتِ وقت، علماء اور صوفیہ میں گمراہی سے کس [illegible] گیا، اسلام کی قوتِ دفاعیہ، قوتِ علمیہ اور قوتِ روحانیہ میں کہاں تک خرابی آئی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سب کی اصلاح کر کے کس طرح جسدِ ملت کی رگوں میں تازہ خون دوڑایا، مرجھائے ہوئے گلشنِ اسلام کو بہاروں سے ہمکنار کیا، یہ باب سوم میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا ہی کافی ہے کہ خرابی کے تینوں سرچشمے جو گمراہی کے ارکانِ ثلاثہ بن گئے تھے وہ آپ کی سعیِ پیہم اور ہمتِ مردانہ سے پھر اسلام کی قوتِ دفاعیہ، قوتِ علمیہ اور قوتِ روحانیہ میں تبدیل ہو گئے والحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کے مقتدر علمائے کرام اور مشائخ عظام کے لیے وقتاً فوقتاً مکتوبات لکھے اور انھیں اپنا فریضہ انجام دینے کی جانب متوجہ کیا، نیز علمائے سوء اور صوفیانِ خام کے بعض غلط اقدامات و نظریات کا مآل سمجھایا اور واضح کیا کہ اُن کی غلط روش ہی حالات کی خرابی کا باعث بنے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی ارکانِ سلطنت میں سے سعید روحوں کو صورتِ حال کی اصلاح پر آمادہ کرنے کی ایسے حکیمانہ انداز میں کوشش فرمائی جس کی تاریخِ پاک و ہند میں نظیر نہیں ملتی۔ ذیل میں ایسے ارکانِ سلطنت اور اعلیٰ عہدیداروں کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے جن کے نام آپ نے مکتوبات تحریر فرمائے تھے تاکہ آپ کی مساعیِ جمیلہ کو سمجھنے میں آسانی رہے وباللہ التوفیق۔

۱- مرزا ایرج ——— ۱مکتوب

۲- مرزا بدیع الزمان ——— ۱مکتوب

۳- بہادر خاں ——— ۱مکتوب

۴- جباری خاں ——— ۳مکتوب

۵- جعفر بیگ نہانی ——— ۱مکتوب

۶- خانِ اعظم ——— ۲مکتوب

۷- خانِ جہاں ——— ۲مکتوب

۸- خواجۂ جہاں ——— ۲مکتوب

۹- مرزا داراب خاں ——— ۴مکتوب

۱۰- سلطان نورالدین جہانگیر ——— ۱مکتوب

۱۱- شریف خاں شیرازی ——— ۱مکتوب

۱۲- صدر جہاں ——— ۲مکتوب

۱۳- عبدالرحیم خان خاناں ——— ۱۳مکتوب

۱۴- عبدالوہاب بخاری ——— ۲مکتوب

۱۵- مرزا عرب خاں ——— ۱مکتوب

۱۶- مرتضیٰ خاں فرید بخاری ——— ۱۲مکتوب

۱۷- قلیچ خاں ——— ۳مکتوب

۱۸- قلیچ اللہ بن قلیچ خاں ——— ۳ مکتوب

۱۹- لالہ بیگ ——— ۱مکتوب

۲۰- میر منصور ——— ۳مکتوب

۲۱- مرزا منوچہر ——— ۱مکتوب

اِن حضرت کے عہد کو دیکھا جائے نیز ان میں سے جو صاحبان جن جن صوبوں کے گورنر رہے اسے مدِ نظر رکھا جائے اس کے بعد اُن مکتوباتِ عالیہ کو پڑھا جائے جو ان کے نام تحریر فرمائے گئے تو اندازہ ہوگا کہ حکومت کی پوری مشینری کو آپ نے اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی کس طرح کوشش فرمائی تھی۔ یہ آپ کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جو ہر مصلح کو ہمیشہ شمعِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔

اِس کے ساتھ ہی اُن مکتوباتِ شریفہ کا مطالعہ کیا جائے جو علمائے کرام اور مشائخ عظام کے نام تحریر فرمائے گئے تو معلوم ہوگا کہ تجدیدِ دین و ملّت کا فریضہ آپ نے کس طرح ادا کیا تھا۔ اُس زمانے میں پھیلی ہوئی خرابیوں کو دُور کرنے کی کس طرح کوشش کی اور بعض عقائد و نظریات اور اصولی و فروعی مسائل کے چہرے جو گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے انہیں کس طرح اجاگر کر کے نکھار دیا تھا۔ غرضیکہ گمراہی کے الحاد و شورش کی پیدا کردہ خرابیوں کو ایسے مصلحانہ اور حکیمانہ انداز سے دُور کرتے اور فضاؤں کو اسلامی بناتے چلے گئے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ سلطنتِ ہند و پاک کی کشتِ دین و ایمان سرسبز و شاداب ہو گئی لیکن مخالفین و حاسدین اور مشرکینِ ہند کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ہزار دبانے کے باوجود حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوا۔ حق کا علَم فضاؤں میں لہرانے لگا اور باطل کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے۔ حزب اللہ کا سر فخر سے بلند تھا اور حزب الشیطان بغلیں جھانک رہا تھا۔ اہلِ حق سکون و اطمینان کا سانس لینے لگے تھے جبکہ باطل کے فلک بوس ایوانوں میں زلزلہ آیا ہوا تھا۔ اِدھر ایک مصلح تھا اور دوسری جانب ہزاروں مُفسد تھے لیکن:

؎ تو ہی جیتا اور لاکھوں کو ہزیمت ہو گئی
حق کے آگے کند ہو جاتی ہر اِک تلوار ہے

جب حکومت کے ارکان شاہ کو راہِ راست پر لانے کے حالات ہموار ہوتا جا رہا تھا۔ اندرونِ ملک کے حالات سے کسی حد تک اطمینان ہونے لگا تھا تو آپ نے اس کے ساتھ دو عظیم الشان تبلیغی مہمات

فرمائے۔ ایک یہ کہ شاہی لشکر میں تبلیغِ دین متین پر اپنے خلیفہ مولانا بدیع الدین سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۰۲۶ھ میں متعین فرمایا، جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور آصف جاہ وغیرہ کے باعث جسدِ ملت میں جو رفض کے جراثیم سرایت کرتے جا رہے تھے اُن سے شاہی لشکر بڑی حد تک پاک ہوگیا۔ ۱۰۱۵ھ سے آپ نے بیرونِ ملک بھی تبلیغی وفود بھیجنے شروع کر دیئے تھے، جن کے امیر اور نگران مولانا محمد قاسم، مولانا فرخ حسین، مولانا محمد صادق کابلی اور شیخ احمد برکی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات تھے۔ یہ جملہ حضرات حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خلافت سے مشرف تھے اور اِن کے ذریعے خراسان، بدخشان توران، ماوراء النہر، حجاز، یمن، شام، ترکستان اور روم وغیرہ ممالک میں لاکھوں بندگانِ خدا کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی اور اِن بزرگوں سے شرف بیعت حاصل کرکے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں شامل ہوکر وہ لوگ اپنے بختِ خفتہ کو بیدار کرتے چلے گئے۔ مذکورہ ہر بزرگ کو دس بیس یا پچاس افراد کا تبلیغی وفد دے کر روانہ کیا جاتا تھا اور ان وفود کے جملہ افراد سرہندی بارگاہ کے تربیت یافتہ ہوتے تھے۔ غرضیکہ علوم دینیہ سے خبردار ہوکر بے خبر لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے گوالیار کے قلعے میں ہزاروں مشرکین ہند یعنی بت پرستوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ شاہی لشکر میں رہے تو ایک سپاہی سے بادشاہِ وقت تک کے قلوب واذہان کو اسلامی رنگ میں رنگتے رہے اور فتوحاتِ مدنیہ سے سرشار ہوکر سب کو مستِ جامِ بادۂ الفت کرتے اور شمعِ اسلام کے پروانے بناتے رہے۔ غرضیکہ تادمِ آخر آپ مخلوقِ خدا کو اسلام کے چشمۂ صافی سے سیراب کرنے میں مشغول رہے اور تبلیغِ دینِ متین کی ایسی حد خشاں شال قائم کر گئے کہ آپ کے نقوشِ قدم ہمیشہ مبلغین کو مشعلِ راہ کا کام دیتے رہیں۔

سرمایۂ ملت کے اِس نگہبان نے جن باتوں کی تبلیغ فرمائی اُن میں سے عقائد کو اِس کتاب کے باب پنجم میں مستقل طور پر بیان کیا جائے گا۔ ناجی گروہ یعنی اہلسنت وجماعت کے بارے میں آپ کا نظریہ کیا تھا اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حنفی مذہب

کے متعلق آپ کے مشاہدات باب چہارم میں مذکور ہوں گے۔ گمراہی کے ارکانِ ثلاثہ یعنی حکومتِ وقت علمائے سُوء اور غلط کار صوفیہ کے بارے میں آپ نے فرمایا اور اُن کے اصلاح کے بارے میں جو کوششیں فرمائیں اُن کا تذکرہ اختصار کے ساتھ باب سوم میں ہوگا۔ ان مذکورہ امور کے علاوہ جن باتوں کی آپ اپنے مکتوباتِ عالیہ میں تلقین فرماتے رہے اُن میں سے بعض باتیں قارئینِ کرام کی خدمت میں مکتوبات کی ترتیب کے لحاظ سے پیش کی جاتی ہیں، لیکن کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کے خطرے سے بچنے کی خاطر ہر عبارت کا یہاں مختصر حوالہ پیش کیا جائے گا یعنی لفظ مکتوبات کے آگے حاشیے میں دو ہندسے ہوں گے۔ پہلے ہندسے دفتر کا تعین ہوگا اور دوسرا ہندسہ مکتوب کا نمبر ظاہر کرے گا۔ مثلاً کسی جگہ اگر (مکتوبات ۲،۱۳) لکھا ہو تو اِس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بات مکتوباتِ امامِ ربانی کے دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۱۳ میں کہی گئی ہے۔ افادۂ عام کی خاطر ایسی عبارتوں کا صرف اردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

۱۔ سب سے اعلیٰ نیکی یہ ہے کہ ترویجِ شریعت کی کوشش کی جائے۔ کسی شرعی حکم کو جاری کرنا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جا رہے ہوں، اللہ عزوجل کی راہ میں کروڑوں روپے خیرات کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ مسائلِ شرعیہ کو رواج دینا انبیائے کرام کی پیروی کرنا ہے اور وہ حضرات ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ اعلیٰ نیکیوں کی توفیق انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوتی تھی جبکہ دھن دولت خرچ کرنے کی سعادت تو غیر انبیاء کو بھی میسر آجاتی ہے۔[1]

۲۔ ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ اِس کے بغیر نجات محال ہے۔ دنیا کی زیبائش و آرائش کی طرف مطلقاً توجہ نہ کرو اور اِس کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو کوئی اہمیت نہ دو کیونکہ اللہ سبحانہٗ

---

[1] مکتوبات ۱،۴۸۔

تعالیٰ کی نظر میں دنیا مبغوض و مردود ہے۔ عنداللہ دنیا کی کوئی نہیں ہوا۔ بندگانِ خدا کو چاہیئے کہ دنیا کے ہونے کی نسبت نہ ہونے کو بہتر جانیں اور دنیا کی بے وفائی اور جلد فنا ہونے کی بات تو مشہور بلکہ مشاہدہ ہے۔ دنیا سے محبت رکھنے والے اُن لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔[1]

۳ - انسان کو فرشتے پر فضیلت ورع و تقویٰ کے سبب سے ہے اور مدارجِ علیہ کی جانب ترقی بھی اسی کے باعث ہوتی ہے پہلے جزو یعنی عبادت میں ملائکہ بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں لیکن ان میں ترقی مفقود ہے۔ پس ورع و تقویٰ کے جزو کی رعایت اسلام میں اعلیٰ مقاصد سے ہے اور دین کے نہایت ضروری اُمور میں داخل ہے۔ اِس جزو کی رعایت جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر موقوف ہے، پوری طرح اُس وقت میسر آسکتی ہے جب بیکار مباحات سے بھی اجتناب کیا جائے اور مباحات میں بقدر ضرورت پر کفایت کی جائے کیونکہ ارتکابِ مباحات میں باگ کو ڈھیلی چھوڑ دینا مشتبہ اُمور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہات سے تجاوز کر کے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے۔“[2]

۴ - اے برادر! آپ نے دل تنگ ہو کر فقرا کی صحبت سے کنارہ کش ہو کر اغنیا سے مجالست اختیار کر لی ہے۔ یہ آپ نے بہت بُرا کیا۔ آج اگر چشمِ بصیرت بند ہے تو کل کھل جائے گی لیکن اُس وقت سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بتا دینا شرط ہے۔“[3]

۵ - یاد رکھیئے کہ فقرا کے آستانے کی جاروب کشی بھی اغنیاء کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج یہ بات سمجھ میں نہ آئی تو کل آجائے گی مگر اُس وقت فائدہ کچھ نہ ہوگا۔ لقمۂ شیریں اور لباسِ فاخرہ کی طلب نے آپ کو اس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ابھی کچھ نہیں گیا، اپنے مقصد

---

[1] مکتوبات ۱، ۴۷

[2] مکتوبات ۱، ۶۱

[3] مکتوبات ۱، ۱۳۲

کی فکر چاہیئے۔ جو چیزیں حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب رکاوٹ بنیں اُن سے بچو اور دور بھاگو۔"[1]

۶۔ ایامِ زندگی کو موہوم مقاصد میں صرف کرنا اور اِن (اموال و منافع دنیوی) کو عمرِ رواں کا مطمحِ نظر بنا لینا بہت بڑی بات ہے۔ چاہیے تو یہ کہ نقدِ وقت کو مفید اور ضروری کاموں میں صرف کیا جائے اور غیر نقد (یعنی اگلے ایامِ زندگی جو موہوم امر ہے) کے لیے لایعنی باتوں کو ذخیرہ بنا دینا چاہیئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ اپنی طلب میں اگر تھوڑی سی تکلیف بھی عطا فرمائے تو ماسوائے حق تعالیٰ کے ساتھ آرام و راحت حاصل کرنے سے نجات ملے۔ زبانی جمع خرچ فضول ہے بلکہ قلب کی سلامتی حاصل کرنی چاہیئے۔ اصل مقصد کی فکر میں رہنا اور لایعنی اُمور سے پوری طرح منہ موڑ لینا چاہیے۔

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جاں کندن است[2]

۷۔ محبت کی نشانیوں والے "وقت (انسان کی زندگی کے لیے) کاٹنے والی تلوار ہے۔ معلوم نہیں کل دیکھنی نصیب ہو یا نہ ہو۔ ضروری کاموں کو آج ہی کرنا چاہیئے اور غیر ضروری کام کل کے لیے ملتوی کر دیئے جائیں۔ عقلِ معاد کا تقاضا یہی ہے اگرچہ عقلِ معاش اِسے تقاضے سے خالی ہے۔"[3]

۸۔ آپ کی جو یومیہ روزی مقرر ہوئی ہے اُسی کو غنیمت جانتے ہوئے اصل کام کی فکر کرنی چاہیئے۔ اسے مزید روزی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ پھر لالچ لامتناہی سلسلے کی شکل اختیار کر جاتا ہے، جبکہ لمبی اُمیدیں رکھنا درویشی میں کفر کی طرح ہے۔[4]

۹۔ عبادت میں لذت آنا اور اُس کے ذریعے مصائب و آلام کا دُور ہونا حق سبحانہٗ و تعالیٰ

---

[1] مکتوبات ۱: ۱۳۲

[2] مکتوبات ۱: ۱۳۳

[3] مکتوبات ۱: ۱۳۴

[4] مکتوبات ۱: ۱۳۶

کی بڑی نعمتوں سے ہے خصوصاً ادائے نماز میں کہ غیر منتہی کو میسر نہیں اور خاص طور پر فرض نمازوں کے ادا کرتے وقت کیونکہ ابتدا میں نفل نماز ادا کرنے میں زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے جبکہ نہایت النہایۃ میں پہنچنے پر لذت کی یہ نسبت ادائے فرض کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے اور وہ بندہ ادائے نوافل میں اپنے آپ کو بیکار (بمقابلہ فرض نماز) تصور کرنے لگتا ہے اور ادائے فرض ہی اس کے نزدیک کارِ عظیم قرار پاتا ہے...... جاننا چاہیے کہ نماز ادا کرتے وقت جو لذّت نصیب ہوتی ہے نفس کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اس لذت کے وقت وہ آہ و زاری کر رہا ہوتا ہے...... معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں نماز کا مقام آخرت میں رؤیت کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے جبکہ آخرت میں نہایتِ قرب دیدار خداوندی کے وقت ہوگا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ باقی عبادات نماز کے وسائل و ذرائع ہیں۔ اور نماز اصل مقاصد سے ہے۔"[1]

۱۰۔ فرزندِ ارشدا کمینی اور ناپسندیدہ دنیا نہ ہوں اور اللہ جل سلطانہٗ کی جانب دائمی توجہ کے سرمایے کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ آدمی اِس بات کا خیال رکھے کہ وہ کیا فروخت کر رہا ہے اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ دینا اور مخلوق کی محبت میں پھنس کر حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے کٹ جانا پاگل پن اور بے وقوفی ہے۔ دنیا اور آخرت کا جمع ہونا اضداد کے جمع ہونے کی طرح (محال) ہے۔"[2]

۱۱۔ اہل دنیا کی صحبت اور اُن سے میل جول زہر قاتل ہے۔ اِس زہر کا کشتہ ابدی موت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے چہ جائیکہ بار بار صراحت اور مبالغے کے ساتھ کہا جائے۔ بادشاہوں کے دربار کا لقمۂ چرب و شیریں مرضِ قلبی میں اضافہ کرتا ہے۔

---

[1] مکتوبات ۱۱/۱۲۷

[2] مکتوبات ۱۱/۱۳۸

شیر سے بھی زیادہ ان کی صحبت سے بھاگو کیونکہ شیر صرف دنیاوی موت کا سبب بنتا ہے جس سے آخرت برباد نہیں ہوتی لیکن حکام و سلاطین سے میل جول رکھنا ابدی ہلاکت اور دائمی خسارے کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقموں اور ان کی دوستی سے دور رہو اور ان کو دیکھنے سے گریز کرو۔“[1]

۱۲- مخلوق کی جانب سے ایذا اور تکالیف کا پہنچنا عشق کی غنیمتوں سے ہے۔ اے اللہ! ہمیں گروہِ عشاق میں داخل فرمائے بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات۔“[2]

۱۳- بے چینی میں آرام، سوز میں لطف و لذت، بے قراری میں قرار اور زخم خوردہ ہونے میں راحت ہے۔ اس مقام میں فراغت تلاش کرنا اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اپنی ذات کو پوری طرح محبوب کے سپرد کر دینا چاہیے۔ پھر اس کی جانب سے جو کچھ آئے اسے برضا و رغبت قبول کرنا چاہیے۔ زنہار پیشانی پر بل تک نہ آئے کہ یہی آئینِ زندگی ہے۔“[3]

۱۴- کیا ہی عظیم نعمت ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کسی کو عنفوانِ شباب ہی میں توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے اور پھر اس پر استقامت بھی بخشے۔ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں اس ایک نعمت کے سامنے وہی درجہ رکھتی ہیں۔ جو گہرے دریا کے مقابلے میں شبنم کا مقام ہے، کیونکہ یہ رضائے الٰہی کا موجب ہے اور تمام دنیوی و اخروی نعمتوں میں رضائے الٰہی کی نعمت سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔“[4]

۱۵- میرے بھائی مولانا محمد صادق! عجیب بات ہے کہ اپنے آپ کو پوری طرح اسباب کی

---

[1] مکتوبات ۱: ۱۳۸

[2] مکتوبات ۱: ۱۳۹

[3] مکتوبات ۱: ۱۴۰

[4] مکتوبات ۱: ۱۴۶

جانب متوجہ کر دیا جائے۔ اگرچہ خدائے مسبب الاسباب نے اشیاء کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے لیکن اِس کی کیا ضرورت ہے کہ اسباب ہی پر نظر مرکوز کر دی جائے ..... ایسی کوتاہ نظری تمہارے لیے بڑی نامناسب ہے اور آپ جیسے حضرات کے لیے تو یہ بہت ہی بُرا ہے۔ تھوڑے دیر کے لئے گریبان میں جھانکنا چاہیے اور اِس اندازِ فکر کی بُرائی کو تصور میں لائیے۔ فقرا کا لباس پہن کر کمینی اور خدا کی دشمن دنیا کو جمع کرنے میں لگ جانا بہت بُرا ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ بُرائی آپ کو خوبصورت اور خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ دنیاوی ضروریات کے حاصل کرنے میں ضرورت کے مطابق ہی کوشش کرنی چاہیے۔ اپنی ساری توجہ اسی کی جانب مبذول کر دینا اور زندگی کو اِسی کے حصول میں ضائع کر دینا بڑی حماقت ہے فرصت بڑی غنیمت ہے۔ ہزار افسوس اُس شخص پر جو زندگی کو فضول کاموں میں گنوا دے[1]

۱۶- دنیاوی حالات کی پراگندگی اور ظاہری احوال کے انتشار سے پریشان نہ ہوں۔ یہ حالات اِس لائق نہیں ہیں کہ اِن کے باعث آدمی ہمت ہار بیٹھے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں زندگی بسر کرنی چاہیے، خواہ اس کے ضمن میں تنگی آئے یا آسانی۔ شانِ مطلوبیت کے لائق واجب الوجود جل شانہٗ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں ہے[2]

۱۷- حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے طاعتِ رسول کو عین اپنی اطاعت نہیں ہے۔ اسی تاکید و تحقیق کی خاطر لفظ قَد وارد ہوا ہے تاکہ کوئی بوالہوس اِن دونوں اطاعتوں میں فرق نہ کرنے لگے[3]

۱۸- اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خُلقِ عظیم سے متصف ہیں، کفار سے جہاد کرنے اور اُن پر سختی فرمانے کا حکم دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار پر سختی کرنا خلقِ عظیم میں داخل ہے۔ پس اسلام کی عزت کرنے سے اُن کی خواہ مخواہ تعظیم کرنا اور اُنھیں اُونچی جگہ بٹھانا ہی مراد نہیں بلکہ اُنھیں اپنی مجالس میں جگہ دینا، اُن کے ساتھ

---

[1] مکتوبات ۱: ۱۴۹ [2] مکتوبات ۱: ۱۵۰ [3] مکتوبات ۱: ۱۵۲

بٹھانا اُٹھنا اور اُن سے گفتگو کرنا بھی اعزاز میں شامل ہے اُنھیں کتوں کی طرح دُور رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی دنیاوی غرض یا کام اُن سے گفتگو کرنا بھی اعزاز میں شامل اُن کے سِوا کسی سے حاصل نہ ہو سکے تو اُنھیں بے قدر جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت اُن سے معاملہ کرنا چاہیئے بلکہ اسلامی کمال تو یہ ہے کہ دنیاوی اغراض کے لئے بھی اُن سے رابطہ قائم نہ کیا جائے اور کسی طرح اُن سے میل جول نہ رکھا جائے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اُنھیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن قرار دیا ہے۔ پس اللہ اور رسول کے دشمنوں سے میل جول اور محبت والفت رکھنا بہت بڑی خطاؤں میں شامل ہے۔ دشمنانِ حق سے اُنس ومحبت رکھنے کا کم سے کم ضرر یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور اور نشاناتِ کفر مٹانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے۔ علاوہ دشمنی ایسا کرنے سے مانع ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ خدا کے دشمنوں کی محبت اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھنے کی جانب کھینچ کر لے جاتی ہے اور اُس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دشمنی رکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان تو یہی گمان کرتا رہتا ہے کہ وہ زمرۂ اہلِ اسلام سے ہے، اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اُس کے اس کرتوت کی چنگاریوں نے اُس کے خرمنِ دین وایمان خاکستر کر دیا ہے۔"؎

۱۹- اُن نالائقوں کا یہی کام ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا سارے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں یا کفر کی جانب پھیر کر لے جائیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ایمانی غیرت سے کام لینا چاہیئے کیونکہ ایمان باجیا لینے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس ملّی غیرت کا پاس ضروری ہے۔ لٰہذا ہمیشہ کفّار کی ذلّت وخواری کے درپے رہنا چاہیے۔ ہندوستان میں اہلِ کفر

؎ مکتوبات ۱/۱۶۳

سے جزیہ کا موقوف ہونا یہاں کے حکمرانوں کے ساتھ دوستی کی بدبختی کے باعث ہے حالانکہ کفار سے جزیہ لینے کا اصلی مقصد کفر اور کافروں کی ذلت و خواری ہے۔"[1]

۲۰ - میرے مخدوم! عمر کا بہترین اور قیمتی حصہ ہوا و ہوس میں گزر گیا اور دشمنانِ خدا کی رضا جوئی میں بسر ہوا ہے۔ اب عمر کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر آج ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف نہ کریں اور اشرف کی تلافی اسفل سے نہ کریں، تھوڑی محنت کو ابدی آرام و راحت کا وسیلہ نہ بنائیں، تھوڑی نیکیوں سے بہت سی برائیوں کا کفارہ ادا نہ کریں تو کل کونسا منہ لے کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے؟ وہاں کیا عذر پیش کریں گے؟ یہ خوابِ خرگوش کے مزے کب تک لیتے رہیں گے؟ غفلت کی روئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی؟ آخر ایک روز نگاہوں کے سامنے سے غفلت کے سارے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ کانوں سے غفلت کی روئی دُور ہو جائے گی۔ اُس وقت ہوش آنے سے فائدہ کیا ہوگا؟ اُس وقت سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ چاہیئے تو یہ کہ موت آنے سے پہلے اپنا کام درست کر لیا جائے۔"[2]

۲۱ - حق تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو سارا بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں کچھ نہ ڈالے، ایک دانے سے سو دانے نہ بنائے اور اُس دن کے لیے کچھ ذخیرہ نہ کرے جس روز بھائی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی۔ ایسا شخص دونوں جہانوں کے خسارے میں ہے اور سوائے حسرت و ندامت کے اُسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ سعادت مند دنیا کی فرصت کو غنیمت جانتے ہیں، اس غرض سے نہیں کہ اس کی نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہوں جو ناپائیدار ہیں اور اُن کے ساتھ رنج و محن بھی ہیں، بلکہ اس غرض سے کہ اِس فرصت میں

---

[1] مکتوبات ۱: ۱۹۳

[2] مکتوبات ۱: ۲۱۰ -

کاشتکاری کریں، نیک عمل کے ایک ایک دانے سے وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ کے بموجب بے حساب ثمرات حاصل کریں۔ اسی لیے تو چند روزہ اعمالِ صالحہ کی جزا ابدی آرام مقرر فرمایا گیا ہے۔" [1]

۲۲۔ اے فرزند! دنیادار اور دولت مند بڑی بلا میں گرفتار اور ابتلائے عظیم میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ دنیا جو حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور دولت مند بڑی بڑھ کر مردار ہے وہ انھیں آراستہ اور پیراستہ نظر آتی ہے، جیسے نجاست پر سونا چڑھا دیا جائے یا زہر کو شکر میں ملا دیا جائے۔ اِس کے ساتھ ہی دُور اندیش عقل کو اِس کمینی کی بُرائی سے آگاہ کر دیا گیا ہے، اور اِس ناپسندیدہ کی قباحت پر ہدایت و دلالت فرما دی گئی ہے۔ اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانے کے عقلمند ترین شخص کو دیا جائے تو زاہد کو دینا چاہیے، جو دنیا سے بے رغبتی کمالِ عقل کے باعث ہے۔ اِس عقل کے اکیلے گواہ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ نقل کا دوسرا گواہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے اور حضرات انبیائے کرام کی زبان سے، جن کا وجود اہلِ جہاں کے لیے سراسر رحمت ہے، اِس کھوٹے سامان کی حقیقت پر مطلع فرمایا گیا ہے۔ اور اِس فاحشہ مکار کی محبت سے منع فرمایا گیا ہے۔ اِن دونوں عادل گواہوں کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شکرِ موہوم کی طمع میں زہر کھا لے اور خیالی سونے کی امید پر نجاست اختیار کرے تو وہ نرا احمق ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خبروں کا منکر ہے اور وہ شخص منافق کا حکم رکھتا ہے اس کا ظاہری ایمان آخرت میں کوئی فائدہ نہ دے گا۔" [2]

۲۳۔ قطعی اور اعتبار کے لائق صرف کتاب و سنت ہیں۔ جو وحی قطعی سے ثابت ہیں اور فرشتے کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع کا مجتہدین کا اجتہاد بھی

---

[1] مکتوبات ۱: ۲۱۴

[2] مکتوبات ۱: ۲۱۵

ان دو اصلوں کی جانب ہی راجع ہے۔ اِن چار شرعی اصولوں کے سِوا اور جو کچھ ہے خواہ وہ صوفیہ کے علوم و معارف ہوں یا اُن کے کشوف و الہامات، اگر مذکورہ اصولوں، (کتاب و سنت) کے موافق ہوں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وجد و حال کو جب تک میزانِ شرع پر نہ تول لیا جائے نیم جَو کے بدلے نہیں خریدا جاتا اور کشوف والہامات کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیا جائے اُسے پرِ کاہ کے برابر شمار نہیں کیا جاتا۔" [1]

۲۴۔ سعادت و شرافت کے نشانات والے! آدمی کو جب کوئی ظاہری مرض لگ جاتا ہے۔ اور کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اُس کے دُور کرنے میں سعئ بلیغ کی جاتی ہے کہ اُس مصیبت سے نجات ملے لیکن قلبی مرض جو ماسوائے حق کی گرفتاری ہے اور جو آدمی پر اس درجہ غالب آجائے کہ قریب ہے، اُسے ہمیشہ کی نیند سُلا دے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کردے، اِس کے دُور کرنے کی ذرا پروا نہیں ہوتی، دفع کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی اِس گرفتاری کو مرض ہی نہیں جانتا تو میرے درجے کا احمق ہے اور مرض تو جانتا ہے لیکن دفع کرنے کی فکر میں نہیں تو بڑا بے عقل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اِس مرض کو مرض سمجھنے کے لیے عقلِ معاد درکار ہے کیونکہ عقلِ معاش اپنی کوتاہ اندیشی کے باعث ظاہر پر نظر رکھتی ہے۔ جس طرح عقلِ معاش ظاہری آرام و راحت کے پیشِ نظر باطنی امراض کو امراض ہی شمار نہیں کرتی اسی طرح عقلِ معاد اجرِ آخرت پر نظر رکھنے کے باعث ظاہری امراض کو امراض شمار نہیں کیا کرتی۔ عقلِ معاش کی نظر کوتاہ ہے اور عقلِ معاد کی تیز۔ عقلِ معاد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصّہ ہے۔ اور عقلِ معاش دولت مندوں اور دنیاداروں کا زاویۂ نظر ہے۔" [2]

---

[1] مکتوبات ۱، ۲۱۷

[2] مکتوبات ۱: ۲۱۹

۲۵۔ چاہیے کہ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر اپنے نظریات کا مدار رکھیں اور زید وعمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ جھوٹے قصوں پر اعتماد رکھنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید ہو سکے ورنہ ساری مشقت رائگاں جائے گی۔" [1]

۲۶۔ صوفیائے خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرض و سنن کے بجا لانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ چلے اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اُن کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر و فکر میں مشغول ہونا بھی بہتر اور ضروری ہے نادان علماء بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں لیکن فرائض کو خراب و ابتر کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً نماز عاشورہ کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچی، اُسے جماعت اور جمعیت سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہی روایات جماعتِ نوافل کی کراہت پر ناطق ہیں، اِس کے باوجود فرائض کے ادا کرنے میں تساہل کا شکار ہیں۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فرائض کو اُن کے مستحب اوقات میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی تو چنداں پابندی نہیں کرتے جماعت میں ایک دو آدمیوں پر قناعت کر لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے تو عوام کا ذکر ہی کیا۔ اسی طرزِ عمل کی خرابی سے اسلام میں ضعف پیدا ہوا ہے اور اِس فعل کی ظلمت کے باعث بدعت اور نفس پرستی کا دور دورہ ہوا ہے۔ [2]

۲۷۔ نوافل کے ادا کرنے سے ظلی قرب اور فرض کی ادائیگی سے اصلی قرب حاصل ہوتا ہے،

---

[1] مکتوبات ۱ : ۲۵۱

[2] مکتوبات ۱ : ۲۶۰

جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیے جاتے ہیں وہ اصلی قرب کے ممد و معاون ہیں۔ اور فرائض کے ملحقات میں شمار ہوتے ہیں۔ فرائض کا ادا کرنا عالمِ خلق سے مناسبت رکھتا ہے جو اصل کی جانب متوجہ ہے اور نوافل کا ادا کرنا عالمِ امر سے مناسبت رکھتا ہے جس کا رُخ جانبِ ظل ہے۔ اگرچہ جملہ فرائض ہی اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن اُن میں سے افضل و اکمل نماز ہے۔"[1]

۲۸ - وہ خاص وقت جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا اور جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ سے فرمائی تھی، فقیر کے نزدیک نماز ہی میں تھا۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے۔ نماز ہی فواحش و منکرات سے باز رکھتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس کے اندر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام راحت تلاش کرتے تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ۔ نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔"[2]

۲۹ - بعض علماء راسخ العقیدہ ہونے کے باوجود اعمال میں سستی اور کوتاہی کے مرتکب ہیں، انھیں دیکھ کر علماء کا مطلق انکار کرنا اور تمام علمائے کرام کو مطعون کرنا محض ناانصافی اور بے بنیاد مکابرہ ہے، بلکہ اکثر ضروریاتِ دین کا انکار ہے کیونکہ ضروریاتِ دین کے ناقل علمائے کرام ہی تو ہیں۔ یہی حضرات تو کھرے کھوٹے کی پہچان کرنے والے ہیں۔ اگر اِن کا نورِ ہدایت نہ ہوتا تو ہم کہاں سے ہدایت پاتے۔ اگر یہ صواب و خطا میں تمیز نہ کرتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ یہ علماء ہی تو ہیں جنھوں نے دینِ قیّم کا کلمہ بلند کرنے میں اپنی پوری قوت لگا رکھی ہے اور بے شمار لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلا رہے ہیں۔ پس جس نے اِن کی پیروی کی وہ نجات و فلاح پا گیا اور جو اِن کا مخالف ہوا وہ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بنے گا۔"[3]

---

[1] مکتوبات ۱: ۲۶۰

[2] مکتوبات ۱: ۲۶۰

[3] مکتوبات ۱: ۲۸۶

۳۰ - ترقی و عروج وابستہ ہے ورع و تقویٰ کے ساتھ۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں۔ (۱) اوامر کو بجا لانا (۲) نواہی سے بچنا۔ اوامر کے بجا لانے میں فرشتے بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں۔ اگر صرف اوامر کے بجا لانے سے ترقی ممکن ہوتی تو فرشتے بھی ضرور ترقی کرتے جبکہ نواہی سے بچنا فرشتوں کو سرے سے حاصل ہی نہیں کیونکہ وہ خطرناک گناہوں سے معصوم ہیں، مخالفت کی مجال ہی نہیں رکھتے کہ انھیں روکنے کی ضرورت پیش آئے۔ اِس سے لازم آیا کہ ترقی جزو دوم کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر مخالفتِ نفس کا نام ہے کیونکہ شریعت نفسانی خواہشات کو مٹانے اور غلط رسومات کو دفع کرنے کی خاطر وارد ہوئی ہے۔ نفس کی سرشت ارتکابِ حرام کا تقاضا کرتی ہے یا فضول کی جانب مائل کرتی ہے۔ تاکہ انجام کار حرام تک پہنچ جائے۔ پس حرام اور فضول کاموں سے بچنا نفس کی عین مخالفت ہے۔“ [1]

۳۱ - غور کرنا چاہیئے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل کے لیے باریک آداب درکار ہیں تو جو چیزیں خدا تک پہنچنے کا وسیلہ (مرشد وغیرہ) ہیں اُن کے آداب کی رعایت کتنے کامل طریقے پر لازم ہوگی۔ پس جہاں تک ممکن ہو مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اُس کا سایہ مرشد کے کپڑوں یا سائے پر پڑتا ہو۔ مرشد کی جا نماز پر پاؤں نہ رکھے۔ اُس کے وضو کی جگہ وضو نہ کرے۔ اُس کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔ اُس کے سامنے نہ کھائے پیئے نہ کسی سے گفتگو کرے بلکہ کسی اور کی جانب متوجہ نہ ہو۔ مرشد کی عدم موجودگی میں اُس کی جانب پیر نہ پھیلائے اور نہ اُس جانب تھوکے۔ جو کچھ مرشد سے صادر ہو اُسے درست جانے اگرچہ بظاہر درست نظر نہ آئے کیونکہ مرشدِ کامل جو کچھ کرتا ہے وہ الہام و اِذن سے کرتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔“ [2]

---

[1] مکتوبات ۱: ۲۹۲

[2] مکتوبات ۱: ۲۸۲

۲۲ - دین ہی نصیحت ہے یعنی سید المرسلین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت، سنت کی پیروی اور ناپسندیدہ بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔ خواہ بدعت صبح کی سفیدی جیسی روشن کیوں نہ نظر آئے کیونکہ درحقیقت نہ بدعت میں کوئی نور ہے، نہ ضیاء نہ کسی مریض کے لئے شفا، نہ یہ کسی مرض کی دوا ہے۔[1]

۲۳ - اے محبت اطوار! جب یہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے تو یہاں اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں ساعی رہنا چاہیے۔ اعمال میں بہترین عمل اور عبادت نماز کا قائم کرنا ہے کیونکہ یہ دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ پس اس کے ادا کرنے میں پورا اہتمام ملحوظ خاطر رہے اور اس کے ارکان و شرائط اور سنن و آداب میں حتی الامکان احتیاط برتی جائے۔ نماز میں طمانیت اور تعدیلِ ارکان کی بار بار مبالغے کے ساتھ تاکید کی جاتی ہے۔ ان کی پوری طرح حفاظت کریں کیونکہ اکثر لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا ہے اور وہ تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں متعدد وعیدیں اور تہدیدیں وارد ہوئی ہیں۔ جب نماز درست ہو گئی تو امید رکھی جا سکتی ہے کہ نجات میسر آجائے کیونکہ دین قائم ہو گیا اور عروج کی معراج اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

؎ بر شکر غلطید اے صفرائیاں
از برائے کوری سودائیاں[2]

۲۴ - اس وقت کثرت سے بدعت کے ظہور کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آتی ہے اور سنت کا نور غربت و قلت کی بنا پر اس تاریک دنیا میں جگنو کی طرح نظر آتا ہے۔ بدعت کا عمل اس ظلمت کو بڑھاتا اور سنت کے نور کو کم کرتا ہے جبکہ سنت کا نور اس تاریکی کو مٹانے اور نور کو بڑھانے کا باعث ہے۔ اب جو چاہے وہ بدعت

---

[1] مکتوبات ۲: ۱۹

[2] مکتوبات ۲: ۲۰

کی تاریکی کو بڑھائے اور جو چاہے سنت کے نور کو زیادہ کرے۔ جس کا دل چاہے شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے اللہ والوں کی جماعت میں اضافہ کرے۔ سُن لو بیشک شیطان کا گروہ خسارے میں ہے۔"[1]

۲۵۔ شیخین (حضرت ابوبکر و عمر) کی فضیلت اور ختنین (حضرت عثمان و علی) سے محبت اہلسنت وجماعت کی نشانیوں سے ہے۔ تفضیلِ شیخین کو محبتِ ختنین کے ساتھ جمع کرنا اہلسنت وجماعت کے خصائص سے ہے شیخین کی فضیلت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے۔"[2]

۲۶۔ قرآن و احادیث صحابہ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ جب صحابہ کرام ملعون ہو جائیں تو جو دین اُن کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے وہ بھی ملعون اور ناقابلِ اعتماد ہو گا۔ نعوذ باللہ من ذالك۔ شاید اس گروہ کا مقصد نبی آخر الزمان علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ و السلام کے دین کا ابطال اور آپ کی شریعت کا انکار ہے۔ ظاہر میں یہ اہلِ بیتِ رسول سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت میں شریعتِ محمدیہ کے دشمن ہیں کاش! یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے موافقین کو سباب سے سالم رہنے دیتے اور تقیہ کے داغ سے انھیں داغدار نہ کرتے جو فریب کاروں اور منافقین کی علامت ہے۔"[3]

۲۷۔ اربابِ عقلِ سلیم جانتے ہیں کہ تقیہ بزدلی کی علامت ہے جس کی نسبت خدا کے شیر کی جانب کرنا انتہائی نامناسب ہے۔ بتقاضائے بشریت گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لئے تقیہ کی صفت کو جائز قرار دیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن شیرِ خدا کو مسلسل تیس سال تک بزدلی پر ثابت ماننا اور یہ کہنا کہ وہ اتنا عرصہ تقیہ پر

---

[1] مکتوبات ۲: ۲۳ [2] ۲: ۳۶ [3] مکتوبات ۲: ۳۶

پر قائم رہے، بہت ہی نازیبا ہے"۔ لہ

۲۸ - اے مخاطب! میں کہتا ہوں کہ بزرگانِ دین اور اکابرِ اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر کیونکہ انھوں نے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اور سیدِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد و اعانت میں اپنی پوری توانائیاں صرف کر دی تھیں۔ دین کی تائید میں انھوں نے رات اور دن، ظاہر اور پوشیدہ اپنا دھن دولت قربان کریگا۔ حُبِّ رسول کی خاطر اپنے خاندان، قبیلے، اولاد، بیویاں، وطن، مکانات، چشمے، کھیتی باڑیاں، درخت اور نہریں غرضیکہ تمام چیزیں چھوڑ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اپنی ذوات پر ترجیح دی۔ اپنے اموال اور اپنی اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ کی محبت اختیار کی اور آپ کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے سرفراز ہوئے اور انھیں وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا، حضورِ ملائکہ سے مشرف ہوئے، خوارق و معجزات دیکھنے کیصورت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ اُن کا غیب شہادت اور اُن کا علم عین ہوگا۔ انھیں یقین کی وہ دولت نصیب ہوئی جو بعد میں کسی کو میسر نہیں آ سکتی۔ دوسرے اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کریں تو صحابہ کرام کے ایک سیر کے برابر ثواب نہیں مل سکتا بلکہ اِس کا نصف بھی نہیں مل سکتا۔ یہی تو وہ حضرات ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تعریف و توصیف کی ہے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اُن کا ایسا ہی حال توریت میں ہے اور ایسا ہی انجیل میں ہے۔ یہ اُس کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ اِن سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں صحابۂ کرام سے ناخوش رہنے والوں کو کفار کہا ہے۔ اسی لیے میں

لہ مکتوبات ۲۹۱۲ -

بار بار کہتا ہوں کہ جو لوگ صحابۂ کرام سے بغض رکھتے ہیں اُن سے اِس طرح بچنا چاہیے۔ جس طرح کافروں سے بچتے ہیں۔ واللہ سبحانہ الموفق۔[۵۱]

۳۹۔ معلوم نہیں کہ اس دنیا میں میری اِس کے برابر اور کوئی آرزو ہو کہ ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہوں اور کلمۂ طیبہ کے ورد سے لذت گیر اور محفوظ ہوتا رہوں لیکن کیا کیا جائے کہ سب آرزوؤں کا پورا ہونا ممکن نہیں کیونکہ غفلت اور کلمۂ طیبہ کے ورد سے لذت گیر اور خلقِ خدا کے میل جول سے چارہ نہیں ہے۔[۵۲]

۴۰۔ آجکل اکثر لوگ نوافل کی ترویج اور فرائض کو توجہ کے لائق ہی نہیں سمجھتے بلکہ حقیر اور بے اعتبار جانتے ہیں۔ وقتاً اور بے وقت دولت خرچ کرتے رہتے ہیں اور مستحق کو دے دیتے ہیں لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی میں، جو صحیح مصرف ہے، اُن کے لیے ایک دمڑی خرچ کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقے میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔"[۵۳]

احادیثِ مطہرہ میں چالیس کے عدد کی بڑی برکتیں وارد ہوئی ہیں اسی لیے کتنے ہی بزرگوں نے چہل احادیث جمع کرنے کا اہتمام بھی کیا تھا۔ احقر نے بھی اِس عدد کی برکتوں سے حصہ حاصل کرنے کی خاطر مکتوباتِ امامِ ربانی کی یہاں چالیس عبارتوں کا ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

لمحۂ فکریہ:۔ جب تبلیغِ دین کی بات آئے تو پردۂ ذہن پہ یہ تین سوال ضرور اُبھرتے ہیں۔

۱۔ شریعت نے تبلیغِ دین کی بات آئے تو پردۂ ذہن کن حضرات پہ عائد کی ہے؟

۲۔ تبلیغ کے لیے آیا کوئی دائرہ کار بھی ہے؟

---

[۵۱] مکتوبات ۳۶:۲ [۵۲] مکتوبات ۳۰۱:۲ [۵۳] مکتوبات ۸۰۱:۲

۴۔ کیا شریعت نے کوئی تبلیغی نصاب مقرر فرمایا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے تبلیغِ دین کے پیشِ نظر اُمتِ محمدیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط	تم بہتر ہو سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیتِ کریمہ سے ہمیں پہلے اور تیسرے سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ قرآنِ کریم کے نزدیک تبلیغی نصاب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اور مُبلّغ وہ جسے اِن باتوں کا علم ہو تاکہ وہ بھلے کاموں کا حکم دے سکے اور بُرے کاموں سے منع کر سکے۔ اب دوسرا سوال باقی رہا تو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب یعنی نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعلانِ نبوت کی اجازت مرحمت فرمائی تو تبلیغ کا حکم بھی دیا اور اس کا دائرہ کار متعین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝[1]	اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ

جب آپ قریبی رشتہ داروں کی تبلیغ سے فارغ ہو گئے تو اِس دائرے کو وسیع کرتے ہوئے اللہ جل مجدہ نے فرمایا۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝[2]	تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے، تو وہ بے خبر ہیں۔

آپ شب و روز قومِ قریش میں تبلیغ فرماتے رہے۔ لوگوں کو بُت پرستی سے منع کرتے اور معبودِ برحق کے حضور جھکنے کی تلقین فرماتے رہے۔ لیکن چند افراد کے سوا باقی ایمان نہ لائے بلکہ جانی دشمن ہو گئے اور ہر وقت درپے آزار رہنے لگے تو پروردگارِ عالم نے تبلیغ کے

---

[1] پارہ ۱۹ سورۃ الشعرا، آیت ۲۱۴ [2] پارہ ۲۲، سورۃ یٰسٓ، آیت ۶

دائرے کو اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا [1]	اور یوں ہی ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن وحی بھیجا کہ تم ڈراؤ سب شہروں کی اصل مکہ والوں کو اور جتنے اس کے گرد ہیں۔

دوسرے مقام پر اس حکم کو یوں دہرایا گیا ہے

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا [2]	اس لئے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار (شہر مکہ) کو اور جو اس کے گرد ہیں۔

جب آپ اس دائرے میں بھی بخیر وخوبی تبلیغ کا فریضہ ادا کر چکے تو ارشادِ ربانی ہوا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ [3]	اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

یعنی سیدنا محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ کا دائرہ گھر سے شروع ہوا اور بتدریج وسیع ہوتا ہوا پوری دنیا تک پھیل گیا تھا۔ عام لوگوں کے لیے اللہ جل مجدہٗ نے تبلیغی دائرہ کار صرف اس کے اہل وعیال تک محدود رکھا ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ان کی اصلاح میں بھی کوشاں رہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ [4]	اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی

---

[1] پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۷

[2] پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۹۲

[3] پارہ ۲۲، سورۃ السبا، آیت ۲۸

[4] پارہ ۲۸، سورۃ التحریم، آیت ۴

اور بہتر ہیں۔

بلکہ اُن کے لئے یہاں تک فرمادیا ہے:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ[1]

اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو۔ تمہارا کچھ نہ بگڑے گا جو گمراہ ہوا، جبکہ تم راہِ راست پر ہو۔

ہاں جس آدمی کا جہاں تک حلقۂ اثر ہے وہاں تک اُس پر تبلیغ کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے چنانچہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سلسلے میں واضح ہدایات دی ہیں جیسا کہ بخاری شریف کی مشہور حدیث ہے:۔

کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ

تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور ایک سے اُس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا

مذکورہ جملہ آیات و احادیث کے تحت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اولوالعزم پیغمبروں کا نائب اور سرمایۂ ملت کا نگہبان بن کر مخلوقِ خدا کی رُشد و ہدایت میں سعیٔ بلیغ فرمائی۔ گھر سے تبلیغ شروع فرمائی اور اُس کا دائرہ پورے ملک میں پھیلا دیا گیا۔ عوام الناس، علماء، مشائخ، شاہی لشکر، اراکینِ سلطنت اور بادشاہ وقت تک سب کی رہنمائی کا اہتمام کیا۔ پھولوں کی سیجوں پر لیٹ کر نہیں بلکہ قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا تو خندہ پیشانی سے ہر صورتِ حال کا مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کو سچے مسلمان بنانے کا بندوبست کیا تو غیر مسلموں یعنی مشرکینِ ہند کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنے میں بھی ساعی رہے۔ سارا کام ہنود اور روافض کی آنکھوں میں کھٹکتے ہوئے کیا۔ حکومتِ وقت کے زیرِ عتاب رہ کر کیا، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا، ہوا کا رُخ دیکھ کر اُس کی جانب ہرگز نہ چلے بلکہ ہمتِ مردانہ اور جذبِ قلندرانہ سے ہواؤں

---

[1] پارہ ۷، سورۃ المائدہ، آیت ۱۰۵

کو اپنی مرضی کے مطابق چلایا اور ملک کی ملحدانہ فضاؤں کو نئے سرے سے اسلامی فضا میں تبدیل کر دیا۔ اکابرِ دین کی کمائی کو برباد ہونے سے بچا لیا۔

اندرونِ ملک ہی تبلیغِ دین کا اہتمام نہ کیا بلکہ بیرونی ممالک میں بھی وسیع پیمانے پر تبلیغی وفود بھیجے، ہدایت کے مرکز قائم کیے اور ان ممالک میں بھی ظلمت کے بادل چھٹے اور ہدایت کا نیّرِ تاباں اپنی ضیا باریوں سے در و دیوار اور دیار و امصار کو روشن و منور کرتا چلا گیا۔ اندرونِ ملک اور بیرونی ممالک میں آپ نے جن حضرات سے تبلیغِ دین کا کام لیا وہ آسمانِ علم و عرفاں کے چاند تارے تھے، آپ کی خلافت و اجازت سے سرفراز تھے، ہدایت کے بہترین نمونے تھے۔ اسلامی تعلیمات سے آگاہ تھے اور دوسروں کو عمر بھر آگاہی بخشتے رہے۔

مُصلِح کی پہچان یہی ہوتی کہ وہ اپنے گھر کو سنوارتا ہے اور مفسد اس میں پھوٹ ڈال کر برباد کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ گھر میں اس کے لئے کوئی مقام نہیں۔ لہٰذا مقام پیدا کرنے کے لیے گھر کے بعض افراد کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنا علیحدہ حلقہ اصلاح کی آڑ میں بنا لیا جائے۔ یوں عمر بھر وہ اصلاح کا ڈھول ہی بجاتا رہے گا لیکن اپنا علیحدہ حلقہ، اپنی الگ جماعت بنا لینے کے باعث اسے گھر کا بدخواہ اور دشمن ہی قرار دیا جائے گا۔ وہ مُصلِح کہلانے کے باوجود حقیقت میں مُصلِح نہیں بلکہ مُفسِد ہے۔ نعوذ باللہ منہم۔

حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ نے پورے ملک کی فضاؤں کو بدلا لیکن اپنے گھر (اہلسنت وجماعت) کی زلفِ پریشاں ہی کو سنوارتے رہے، اسی کی از سرِ نو شیرازہ بندی کرتے رہے اور گھر کو چھوڑ کر علیحدہ اپنی کوئی جماعت ہرگز نہ بنائی کیونکہ آپ اول و آخر مُصلِح ہی تھے۔ بدقسمتی سے انگریزی اقتدار کے دور سے مسلمانوں میں ایسے مُصلِح بھی کھڑے ہوئے جو آخری دم تک اصلاح کا ڈھول بجاتے رہے لیکن انھوں نے اہلسنت وجماعت کو چھوڑ کر، اپنے گھر سے منہ موڑ کر اپنی اپنی علیحدہ جماعت بنائی اور یوں اپنے مفسد اور ملتِ اسلامیہ کے بدخواہ ہونے کا انمٹ ثبوت پیش کر گئے۔ غیر مقلد، دیوبندی، مودودی پارٹی (جماعت اسلامی)

نیچری، پرویزی وغیرہ پارٹیوں ایسے ہی حضرات فتنہ پروروی کے زندہ ثبوت موجود ہیں۔ جنھوں نے مسلمانوں پر کتنے ہی فرقوں کا بوجھ لاد دیا ہے۔ یہ ہے نام نہاد مصلحین کی کارگزاری کا حدود اربعہ اور یہ ہے اُن کی تبلیغِ دین کا ماحصل۔

بدقسمتی سے آج ہر جملہ فرقے جس رنگ میں تحریر و تقریر کے ذریعے تبلیغ دین کا کام کر رہے ہیں اُس میں ظاہر تو یہی کیا جاتا ہے کہ تبلیغِ دین اور اصلاح ہی ملحوظِ خاطر ہے۔ لیکن حقیقت میں ہر کوئی اپنے فرقے کے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہے خواہ اُن باتوں کا حقانیت سے دُور کا واسطہ بھی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اِن میں سے ہر کوئی اہلِ حق (اہلسنت وجماعت) سے برسرِ پیکار ہے اور اُنھیں مٹانے میں شب و روز کوشاں ہے۔ یہ ہے اِن حضرات کے نزدیک تبلیغِ دین اور یہ ہے اِن کی منزلِ مقصود۔

ہمارے ملک اور بھارت میں بستر بند رضا کاروں کا ایک تبلیغی سسٹم بھی رائج ہے جو دیوبندی حضرات کی جانب سے چلایا ہوا ہے۔ اِس کے بانی مولوی محمد الیاس کاندھلوی (المتوفی ۱۳٦۲ھ/۱۹۴۲ء) تھے۔ دیوبندی کی مشہور کتاب مکالمۃ الصدرین کے مطابق کے مطابق کاندھلوی صاحب سے یہ کام انگریزوں نے پانچ سو روپیہ ماہوار دے کر لیا تھا جب دیوبندی حضرات بُت پرست نواز بن کر کانگرس میں شامل ہوئے اور متحدہ قومیت کے علمبردار بن کر مسلمانوں اور ہندووں کو ایک ہی قوم بتانے لگے تو مشرکینِ ہند نے بڑی فیاضی سے دیوبندیوں اور اُن کی تبلیغی جماعت پر سیم وزر کی بارش برسائی اور تالیفِ قلوب کی خاطر خوب اِن حضرات کو سرآنکھوں پر جگہ دی۔ قیامِ پاکستان کے بعد خاص طور پر سعودی عرب کے حکمران اِس جماعت کی دامے درمے خوب حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔ گویا جماعت ایک اور سرپرست تین یعنی نام نہاد توحید برضا و رغبت تثلیث کے نرغہ میں یا اُس کی گود میں ہے۔

اِن حضرات کی تبلیغ بھی ایک تماشا ہے۔ قرآن کریم نے تبلیغِ دین کا بوجھ اہلِ علم پر رکھا ہے لیکن تبلیغی سسٹم کے کمانڈر یہ کام جہلاء سے لیتے ہیں جو الف کے نام ب نہیں جانتے……

قرآنِ کریم نے تبلیغ کا دائرہ کار گھر سے شروع کیا ہے لیکن تبلیغی جماعت والوں کو گھر بار سے سیکڑوں میل دُور شوکیس کے مال کی طرح بھیجا جاتا ہے کہ دیکھو یہ دین کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر کس طرح دیوانہ وار پھر رہے ہیں۔ ..... قرآنِ کریم نے تبلیغی نصاب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قرار دیا ہے لیکن اِن حضرات کا تبلیغی نصاب مولوی محمد زکریا سہارن پوری کی چند کتابیں متعلقہ فضائل ہیں۔ گویا پورا نظام ہی شریعتِ مطہرہ کے برعکس ہے۔

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا

تبلیغ کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ بھولے بھٹکے بندوں کو راہِ ہدایت پر لگا دیا جائے لیکن ان حضرات کی غایت سعی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ حق کے بھولے بھالے افراد کو کلمہ اور نماز کی تلقین کے سہارے وہابی بنا لیا جائے۔ کبھی نہیں دیکھا کہ اِن حضرات نے غیر مسلموں میں تبلیغ کی ہو یا مرزائیوں اور روافض وغیرہ کے پاس گئے ہوں، بلکہ اہلِسنت وجماعت کے رہنماؤں کی تن آسانی اور تساہل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تبلیغ صرف سنیوں کو وہابی بنانے کی خاطر کی جا رہی ہے۔ معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ مسجدِ ضرار بنانے والوں کے جانشین اپنے اکابر کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ اسلامی عقائد سے بڑھ کر اور معروف کیا ہے، لیکن ان لوگوں کو اِس معروف سے نفرت ہے۔ غلط عقائد سے زیادہ اور کونسا منکر ہو گا لیکن یہ ان کے نزدیک دودھ کی ملائی ہے۔ یہ ہے ان حضرات کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ کاش! یہ حضرات اسلامی عقائد و نظریات کو قبول کر لیں اور سب سے پہلے اپنی عاقبت کو سنوارنے کی فکر کریں۔

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

دوسری جانب بھی گستاخی معاف رہے کہنے دیجئے کہ ہمارے اکثر مشائخ عظام اور علمائے کرام

دین کی کماحقہ خدمت سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ گمراہی ہے کہ مختلف رنگوں میں پھیلتی ہی جا رہی ہے، گمراہ گر کھلے بندوں اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ بھولے بھالے مسلمان رات دن نصوصِ دین کا انکار ہو کر دین و ایمان کی دولت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، حکومتیں غیر اسلامی فضا پیدا کرتی آ رہی ہیں، ذرائع ابلاغ نے اخلاق و کردار کا دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ کمیونزم اور سوشلزم کے جراثیم ملتِ اسلامیہ میں سرایت کرتے جا رہے ہیں۔ وہ واجب الاحترام مائیں جن کی گود میں اسلام کے امین اور ملی غیرت کے علمبردار پرورش پایا کرتے تھے، آج وہی مائیں چراغِ خانہ ہونے سے برملا انکار کر کے شمعِ محفل بنتی جا رہی ہیں۔ غرضیکہ ملتِ اسلامیہ کی کشتی تلاطم خیز طوفانوں میں ہچکولے کھاتی پھر رہی ہے اور تا حدِ نظر ساحل نہیں آتا۔ افسوس! ایسے نازک وقت میں کشتیٔ ملت کے نگہبان نے لمبی تان لی ہے، خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ صورتِ حال سے آنکھیں بند کر کے آرام فرما رہے ہیں۔ ملت کی رہنمائی سے ہار تھک کر بیٹھ گئے ہیں اور بقول حالی ؎

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے۔ بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی۔ پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی!

ہم اپنے قابلِ احترام مشائخ عظام اور علمائے کرام کی خدمت میں چند سوال پیش کرتے ہیں، لیکن دست بستہ، عاجزانہ اور ملتجیانہ لہجے میں، تاکہ ہماری کشتی کے یہ جملہ ناخدا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہونے اور وہاں کی باز پرس سے پہلے حَاسِبُوا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوا کے تحت اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ سکیں۔ اپنی اپنی مساعیٔ جمیلہ کا جائزہ لے سکیں اور یہ اندازہ کر سکیں کہ اس پر فتن دور میں جبکہ گمراہی کے چاروں طرف سے سیلاب امڈ کر آئے ہوئے ہیں، جو اسلامی اقدار کو بہا کر لے جا رہے ہیں، تو ملتِ اسلامیہ کے ان رہنماؤں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان نائبوں اور سرمایۂ ملت کے ان نگہبانوں نے کس حد تک تن من دھن کی بازی لگائی ہے ان کے کارناموں کا طول و عرض کیا ہے۔

خدا شاہد [illegible] کہ اپنا مقصد ہرگز کسی کی تنقیص یا تضحیک نہیں بلکہ مدعا صرف یہی ہے کہ جو حضرات اپنے اندر کسی قسم کی کوتاہی محسوس کریں وہ اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں پیش ہو کر جواب دینے سے پہلے سرخ رُو ہونے کا سامان فراہم کر سکیں۔ ممکن ہے اِس عصیاں شعار کے یہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ اِن بزرگوں کی نظر سے گزریں اور وہ اپنی مساعی جمیلہ کو تیز سے تیز تر کر دیں انفرادی کوششوں کے ساتھ ہی شاید کوئی ایسا مردِ مجاہد بھی کھڑا ہو جائے جو دین کی خدمت اور ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی و خیر خواہی میں گوئے سبقت لے جائے اور ایسا اجتماعی نظام قائم کرے جس سے ہر میدان میں خاطر خواہ کام ہو سکے۔ اِس ناچیز کی یہی وہ دلی تمنا ہے جس نے اپنے رہنماؤں سے یہ سوالات کرنے پر مجبور کیا ہے۔

۱۔ حضور والا۔ ملک کے اندر حکمران اسی طرح ہوتا ہے جیسے جسم میں رُوح۔ ملک کی اصلاح کا راز حکمرانوں کی اصلاح میں پوشیدہ ہے۔ پاکستان کو قائم ہوئے تیس ۳۰ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی اِس نظریاتی مملکت میں قائداعظم سے قائدِ عوام تک کہلانے والے کتنے ہی حکمران آئے اور چلے گئے۔ اِس عرصہ میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اُن حکمرانوں اور ارکانِ سلطنت کو اسلام کا گرویدہ بنانے کی کس حد تک کوشش فرمائی اور اُس کا نتیجہ کیا برآمد ہوا؟

۲۔ اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ ہی آجکل حکومت کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں۔ اِن پرزوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی خاطر آپ حضرات نے کہاں تک موجودہ کالجوں کو مشرف با اسلام کر لیا ہے؟ اگر اِس طرف توجہ ہی نہیں فرمائی اور اِس جانب سے مکمل چشم پوشی ہی روا رکھی ہے، تو از راہِ کرم اِتنا ہی بتا دیجئے کہ اِن کی فضاؤں کو کیا پادریوں اور پنڈتوں نے اسلامی بنانا ہے؟

۳۔ آپ حضرات کی کتنی ایسی دینی تصانیف ہیں جو اسکولوں اور کالجوں میں شاملِ نصاب ہو کر طلبہ کے قلوب و اذہان کو جِلا بخش رہی ہیں؟ اگر ایسی تصانیف آٹے میں نمک کے

برابر بھی نہ ہوں تو اُن اداروں میں تربیت پانے والے نونہالانِ چمن کی دینی موت میں آنجناب کا بھی کچھ حصّہ ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ جب یہ مقدمہ بارگاہِ الٰہیہ میں پیش ہو تو قاتلوں کی فہرست میں بعض مقدس چہرے بھی نظر آنے لگیں۔

۴ - ذرائع ابلاغ سے تبلیغ کا کام برق رفتاری سے ہوتا ہے۔ کسی قوم کو بنانے اور بگاڑنے میں ذرائع ابلاغ بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کیا ریڈیو اور ٹیلیویژن کو آپ حضرات کی نظرِ کیمیا اثر نے سچا مسلمان بنا لیا ہے یا یہ ایسے مسلمان کہلانے والے کا پارٹ ادا کر رہے ہیں جو سراسر غنڈہ ٹائپ ہو؟

۵ - کسی شہر میں ماہوار آپ کے کتنے جلسے ہوتے ہیں اور اُسی شہر میں سینما کتنے شو دکھاتے ہیں؟ دونوں جانب حاضرین کا تناسب بھی مدِ نظر ہو گا۔ قوم کی اس بے راہ روی اور ذہنی عیاشی کا علاج کیا سوچا ہے؟ اگر کچھ علاج کیا ہے تو اُس کا نتیجہ برعکس برآمد ہوا؟ کیونکہ دیکھنے میں تو یہی آ رہا ہے کہ دینی جلسوں کا نام ہی باقی رہ گیا ہے اور سینماؤں کا جال پھیل چکا ہے۔ صورتِ حال یہی ہے یا برعکس؟ اگر یہی ہے اور یقیناً یہی ہے تو اِسی کی ذمہ داری کسی حد تک آپ پر بھی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

۶ - اخبارات قوم کے ترجمان ہوتے ہیں۔ کیا پاکستان کے اخبارات واقعی ملّتِ اسلامیہ کی ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ کیا یہ حق و صداقت کے بیباک ترجمان بن کر اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کر رہے ہیں یا ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرنے اور "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی" والی پالیسی پر عمل کرنے میں مصروف ہیں؟ اگر یہ صرف دربار اور سرکار کی آواز ہو کر رہ گئے ہیں تو آپ نے حق و صداقت کے بیباک ترجمان بن کر اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کر رہے ہیں یا ہر تو اس ستم ظریفی کو قبول فرما لینے میں کیا مصلحت اور رواداری کی بھلائی نظر آئی ہے؟

۷ - پورے ملک میں اہلسنت وجماعت کے کتنے سہ روزہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ

اور ماہوار رسالے ہیں جو کامیابی سے چل رہے ہیں اور عوام میں انھیں پذیرائی و مقبولیت حاصل ہے؟ اگر ایسا ایک بھی پرچہ نہیں ہے تو اِس کی ذمہ داری عوام الناس کے سر تھوپی جائے گی یا اِس کے بلا شرکتِ غیر ذمہ دار آپ ہیں؟

۸ - اہلسنت کے جو رسالے شائع ہو رہے ہیں اور گھٹنوں چل رہے ہیں یا دم توڑ رہے ہیں، اُن کے ساتھ آپ نے دامے درمے قدمے سخنے کس حد تک تعاون فرمایا ہے؟ یا اس جانب توجہ فرمانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی؟

۹ - اہلسنت وجماعت کی دینی درسگاہیں کیوں سُونی پڑتی جارہی ہیں؟ کامیاب مدرسین کی قلت کے اسباب پر کبھی غور فرمایا ہے؟ کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ دیابنہ کے مدارس کیوں دن دُوگنی رات چوگنی ترقی کرتے جارہے ہیں، اپنے دینی مدارس کی بربادی میں غیروں کا حصّہ ہے یا صرف آپ حضرات کا؟

۱۰ - درسِ نظامی کی کتنی کتابوں کے شائع کروانے کا آپ کی جانب سے اہتمام ہوتا رہا ہے؟ اگر اِس جانب متوجہ ہونے کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی تو اِس اغماض کی معقول اور قابلِ قبول وجہ کیا ہے؟

۱۱ - درسِ نظامی کی کتنی کتابوں پر آپ کے حواشی اور شروح ہیں؟ اگر آپ کی درسگاہوں میں وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر گمراہگروں نے حواشی لکھے ہیں تو اِس صورتِ حال کے نفسیاتی نتیجے کی ذمہ داری کسی اور پر عائد ہوگی یا۔ تمام تر آپ اور صرف آپ حضرات پر۔

۱۲ - آٹھ دس سال پہلے لاہور جیسے پاکستان کے عظیم شہر میں نوری کتب خانہ کے نام سے تصانیفِ اہلسنت کی یہی چھوٹی سی دکان تھی جبکہ بدمذہبوں کے کئی مکتبے ٹھاٹ باٹ سے چل رہے تھے، یہ آپ حضرات کی قناعت تھی یا تبلیغِ دین سے چشم پوشی اور بادِ مخالف کا مقابلہ کرنے سے فرار؟

۱۳۰ - اب لاہور میں اہلسنت وجماعت کے دس بارہ مکتبے بفضلہٖ تعالیٰ حوصلہ افزا طریقے سے

مصروفِ عمل ہیں اور دینِ برحق کی نشر و اشاعت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ ان کے احیا میں کیا آپ حضرات کے جذبات و احساسات کو بھی کسی طرح کا دخل ہے اور اِن کے ساتھ آپ کا تعاون کس نوعیت کا ہے؟

۱۴ - سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ اور انقلابی کارنامے پر، صحابۂ کبار کی خصوصیات پر، حضرت امامِ اعظم اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی انفرادیت پر اور اولیائے پاک و ہند پر آپ حضرات کی کونسی قابلِ قدر ایسی تصانیف ہیں جو جدید تقاضوں کو پورا کرتی ہوں اور جنہیں بد مذہبوں کی ایسے عنوانات پر لکھی ہوئی تصانیف کے مقابلے پر بے خوف و خطر رکھا جا سکتا؟ تمام بزرگانِ دین ہمارے آقا ہیں۔ اور ہم اُن سب کے غلام۔ کیا غلامی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اُن کے کارناموں کو طاقِ نسیاں میں رکھ دیں؟

۱۵ - سیاسی معاملات سے قطعاً لاتعلق ہو کر بد مذہبوں اور مذہب سے برگشتہ لوگوں کو اپنے اوپر مسلط کر لینا یا بوقتِ تسلّط صورتِ حال سے آنکھیں بند کر لینا اپنوں کی موت کے پروانے پر دستخط کر دینا تو نہیں؟

۱۶ - چند سال پہلے دیوبندیوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی لیکن تبلیغی جماعتوں کے ذریعے اُنھوں نے اہلسنت وجماعت کے خاصے حصّے کو وہابی دیوبندی بنا لیا ہے۔ کیا اِس صورتِ حال کو دیکھ کر آپ تڑپے؟ آنکھوں میں آنسو آئے؟ اُن بے خبر مسلمانوں کی خیر خواہی، اُن کے دین و ایمان کی حفاظت اور کشتیٔ ملّت کی ناخدائی کا فریضہ ادا کرنے کے قابلِ فخر تمغے بارگاہِ خداوندی سے آپ حضرات ہی کو ملیں گے؟

۱۷ - ماضی قریب میں اہلسنت وجماعت کے چند قابلِ اندازہ آپ کی طبعِ نازک پر گراں گزری ہے؟

۱۸ - مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے نام سے شاید آپ روشناس ہو چکے ہوں گے۔ اس ادارے

نے چند سالوں میں مجددِ مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق قابلِ قدر اور لائقِ تحسین تبلیغی کام کیا ہے۔ اپنے اِس ادارے کے ساتھ آپ کے تعاون کی نوعیت کیا ہے؟

١٩- مودودی صاحب نے اپنی قلمی سرکاری کے کتنے ہی پڑھے لکھے حضرات کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھولے بھالے غلاموں کو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ٹولے میں لے گئے اور انہیں اِس فنکاری کا قطعاً علم نہ ہُوا۔ اِس ستم ظریفی کا آپ حضرات نے کیا سدِّباب کیا ہے؟

٢٠- اپنے کتنے ہی بزرگوں کی تصانیفِ عالیہ کیڑوں کی خوراک بن چکیں۔ آج بھی جو قلمی صورت میں موجود ہیں اُن کی طباعت و اشاعت کے متعلق کوئی خیال آپ کے قلوب و اذہان میں کروٹیں لیا کرتا ہے؟

٢١- اگر مذکورہ تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے یا اِس کے قریب تر، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ انبیائے کرام کی نیابت اور اُن بزرگوں کی سچی عقیدت کا تقاضا یہی ہے کہ کہ دین کی حفاظت سے آنکھیں بند کر کے لوگوں کو اپنا عقیدت مند بنایا جائے؟ خدا شاہد ہے کہ یہ گزارشات صرف اس لیے پیش کی ہیں۔

شاید کہ ترے دل میں اُتر جائے مری بات

باب سوم

اسلامی ملک کا سربراہِ مملکت

سلاطینِ اسلام ملتِ اسلامیہ کی قوتِ دفاعیہ ہوتے ہیں۔ ان کے وجود اور ان کی حسنِ تدبیر سے ہی علمائے کرام و مشائخ عظام کو اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور عوام الناس کا ہر طبقہ اپنے اپنے میدانوں میں امن و سکون کے ساتھ مصروفِ کار رہتا ہے۔ حکمران اور کچھ ہو یا نہ ہو مگر اس کا خادمِ دین اور خیر خواہِ مسلمین ہونا از حد ضروری ہے لیکن بدقسمتی سے آج اسلامی ممالک کو جو سربراہ میسر آتے ہیں وہ باقی سب کچھ ہوتے ہیں لیکن اگر نہیں ہوتے اور اس سلسلے میں جتنے بھی بلند بانگ دعاوی کیے جاتے ہیں وہ محض زبانی جمع خرچ اور پبلک کو لوریاں دے کر مطمئن کرنے اور سلا دینے کے حربے ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ملتِ اسلامیہ کا ہر بہی خواہ ان سے سراپا سوال بن کر پوچھنے لگتا ہے:

؎ یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

اسلام کی یہ قوتِ دفاعیہ جب مقدس شجرِ اسلام کی آبیاری اور خدمت گزاری سے عاری ہو جاتی ہے، اسلامی اقدار کی حفاظت سے لاتعلق ہو بیٹھتی ہے، اسلام کی ترویج و اشاعت کو اپنے فرائض کی فہرست سے خارج کر دیتی ہے اور مسلمانوں سے اسے صرف اتنی ہی ہمدردی رہ جاتی ہے کہ الیکشن کے دنوں میں ووٹ حاصل کرنے کی خاطر بس ان سے سنہری وعدے کر کے انتخاب جیت لیا جائے، تو اس تنگ ظرفی اور شعبدہ بازی کا وہی کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے جس کا ہر اسلامی ملک میں آج کھل کر مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر دیدۂ بینا کو خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ جگر پارہ پارہ ہوتے ہیں۔ خیر امت کی یہ تباہی ہر بہی خواہ کو تڑپا رہی ہے، خون کے آنسو رلا رہی ہے اور بے اختیار ان کے لبوں پر یہ دعا آ ہی جاتی ہے:

؎ الٰہی پھر مسلمانوں میں پہلی شان پیدا کر
صلاح الدین غازی سا کوئی سلطان پیدا کر

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی تو عہد اکبری دیکھا۔ مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر متحدہ ہندوستان کا فرمانروا تھا۔ ملک کا گوشہ گوشہ مغلیہ سلطنت کی خاطر غیروں کو بھی رام کر لیا گیا تھا۔ ہندوؤں کے اکثر راجے اور مہاراجے حکومت کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ اپنوں پر نظر عنایت تھی تو غیروں کی ناز برداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جا رہا تھا۔ گویا اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن، خیر خواہ اور بدخواہ سب پہلو بہ پہلو موجود تھے۔ اگر نورتنوں میں ادھر عبدالرحیم خان خاناں، ابوالفضل اور فیضی تھے تو ادھر بیربر اور ٹوڈر مل بھی ساتھ ہیں۔ فوج میں اگر مسلمان حاکم کثرت سے ہیں تو سپہ سالار لشکر راجہ مان سنگھ ہے۔ رانا پرتاپ سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ تو مان سنگھ کی سرکردگی میں۔ حرم میں اگر مغلانیاں ہیں تو راجپوت راجوں مہاراجوں کی لڑکیاں بھی، خود راجہ مان سنگھ کی۔ لڑکی ہیں۔ حرم میں اگر مغلانیاں ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں تھا۔ پھولوں کے ساتھ کانٹوں کو بھی کیوں بوسے دیئے جا رہے تھے؟ دوستوں کے ساتھ دشمنوں کو بھی کیوں گلے کا ہار بنایا جا رہا تھا؟ محض استحکام سلطنت کی غرض سے، اقتدار کو مضبوط و مستحکم رکھنے کی خاطر سیاست کو دین پر فوقیت دینے کے باعث اور بس۔

شہنشاہ اکبر ۵ رجب المرجب ۹۴۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو امرکوٹ ضلع تھرپارکر (صوبہ سندھ) میں پیدا ہوا۔ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو ۱۴ چودہ سال کی عمر میں اپنے اتالیق بیرم خاں کی زیر سرپرستی تاج و تخت کا مالک بنا۔ تاجپوشی کی رسم کلانور ضلع گورداسپور (بھارتی پنجاب) میں ادا کی گئی اور پچاس سال پورے جاہ و جلال سے حکومت کرنے کے بعد ۱۲ جمادی الاخری ۱۰۱۴ھ کو آگرے میں وفات پائی۔ گویا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ۶۳ تریسٹھ سالہ عمر میں سے پہلے بیالیس سال اکبری دور میں گزارے اور

اکبری بیس سال عہدِ جہانگیری میں۔

چونکہ اکبر بادشاہ کے دربار میں، وقار میں، اقتدار میں اور امورِ سلطنت کے ہر کاروبار میں اپنے اور بیگانے سب برابر کے شریکِ کار تھے۔ غیروں اور بدخواہوں کے لیے یہ موقع غنیمت تھا کہ وہ اپنی پوری توجہ اکبر کو اسلام سے منحرف کرنے پر صرف کر دیں۔ بادشاہ کو اسلام سے کم از کم لاتعلق ہی بنا دیں، اپنے مغلِ اعظم کے زیرِ سایہ اسلامی مملکت کو محض ایک سیکولر اسٹیٹ بنا دیا جائے، مسلم اور غیر مسلم کا فرق مٹا دیا جائے، دو قومی نظریہ کو پامال کر دیا جائے، مسلمان فرمانروا کے زیرِ سایہ کاروبارِ مملکت اس طرح چلے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ مشرکینِ ہند کی خواہش تو شاید اسی حد تک اگر ختم ہو جاتی تھی لیکن جب انھوں نے بادشاہ پر ڈورے ڈالے، محبت کی پینگیں بڑھائیں تو کامیابی توقع سے بہت زیادہ حاصل ہو گئی۔ نوبت بایں جا رسید کہ سب کچھ غیر مسلموں یا مسلم نما ہنود کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا اور پوری کوشش یہ کی گئی کہ بیچارے مسلمانوں کے حصے میں اسلام بھی نہ رہے، اس سے بھی انھیں ایت درجہ محروم کر کے وعدۂ حور و قصور [illegible] کے قابل بھی نہ رہنے دیا جائے۔

جس طرح روح سے جسم کا سارا نظام قائم رہتا ہے اسی طرح سلطانِ اسلام سے اسلامی مملکت کی بقا اور استحکام کا راز وابستہ ہے۔ اسلام اور صرف اسلام ہی امن و امان، دینی و دنیاوی فلاح و بہبود، صحت و سلامتی اور ترقی و کامرانی کا ضامن ہے۔ بادشاہ اگر خادمِ دین اور خیر خواہِ مسلمین ہوگا تو ملتِ اسلامیہ کا ہر طبقہ اپنے اپنے میدان میں پورے اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ مصروفِ کار نظر آئے گا۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں خاطر خواہ کام ہوگا۔ دنیاوی ترقی و خوشحالی اور اخروی فلاح و نجات مقدر ہو کر رہ جائے گی۔ سلاطینِ اسلام کے میں اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت کے ایک اہم رکن، خانِ جہاں کو لکھا۔

”ملک میں بادشاہ روح اور پبلک بمنزلہ جسم کے ہے۔ روح درست تو

جسم درست اور رُوح خراب تو جسم بھی خراب ہو جائے گا۔ بادشاہ کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا پبلک کے تمام افراد کی اصلاح کرنا ہے۔ یہ اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے۔ اصلاح اسلامی باتیں تعلیمات سے روشناس کرانے میں ہے۔ جب موقع اور گنجائش نظر آئے تو اسلامی باتیں یعنی اہلسنت وجماعت کے عقائد اس کے گوش گزار کیے جائیں اور حسبِ موقع مخالفینِ اہلسنت کا رد و ابطال کیا جائے۔ اگر یہ مذکورہ دولت آپ نے حاصل کر لی تو انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت سے بہت بڑا حصہ پا لیا۔ آپ کو یہ دولت مفت مل سکتی ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے۔" [1]

پنج ہزاری منصب پر فائز، بادشاہ کے معتمد و مقرب خاص اور لاہور کے گورنر شیخ فرید کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے مذکورہ حقیقت متعلقہ سلاطینِ اسلام کو آپ نے یوں بھی بیان فرمایا۔

"بادشاہ کو رعایا سے وہی نسبت ہے جو دل کو باقی جسم سے۔ اگر دل صحیح ہے تو باقی جسم بھی صحیح ہوگا اور دل میں اگر فساد ہوگا تو سارے جسم میں فساد برپا ہو جائے گا۔ بادشاہ کی اصلاح اور خرابی سے پورے ملک کی اصلاح اور خرابی وابستہ ہے۔" [2]

خواجہ میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے اسی حقیقت پر یوں بھی روشنی ڈالی ہے۔

"افسوس! ہزار افسوس!! بادشاہِ وقت (اکبر) مسلمان ہے لیکن ہم غریب (اسلامیانِ ہند) اس کمزوری اور خرابی میں پڑے ہوئے ہیں۔ سلاطین کے جاہ و جلال سے اسلام کے چہرے پر رونق آجاتی تھی، علمائے کرام و صوفیائے عظام کا اعزاز و اکرام ہوتا تھا اور وہ ان حضرات کی مدد سے شرعی احکام نافذ کیا کرتے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۶۷،

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۴۷،

تھے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک روز صاحبقران امیر تیمور گورگان رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے بازار میں سے گزر رہا تھا۔ حسنِ اتفاق کہ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی خانقاہ کے درویش اُسی بازار میں خانقاہ کی چٹائیوں کا جھاڑ رہے تھے اور گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ حسنِ عقیدت کے باعث امیر تیمور اُسی جگہ ٹھہر گیا اور خانقاہ کی گرد کو اپنے اُوپر لیتا رہا گویا مشک و عنبر ہے۔ مرتے وقت حسنِ خاتمہ نصیب ہوا۔ منقول ہے کہ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ امیر کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ تیمور اگرچہ مرگیا ہے لیکن ایمان ساتھ لے کر گیا ہے۔"[1]

بادشاہ کی اصلاح کس درجہ ضروری ہے اِس کا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو پورا پورا احساس تھا لیکن جس دور میں آپ نے آنکھیں کھولیں وہ نام نہاد مغلِ اعظم کی بے راہ روی اور گمراہ گری کا دَور تھا، حالانکہ وہ شروع سے ایسا نہیں تھا، بلکہ اپنے ابتدائی دور کے صدرِ جہاں اور علمِ حدیث میں خاص مہارت رکھنے والے شیخ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث میں گاہے گاہے بڑے شوق اور بکمال عقیدت سے حاضر ہونے کی سعادت حاصل کیا کرتا تھا، جیسا کہ عہد اکبری کے مشہور مؤرخ مُلا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

"بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہے بہ جہت استماعِ علمِ حدیث بخانۂ شیخ می رفتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پائے اُو ہم می ماندند۔"[2]

بادشاہ انتہائی ادب و احترام کے ساتھ علمِ حدیث سننے کی غرض سے شیخ موصوف کے دولت کدہ پر گاہے بگاہے حاضر ہوا کرتا اور ایک دو دفعہ تو بادشاہ نے شیخ کے جوتے بھی اُن کے آگے رکھے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۲

[2] منتخب التواریخ، ص ۳۱۵

بادشاہ خود بھی پنجوقتہ نماز کا پابند تھا اور دوسروں کو بھی نماز باجماعت کی تلقین کیا کرتا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند۔[1]	وہ دربار میں بھی (حاضرین سے) پانچوں وقت باجماعت نماز پڑھنے کے لیے کہا کرتا تھا۔

اکبر کو علماء و صلحاء کی صحبت بہت پسند تھی اور اُن کی بارگاہ میں حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۹ھ) سے خاص عقیدت تھی۔ اسی عقیدت کے باعث اپنے شہزادے، شہنشاہ نور الدین جہانگیر کا نام سلیم رکھا تھا۔ بزرگانِ دین کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضری دینا باعثِ برکت و کسبِ فیوض کا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ اور حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر از راہِ عقیدت پیدل چل کر حاضر ہوا کرتا تھا۔ فتح پور سیکری میں انوپ تلاؤ کے نام سے ایک وسیع تالاب بنوایا، اُس کے ارد گرد عمارتیں بنائی گئیں، جن کا نام عبادت خانہ رکھا گیا۔ بعد نمازِ جمعہ یہاں علماء و مشائخ کا اجتماع ہوتا، جس میں علمی مذاکرات ہوتے لیکن اِس سے بھی بادشاہ کے شوقِ فراواں کو سیری نہ ہوئی تو جمعۃ المبارک کی پوری رات ان محفلوں کا سرکاری اہتمام ہونے لگا۔ ایک سو سے زیادہ علماء و مشائخ اُن مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اِن خالص مذہبی مجالس کے انعقاد کی تہہ میں بادشاہ کے دینی ذوق کا جذبہ ہی کار فرما تھا اِس پر طرہ یہ کہ مذکورہ عبادت خانہ کے ایک پہلو کے حجرے میں بادشاہ عبادت و ریاضت کیا کرتا تھا جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:۔

"از آبادی یکسو افتادہ نشستہ بمراقبہ مشغول می شدند و فیضِ سحری ربودند۔[2]	آبادی سے باہر گوشۂ تنہائی میں بیٹھتا اور مراقبے میں مشغول ہو کر فیضِ سحرگاہی حاصل کرتا۔

---

[1] مکتوبات منتخب التواریخ: ص ۳۱۵

[2] منتخب التواریخ: ص ۳۱۵

یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بادشاہ اسلام سے برگشتہ ہوا۔ اُس نے دینِ الٰہی کے نام سے ایک نیا دین جاری کیا اور اُس میں دیگر مذاہب کی جو باتیں اُسے پسند آئیں انھیں شامل کر لیا گیا اور اگر اُس کے دینِ الٰہی میں شامل کرنے کی خاطر کسی دین و مذہب کی کوئی ایک بات بھی پسند نہیں آئی تو ایسا دین صرف اِسلام ہے۔ اسلام کو اُس نے اوّل سے آخر تک رَد کر دیا تھا اسلام سے منحرف ہونے اور دینِ الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب جاری کرنے کی جتنی بھی وجوہات ہیں، ہمارے نزدیک اُن میں سے سرِفہرست یہ تین ہیں۔

۱۔ ہندوؤں کی نازبرداری میں حد سے بدرجہا زیادہ تجاوز کیا گیا تھا، جو بادشاہ کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر پوری طرح اثر انداز ہو رہے تھے۔ محلات سے دربار تک اور گوشۂ تنہائی سے لیلائے اقتدار تک، سب میں مشرکینِ ہند شامل۔ گویا یہ آستین کے مار پہلو کے خارِ بادشاہ کے گلے کا ہار بن گئے تھے۔

۲۔ مذکورہ مجالس میں شریک ہونے والے اور دربار کے مباحثوں اور مناظروں میں حصّہ لینے والے علماء کا اندازِ گفتگو اور اُن کے ذاتی کردار نے بادشاہ کو جملہ حاملینِ اسلام سے متنفر کر دیا۔ موجودہ حضرات کو دیکھ کر وہ اسلاف کی عظمت کا بھی منکر ہو گیا کہ ملّتِ اسلامیہ کے نمائندوں اور ترجمانوں کی یہ حالت ہے تو دوسرے کس گنتی شمار میں!

۳۔ جن صوفیہ سے بادشاہ کو سابقہ پڑا وہ اُس تصوف کے علمبردار نہ تھے جسے علمِ حدیث کی اصطلاح میں احسان کہا گیا ہے بلکہ وہ محض اسلامی جوگی تھے۔ جلبِ زر اور طلبِ منفعت اُن کی منزلِ مقصود تھی۔ وہ دوسروں کے نفوس کا تزکیہ کیا کر سکتے جو خود ہی نفس پرستی کے مرض میں گرفتار اور ملّتِ اسلامیہ کے لیے باعثِ ننگ و عار تھے۔

درباری و سرکاری علماء و مشائخ کو دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اسلام و مسلمین سے اِدھر نفرت بڑھتی جا رہی تھی تو اُدھر اُس کے چاروں طرف چھائے ہوئے ہنود اُسے اپنی جانب، اپنے مذہب کی جانب کھینچنے پر ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے تھے۔ وہ بادشاہ کو اپنی

جانب کھینچنے اور اسلام سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب جلال الدین اکبر کسی صورت میں بھی بابر اور ہمایوں کا جانشین نہیں رہ گیا تھا بلکہ مشرکینِ ہند کا مغلِ اعظم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اسلام کی قوتِ دفاعیہ کا سرپرست نہیں رہا تھا بلکہ اسلام سے منحرف ہو کر دینِ الٰہی کا موجد بن گیا تھا۔ گویا اکبر کے آباؤ اجداد اور دوسرے سلاطینِ اسلام نے جو مختلف معرکوں میں مشرکینِ ہند کی اجتماعی قوتوں کو پارہ پارہ کیا، بار بار شکستیں دے کر اُن کی انفرادی قوت کے غرور کو اپنی قوتِ ایمانی سے ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا تھا، جنگ کے میدانوں میں اُس حاصل کی ہوئی کامیابی و کامرانی کو اکبر دی گریٹ نے بیجا نازبرداری کی تھالی میں رکھ کر مشرکینِ ہند کی نذر کر دیا۔ میدانِ کارزار میں جیتی ہوئی جنگ سیجوں پر لیٹ کر ہاری گئی۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قوتِ ایمانی کا لوہا منوانے والے ترچھی نگاہوں کی برچھیوں کے زخم برداشت نہ کر سکے، پیکانِ جانگداز قلب و جگر میں ایسے پیوست ہوئے کہ شہیدِ ناز ہو کر رہ گئے۔ جب حالات ملیٹ ہوئے۔ نقشہ بدلا ہوا نظر آیا اور سب کچھ ہاتھوں سے نکل گیا تو ہر دلِ حق شناس یہ پوچھتا رہ گیا۔

؎ متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

اسلام کی نشر و اشاعت اور استحکام و ترقی جن قوتوں کی مرہونِ منت ہے اُن میں سرفہرست تین قوتیں ہیں۔

۱۔ قوتِ روحانیہ ——— جس کا وجود مشائخِ عظام کے دم قدم سے وابستہ ہے۔
۲۔ قوتِ علمیہ ——— یہ حضرات علمائے اہلسنت کے علمی کارناموں کا نام ہے۔
۳۔ قوتِ دفاعیہ ——— اِس کا منبع و مصدر سلاطینِ اسلام کا وجود ہے۔

اِن میں سے ہر قوت کا اپنا علیحدہ دائرہ کار ہونے کے باوجود ایک کا دوسری سے چولی دامن کا ساتھ ہے اور قوتِ روحانیہ باقی دونوں کی معاون و مددگار ہونے کے ساتھ

اندرونِ خانہ سب کی سرپرست ہے۔ مسلمانوں کی چودہ سوسالہ تاریخ شاہد ہے کہ مذکورہ جو قوت بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی وقت قاصر رہی یا تساہل اور کوتاہی کی مرتکب ہوئی تو اس کی رہنمائی ورہبری کا فریضہ قوتِ روحانیہ ہی نے ادا کیا اور اس کی مردہ رگوں میں تازہ خون دوڑا کر مصروفِ عمل بنا دیا۔ قوتِ علمیہ اور قوتِ دفاعیہ کو اپنا اپنا دائرہ کار رکھنے کے باوجود بھی قوتِ روحانیہ کی سرپرستی میں رہنے اور اس سے استمداد کیے بغیر چارہ کار نہیں۔

اکبر کے دور میں جب قوتِ علمیہ نے دین کی نگہبانی کے بجائے پیٹ کی پاسبانی کو اپنا مطمعِ نظر بنا لیا اور قوتِ روحانیہ کے امین ایسے لوگ بن گئے جن پر روحانی کمالات کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی تھی تو ایسے حالات میں دوسری قوتوں کے تعاون اور سرپرستی سے محروم ہونے کے باعث قوتِ دفاعیہ نے دشمنوں کے آگے محبت آمیز اداؤں کے ساتھ ہتھیار ڈال کر اپنی ہمدردیاں بھی اُن سے ہی وابستہ کر دیں۔ دشمن بیدار رہا اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ لیکن متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قوتِ علمیہ اور قوتِ روحانیہ اس طرح اپنے فرض سے غافل ہوئی کہ اِن کے دیکھتے ہی دیکھتے اسلامیانِ ہند کی قوتِ دفاعیہ کا جنازہ نکل رہا تھا لیکن نہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہے، نہ کوئی دلی صدمہ محسوس کیا اور یہ وقت ایسے گزر رہا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے، کیونکہ اُن کی گزر بسر حسبِ معمول ہو رہی تھی اس لیے وہ یہی تو سوچنے اور کہنے پر مجبور رہتے کہ باقی سب خیریت ہے، لیکن صورتِ حال سے ہر آگاہ یوں ماتم کر رہا تھا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا!
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

قوتِ علمیہ کی خرابی۔ ہدایت وگمراہی کا سلسلہ زیادہ تر علمائے کرام سے وابستہ ہے۔ یہ حضرات اگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور نائب بن کر کام کریں تو گلشنِ اسلام میں بہاروں کا دَور دورہ ہوتا ہے اور یہی حضرات جب نام نہاد محقق و مفکر بن کر اپنی اپنی ڈفلی بجا کر اپنا اپنا راگ سنانے لگیں یا تن آسانی و شکم پروری کو اپنا مطمعِ نظر بنا لیں تو دیکھتے ہی

دیکھتے یہ گلستان خزاں کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور جس کے اندر کبھی کوئل کی دلنواز کوک اور پپیہوں کی پی کہاں کے نغمے سننے جاتے تھے وہاں زاغ و بوم کی دلخراش آوازیں سننی پڑ جاتی ہیں۔ اکبر کی گمراہی کے اسباب سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بے خبر نہیں تھے۔ آپ کا ہاتھ پوری طرح نبضِ وقت کی رفتار پر تھا۔ صورتِ حال کی خرابی کے جتنے بھی اسباب تھے اُن میں سب سے بڑے اور بنیادی سبب کی ایک ماہر طبیب اور بہترین نباض کے طور پر آپ نے نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

بعضے از طلبۂ علوم بشومئ طمع کہ ناشی از خبثِ باطن است با امرا و سلاطین تقرب جستہ براہِ خوشامد درآمدہ در دینِ متین تشکیکات نمودند و شبہات پیدا کردند و سادہ لوحاں را از راہ بردند[1]	بعض نیم ملاؤں نے طمع کے ہاتھوں مجبور کر جو اُن کی باطنی خباثت کے سبب ہے، اُمرا و سلاطین کا تقرب حاصل کر لیا ہے اور بے جا جی حضوریے بن کر دینِ متین میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتے ہیں اور اِس طرح سادہ لوح حضرات کو گمراہ کر رہے ہیں۔

جس بادشاہ کے بارے میں مُلا عبدالقادر جیلانی جیسے ناقد مورخ نے فرمایا تھا:۔

بادشاہ کہ جوہرِ نفیس و طالبِ حق بود، امّا عامی محض[2]	بادشاہ بذاتِ خود ایک نفیس جوہر اور حق کا طالب تھا لیکن ساتھ ہی سفید اَن پڑھ۔

وہ علماء جنھیں بادشاہ کا قرب حاصل تھا یا بار یاب ہوتے تھے اُنھوں نے اُس نفیس جوہر کو بداعتقاد بنانے یا طلبِ حق کی تشنگی کو بجھانے خود اپنا کردار اِس انداز سے پیش کیا کہ رفتہ رفتہ اُس طالبِ حق اور نفیس جوہر کو اسلام اور اُس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے نفرت ہوتی چلی گئی۔ اسلام سے بادشاہ کی روگردانی کا سب سے بڑا سبب علمائے سوء کا غلط کردار ہے۔ اُن کی زبان درازیاں

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶

[2] منتخب التواریخ : ص ۲۵۵

اور جلبِ زر کی کاوشیں بادشاہ کے ذہن پر یہ نقش مرتسم کر گئیں کہ اسلام کی رٹ محض کمانے کھانے کا ایک گورکھ دھندا ہے اور پس بادشاہ کے دربار میں علماء کی کمی نہ تھی۔ اُن کا ایک جمگھٹا ہوتا تھا۔ آپس میں دوسرے مذاہب والوں سے اُن کے مناظرے کروائے جاتے تھے۔ بعض مسائل میں جب اُن کے درمیان اختلاف نمودار ہوا تو خود اُن کے درمیان بھی مناظرے اور مباحثے ہونے لگے۔ اُن علماء کا اندازِ گفتگو اور ایک دوسرے کے متعلق زاویۂ نظر کیا ہوتا تھا، ملاحظہ فرمایئے:۔

بایک دیگر تیغِ زبان کشیدہ در مقام منافی وتقابل بودند واختلاف بجائے رسید کہ تکفیر وتضلیل بہ گرمی نمودند" [۵۱]	ایک دوسرے پر زبان کی تلوار کھینچ کر میدانِ تردید میں قدم رکھتے اور مقابلہ کرتے اور اُن کا اختلاف یہاں تک بڑھا کہ تکفیر و تضلیل میں سرگرمی دکھانے لگے تھے۔

مُلا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ دربار میں علماء آپس میں جھگڑے اور نوبت باین جا رسید کہ:۔

رگِ گردنِ علمائے زمان برآمدہ ، آوازہائے بلند و [illegible] از ظاہر شد"۔ [۵۲]	علمائے وقت کی گردن کی رگیں اُبھر آئیں آوازیں بلند ہوئیں اور ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا۔

علمائے وقت کے درمیان دربار میں مباحثے کیوں ہوتے تھے؟ اِس کا جواب اور نتیجہ مُلا عبدالقادر بدایونی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:۔

اختلافِ علماء کہ یکے فعلے را حرام می گفت و دیگرے بحیلہ ہماں را حلال می ساخت وجہ انکار گشت"۔ [۵۳]	علماء کا یہ اختلاف کہ ایک فعل کو اُن میں سے ایک حرام بتاتا تو حیلے سے دوسرا اُسے حلال قرار دیتا۔ یہ طرزِ عمل بادشاہ کے انکار کا سبب بنا

---

[۵۱] منتخب التواریخ، ص ۱۸۸

[۵۲] ایضاً: ص ۱۸۸

[۵۳] ایضاً، ص ۱۸۸

ظاہر ہے کہ اکبر کی گمراہی اور اسلام سے بدظنی میں جتنا حصہ مُلّا مبارک ناگوری (المتوفی سنہ ۱۰۰۱ھ) اور اُس کے فرزندوں، ابوالفضل (المقتول سنہ ۱۰۱۱ھ) اور فیضی (المتوفی سنہ ۱۰۰۴ھ) کا ہے اِتنا کسی دوسرے کا نہیں۔ مُلّا موصوف اور اُن کے صاحبزادے تقلیدِ شخصی سے آزاد اور محقق ہونے کے مدعی تھے، جو گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حضرات محقق بننے کے شوق میں جہاں خود گم کردہ منزل ہوئے وہاں بادشاہ کو بھی گمراہی کے عمیق گڑھے میں دھکیل گئے گویا۔

ع ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے کے ڈوبیں گے

اسلام کو بادشاہ کی نظر میں قصۂ پارینہ اور حرفِ غلط دکھانے کی غرض سے ان حضرات نے جو تگ و دَو کی وہ تاریخ کے کسی طالبِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ مؤرخ بدایونی نے مُلّا مبارک ناگوری کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ موصوف نے بادشاہ کی موجودگی میں ایک مرتبہ بیربر سے کہا تھا۔

"شیخ مبارک در خلوت بحضور بادشاہ بیربر گفت کہ چنانچہ در کتب شما تحریفات است در دینِ ما نیز تحریفات بسیار رفتہ و اعتمادے نماند"[1]	"شیخ مبارک نے بادشاہ کے سامنے خلوت میں بیربر سے کہا کہ جس طرح تمہاری مذہبی کتابوں میں تحریفیں ہوئی ہیں، ہمارے دین میں بھی اسی طرح بہت تحریفیں ہوئی ہیں، جن کے باعث اب اِس کا اعتماد نہیں رہا۔

ابوالفضل کے حقیقی برادر اور شاگرد نے اسلامی عبادات کی تردید میں مختلف رسائل لکھے اور انھیں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بادشاہ نے انھیں بہت پسند کیا۔ اِس امر کا تذکرہ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے یُوں کیا ہے۔

پسرِ مُلّا مبارک شاگردِ ابوالفضل رسائل در قدح و تسخرِ ایں عبادات بدلائل	مُلّا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابوالفضل کا شاگرد بھی تھا، اسلامی عبادات کو نشانۂ تمسخر

---

[1] منتخب التواریخ: ص ۳۱۲

نوشتہ وقبول افتادہ باعثِ تربیت گشتند"[1]

تمسخر بناتے ہوئے اِن کی تردید میں مزعومہ دلائل کے ساتھ چند رسالے لکھے، جو بادشاہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے اور اُس کی سرپرستی کا باعث بن گئے۔

جس طرح تحریکِ پاکستان کے دنوں میں گاندھوی علماء کا کام صرف یہ تھا کہ گاندھی کے ہر قول کے قرآن و سنت کی روشنی میں درست قرار دیا جائے اور اپنے مہاتما گاندھی کو مسلمانوں کا حقیقی خیر خواہ منوانے پر اصرار کرتے اور کونسی وہ فضیلت و شرافت ہوگی جو اُس کی ذات میں ثابت نہیں کرتے تھے، بالکل یہی کچھ اکبر کے دَور میں ہوا تھا، فرق صرف یہی تھا کہ اب چہرے بدل گئے تھے۔ ایسے ہی بعض علماء نے اُس وقت اکبر بادشاہ کے متعلق کہا تھا کہ:۔

"دریں سال اسافل واراذل عالم نمائے جاہل تعاضد دلائل باطل نمودہ بریں آوردند کہ حالہ صاحب زمانے کہ رافعِ خلاف واختلاف و ہفتادُہ ملّت از مسلم و ہندو باشد حضرت اند"[2]

اِس سال بعض کمینے اور رذیل عالم نما جاہل لوگوں نے باطل دلیلوں کا ڈھیر اس بات پر لگایا کہ اب وقت اُس صاحب زمان کا آگیا ہے جو ہندو مسلم اختلاف کو مٹائے گا اور اِن کے بہتر فرقوں کو ختم کرے گا اور (وہ صاحب زمان) بادشاہ سلامت کی ذات ہے۔

بادشاہ کی مذہبی حالت، کفار کی دیدہ دلیری اور مسلمانوں کی بیبسی کو دیکھ کر کتنے ہی علماء ملک سے ہجرت کر گئے، کتنے ہی گوشہ نشین ہو گئے اور جو منظرِ عام پر نظر آتے اُن کے بارے میں مورخ بدایونی کی رائے ہے کہ:۔

---

[1] منتخب التواریخ: ص

[2] ایضاً، ص ۲۷۲

مدارس و مساجد مندرس علماء اکثرے جلاء وطن شدند و اولاد نا قابل ایشاں کہ باند برور بہ پاجی گیری نام برآورند[1]	مدارس اور مسجدیں ویران ہیں۔ اکثر علماء جلاوطن ہو گئے ہیں اور اُن کی نالائق اولاد ملک میں رہ گئی ہے جو پاجی گیری میں شہرت حاصل کر رہے ہیں۔

وہ علماء علمی لحاظ سے خواہ کچھ بھی تھے، بادشاہ کی بلا جانے۔ اُن کے کردار سے اکبر بے خبر تھا۔ اُسے علماء و مشائخ سے عقیدت تھی اور اپنے زمانے کے علماء کو نادرِ روزگار سمجھتا تھا۔ جیسا کہ مُلّا عبد القادر بدایونی نے بھی لکھا ہے کہ:۔

علماء عہد خویش را بہتر از غزالی و رازی تصور نمودہ بودند، رکاکتہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بہ شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند۔[2]	اپنے عہد کے علماء کو امام غزالی اور امام رازی سے بہتر تصور کرتا تھا لیکن جب اُن کے چھچھورے پن کو دیکھا تو حاضر پر غائب کو قیاس کیا اور سلف صالحین کے فضل و کمال کا بھی منکر ہو گیا۔

اکبر بادشاہ کے دِل کو ٹھیس علمائے سوء نے پہنچائی۔ اُسے دین سے برگشتہ کرنے والے دنیا دار عالم تھے۔ اور اِس گم کردہ منزلِ قافلے کا میرِ کارواں تھا ابو الفضل۔ جب کوئی دیندار عالم اُس سے مذہبی معاملات میں گفتگو کرتا اور اُس پر بزرگوں کی تصانیف سے حجت قائم کی جاتی تو اپنی بین الاقوامی شخصیت کے زعم میں کیا جواب دیا کرتا، ملاحظہ ہو:۔

اگر در حینِ بحث سخن مجتہدین را می آوردند می گفت فلاں حلوائی و فلاں	اگر کسی بحث کے دوران مجتہدین کے اقوال پیش کیے جاتے تو (ابو الفضل) کہتا کہ فلاں

---

[1] ایضاً: ص ۲۷۴

[2] ایضاً: ص ۳۱۱

"کفش دوز و فلاں چرم گر بر ما حجت می آرید و نفی ہمہ علما رسانہ دار آمد"[۵۱]

حلوائی یا فلاں کفش دوز یا فلاں چمڑے والے کے قول سے مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔ جملہ علمائے دین کا انکار اس کے لیے کارگر ثابت ہوا۔

اکبری دور میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۵ھ) کے پوتے مولانا عبدالغنی بھی تھے جو اس دور میں سب سے بڑے محدث سمجھے جاتے تھے۔ بادشاہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی اور بارہا ان کے درس حدیث میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرتا اور ایک دو مرتبہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کی تھیں۔ اکبری دور میں جن علما و خطباء کو جاگیریں بخشی جاتی تھیں، عزت افزائی کے طور پر جاگیر بخشی کا سارا انتظام مولانا عبدالغنی کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ مولانا موصوف نے بالکل دنیادار عالم کا کردار ادا کیا۔ جاگیر حاصل کرنے کی خاطر رشوت دینا عالموں اور خطیبوں کا جہاں حصول مقصد کا ذریعہ بنا، وہاں اس طریقے سے جلب زر ان کا ذریعۂ آمدنی ہو کر رہ گیا تھا، حتیٰ کہ ان کے سرکاری اہلکار بھی خوب بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے جیسا کہ مورخ بدایونی نے لکھا ہے:

"سائر وکلائے شیخ و فراشان و دربانان و سائسان و حلال خوران نیز رشوت ہائے کلی دادے و گلیم ازاں ورطہ بدر بردے"[۵۲]

لوگ شیخ (عبدالنبی) کے وکیلوں، فراشوں دربانوں، سائیسوں اور خاکروبوں تک کو رشوتیں پیش کیا کرتے تھے اور اس طرح اپنی کشتی کو گرداب سے نکالنے میں کامیاب ہوتے۔

ان سرکاری علماء کے زمرے سے ایک صاحب مخدوم الملک کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کا اسم گرامی ملا عبداللہ سلطانپوری تھا۔ انھیں آج کے لحاظ سے وزیر امور مذہبیہ سمجھنا چاہیے۔

---

[۵۱] منتخب التواریخ، ص ۲۰۰

[۵۲] ایضاً: ص ۳۱۱

کافی اختیارات کے مالک اور بادشاہ کی عقیدت کا مرکز تھے، لیکن یہ سب منازل حصولِ زر کی خاطر طے کیے تھے۔ اِس منصب پہ فائز رہتے ہوئے اِس قدر دولت جمع کی کہ زمین میں دفن کر کے اُوپر قبر نما ڈھیر بنا دیتے اور اِس طرح اُن کے مکان واقع لاہور میں کئی قبریں بنی ہوئی تھیں جب آخر میں بادشاہ اِن سے ناراض ہو گیا اور بہزار ذلت و خواری کے ساتھ اِنھیں معزول کیا تو بادشاہ کے حکم سے اِن کے مکان کی تلاشی لی گئی، کھدائی ہوئی اور دولت کے انبار ملے جیسا کہ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:۔

چنداں خزائن و دفائنِ اُو پدید گشت کہ قفلِ آں را بہ کلیدِ وہم نتواں کشاد از انجملہ چند صندوقِ طلا از گورخانہ مخدوم الملک کہ بہ بہانہ اموات دفن کردہ بود ظاہر شد۔” [1]

بعض خزینے اور دفینے ظاہر ہوئے جن کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی نہیں کھولا جا سکتا تھا۔ اُن میں سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق بھی تھے جنھیں مخدوم الملک صاحب نے مُردوں کا بہانہ بنا کر دفن کر دیا تھا (بوقتِ تلاشی وہ بھی) ظاہر ہوئے۔

علمائے دورِ اکبری کے دور اور اندازِ فکر و نظر کا یہ ہلکا سا خاکہ ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اُن کے اندر نمایاں طور پر یہ باتیں سامنے آتی ہیں کہ وہ آخرت پر دنیا کو اور جنت کے عیش و آرام پر دنیاوی راحت کو ترجیح دے رہے تھے۔ طلبِ جاہ اور حصولِ زر کی خاطر ہر وہ راستہ اختیار کر جاتے تھے جو کوئی پرلے درجے کا دنیادار آدمی اختیار کر سکتا ہے۔ اُن کی گفتگو شرافت کے دائرے کی چنداں پابند نہیں تھی بلکہ جب ضرورت محسوس کرتے تو بازاری زبان میں گفتگو کرتے ہوئے بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اختلاف کے موقع پر اپنے مطمحِ نظر کے خلاف دوسرے کی بات سُننے، اُس پر کان اور دوسرے کے

---

[1] ایضاً، ص ۲۱۱

موقف کو جھٹلانا شعار بن گیا تھا، جس کے باعث بات بات پر تصادم ضد اور بحث و تمحیث کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ اُن کا اپنی بات پر اڑنا محض اِس غرض سے ہوتا تھا کہ بادشاہ اور حاضرین کی نظر میں اُس کی علمی قابلیت مسلمہ نظر آئے اور ہر کسی کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ اپنے مدِمقابل کے موقف کو غلط قرار دے کر اُس کے علمی وقار کو مجروح کرے۔ عالمانہ کردار، شریفانہ زبان، دنیاوی اُمور میں زہد و تقویٰ، فکرِ آخرت، حق و باطل کی تمیز کا سلیقہ، اختلاف سے پرہیز اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کا نمونہ پیش کرنے سے وہ بڑی حد تک عاری ہو چکے تھے۔

ابوالفضل وغیرہ نے براہِ راست اسلامی تعلیمات کو بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کرنا شروع کیا کہ گویا وہ لوگوں کو دھوکا دے کر اپنے پیچھے لگانے کے چند کامیاب نسخے ہیں۔ اسلامی عبادات کا تمسخر اُڑانا، اُن کے بالمقابل ہنود کی مشرکانہ رسوم کو اپنانے کی بادشاہ کو بڑے میٹھے انداز میں ترغیب دلانا۔ یہ ایسے حربے تھے۔ جن سے ایک جانب بادشاہ ہندو مت کی جانب مائل ہوتا جا رہا تھا تو دوسری طرف دین و ملّت کے ترجمانوں کی گفتار سے، کردار سے اور ہر طور اطوار سے نفرت ہو جانے کے باعث اسلام سے ہٹ رہا تھا۔ بادشاہ کو اُدھر ہندو خود بھی اپنی جانب اور اپنے دھرم کی جانب مائل کر رہے تھے۔ ابوالفضل اینڈ کمپنی اِس سلسلے میں اُن کی مکمل طور پر معاون و مددگار تھی۔ دوسری جانب علماء کا کردار بادشاہ کو اسلام سے پرے دھکیلنے کا کام کر رہا ہے۔ دونوں فریق اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر مصروف تھے، جبکہ دونوں کی کوششوں کا نتیجہ ایک ہی تھا اور وہی نتیجہ برآمد ہوا جو نفسیاتی طور پر ہو سکتا تھا کہ اکبر اسلام سے منحرف ہو گیا اور ایک نیا مذہب دینِ الٰہی کے نام سے جاری کر دیا، جس کی بنیاد ہندو مت تھی اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بھی خوش رکھنے کی خاطر اُن کے مذاہب سے بھی جو باتیں اکبر کو پسند آئیں اُنھیں دینِ الٰہی میں شامل کر دیا گیا۔

اگر تاریخ کا فائدہ یہی ہے کہ پچھلے انسانوں کی ترقی و تنزل یا صلح و محاذ آرائی یا قتال

وادبار یا برائی اور بھلائی کے کارناموں کو پڑھ کر تھوڑے سے وقت کے لئے دماغ کو تفریح کا سامان مہیا کر دیا جائے تو اِس قصۂ پارینہ کو لکھ پڑھ کر ہم یقیناً اپنے فرض سے فارغ ہو چکے۔ آپ بھی اور یہ ناچیز بھی۔ لیکن تاریخ سے سبق حاصل کرنا اور اُس کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا، اپنے گریبانوں میں جھانکنا بھی ضروری ہوتا ہے، تو اِس صورت میں یہ فرض ادا کرنا ابھی باقی ہے۔ ہم میں سے کتنے ہی حضرات نے یہ واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ پڑھے ہوں گے، ایک بار نہیں کتنی ہی بار پڑھے ہوں گے اور یقیناً کتنے ہی حضرات نے اکبر کے درباری سرکاری علماء کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا ہوگا۔ آج بھی انھیں برملا مطعون کرتے ہوں گے۔ لیکن جانِ من! کیا ایسا کر کے ہم اپنے فرض سے فارغ ہو گئے؟ دیکھنا تو یہ تھا کہ اکبری دَور کے علماء کی برائیاں موجودہ علمائے دین کے اندر تو نہیں؟ کیا ہم سب کا دامن اُن بدنما دھبوں سے پاک نہیں ہے۔ اگر ہمارا دامن اُن بدنما داغوں سے پاک نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو ہمارا اوّلین فریضہ ہے کہ اُن برائیوں کو دُور کریں کیونکہ وہ دوسروں کی گمراہی کا باعث بن رہی ہوں گی۔ لہٰذا اپنی اصلاح کر کے ملّتِ اسلامیہ کی کشتی کو منجدھار میں ڈوبنے سے بچانے کی اشد ضرورت ہے۔

مذکورہ گزارشات سے یہ تاثر ہرگز نہیں لینا چاہیئے کہ اکبری دَور کے سارے علماء ہی گمراہ اور گمراہ گر تھے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ جہاں اُن میں یہ گم کردۂ منزل حضرات تھے وہاں وہ علماء بھی تھے۔ جنھوں نے بادشاہ کو فہمائش بھی کی، اگرچہ اُس کا بادشاہ پر صرف اِتنا ہی اثر ہُوا کہ فہمائش کرنے والے کو ذلیل و خوار کیا اور کسی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ کچھ وہ بھی تھے جنھوں نے اپنے اپنے حلقوں میں اسلام کی زلفِ پریشان کو حتی الامکان سنوارنے کی کوشش کی لیکن اُن کی مساعیٔ جمیلہ مختصر سے حلقوں تک محدود رہیں اور گمراہی کا جو ملک گیر سیلاب بھرا ہُوا تھا اُسکے آگے اُن حضرات سے ایسا بند نہیں باندھا جا سکا جو اِس سیلاب کا رُخ موڑ دیتا۔ بہرحال اُن حضرات کی کوششیں لائقِ تحسین ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ بھی تھا جو تخریب کار تو نہ تھا لیکن قوم کی

گرتی ہوئی دیوار کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کی جرأت نہ رکھنے کے باعث زیرِ پر منقار ہو کر رہ گیا۔ چوتھا طبقہ جس کی صورتِ حال کو ضرورت تھی، جو وقت کا تقاضا تھا کہ ایسے افراد اٹھیں جو ملتِ اسلامیہ کی قسمت بدل دیں، مشرکینِ ہند کے عزائم کو خاک میں ملائیں، بادشاہ کو راہِ راست پہ لائیں، علماء و صوفیہ کو صراطِ مستقیم دکھائی اور گمراہی کے بپھرے ہوئے سیلاب کے آگے پختہ بند باندھ دیں ایسا طبقہ تو پیدا نہ ہو سکا لیکن محمدی کچھار کا ایک فاروقی شیر اِس سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے تنہا سرہند سے یہ اعلان کرتا ہوا میدان میں نکل آیا۔

؎ اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

دنیا نے دیکھا اور سب نے اقرار کیا کہ حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس سیلاب کے آگے نہ صرف بند باندھا بلکہ اُس گندے پانی کے سوتوں ہی کو بند کر دیا۔ گمراہی کے ارکانِ ثلاثہ یعنی بادشاہ، علمائے سوء اور غلط کار صوفیہ سب راہِ راست پر آ گئے۔ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوگا۔ لیکن یہ کام عالیشان مکانوں میں بیٹھ کر، عمدہ لباس پہن کر، مرغن غذائیں کھا کر اور کاروں میں سیر و تفریح کر کے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا تاج پہن کر، فتوحاتِ مدینہ کو اپنا ساز و سامان بنا کر، محض رضائے الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے اسلام و مسلمین کی خیر خواہی اور سرمایۂ ملت کی نگہبانی پر کمربستہ ہوئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب میدانِ تجدید میں قدم رکھا اور گمراہی کے مذکورہ ارکانِ ثلاثہ کی اصلاح پر کمربستہ ہوئے تو بیک وقت تینوں گروہوں کی بڑے حکیمانہ انداز پر اِس طرح اصلاح کرتے جاتے تھے کہ جتنا اس پر غور کریں اتنا ہی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کا قرب حاصل کرنے والے علماء آپ کے نزدیک دنیادار اور علمائے سوء تھے، جو بادشاہ کی گمراہی کا سبب بنے تھے، آپ نے لاہور کے گورنر، شیخ فرید بخاری کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے اِس حقیقت کو یوں بیان فرمایا تھا:-

در زمانہ ماضی (اکبری دور) میں اسلام کے سر پر جو بھی آفت و مصیبت نازل ہوئی، وہ علمائے سوء کی بدبختی کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو براہِ راست بھٹکانے والے یہی علمائے سوء ہیں۔ بہتر۷۲ فرقے جو گمراہی کی راہ اختیار کر چکے ہیں اُن کے مُوجد و مقتدا یہی علماء کے سِوا دیگر افراد کی گمراہی دوسروں پر اِس درجہ اثر انداز نہیں ہوتی۔"[1]

موصوف کے نام دوسرا مکتوب گرامی لکھتے وقت اِسی حقیقت پر آپنے اِن لفظوں میں روشنی ڈالی تھی۔

"جس طرح لوگوں کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے اِسی طرح اُن کی بربادی کا سبب بھی یہی علماء ہیں۔ علماء بہترین مخلوق بھی ہیں اور بدترین مخلوق بھی۔ لوگوں کا ہدایت یا گمراہی کی طرف گامزن ہونا بھی علماء ہی کے وجود سے وابستہ ہے۔ کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو اضلال و تضلیل کے کام سے فارغ بیٹھا دیکھا فراغت کا راز معلوم کرنا چاہا تو ابلیس نے جواب دیا کہ میری جگہ اِس وقت کے علماء کام کر رہے ہیں، پس گمراہ کرنے کے لیے وہ کافی ہیں۔"[2]

جناب حاجی محمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی تحریر فرماتے ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے سوء کی حقیقت و مضرت کو اور تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"علمائے سوء پارس کے پتھر کی طرح ہیں جو لوہے اور تانبے کے ساتھ لگنے سے انھیں تو سونا بنا دیتا ہے لیکن خود پتھر ہی رہتا ہے۔ اِسی طرح اُس آگ کا معاملہ ہے جو بانسوں اور پتھروں میں پوشیدہ ہوتی ہے کہ اہلِ جہان اُس

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل مکتوب ۴۷ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۵۳۔

سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن اپنی ہی آگ سے پتھر اور بانس کوئی نفع حاصل نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا علم اُن کے لیے اُلٹا نقصان کا باعث ہوگا کیونکہ علم نے اُن پر حجت تمام کر دی ہے۔ فرمانِ رسالت ہے کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب اُس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اسے نفع نہ دیا۔ اِن کا علم کیوں اِن کے لیے مُضِر نہ ہو جبکہ علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذی عزت ہے اور موجودات میں اشرف۔ لیکن انھوں نے علم کو کمینی دنیا کمانے، مال و زر اور سرداری حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا ذلیل و خوار اور ساری مخلوق سے بدتر ہے۔ جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والی ہے اُسے ذلیل کرنا اور جو اُس کے نزدیک ذلیل ہے اُس کی عزت کرنا، کس درجہ دیدہ دلیری کی بات اور قبیح ہے۔ حقیقت میں یہ حق سبحانہ، تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ درس و تدریس اور فتویٰ نویسی وغیرہ اسی وقت سود مند ہیں جب یہ صرف رضائے الٰہی کے لیے انجام دیئے جائیں اور جاہ و منصب، حصولِ زر اور ترقیٔ درجات وغیرہ کی خواہشات سے پاک ہوں۔ دنیادی چیزوں میں زُہد اختیار کرنا اور دنیا و ما فیہا سے رغبت نہ رکھنا اسی کی علامت ہے۔ جو علماء اس مصیبت میں مبتلا اور کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں، وہ دنیادار علماء ہیں اور یہ علمائے سُوء سب لوگوں سے بُرے اور دین کے چور ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بزعمِ خویش وہ دینی مقتدا اور بہترین مخلوق بنتے پھریں گے لہ

اسی مکتوبِ گرامی کے اندر علمائے حق اور علمائے سُوء کے فرق کی آپ نے یوں بھی صراحت

لہ مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۳۳

فرمائی:۔

”یہی بات تو یہ ہے کہ اِس زمانہ میں جو سستی اور مداہنت اُمورِ شرعیہ میں واقع ہوئی اور دین و ملّت کی ترویج و اشاعت میں جتنا فساد برپا ہوا، اُس کا باعث علمائے سوء کی بدبختی ہے اور سب کچھ اِن کی نیتوں کے فساد کی وجہ سے ہوا۔ ہاں جو علماء دنیا سے مُنہ پھیرے ہوئے ہیں، جاہ و منصب اور مال کی محبت سے آزاد ہیں، وہ حضرات علمائے آخرت اور انبیائے کرام علیہم الصلوات و التسلیمات کے وارث ہیں۔ یہی حضرات بہترین مخلوق ہیں۔ کل قیامت کے روز اِن کی سیاہی کو شہید ہونے والوں کے خون سے وزن کیا جائے گا تو اِن کی سیاہی کا پلہ بھاری ہوگا۔ فرمانِ رسالت کہ علماء کا سونا بھی عبادت ہے، انہی کی شان میں وارد ہوا۔ یہی تو وہ علماء ہیں جنھیں آخرت کا حسن و جمال پسند آیا اور دنیا کی قباحت اور بُرائی کا اُنھیں مشاہدہ ہوچکا ہے۔ اُنھوں نے آخرت کو بقا کی نظر سے دیکھا ہے۔ اور دنیا کو فنا اور زوال کے داغ سے داغدار پایا ہے۔ اسی لیے اُنھوں نے اپنی ذات کو باقی رہنے والی آخرت کے سپرد کردیا ہے اور فنا ہونے والی دنیا سے کنارہ کش ہوگئے ہیں۔ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ خدائے لم یزل ولا یزال کی عظمت کے مشاہدے کا ثمرہ ہے اور دنیا و مافیہا کو ذلیل و خوار جاننا مشاہدۂ آخرت کے لوازمات میں سے ہے۔“ [1]

اِس مکتوبِ گرامی کو مدِّ نظر رکھ کر اگر موجودہ علماء اپنا جائزہ لے لیں کہ اُن کا شمار علمائے آخرت میں ہے یا علمائے سوء میں تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگ گئی۔ اگر اُن کی روش

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۳۳۔

دنیا کمانے، آرام و راحت سے زندگی گزارنے اور سرکاری عہدیداروں کے حضور اپنا مقام پیدا کرنے کی جانب ہے تو انھیں یہ بھی اعتراف کر ہی لینا چاہیے کہ امورِ شرعیہ اور اسلامی نظام کے نفاذ میں جو مداہنت ہوتی رہی ہے اور دین کی ترویج و اشاعت میں جتنی کمی واقع ہوتی جا رہی ہے، اس کے اولین ذمہ دار وہ خود ہیں اور اس تجاہلِ عارفانہ کے وہ بارگاہِ خداوندی میں جوابدہ ہوں گے —— کاش! یہ حضرات اپنی ذمہ داری کا احساس کر کے سابقہ گزاری کی تلافی کر لیں اور باقی زندگی پورے طور پر علمائے آخرت بن کر بسر کریں تاکہ انبیائے کرام کی وراثت پائیں اور خالق و مخلوق کے حضور سرخروئی حاصل کر سکیں —— حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سید مرتضیٰ بخاری علیہ الرحمہ المعروف بہ شیخ فرید کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے اس سلسلے میں یہ بھی تحریر فرمایا۔

> "آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے زمانے (اکبری دور) میں جو فساد برپا ہوا تھا وہ علماء ہی کی بدبختی سے ظہور میں آیا تھا۔ امید ہے کہ اس حقیقت کو پوری طرح مدِ نظر رکھتے ہوئے دیندار علماء کے انتخاب کی سعی فرمائیں گے، کیونکہ علمائے سوء دین کے چور ہیں، ان کی منزلِ مقصود یہی ہے کہ مخلوق کی بارگاہوں میں جاہ و منصب اور بڑائی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ہاں ان میں سے جو بہتر ہیں، وہ بہترین مخلوق ہیں۔ کل قیامت کے روز ان کی سیاہی کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے شہیدوں کے خون سے تولا جائے گا ان کی سیاہی کا پلڑا بھاری رہے گا۔ برے انسان ہیں اور اچھے انسان ہیں۔"[ھ]

اکبری دور کے علماء کی کارگزاری کا ہلکا سا خاکہ اور ان کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی

[ھ] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۹۴

رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات کا ترجمہ مذکورہ بالا سطور میں پیش کیا گیا۔ اس سلسلے میں احقر نے حضرات علماء و مشائخ کی خدمت میں جو گزارشات پیش کرنی تھیں۔ وہ تبلیغی نظام کے تحت باب دوم میں پیش کی جا چکی ہیں اور ملتِ اسلامیہ کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلوانے کی خاطر چند اہم تجاویز باب سوم کے آخر میں پیش کی جائیں گی، جن پر عمل پیرا ہو کر اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

قوتِ روحانیہ کی خرابی:- اکبری دور کے اندر گروہِ صوفیہ سے بعض ایسے حضرات بھی رونما ہو گئے تھے جو اس وحیٔ الٰہی کی پیروی سے علی الاعلان انکار کرتے تھے جس پہ بندوں کی ہدایت کا دارومدار ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خدائے سبوح و قدوس جل شانہٗ ان کے اندر حلول کیے ہوئے ہے اور ان کا خالق و مالک سے کُلّی اتحاد ہے۔ اِس طرح وہ گویا مشرکینِ ہند کے مزعومہ اوتاروں کی طرح بن بیٹھے تھے اور اِسی نامعقول دعوے کے باعث وہ شریعتِ مطہرہ کی پیروی اور وحیٔ الٰہی کی ضرورت و احتیاج سے مستغنی ہوئے پھرتے تھے۔ یہ اسلام سے روگردانی کرنے کی ایسی صورت تھی کہ اِس سے بُری شاید ہی اور کوئی صورت ہو۔ ان گمراہوں اور لصوصِ دین کو اُس وقت کی اصطلاح میں منکرینِ نبوت کہا جاتا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سید مرتضیٰ بخاری علیہ الرحمہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت اِن لوگوں کا تذکرہ یوں کیا:-

> وہ جو باتیں بعض حکمات میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقدس گروہ متفق ہے اُن میں سے بعض یہ ہیں۔ عبادتِ غیرِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ہمسر [illegible]، بلند و بالا ذات کے ساتھ شرک کی ممانعت اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق میں سے ایک دوسرے کو رب اور الٰہ بنا لینے کا عدمِ جواز۔ یہ حکم [illegible] تعلیم انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اور متبعینِ انبیاء کے علاوہ یہ دولت کسی کو نصیب نہیں ہوئی اور نہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی نے اِن باتوں کو پیش کیا ہے۔ اگرچہ یہ منکرینِ نبوت بھی خدا کو ایک

کہتے ہیں لیکن اِن کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو اہلِ اسلام کی تقلید میں وہ ایسا کہتے ہیں یا واجب الوجود ہونے میں تو اُسی ایک ذات کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن استحقاقِ عبادت میں اُسے وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے جبکہ اہلِ اسلام کے نزدیک وجوبِ وجود اور استحقاقِ عبادت دونوں امور میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور حضرتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معبودیت کا اثبات ہوتا ہے۔ دوسری بات جو اِن بزرگوں (انبیاء کرام) کے ساتھ خاص ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات، دوسرے لوگوں کی طرح خود کو بشر ہی کہتے ہیں اور الٰہ اور معبود حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات ہی کو قرار دیتے ہیں اور سب کو اُسی ذات کے آگے جھکنے کی دعوت دیتے ہیں اور اُس کی ذات کو حلول و اتحاد سے منزہ مانتے اور منواتے ہیں۔

لیکن منکرینِ نبوت کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ ان کے سرداروں نے تو الوہیت کا دعویٰ کیا ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کا اپنے اندر حلول بتاتے ہیں اور استحقاقِ عبادت اور الوہیت کا اپنے لیے کھل کر دعویٰ کرنے سے بچتے ہیں۔ تو یقیناً انھوں نے خدا کی بندگی سے قدم باہر نکال لیے ہیں اور افعالِ قبیحہ و اعمالِ شنیعہ میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اِس طرح اُن پر اباحتِ اشیاء کا راستہ کھل جاتا ہے اور بزعمِ خویش خدائی منصب پر فائز ہو کر وہ گمان کیے ہوئے ہیں کہ اُن کے لیے کوئی چیز ممنوع نہیں ہے اور جو کچھ اُن کے منہ سے نکلتا ہے وہ درست ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب ٹھیک ہے، مباح ہے۔ تو اِس طرح وہ خود بھی گم کردہ منزل ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ تف ہے اُن پر اور اُن کے متبعین پر ...... منکرین کے سردار اور رئیس جو خدائی کا دعویٰ کیے ہوئے ہیں، جو کچھ وہ کہتے ہیں، اپنے پاس سے کہتے ہیں اور محض اپنے باطل زعمِ الوہیت

کی بنا پر اُسے درست قرار دیتے ہیں۔ تو انصاف سے کام لینا چاہیے جو شخص کمال بے عقلی کے باعث اپنے آپ کو الٰہ سمجھے اور عبادت کا مستحق جانے اور اِس فاسد گمان کے تحت ناشائستہ افعال کا مرتکب ہو، اُس کی باتوں کا کہاں تک اعتبار کیا جا سکتا ہے اور اُس کی پیروی میں کونسی بھلائی مل سکتی ہے ''[1]

اُس دَورِ پُرفتن میں بعض ملحد صوفیہ کا یہ فاسد گمان تھا کہ انھیں چونکہ معرفتِ الٰہی حاصل ہو گئی ہے اُس لیے احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہے۔ شرعی احکام صرف معرفت حاصل کرنے کا راستہ ہیں، پس جسے معرفت حاصل ہو گئی۔ جو منزلِ مقصود پر پہنچ گیا اُسے راستے (شریعت) کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ شیخ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن لصوصِ دین کا ذکر یوں فرمایا۔

''اکثر خام صوفی اور بے سرو سامان ملحد اِس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعتِ مطہرہ کی اطاعت سے باہر نکال لیں اور شرعی احکام کو عوام الناس ہی کے ساتھ مخصوص رکھیں۔ اُن لوگوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلف ہیں، جیسا کہ وہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف قرار نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ بجا لانے کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں''[2]

بعض صوفیہ نماز کو بیکار قرار دیتے تھے۔ اُن کا فاسد گمان تھا کہ خالق و مخلوق کا وجود جبکہ ایک ہے تو خدا کے آگے جھکنا غیریت کا اقرار ہوگا۔ میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کو مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے اُن لوگوں کا یوں تذکرہ کیا۔

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۶۳
[2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۰۷

"اِس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا گیا اور اِس کے مخصوص فوائد سے بے خبر ہیں، اُنھوں نے اپنے مرض کا علاج دوسری چیزوں سے کیا اور مقصود کا حصول دیگر اُمور سے وابستہ جانا، بلکہ اُن میں سے ایک گروہ نے تو نماز کو بیکار اور غیر متعلق چیز سمجھ کر اِس کی بنیاد عیز اور غیرت پر رکھی ہے اور روزے کو نماز سے افضل جانتے ہیں۔"[1]

اِسی گمراہ گروہِ صوفیہ میں سے ایک شیخ عبدالکبیر یمنی تھے، جن کے باطل قول نے حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو تڑپا دیا، اور آپ کی فاروقی رگ حرکت میں آگئی۔ اِس کا آپ نے خود یوں ذکر فرمایا۔

"آپ نے لکھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ "حق سبحانہٗ وتعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے" مخدومِ گرامی! فقیر اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں رکھتا میری رگِ فاروقی بے اختیار حرکت میں آجاتی ہے۔ اور اِس طرح کی باتوں میں تاویل و توجیہ کی فرصت بھی نہیں دیتی، چاہیے"[2]

بعض صوفیوں کے بارے میں حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد مقیم قصوری کے نام مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"کم عقل خام صوفیوں نے اِس عبارت کا غلط معنی سمجھ کر خوبصورت شکلوں میں گرفتار ہونے اور اُن کے نازنخروں پر فریفتہ ہونے میں، اُنھیں وصولِ حقیقت کا وسیلہ بناتے اور حصولِ مطلوب کا زینہ سمجھتے ہیں۔ خبردار! یہ مطلوب کے لیے رکاوٹ اور زبردست پردہ ہے۔ وہ ایک باطل نظریہ ہے جو ان کی نگاہوں کے سامنے مزیّن ہو کر آیا ہوا ہے اور وہ حقیقت سے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے بعض صوفیہ نے اِن صورتوں کے حسن و جمال کو اللہ تعالیٰ

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفترِ اول، مکتوب ۲۶۱ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۰۰

کا حسن و جمال سمجھ رکھا ہے اور اُن کی جانب مائل ہونے کو خدا کی جانب مائل ہونا اور ان کے مشاہدے کو خدا کا مشاہدہ جانتے ہیں...... اللہ تعالیٰ اُن کی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اُن بے وقوفوں نے اللہ تعالیٰ کو کیا سمجھ رکھا ہے!"[1]

شیخ نظام تھانیسری علیہ الرحمہ کے بعض خلفاء نے یہ غضب ڈھانا شروع کر دیا تھا کہ اپنے مریدوں سے اپنے لیے سجدہ کرواتے تھے اور اِسے جائز قرار دیا جاتا۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ موصوف کو مطلع کر کے اِس کا سدِّ باب کرنے کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا تھا۔

"بعض معتمد لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید اُن خلفاء کو سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے۔ اِس فعل کی بُرائی اظہر من الشمس ہے۔ اُنھیں اِس سے سختی کے ساتھ منع فرمائیے۔ اِس قسم کے افعال سے سب کو پرہیز کرنا چاہیئے اور اُن لوگوں کو خاص طور پر جو مخلوقِ خدا کی پیشوائی کے لئے مشہور ہو چکے ہیں۔ ایسے افعال سے اُن لوگوں کو اجتناب کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ پیروکار اُن کا اتباع کر کے فتنے میں مبتلا ہوں گے۔"[2]

چونکہ گانے اور باجے کی جانب نفس فطرتاً مائل ہوتا، اس میں لطف و لذت پاتا اور مسرت و شادمانی حاصل کرتا ہے، اِس لئے اُن صوفیہ نے جو تزکیہ نفس کے بجائے نفس کی پرورش کرنے میں مبتلا تھے اُنھوں نے غنا و سرود کو اپنے مذہب کا جزو اور حصولِ درجات کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اپنے مخدوم زادگان یعنی خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہما کو لکھا۔

"آیات و احادیث اور روایاتِ فقہیہ غنا اور سرود کی حرمت میں اِس قدر ہیں کہ اُن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی منسوخ حدیث یا روایت شاذہ کو سرود

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۹۶

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۹

کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اُس کا ہرگز اعتبار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کسی فقیہ نے کسی بھی زمانے میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے...... اِس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بنیادِ دین و مذہب بنالیا ہے اور اس کو عبادت سمجھتے ہیں...... روایت سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی حرام فعل کو جائز اور مستحسن جانے وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ دریں حالات جائے غور ہے کہ مجلس سماع و رقص کی تعظیم کرنا بلکہ اسے طاعت و عبادت سمجھنا کتنا بُرا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہمارے مشائخ اِس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداری کو ایسے اُمور کی تقلید سے دُور رکھا۔" ۱؎

مُلّا طاہر بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے وقت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا دار صوفیہ کے بارے میں یُوں عام نصیحت فرمائی تھی:-

اِس زمانے کے اکثر فقرا آسودہ حال اور کفایت کے میدان میں مقیم ہو چکے ہیں۔ ان کی صحبت و مجالست زہرِ قاتل ہے۔ اِن سے اس طرح بھاگنا چاہیے جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔" ۲؎

صوفیائے کرام کا کام لوگوں کا تزکیۂ نفوس کرنا ہے۔ عام لوگوں کے علاوہ حضرات علمائے کرام کے بھیس میں کیے بغیر چارہ نہیں کیونکہ بغیر ان کی رہنمائی اور توجہ کے مراد کا دامن ہاتھ نہیں آتا لیکن صوفیائے کرام کے بھیس میں جو خود گمراہی سے مالا مال ہوں وہ دوسروں کے نفوس کا خاک تزکیہ کر سکتے ہیں؟

۱؎ مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۶۶ ۲؎ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۲۲

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمان

قوتِ دفاعیہ کی خرابی:۔ جب علمائے سوء کی بدولت اکبر نے اسلام کی حقانیت کو شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا اور اِس دینِ برحق کے ساتھ اُس کی پہلے جیسی وابستگی نہ رہی تو بعض درباری سرکاری علماء نے اپنی کامیابی پر بغلیں بجائیں اور موقع غنیمت جان کر بادشاہ کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا۔

"عقلاً در ہمہ ادیان موجود و مہتیا اند و اربابِ ریاضات و کشف و کرامات در کل طوائف انام پیدا و حق ہمہ جا دائر پس انحصار آں در یک دین و یک ملت کہ نو پیدا شدہ و ہزار سال بر و نگذشتہ باشد چہ لازم و اثبات یکے و نفی دیگرے ترجیح بلا مرجح از کجا" [1]

عقلمند لوگ تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں اور ریاضتیں کرنے والے اور صاحبانِ کشف و کرامت بھی سب گروہوں میں موجود ہیں اور حقانیت سب میں پائی جاتی ہے، پس حق و صداقت کو ایک ہی دین اور ایک ہی ملت میں کیوں منحصر کیا جائے اور وہ بھی اُس مذہب میں جو نو پید ہے اور جس کی عمر پوری ایک ہزار سال بھی نہیں یہ کیا ضروری ہے کہ ایک کا اثبات کیا جائے اور دوسرے کی نفی۔ یہ ترجیح بلا مرجح کیوں ہو۔

بادشاہ پر اُن علماء کی اِس تبلیغ کا خاطر خواہ اثر ہُوا اور یہی اِس بات کا قائل ہو گیا کہ حق تمام مذاہب میں موجود ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے اِسی نظریہ کے بارے میں ملا عبدالقادر بدایونی نے یوں شہادت دی ہے:۔

---

[1] منتخب التواریخ، ص ۲۵۶۔

چوں در زعمِ خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثتِ پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کہ مدت بقائے ایں دین بود تمام شد و ہیچ مانعے برائے اظہار در دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند و بساط از مشائخ و علماء کہ صلابت و مہابت داشتند و ملاحظہ تمام از آنہا بکسے نمود خالی ماند بفراغ بال در صدد ابطال احکام و ارکان اسلام بند و بست ضوابط و قواعد نو مہمل و مختل و در ترویج بازار فساد اعتقاد در آمد"[1]

جب انھوں (بادشاہ) نے بزعمِ خویش یہ خیال کیا۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ہزار سال گزر گئے ہیں، جو بقائے اسلام کی مدت تھی، تو یہ دین ختم ہوگیا ہے اور اُن کے سامنے اب اپنے دل میں چھپے ہوئے ارادے کو ظاہر کرنے کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی، کیونکہ اُن علماء و مشائخ سے بساطِ علم بھی خالی ہو چکی تھی۔ جن کا اثر رسوخ تھا۔ ایسے افراد سے میدان کو خالی دیکھ کر بادشاہ تو خوب کھل کر کھیلے۔ اسلامی احکام وارکان کا بطلان کیا۔ مہمل اور بیہودہ قوانین ایسے ایسے جاری کیے کہ عقائد و نظریات کے فساد کا بازار خوب گرم ہوگیا۔

جس طرح ہر سیاسی جماعت کا آجکل ایک منشور ہوتا ہے۔ خواہ وہ کرسیِ اقتدار پر براجمان ہو یا لیلائے اقتدار کی تلاش میں سیاسی میدان کے اندر مصروفِ عمل ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جماعتوں کے اِس قسم کے منشور کچھ ہوتے ہیں اور نشۂ اقتدار سے بدمست ہو کر کیا کچھ جاتا ہے۔ منشور کے الفاظ بظاہر بڑے دلکش اور نپے تلے ہوتے ہیں، جن میں عوام الناس کو اپنی جانب کھینچنے کا سارا سامان اور تالیفِ قلوب کے تمام حربے سمو دیئے جاتے ہیں، لیکن

---

[1] ایضاً: ص ۱۰۱۔

جب عمل کی باری آتی ہے تو یہی کچھ دیکھنے میں آتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے اور دکھانے کے اور۔ اکبر کے جب دینی نظریات میں فرق آیا، بے دینی کا بھوت سوار ہوا اور دینِ الٰہی جاری کرنے کا منصوبہ مکمل ہوگیا تو آجکل کے منشور کی طرح رعایا و برایا کے لیے ایک محضر نامہ جاری کیا گیا، جس کو مُلّا عبدالقادر بدایونی نے یوں نقل کیا ہے:-

منشور از تشیید این مبانی و تمہید این معانی آں کہ چوں ہندوستان صینت عن الحدثان بہ میامن معدلت سلطانی و تربیت جہاں بانی مرکزِ امن و اماں و دائرہ عدل و احسان شدہ و طوائف انام از خواص و عوام خصوصاً علمائے عرفان شعار و فضلائے دقائق آثار کہ ہادیانِ بادیۂ نجات و سالکانِ مسالک اوتوا العلم درجات اند از عرب و عجم درین دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند جمہور علمائے فحول کہ جامعِ فروع و اصول و حاوی معقول و منقول اند بدین و دیانت و صیانتِ انصاف طرازند بعد از تدبر وافی و تأمل کافی در غوامض معانی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم و احادیث صحیح انّ احبّ الناس الی اللہ یوم القیامۃ امام عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی و غیر ذالک من الشواہد العقلیۃ والدلائل النقلیۃ قرار دادہ،

اس محضر کی تشہیر و اشاعت کا مقصد اور اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ہندوستان، دور از آفاتِ نقصان عدل گستری کے باعث امن و امان کا گہوارہ بنا ہوا ہے اور جہاں پناہ کی نظرِ کرم سے عدل و احسان کا دائرہ نظر آتا ہے۔ خواص و عوام سے انسانوں کا ہر گروہ بادشاہ کی جانب مائل ہے، خاص طور پر عرفاں شعار علما اور وہ فاضل حضرات جن کی نگاہیں علوم دینیہ میں بہت وسیع ہیں، جو راہِ نجات کی جانب ہدایت کرنے والے اور درجات والے اہل علم کے راستوں پہ گامزن ہیں، وہ عرب و عجم سے اِن شہروں میں آکر سکونت پذیر ہوگئے ہیں اور تمام نامور علماء جو فروع و اصول کے جامع ہیں اور علمِ عقلیہ پر حاوی ہیں، جو دین و دیانت اور صداقت و انصاف والے ہیں، انھوں نے آیت:- اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی طاعت

حکم نمودند کہ مرتبۂ سلطان عادل عنداللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است ۔ و حضرت ..... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی ..... اعدل و اعقل و اعلم باللہ اند بنا بریں اگر در مسائلِ دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہنِ ثاقب و فکرِ صاحب خود یک جانب را از اختلاف بہ جہت تسہیل معیشتِ بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ بآں جانب حکم فرمایند متفق علیہ شود و اتباع آں بر عموم برایا لازم و متحتم است اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے را از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نباشد و سبب ترفیہ عالمیاں بودہ باشد عمل براں نمودن بر ہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت آں موجب سخطِ اخروی و خسرانِ دینی و دنیوی است ۔" [1]

کرو اور اپنے حاکم کی، کے پوشیدہ معانی میں بڑے تدبر اور پورے تامل سے کام لیا ہے اور احادیث صحیحہ مثلاً: تم میں قیامت کے روز سب لوگوں سے پیارا اللہ تعالیٰ کو امام عادل ہو گیا ۔ جس نے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی ۔ اس کے علاوہ بھی دلائل عقلیہ و نقلیہ کی رُو سے یہ قرار دیتے اور حکم ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد سے زیادہ ہے اور حضرت ..... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی ..... بہت عادل، بہت عقلمند اور صاحب علم و عرفان ہیں، لہٰذا اگر وہ اُن دینی مسائل ہیں، جو مجتہدین کے درمیان اختلافی ہیں، اپنے ذہن ثاقب اور فکر صائب سے ایک جانب کو اُس اختلاف سے، بنی آدم کی معاشی سہولت یا انتظامی امور کی کسی مصلحت کے پیش نظر اختیار کرتے ہیں یا اُس جانب کو اختیار کرنے کا حکم فرماتے ہیں تو اُس حکم پر سب کو اتفاقِ رائے

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص ۲۷۲

> کرنا ہوگا اور عام رعایا پر اُس کا اتباع لازم
> اور لابُدی ہوگا۔ اگر وہ محض اپنی رائے
> صائب ہی سے کوئی ایسا حکم دیں جو کسی نص
> کے خلاف نہ ہو اور مخلوقِ خدا کا اُس میں فائدہ
> ہو، تو اُس حکم پر عمل کرنا بھی ساری رعایا کے
> لئے لازم اور ضروری ہوگا اور اُس کی مخالفت
> آخرت کی بربادی اور دینی و دنیاوی نقصان
> کا باعث ہوگی۔

قارئین حضرات اِس محضر نامے کا بیشک بار بار مطالعہ کر کے دیکھ لیں لیکن اِس میں اسلام سے انحراف اور دینِ الٰہی جاری کرنے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ملے گا۔ طرّہ یہ کہ کتاب و سنت سے استدلال کیا ہے۔ اِس کے باوجود اسلام سے انحراف ہوا اور دینِ الٰہی جاری کیا گیا اور اُس ساری غیر اسلامی روِش کا سنگِ بنیاد یہی محضر نامہ ہے۔ قول و عمل کے اسی پُراسرار تضاد کو دیکھ کر تو کہا جاتا ہے۔ کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دِکھانے کے اور۔ آج بھی سیاسی جماعتوں کے منشور اور عمل کا حال کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ شطرنج وہی ایک ہے صرف چہرے مہرے بدل جاتے ہیں۔

مُلّا مبارک ناگوری وغیرہ جنھوں نے یہ محضر نامہ تیار کیا تھا، بلکہ جن سے تیار کروایا گیا تھا، اُنھوں نے اکبرِ دی گریٹ کو تقلیدِ مجتہدین سے کہ صرف آزاد قرار دیا بلکہ آئمہِ دین کے درمیان محاکمے کا حق عطا فرما دیا، یا بادشاہ نے یہ حق خود حاصل کر لیا۔ یہ مرحلہ طے کرنے کے بعد صرف ایک مصلح کا روپ دھارنا پڑتا ہے ورنہ ایسے اشخاص گمراہی اور گمراہ گری کی باقی منزلیں بڑی آسانی سے خود بخود طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجیے، جتنے حضرات نے بھی فرقے بنائے اُنھوں نے پہلے اپنی رائے منوانے کے لیے براہِ راست بزرگانِ دین

پر تنقید کی، اُن کی تحقیقات میں کیڑے نکال کر اپنی ہمہ دانی کا سکہ بٹھایا۔ جب اُن کی آواز پر بعض لوگوں نے کان دھرنے شروع کیے تو مُصلح کا روپ دھار کر اپنی علیحدہ پارٹی بنانی شروع کر دی۔ جب نیا فرقہ بنانے پر اعتراض کیا جاتا تو ایسے نام نہاد مصلح اور حقیقت میں مفسد کی جانب سے یہی جواب ملتا کہ ہم فرقہ کب بنا رہے ہیں؟ ہم تو فرقہ سازی کو بدترین لعنت سمجھتے ہیں۔ ہم تو مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا کرنا چاہتے ہیں جو کتاب و سنت کی تعلیمات پر عقل کی روشنی میں عمل کریں اور بزرگوں کی اندھی تقلید اور بعض لوگوں کی جاری کردہ غلط باتوں سے اجتناب کریں۔ غرضیکہ وہ اپنا مطمحِ نظر اصلاح کرنا اور فساد و گمراہی کو روکنا ہی بتاتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد کے بانی اور ملّتِ اسلامیہ کے بدخواہ ہوتے ہیں۔

دُور کیوں جائیں، متحدہ ہندوستان کی تاریخ دیکھ لیجیے۔ انگریز نے اِس مُلک میں قدم رکھے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی والی شرارت کو بھی ساتھ لے آئے تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔ مقدس سرزمینِ عرب میں وہاب کا تجربہ کامیاب ثابت ہو چکا تھا، اب اِسے متحدہ ہندوستان میں آزمانے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے شہرۂ آفاق خاندان کا ایک فرد یعنی شاہ صاحب کا حقیقی پوتا، مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۹۰۲ء) مذکورہ شرارت کی آبیاری کے لیے تیار ہو گیا۔ وہابیت کا بانی، فرقہ سازی کا موجد اور مصلح کے رُوپ میں فتنہ و فساد کا سنگِ بنیاد رکھنے والا بن گیا۔

اِسی طرح دیوبندی جماعت کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) غیر مقلد فرقے کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) مرزائی جیسے غیر مسلم فرقے کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) منکرینِ سنت کی پرویزی جماعت کے بانی مسٹر غلام احمد پرویز اور جماعتِ اسلامی کے نام سے تازہ

فرقہ ایجاد کرنے والے جناب مودودی صاحب بھی مصلح کے رنگ روپ میں جلوہ افروز ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا اور ہے کہ قرآن و سنت کی خالص تعلیم بس انہی کے پاس ہے۔ دینِ اسلام کی صحیح بصیرت اور سوجھ بوجھ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا فرمائی ہے تو وہ صرف مابدولت کی ذات ہے۔ کھرا مال صرف اسی دکان سے مل سکتا ہے اور دوسروں کا مال ملاوٹ سے خالی نہیں ہے۔

مذکورہ حضرات میں سے ہر ایک نے فرقہ سازی کی مذمت کی ہے لیکن خود فرقہ بنایا۔ فتنہ و فساد کی زبردست مخالفت کی ہے۔ لیکن خود فرقہ بنایا فتنہ و فساد کی زبردست مخالفت کی ہے لیکن خود فتنہ و فساد کی پختہ بنیادیں رکھی ہیں۔ اصلاح کی اہمیت و ضرورت پر بڑے خوشنما اور دلآویز بیانات دیئے ہیں لیکن خود اصلاح سے کوسوں دور رہے ہیں۔ ان کا مطمح نظر اور ان کی اصلاح کا محور و مدار بس یہی ہوتا ہے کہ مخلوقِ خدا ان کی گرویدہ ہو جائے انھیں اپنی عقیدت کا مرکز بنا لے، ان کے متعلق یہ تاثر عام ہو جائے کہ دین کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو وہ صرف فلاں صاحب مدظلہ العالی کی ذات ہے۔ اس طرح انھیں دولت ملے گی —— عزت ملے گی —— شہرت ملے گی —— راحت ملے گی —— یہ زندگی بڑی ٹھیک آرام سے بسر ہو جائے گی۔ رہا اپنا اور متبعین کی عاقبت کا معاملہ، تو وہ بھاڑ میں جائے یا جہنم میں یہ ایسا سوچنے کی کب کسی نے ضرورت محسوس کی؟ اور جس نے ضرورت محسوس کی وہ اس پُر خطر راہ کو چھوڑ کر راہِ راست پر آگیا۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيز۔

بہرحال اکبر نے بھی اپنی عقل کے ذریعے جو دروازہ تلاش کیا اور ایک نیا مذہب جاری کر دیا، جس کا نام دینِ الٰہی رکھا گیا اور یہ تاثر پہلے ہی دینا شروع کیا ہوا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ایک ہزار سال تھی جو ختم ہو چکی ہے۔ جو اس مذہب کو اختیار کرتا اُسے ایک قسم کا حلف وفاداری اُٹھانا ہوتا تھا جسے اقرار نامہ کہتے ہیں اور اُس کے الفاظ یہ تھے۔

"منکہ فلاں بن فلاں باشم بہ طوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہارگانہ اخلاص کہ ترک مال و ترک جان و ناموس و دین باشد قبول کردم"[1]

میں فلاں بن فلاں بہ رضا و رغبت اور دلی شوق سے اُس مجازی اور تقلیدی اسلام سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں جو آبا و اجداد سے پایا تھا اور اُس سے لاتعلق ہونے کا اعلان کر اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس کے اخلاص کے چاروں مراتب یعنی ترک مال ۱، ترک جان ۲، ترک ناموس ۳ اور ترک دین ۴ کو قبول کرتا ہوں ۔

آج بھی ہر گمراہ گروہ مصلح کے بھیس میں لوگوں کے سامنے آتا ہے وہ حقیقی اسلام یعنی مذہب اہلسنت و جماعت کو مجازی اور تقلیدی بتا کر، اس میں پیش خویش کیڑے نکال کر، زعم علامگی میں آئمہ دین و عمائد اسلام کی پگڑیاں اچھال کر اپنی دکان سجانا اور اپنا فرقہ بناتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے گمراہ گری کے اس سیلاب کے سامنے بڑا پختہ بند باندھا تھا اور شاہجہان و اورنگ زیب جیسے بادشاہوں نے اُس پر پہرہ دیا تھا لیکن وائے بدنصیبی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بل بوتے پر مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے بڑی دیدہ دلیری سے اس بند کو توڑ دیا۔ اب یہ سیلاب مختلف اطراف سے مختلف شاخوں میں تقسیم ہو کر ملت اسلامیہ کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور کتنے ہی مسلمانوں کے دین و ایمان کا بیڑہ غرق کر چکا ہے۔ اور کتنے ہی حضرات کا ایمان خطرے میں ہے، جو تلاطم خیز موجوں کے تھپیڑے کھاتا اور اس طوفان بلاخیز کی موجوں کے ساتھ بہتا جا رہا ہے۔ اور حالات کی ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس سیلاب میں کمی واقع ہونے پہ نہیں آتی بلکہ اور شدت ہی اختیار کرتا جا رہا ہے ——— بہرحال اکبر بادشاہ

---

[1] منتخب التواریخ، ص ۲۷۳

نے ہی سب سے پہلے متحدہ ہندوستان میں اسلامی یک جہتی کا بند توڑا تھا اور اپنے دینِ الٰہی کے کلمے کا تعین اِن لفظوں میں کیا تھا:-

"قرار دادند کہ بہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ، اکبر خلیفۃ اللہ علانیہ تکلیف نمایند"[1]

حکم دیا گیا تھا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کہنے کا علانیہ مکلف ٹھہرایا جائے۔

دینِ الٰہی جاری کرنے کے بعد بادشاہ کی عبادت گزاری کچھ اِس قسم کی ہو گئی تھی:-

عبادت آفتاب را روزے چہار وقت کہ سحر و شام و نیم روز و نیم شب باشد لازم گرفتند و ہزار و یک نام ہندی آفتاب را وظیفہ ساختہ نیم روز متوجہ آں شدہ بحضور دل می خواندند و ہر دو گوش گرفتہ و چرخ زدہ مشتے بر بنا گوش کوفتہ حرکاتے دیگر نیز ازیں قبیل بسیار بود و قشقہ کشیدند و نوبت و نقارہ یکے در نیم شب و یکے در وقت طلوع قرار یافت[2]

آفتاب کی عبادت کرنے کے لیے روزانہ چار وقت مقرر تھے۔ صبح، شام، دوپہر اور آدھی رات کو (بادشاہ) مزود عبادت کرتے اور سورج کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ کرتے یعنی سورج کی جانب حضورِ قلب سے متوجہ ہو کر پڑھا کرتے اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چکر کھاتا اور اپنے کانوں پر مکّہ مارتا اور اسی قسم کی بہت سی حرکتیں کرتے اور بادشاہ قشقہ بھی لگاتے تھے آدھی رات کو اور طلوعِ آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا تھا۔

بادشاہ صرف سورج کی پوجا ہی نہیں کرتا تھا بلکہ کتنے ہی مظاہرِ قدرت کا پجاری بن کر رہ گیا تھا۔ ایک خدا کی عبادت سے منحرف ہونے والا ہزاروں فرضی آستانوں پر سربسجود ہونے لگا تھا۔ مورخ بدایونی نے لکھا ہے:-

---

[1] منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ، ص ۲۷۳ [2] ایضاً، ص ۳۲۲

ہم چنیں آتش و آب و سنگ و درخت و سائر مظاہر روزگار تا گاؤ و سرگین آں نیز و قشقہ و زنّارا جلوہ دادو دعا تسخیر آفتاب کہ ہندواں تعلیم دادہ بودند بہ طریق ورد در نیم شب و وقت طلوع خواندن گرفتند[1]

اِسی طرح آگ، پانی، پتھر، درخت اور جملہ مظاہر قدرت کی (بادشاہ سلامت) پوجا کرتے حتیٰ کہ گائے اور اُس کے گوبر کی اور اپنے بدن پر زنار آراستہ کرتے اور تسخیر آفتاب کی اُس دعا کو آدھی رات اور بوقت طلوع آفتاب بطور وظیفہ پڑھتے جو ہندوؤں نے سکھائی تھی۔

اسی پر بس نہیں بلکہ بادشاہ کے علاوہ دینِ الٰہی کے پیروکاروں کے لئے بادشاہ پرستی بھی ضروری ہو کر رہ گئی تھی، جیسا کہ ملّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

ہر صباح در وقت عبادتِ شمس بجھروکہ تا طلعت مبارک نے دیدند، سواک و طعام و آب بر ایشان حرام بود و در ہر شبے صاحب حاجتے و نیاز مندے از ہندو و مسلم و انواع طوائف مرد و زن، صحیح و سقیم را آنجا بارِ عام بود و کار بارے طرفہ و ہنگامہ گرمی و ازدحام عظیمے و ہمیں کہ از تسبیح ہزار و یک نام نیّرِ اعظم فارغ شدہ از حجاب بری آمدند ایں جماعت در سجودے افتادند"[2]

صبح کے وقت جب بادشاہ جھروکے میں آفتاب کی پوجا کرتا تو چیلے جب تک بادشاہ کی زیارت نہ کر لیتے اُس وقت تک مسواک کرنا اور کھانا پینا اُن پر حرام تھا۔ روزانہ رات کے وقت ہر ضرورت مند اور معتقد کو، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، مرد ہو یا عورت، تندرست ہو یا بیمار، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی عام اجازت تھی۔ اِس سے ہنگامہ برپا ہوتا اور بڑی بھیڑ لگ جاتی اور جب بادشاہ سورج کے ایک ہزار ایک نام کے وظیفے سے فارغ

---

[1] ایضاً، ص ۲۶۱

[2] منتخب التاریخ، ج۲، ۳۲۶

ہو کر پردے سے باہر آتے تو وہ ساری جماعت (بادشاہ کے حضور) سجدے میں گر جاتی۔

اسی لیے تو شاعرِ مشرق، علامہ سر محمد اقبال مرحوم نے فرمایا ہے :-

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

بادشاہ کے لیے سجدہ کرنا جہاں دینِ الٰہی کا جزو قرار دیا گیا تھا وہاں اِس کو زمین بوس کے نام سے شاہی آداب کا تقاضا بھی شمار کیا گیا تھا۔ مورخ بدایونی نے اِس ستم ظریفی کا تذکرہ یوں کیا ہے :-

"سجدہ برائے او تجویز کردہ آں را زمین بوس نامیدند و رعایتِ ادب پادشاہ را فرضِ عین شمردہ روئے او را کعبۂ مرادات و قبلۂ حاجات دانانیدند و بعضے روایات مرجوحہ و عملِ مریدانِ بعضے مشائخِ ہند را دریں باب تمسک آوروند۔"[1]

بادشاہ کے لیے سجدہ کرنا تجویز کیا گیا اور اس کا نام زمین بوس رکھا اور بادشاہ کا ادب ملحوظ رکھنا فرضِ عین قرار دیا گیا۔ وہ بادشاہ کے چہرے کو مرادوں کا کعبہ اور حاجتوں کا قبلہ جانتے تھے اور بعض کمزور روایات نیز مشائخِ ہند کے بعض مریدوں کے عمل سے (بادشاہ کو سجدہ کرنے) اِس بات کو ثابت کرتے تھے۔

ستم ظریفی تو دیکھیے کہ اسلام جیسا فطری دین تو اکبر کی نگاہوں میں مہمل اور نامعقول ہو کر رہ گیا اور وہ دینِ الٰہی جو بے عقلی بلکہ بدعقلی کا شاہکار تھا اُس کا دار و مدار عقل و دانش پر بتایا گیا۔ اِسی سلسلے میں مُلّا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے :-

---

[1] منتخب التواریخ : ص ۳۲۶۔

نماز روزہ و جمیع نبوات را تقلیدات نام نہادند یعنی غیر معقول و مدارِ دین بر عقل گذاشتند نہ نقل“ [1]	نماز روزہ اور جملہ نبوی تعلیمات کو تقلیدات کا نام دیا گیا یعنی سب نامعقول ہیں اور کہا کہ دینِ الٰہی کا مدار عقل پر ہے نہ کہ نقل پر۔

بلکہ جس دینِ برحق کے بارے میں اللہ جل مجدہ نے وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فرمایا ہے اسی سے اکبر کو چڑ ہوگئی تھی اور اُس کی حقانیت کا سرے سے منکر ہو بیٹھا تھا۔ چنانچہ مؤرخ بدایونی نے اِس سلسلے میں یُوں وضاحت فرمائی ہے:۔

برغمِ اسلام ہر حکمے کہ اربابِ ادیان، دیگر یاں می کردند آں را نصِ قاطع شمردند بخلاف دینِ ملت کہ ہمہ آں نامعقول و حادث و واضع آں فقرائے عربان [2]	بادشاہ اسلام کی ضد میں جو حکم دیگر مذاہب والے کرتے اُسے نصِ قاطع شمار کرتا تھا، اِس کے برعکس ملتِ اسلامیہ کے دینِ برحق کو نامعقول، جدید اور غربائے عرب کا گھڑا ہوا قرار دیتا تھا۔

اس سلسلے میں موصوف نے بادشاہ کے مخصوص مزاج کے متعلق یہ بھی لکھا ہے:۔

ہرچہ خوش می آورد از ہر کس غیر از مسلماناں التقاط و انتخاب نمودہ و از اینچہ نامرضیِ طبع و خلافِ خواہش بود احتراز و اجتناب لازم می دانستند“ [3]	مسلمانوں کے علاوہ جس شخص کی جو بات بھی بادشا کو پسند آجاتی اُس کا (دینِ الٰہی کے لیے) انتخا کر لیا جاتا تھا، لیکن جو بات طبیعت کے ناموافق اور مرضی کے خلاف ہوتی اُس سے احتراز و اجتناب لازم سمجھتے تھے۔

اکبر کی اسلام دشمنی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن علمائے سوء خطبوں میں بادشاہ کی قصیدہ ہ

---

[1] ایضاً، ص ۲۶۹

[2] منتخب التواریخ: ص ۲۵۶

[3] ایضاً، ص ۲۵۶۔

خوانی کرتے تھے۔ خدا کے ساتھ اگر کسی کا ذکر کرتے تو وہ بادشاہ کی ذات تھی کہ توحید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اِس سلسلے میں لکھا ہے :۔

علماء سوء در تصنیفات از خطبہ تبرّا می ، آوردند و اکتفا بہ توحید کردند و القاب پادشاہی می نوشتند و مجال نہ بود کہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم المکذبین بہ برند۔“[1]	علمائے سوء اپنی تصانیف میں خطبہ لکھنے سے گریز کرنے لگے۔ وہ توحید پر اکتفا کرتے اور بادشاہی القاب لکھتے اُن کی مجال نہ تھی کہ جھٹلانے والوں (درباری آدمیوں) کے روبرو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی زبان پہ لاتے۔

مؤرخ بدایونی کا یہ بیان بھی اسلام کے ہر خیر خواہ کو دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے۔

در دیوان خانہ ہیچ کس یارائے آں نہ داشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند“[2]	کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ دیوان خانے میں علی الاعلان نماز ادا کر سکتا۔

عربی کی تعلیم سرکاری حکم سے بند کر دی گئی تھی جیسا کہ مؤرخ بدایونی نے لکھا ہے :۔

دریں سال حکم شد کہ ہر قوم ترک علوم عربیہ نمودہ از علومِ غریبہ از نجوم و حساب و طب و فلسفہ نخوانند“[3]	اسی سال شاہی حکم نافذ ہوا کہ ہر قوم عربی علوم کی تعلیم و تدریس بند کر دے اور نجوم و ریاضی و طب و فلسفہ جیسے علومِ غریبہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھیں۔

اسلامی علوم اور عربی زبان کے ساتھ تو اکبر کا سلوک یہ تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہندو دکے اِس مغلِ اعظم نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو کس نظر سے دیکھا تھا۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اِس

---

[1] منتخب ایضاً : ۲۹۹، [2] ایضاً ، ص ۳۱۵

[3] منتخب التواریخ ، ص ۳۶۳

سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے کہ ایک روز بادشاہ نے ایک مجمع کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"اکثر کتابہائے ہندی را کہ دانایان مرتاض عابد نوشتہ اند وہمہ صحیح و نص قاطع است و مدارِ دین و اعتقادات و عبادت اِیں طائفہ برآنست ترجمہ از ہندی بزبان فارسی فرمودہ چرا بنام خود نہ سازم کہ غیر مکرر و تازہ رغبت و ہمہ مثمر سعادات دنیوی و دینی و منتج حشمت و شوکت بے زوال و مستوجب کثرتِ اموال و اولاد است"[1]

اب ہندی زبان کی مذہبی کتابیں جو مرتاض و عابد دانشمندوں کی لکھی ہوئی ہیں اور سب کی سب صحیح اور یقینی ہیں اور اُن لوگوں کے دین، عقائد اور عبادتوں کا دار و مدار جن کتابوں پر ہے، میں کیوں نہ اُن کتابوں کا ہندی زبان سے فارسی میں اپنے نام سے ترجمہ کرواؤں، اِس طرح وہ مکرر بھی نظر نہ آئیں گی اور تازہ دکھائی دیں گی اور وہ کتابیں دینی اور دنیاوی سعادتوں کی ضامن ہیں۔ اِن کے ذریعے بے زوال شان و شوکت حاصل ہو سکتی ہے اور یہ مال و اولاد کی کثرت کا باعث بن سکتی ہیں۔

ہندومت سیکھنے اور ہنود کے اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہ کی جانب بادشاہ کی رغبت ملاحظہ ہو:۔

چند گاہے دیوی برہمن کہ از معبرانِ مہابھارت بود بر چارپائی نشاندہ و بالا کشیدہ نزدیک بشنسرے کہ آں را خوابگاہ ساختہ بودند معلق داشتند از وے اسرار و افسانہائے ہندی و طریقِ عبادت اصنام و آتش و آفتاب و

ایک مدت تک دیوی پنڈت کو، جو مہابھارت سنانے والوں میں سے تھا، چارپائی پہ بٹھا کر اُس مکان پر اُوپر کی جانب کھینچ لیا جاتا تھا، جسکو محل کے نزدیک بادشاہ نے اپنی خوابگاہ بنایا ہوا تھا۔ اُس سے ہندومت کی خاص

---

[1] ایضاً ص ۲۳۰

تعظیمِ کواکب واحترامِ سلاطینِ کفرو از برہما ومہادیو وبشن وکشن ومہامائی …… شنیدہ بآں جانب گرائیدند۔[1]

سُننا، بُت پرستی، آتش پرستی اور آفتاب پرستی کے طریقے سیکھتا اوتاروں کی تعظیم بادشاہوں کی تعظیم کے ہندوانی اُصول معلوم کرتا اور اکابرِ ہنود۔ برہما، مہادیو، بشن کشن اور مہا وغیرہ کے بارے میں سُنتا اور اُن کی جانب مائل ہوتا۔

ہندومت کی جانب اکبر کا یہ رجحان تھا اور اپنے آبائی دین کی صحت وصداقت کا اس درجہ منکر ہو بیٹھا کہ اُس کی ہر خوبی بھی اُسے خامی نظر آنے لگی تھی۔ حاملینِ اسلام کے مقدس افراد کو رہزن سمجھنے لگا تھا، جیسا کہ مذکور ہے:۔

ملّتِ اسلام را نامعقول وحادث و واضعِ آں فقرائے عرباں بودند کہ جملہ مفسدان وقطاع الطریق آوردا آں دو بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بہ طریق نقل آوردہ متمسک می ساختند۔[2]

ملّتِ اسلامیہ کے علمی سرمایے کو نامعقول، حادث اور عرب کے غربا کا گھڑا ہوا قرار دیتا اور اُن حضرات کو فسادی اور ڈاکو ٹھہراتا تھا اور اِس باطل نظریہ پر شاہنامۂ فردوسی کے دو شعروں کی سند پکڑتا تھا، جو فردوسی طوسی نے نقل کے طور پر اپنے شاہنامے میں درج کیے تھے۔

فخرِ دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جن کی مقدس ذات بے سہاروں کا سہارا جن کی یاد بے چین دلوں کا چین اور جن کا اسمِ گرامی خالق ومخلوق کا سب سے پسندیدہ نام ہے، وہ باعثِ قرارِ زمین وآسماں اسمِ گرامی بھی اکبر بادشاہ کی سماعت پر گراں گزرنے لگا تھا، جیسا کہ مورخ بدایونی نے لکھا ہے:۔

---

[1] منتخب التواریخ: ص ۲۵۸

[2] ایضاً: ص ۳۰۷

"نام محمد و احمد و مصطفےٰ و امثال آں بجہت کافران بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد تا بسرور ایام اسامی چندرا از مقربان کہ بایں نام مسمیٰ بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد و محمد خاں را رحمت می خواندند و می نوشتند"[1]

محمد، احمد اور مصطفےٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں اور اندرونی کافر عورتوں کے پاسِ خاطر سے گراں گزرنے لگے تھے اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد مقربینِ سلطانی میں سے چند ایسے لوگوں کے نام تبدیل کر دیئے گئے۔ مثلاً یار محمد اور محمد خاں کو رحمت کہا کرتے اور ایسا ہی لکھا کرتے۔

اِس کے ساتھ ہی دیگر اسلامی عقائد و نظریات کے بارے میں بھی بادشاہ کا طرزِ عمل معاندانہ ہو کر رہ گیا تھا۔ مثلاً:-

"خلق را بخلقِ قرآن و توغل در استحالۂ وحی، تشکیک در نبوت و امامت امتحان کردند، وجود جن و ملک و سائر مغیبات و معجزات و کرامات را انکار صریح آوردند و تواتر قرآن و ثبوتِ کلامیت آں و بقائے روح بعد از اضمحلالِ بدن و ثواب و عقاب را بغیر از تناسخ محال می شمردند"[2]

لوگوں کو بتاتے کہ قرآن مخلوق ہے۔ وحی کے محال ہونے میں غلو سے کام لیا جاتا۔ نبوت و امامت کے مسائل میں لوگوں کا امتحان لیا جاتا۔ جنات، فرشتوں اور تمام پوشیدہ چیزوں نیز معجزات و کرامات وغیرہ کا کھل کر انکار کیا جاتا۔ تواترِ قرآن اور اِس کے کلامِ الٰہی ہونے اور جسم کے فنا ہو جانے کے بعد عذاب و ثواب کی خاطر رُوح کے باقی رہنے کو محال شمار کرتے تھے ماسوائے تناسخ کی صورت کے۔

مُلا عبدالقادر بدایونی نے اِسی سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے:-

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص ۲۱۵

[2] منتخب التواریخ: ص ۲۷۳

"در ہر رکنے از ارکانِ دین و ہر عقیدہ از عقیدۂ اسلامیہ چہ در اصول وچہ در فروع مثل نبوت وکلام ورویت وتکلیف وتکوین وحشر ونشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر واستہزا آوردہ"[1]

ارکانِ دین سے ہر رکن اور اسلامی عقائد سے ہر عقیدے کے متعلق خواہ اُس کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے جیسے نبوت وکلامِ الٰہی ورویتِ باری تعالیٰ وانسان کا مکلّف ہونا، عالم کی تکوین اور حشر ونشر وغیرہ کے بارے میں ہنسی مذاق کے ساتھ طرح طرح کے شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کی خشتِ اول، فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کے تربیت یافتہ افراد یعنی حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق اکبر سے کسی نیک گمان کی کیا توقع ہو سکتی تھی جبکہ حبیبِ پروردگار سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُسے کدورت تھی اور اُس کا طرزِ کلام ایک دشمن جیسا ہو کر رہ گیا تھا۔ صحابۂ کرام کے بارے میں اکبر کے رویے پر ملا عبدالقادر بدایونی نے یوں روشنی ڈالی ہے:۔

"وآنچہ در حقِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم در وقتِ خواندنِ کتبِ سیر مذکور می ساختند خصوصاً در خلافتِ خلفائے ثلثہ وقضیۂ فدک وجنگِ صفین وغیر آں کہ گوش از استماعِ آں کر باد خود بزبان نتواں آورد"[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کتبِ سیر کے مطالعہ کے وقت، اور خاص طور پر مسئلہ خلافت اور خلفائے ثلاثہ کے ذکرِ مبارک اور فدک وجنگِ صفین وغیرہ جھگڑوں کے وقت جو الفاظ کہے جاتے، اُن کے سننے سے پہلے کان بہرے ہو جاتے اور انھیں میں اپنی زبان پہ نہیں لا سکتا۔

---

[1] ایضاً: ص ۲۰۰

[2] ایضاً ص ۳۰۰

یہ تھی اسلام کا مخالف اور دینِ الٰہی کا موجد بننے والے ہندنما مسلم اکبر بادشاہ کی کرتوت گویا۔

سہ راہزن نکلے ہیں تاجِ خسروی پہنے ہوئے
چور کہلا ہیں گے اب ملّت کے میرِ کارواں :

اکبر کے اُس پُرفتن دَور میں، جس کی ماضی قریب میں گاندھوی حضرات نے پوری نقل پیش کی تھی، ہندوؤں کے نزدیک ہونے اور اُن سے وِداد و اتحاد کرنے کے باعث کتنے ہی مسلمانوں کے دین و ایمان کا بیڑہ غرق ہو گیا تھا۔ اُن کے معمولات اور طور طریق بھی تبدیل ہو گئے تھے۔ عام مسلمانوں کی دینی تبدیلی اور ہندو نوازی کے باعث جو حالت ہو گئی تھی، اُس کے بارے میں حضرات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :-

«رسوماتِ شرک کی تعظیم اور کفریہ مراسم کے احترام کو مشرک ہونے میں بڑا دخل ہے۔ دو دینوں کو سچا جاننے والا بھی مشرک ہے اور اسلام و کفر کے احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک۔ کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کی آمیزش سے بیزاری توحید کا تقاضا ہے۔ بیماری اور مصیبتوں میں، شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا، جو جاہل مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور گھڑے ہوئے پاہن گھڑے پتھروں سے حاجتیں مانگنا، نفس کفر اور واجب الوجود تبارک و تعالیٰ کا انکار ہے...

اکثر عورتیں اپنی کمالِ جہالت کے باعث اِس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور اُن بے مسمّٰی اسماء سے اپنی مصیبتیں دُور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور مشرکوں کی شرکیہ رسومات کے ادا کرنے میں مبتلا ہیں۔ خاص طور پر اُن کی یہ عادتِ بد چیچک کی بیماری پھیلنے کے وقت دیکھی جاتی ہے جسے ہندی بان میں سیتلا کہتے ہیں۔ کوئی عورت ہی ایسی ہوگی جو اِس باریک شرک سے خالی ہو اور شرکیہ استمداد کی رسومات میں سے کسی رسم کا مرتکب نہ ہو [illegible]

بچائے۔ اور ہنود کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا، اُن دنوں میں ہنود کی متعارف رسومات کا ادا کرنا شرک کو مستلزم اور کفر کا مستوجب ہے، جیسا کہ کفار کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان اور خصوصاً اُن کی عورتیں کافروں کی رسمیں ادا کرتے ہیں اور انھیں اپنی عید کی طرح مناتے ہیں۔ اور کافروں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور کافروں کی طرح اُن دنوں میں اپنے برتنوں کو رنگتے ہیں اور انھیں سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہیں اور اُن مخصوص ایام میں ان باتوں کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ شرک اور دینِ اسلام کا انکار ہے۔“ [1]

اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ اکبری دور میں گزر رہی تھی اُس کے تصور ہی سے ایک دردمند اور صاحبِ ہوش و حواس انسان خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کے، دردمندوں اور اسلام کے بہی خواہوں کے سینے حالات کی اس ستم ظریفی کو دیکھ کر پھٹ رہے تھے۔ وہ خون کے گھونٹ پیتے اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے۔ کسی کی پیش نہیں جا رہی تھی ذرا بولتے تو سامنے موت کا اژدھا منہ کھولے ہوئے نگلنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ جو بولے وہ قتل کروا دیئے گئے یا جلاوطن کیے گئے۔ پورے ملک کی فضائیں، گوشہ گوشہ اور ذرّہ ذرّہ اُس مردِ مجاہد کا منتظر تھا، جو ایسے نامساعد حالات میں آ کر گمراہی کے بپھرے ہوئے سیلاب کا رُخ پھیرا کرتا ہے، جو اصطلاحِ شرع میں دین و ملّت کا مجدد کہلاتا ہے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں اور محمدی کچھار کا ایک شیر سرہند نامی قصبہ سے برآمد ہوتا ہے، حالات کا بغور جائزہ لیتا ہے، جگر خراش حالات پر خون کے آنسو روتا، دوسروں کو رُلاتا یوں بلبلاتا اور آہیں بھرتا ہوا نظر آتا ہے۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۱

"قبل ازیں غلبہ اور طاقت کے باعث کفار اس دار اسلام میں احکامِ کفر جاری کرتے رہے ہیں اور مسلمان اسلامی احکام کے ظاہر کرنے سے مجبور اور عاجز تھے اگر مسلمان ایسا کرنے کی جرأت کرتے تو قتل کر دیئے جاتے تھے، ہائے ہلاکت ہائے مصیبت! ہائے افسوس اور غم! رب العالمین کے محبوب، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ماننے والے ذلیل و خوار کیے گئے اور آپ کے منکروں کی تعظیم و تکریم کی گئی۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ مصروفِ ماتم تھے اور مخالفین و معاندین تمسخر اور استہزا کے ذریعے اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے حجابوں میں رُوپوش تھا" [1]

شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یُوں اپنا دردِ دل دکھانے اور حمایتِ اسلام پر اُکسانے کے بعد سلطنتِ مغلیہ کے اہم رکن اور بادشاہ کے خاص معتمد یعنی خانِ اعظم علیہ الرحمہ کو یُوں، نغمۂ دِل سنایا جاتا ہے:-

"غربتِ اسلام اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کُھل کر اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے پھر رہے ہیں۔ اور بے دھڑک احکامِ کفر کا اجرا اور کوچہ و بازار میں کفار کی مدح و ثنا کرتے پھر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اسلامی احکام جاری کرنے سے روک دیا گیا ہے اور احکامِ شرع بجا لانے پر اُن کی مذمت کی جاتی ہے۔ اور اُن پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہوتی ہے گویا پری تو منہ چھپائے اور دیو ناز نخرے دکھائے۔ تعجب سے عقل جلتی ہے کہ یہ کیا طرفہ تماشا ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ۔ منقول ہے کہ شرع تلوار کے نیچے ہے شریعت

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب، ۴۷۔

مطہرہ کی رونق شاہانِ اسلام سے وابستہ ہے۔ یہ جملہ الٹ گیا ہے۔ معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ ہائے حسرت! ہائے ندامت! ہائے افسوس!“[۱]

آپ نے میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھ بھرے دل کی یہ داستان یوں سنائی:۔

”اے بہت آثار! اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ کے مطابق شریعتِ مطہرہ کا رواج سلاطینِ اسلام کے حُسنِ اہتمام سے وابستہ ہے۔ کچھ عرصے سے اس بات میں کمزوری آگئی جس کے باعث اسلام یقیناً کمزور ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے کافر بے دھڑک مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور اُن کی جگہ اپنے مندر تعمیر کر رہے ہیں تھانیسر کے کروکشیتر حوض کے اندر ایک مسجد تھی اور کسی بزرگ کا مقبرہ انھیں گرا کر اُن کی جگہ ایک بہت بڑا مندر بنا لیا ہے۔ علاوہ بریں کفار برملا کفریہ رسمیں ادا کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام نافذ کرنے سے عاجز ہیں۔ ایکادشی کے روز ہندو برت رکھتے ہیں۔ اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ اپنے شہروں میں بھی اُس روز کوئی مسلمان نہ سرِ بازار روٹی پکائے، نہ فروخت کرے، نہ شارعِ عام کھائے پیئے۔ لیکن رمضان المبارک کے مہینے میں ہندو برملا کھانا پکاتے اور بیچتے ہیں مگر کمزوری کے باعث کوئی مسلمان انھیں ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔“[۲]

صوبہ بہار کے گورنر، جناب لالہ بیگ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دردناک دُکھڑا یوں سنایا:۔

”قریباً ایک صدی سے اسلام کی غربت اور کمزوری اس حد کو پہنچ گئی کہ بلادِ اسلام میں کفار فقط احکامِ کفر کے جاری ہو جانے پر ہی رضامند نہیں ہوتے

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۶۵ [۲] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۹۲

> بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام کا نام و نشان مٹ جائے اور اسلام و مسلمین کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ ان کی جرأت و جسارت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلام کے اظہار کی جرأت کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو ہندوستان کے اندر اعظم شعائر سے ہے، اب صورتِ حال یہ ہے کہ کفار شاید جزیہ دینے پر رضامند ہو جائیں لیکن ذبیحہ گاؤ پر راضی ہونے کو تیار نہیں۔"[1]

قارئین حضرات! یہ تھی اکبری دور کی دردناک کہانی اور یہ ہیں سرہند شریف کے حضرت امامِ ربانی، جنھوں نے اپنے دور کے بپھرے ہوئے گمراہی کے سیلاب کا رُخ پھیر کر اور ملتِ اسلامیہ کی رگوں میں تازہ خون جاری کر کے مجددِ الفِ ثانی ہونے کا ایسا انمٹ ثبوت پیش کیا جو تاریخِ اسلام کا ایک سنہری باب بن گیا ہے —— اگر حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی چاہتے تو اپنے پیر خانے میں آرام سے بیٹھے ورد وظائف اور تلقین و ارشاد فرماتے رہتے۔ اور موجودہ پیرانِ عظام کی طرح بڑے مزے سے زندگی بسر کر جاتے۔ نہ قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے، نہ گوالیار کے قلعے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں محبوس ہوتے اور نہ شاہی عتاب ان پر نازل ہوتا لیکن انھوں نے ہر قسم کے مظالم کو محض اس لیے خندہ پیشانی سے برداشت کیا کہ مسلمان کو اس کس مپرسی کی حالت سے نکالا جائے۔ گلشنِ اسلام کو بہار در کنار کیا جائے اور مسلمانوں کو ان کے مقام سے آگاہ کر کے ان کی کھوئی ہوئی عزت و عظمت انھیں واپس دلوا دی جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ ہمتِ مردانہ اور جذبِ بلندانہ سے کام نہ لیتے تو اسلام کسی طرح بھی ہم تک نہ پہنچتا بلکہ کبھی کا راستے ہی میں کھپ گیا ہوتا۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں، —

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی دفترِ اول، مکتوب ۸۱

؎ ہند میں اسلام زندہ تیری کوشش سے ہوا
ہم ہیں ممنونِ کرم، احسان ترا سرکار ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ قوتِ روحانیہ کے علمبردار تھے۔ یعنی آپ شیخِ طریقت تھے لیکن جب ملتِ اسلامیہ کی تینوں طاقتوں میں خلل واقع ہو گیا اور خاص طور پر قوتِ دفاعیہ نہ صرف کوتاہی کی مرتکب ہوئی بلکہ ملتِ اسلامیہ سے غداری کر کے کفر کی محافظ اور اسلام کی مخالف بن بیٹھی تھی تو متحدہ ہندوستان میں اس وقت مسلمان ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئے تھے جو دل ہلا دینے والا اور جگر خراش تھا۔ آپ نے بڑے حکیمانہ انداز میں تینوں قوتوں کی اصلاح فرمائی اور دنیا نے دیکھا کہ جس تختِ شاہی پر بیٹھنے والا اسلام کا دشمن اور کفر کا محافظ بنا ہوا تھا، وہی تخت آئندہ اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا جو اسلام کے محافظ اور کفر کا ناطقہ بند کرنے والے ثابت ہوئے۔ دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ ایک جانب جاہ و جلال میں بدمست شہنشاہ اجسام پر حکومت کر کے شجرِ اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے تو دوسری جانب ایک خالی ہاتھ فقیر فتوحاتِ مدینہ سے سرشار ہو کر اُسی شجرِ اسلام کو بہاروں سے ہمکنار کر کے تر و تازہ دکھانے پر تُل گیا ہے۔ اُس کی حکومت اجسام پر تھی اور ان کی قلوب و اذہان پر۔ وہ اپنے ساز و سامان پر نازاں تھا اور یہ اپنی بے سر و سامانی پر، کیونکہ جو کچھ وہاں تھا وہ یہاں نہیں تھا اور جو کچھ یہاں تھا، وہ وہاں نہیں تھا۔ وہاں فانی سامان تھا اور یہاں باقی۔ فانی فنا ہو گیا اور باقی رہا اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

؎ مٹ گئے مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزری تھی، سرزمین پاکستان میں اس مملکتِ خداداد میں حالات اُس سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ کہا یہی گیا تھا کہ اس سرزمین پاکستان میں، اِس مملکتِ خداداد میں لا الٰہ الا اللہ کی حکومت ہو گی لیکن حالات کی

ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ غیر مسلموں کے قوانین تو رائج ہوتے رہے ہیں لیکن اِس نظریاتی مملکت میں قانونِ الٰہی کا نفاذ نہیں ہوا۔ اکبری دور میں جس طرح کفریہ احکام جاری کیے جاتے تھے اِسی طرح یہاں بھی بے دھڑک کافروں کے قوانین نافذ ہوتے رہے ہیں۔ اُس وقت ہندو زدہ معاشرہ تھا تو گاندھویت کے دور میں یہ ستم ظریفی بھی عین شباب پر تھی اور ستم تو یہ ہے کہ ہندو کے اُن غلاموں اور گاندھی کے پجاریوں کو پاکستان میں بھی شیخ الہند، شیخ الاسلام اور امام الہند کہا جاتا ہے حالانکہ دورِ حاضر میں وہ ابوالفضل کی آفس کاپی تھے۔ مغربی تہذیب تو اوڑھنے بچھونے کا اوڑھنا بچھونا ہی بنی ہوئی ہے لیکن کمیونزم کے جراثیم بھی پوری سرگرمی سے جسدِ ملت میں سرایت کرتے جا رہے ہیں۔ مختلف غیر اسلامی نظریات یہاں اسلامی اقدار کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں، یہ سب کچھ حکومتوں کی سرپرستی میں ہوتا رہا ہے لیکن مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کرنے والی کوئی ہستی منظرِ عام پر نہیں آتی۔

مذہبی اختلافات ہیں کہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ عالمانِ دین ایک دوسرے کی جڑیں کاٹتے ہیں اور فکر سے عاری ہو چکے اور ہمہ تن شکم پروری میں مصروف ہیں۔ مشائخ عظام ہیں کہ انھیں ملک و ملت سے کوئی سروکار ہی نہیں رہا۔ اسلامی اقدار بڑی تیزی سے مٹائی جا رہی ہیں تو اِس کا انھیں کیا صدمہ؟ اُن کی آرام سے گزر بسر ہو رہی ہے۔ مریدوں کا حلقہ کافی ہے، مزار شریف کے نام کافی جائداد ہے، معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔ عمرِ عزیز کی منزلیں ایسے آرام سے طے ہو رہی ہیں جیسے پھولوں کی سیج پر شاہی محل میں رات گزرتی ہے آرام سے پڑے درود وظائف پڑھتے پڑھاتے اور رات دن ایک کے بعد دوسری رُوحانیت کی منزلیں طے کرتے ہی چلے جاتے ہیں اور باقی سب خیریت ہے، تعلیمی اداروں میں نئی نسل کی تربیت کا اہتمام مغربی طرز پر ہے اور اُن کے نصاب میں اسلامی تعلیمات کا عنصر ہے تو برائے نام۔ کالجوں میں انھیں سب کچھ بتانے کا کوئی

انتظام نہیں ہے ۔ یہی حضرات ہیں جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملک کی مشینری کے پرزے بنتے ہیں ۔ جب اُن کے دلوں اور دماغوں کو اسلامی رنگ میں رنگا ہی نہیں گیا تو ایسے افراد کے ذریعہ اسلامی نظام کے نفاذ کی توقع رکھنا محض خیالی پلاؤ پکانا اور ہوائی قلعے تعمیر کرنا نہیں تو اور کیا ہے ؟ کیا ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے اس ستم ظریفی کا کوئی تدارک کیا ہے ؟ نصابِ تعلیم میں جتنا اسلامی تعلیمات کا عنصر ہے ۔ اس پر بھی جو کتابیں لکھی اور پڑھائی جاتی ہیں اُن میں سے اکثر بدمذہبوں کی لکھی ہوئی ہیں ۔ کیا نئی نسل کو گمراہی سے بچانے کا ہمارے علمائے کرام نے اِن تیس سالہ دور میں یہی اہتمام کیا ہے ؟

کیا یہ ہمارا فرض نہیں ہے کہ دورِ اکبری کی تمام گمراہیوں پر تنقیدی نظر ڈالیں اور اُن میں سے جو خرابیاں خود ہمارے اندر موجود ہیں اُنھیں دُور کرنے کی بساط بھر کوشش کریں ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اکبر کے پورے کافرانہ نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل کر دیا تھا ۔ کیا اُن کے نقشِ قدم پر چل کر آج پاکستان کو اسلامی نظام کی دولت سے مالا مال نہیں کیا جا سکتا ؟ کیا اسلامی نظام کے نفاذ میں اِس کے سوا اور کوئی رکاوٹ ہے کہ حکمران طبقہ تو اپنی بے راہ روی کے باعث اِس نظام سے خائف ہے اور علماء کا طبقہ بھی محض زبانی کلامی مطالبہ کر کے سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے فرض سے فارغ ہو گیا ۔ حالانکہ چاہیے تو یہ کہ افرادِ ملت کے قلوب و اذہان کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا جائے ۔ اس طرح جب اُن کے دلوں اور دماغوں پہ اللہ رب العزت کی حکومت ہو گی تو یقیناً وہ اپنے جسموں پہ بھی قانونِ الٰہی کے سوا کسی اور قانون کو برداشت کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے اور ایسے حالات میں اسلامی قانون کے نفاذ کو ایک روز کے لیے بھی ملتوی کرنا مشکل ہو جائے گا ۔ لیکن اسلامی فضا پیدا کرنے [illegible] اور دنیاوی راحت و آرام کو چھوڑ کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ دین و ملت

کے نقشِ قدم پر چلنا پڑتا ہے۔ کوئی جو دنیاوی عیش و عشرت کو چھوڑ کر دینِ برحق کی نشر و اشاعت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اپنے کو وقف کرے۔ مقدس اسلام اپنے موجودہ علمبرداروں سے آج بھی پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے ؛۔

ے بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم
بیا کز چشمِ بیمارت ہزاراں زخم بر چینم

عہد جہانگیری اور خطرناک موڑ

اکبر بادشاہ نے ۱۱ جمادی الاخری ۱۰۱۴ھ کو آگرے میں وفات پائی۔ تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تجدیدی دور ربیع الاول ۱۰۱۱ھ سے شروع ہوتا ہے اور آپ نے ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ میں وفات پائی۔ اس طرح تجدیدی کارنامے کی مدت تقریباً تئیس ۲۳ سال بنتی ہے۔ جن میں سے تین سال اکبری عہد میں گذرے اور باقی بیس ۲۰ سال جہانگیر کے عہد حکومت میں۔ اکبر کے دینی خیالات کے بارے میں گذشتہ باب کے اندر جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کا زیادہ تر ماخذ ملّا عبدالقادر بدایونی کی "تاریخ" ہے، جو ۱۰۰۴ھ میں ختم ہو گئی تھی۔ ابوالفضل کو ۱۰۱۱ھ میں قتل کیا گیا لیکن اس کی تصنیف "آئین اکبری" اور اکبرنامہ سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بادشاہ کی بے راہ روی میں کوئی فرق آیا ہو اور ایسا ہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے اس خاتمے کا حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

جہانگیر (المتوفی ۱۰۳۷ھ) اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تو اسے تمام صورت حال ورثے میں ملی جس کا گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سرکار دربار میں ہندوؤں کی چہل پہل، اقتدار میں ہندو شریک بلکہ حرم میں ہندو عورتوں کی بھرمار۔ عہد جہانگیری دو باتوں میں دور اکبری سے مختلف ہو کر رہ گیا تھا۔ پہلی بات یہ جہانگیر کچھ بھی سہی لیکن اسلام کا قائل تھا اور آخری دم تک اسلام ہی کا دم بھرتا رہا۔ وہ مذہب اہلسنت وجماعت کا پیروکار اور حنفی المذہب تھا۔ دوسرا فرق یہ واقع ہوا کہ غیاث الدین کی بیٹی مہرالنساء جو پہلے شیر افگن کے نکاح میں تھی، اپنے شوہر کے قتل ہو جانے کے چار سال بعد ربیع الاول ۱۰۲۰ھ مطابق مئی ۱۶۱۱ء کو شاہی حرم میں بطور ملکہ داخل ہوئی۔ وہ نہایت حسین وجمیل اور زیرک تھی۔ بادشاہ اس پہ ہزار جان سے فدا تھا۔ حقیقت میں سارا نظام سلطنت اسی عورت کے گرد گھومتا تھا۔ جو

شاہی حرم میں آ کر مہر النساء سے نور محل اور اس کے بعد نور جہاں اور اس کا گھرانہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا، اس لیے اب ہنود کے علاوہ روافض بھی اقتدار میں شریک ہونے کے باعث مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کے لیے مستقل دردِ سر بن گئے۔

جہانگیر تخت نشین ہوا تو متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں اور ملتِ اسلامیہ کے بہی خواہوں نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا کہ اگرچہ حالات ناموافق اور مشرکینِ ہند کا غلبہ ہے، جس کے باعث کفریہ قوانین رائج اور اسلامی احکام پر قدغن لگی ہوئی ہے لیکن بادشاہِ وقت اسلام کا منکر اور مخالف نہیں ہے۔ جہانگیر تخت پر بیٹھتے ہی ایک عجیب دوراہے پر کھڑا ہوا تھا۔ ایک جانب اس کے باپ نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے وہ اسے مجبور کر رہے تھے کہ جہانگیر بھی دوسرا اکبر بن کر ابھرے، مشرکینِ ہند کی دلجوئی اور ناز برداری کرے اور اسلام و مسلمین کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جس کی مثال اس کے باپ نے قائم کی ہے۔ دوسری جانب مسلمانی کا دعویٰ اسے مسلمانوں کی خیر خواہی پر آمادہ کرتا تھا جس کا تقاضا تھا کہ وہ اسلامی احکام نافذ کرے، کفریہ قوانین کو ختم کرے اور ملتِ اسلامیہ کو اس کے جائز حقوق سے محروم نہ کرے۔

جہانگیر جب اس دوراہے پر کھڑا ہوا تو ہندوؤں کے اکثر افراد جو دربار میں، حکومت کی مشینری میں اور شاہی محل میں پوری طرح چھائے ہوئے تھے وہ بادشاہِ وقت کو اکبر جیسا بنانے پر پوری طرح تُل گئے۔ جب اندر اور باہر قدم قدم پر ایسے اسباب اور حالات سامنے آ رہے تھے جو جہانگیر کو اکبر کا حقیقی جانشین اور اسی باپ کا بیٹا بننے پر مجبور کر رہے تھے تو دوسری جانب ایک مردِ حق اسے شاہجہان کا باپ اور اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا دادا بنانے پر تُلا ہوا تھا۔ مشرکینِ ہند کی پوری کوشش تھی کہ اگر جہانگیر کو اکبر نہ بھی بنایا جا سکے تو البتہ ضرور ہو جائے کہ وہ مسلم نما ہندو بن کر رہ جائے جیسے مُلا عبدالقادر بدایونی گاندھی بن جائے۔ دوسری جانب ایک مردِ مجاہد اسے صحیح مسلمان بنانے پر تُل گیا تھا۔ دنیا نے دیکھا کہ لاکھوں مشرکین کا منصوبہ ناکام رہا اور اس مردِ مومن یعنی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

علیہ کی کوششیں بارور ہوئیں یعنی

؎ تو ہی جیتا اور لاکھوں کو ہزیمت ہو گئی
حق کے آگے کُند ہو جاتی ہر اِک تلوار ہے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عام مسلمانوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی پوری کوششیں کیں اور علماء و اراکین سلطنت کو خاص طور پر اُبھارا کہ وہ اپنی اپنی بساط کے مطابق شروع ہی سے جہانگیر کے ذہن کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے پر اپنی تمام تر صلاحیتیں مرکوز کر دیں۔ چنانچہ بادشاہِ وقت کے خاص معتمد اور لاہور کے گورنر، جناب شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اِس مہم پر یوں آمادہ کیا :۔

متوقع از جناب شریف الیشان آنست کہ چوں استطاعت و قربِ بادشاہ بر وجہ اتم ایشان را حق سبحانہ، و تعالیٰ میسر ساختہ است در خلاء و ملاء در ترویجِ شریعتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کوشند و مسلمانان را از غربت برآرند“ [1]

جناب کی بزرگ ذات سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ کو کلمۂ حق کہنے کی استطاعت ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ کا قرب بھی مرحمت فرمایا ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعتِ محمدی (اُن پر اور اُن کی آل پر افضل درودیں اور اکمل سلام ہوں) کی ترویج کے لیے سعی فرمائی جائے گی اور مسلمانوں کو اِس ذلت و خواری سے نکالا جائے گا۔

اِسی مکتوبِ گرامی میں آپ نے اعلائے کلمۃ الحق کی اہمیت، اُس کا دائرہ کار اور جملہ نشیب و

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب، ۴

فراز بھی سمجھائے اور صورتِ حال کی نزاکت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے حکیمانہ انداز میں یوں تلقین فرمائی:۔

"آج جبکہ دولت و نعمتِ اسلام کے راستے کی رکاوٹوں کے زوال کی بشارت اور بادشاہِ اسلام کے تخت نشین ہونے کی خوشخبری ہر خاص و عام کے کانوں میں پہنچ چکی ہے تو اہلِ اسلام اپنے اُوپر لازم کر لیں کہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں گے اور ترویجِ شریعت اور تقویتِ دولتِ اسلام اپنے اُوپر لازم کر لیں کہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں گے۔ یہ امداد و اعانت خواہ زبان سے میسّر آئے یا ہاتھ سے۔ نعمتِ اسلام کی سب سے ضروری مدد یہ ہے کہ مسائلِ شرعیہ کی وضاحت کی جائے اور کتاب و سنت و اجماع کے عقائد کلامیہ کا اظہار کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور گمراہ درمیان میں آ کر، غلط راستے پر (بادشاہ کو) لے جا کر کام خراب نہ کر دے۔ اِس قسم کی امداد و اعانت اُن علمائے حق کی خاص طور پر ذمہ داری ہے جن کی دوڑ دھوپ آخرت کے لئے ہے۔ وہ علماء جن کے پیشِ نظر دنیاوی آرام و راحت ہے، اُن کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔"[1]

اِسی مکتوبِ گرامی میں آپ نے اس بات کی وضاحت بھی فرمائی کہ سلطانِ اسلام کی اصلاح کرنا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است	بادشاہ کو رعایا سے وہی نسبت ہے، جو دل کو
نسبت بہ بدن کہ اگر دل صالح است بدن	جسم سے ہے کہ اگر دل صحیح ہے تو سارا جسم صحیح
صالح است و اگر فاسد است فاسد، صلاحِ	ہے اور اگر خراب ہے، تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے
پادشاہ صلاحِ عالم ست بدان صالح است	تو سارا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ رعایا کی اصلاح و

---

[1] ایضاً

واگر فاسد است فاسد، بصلاح پادشاہ صلاحِ عالم است و بفسادِ او فسادِ عالم[۱]	و فساد بادشاہ کی اصلاح و فساد سے وابستہ ہے۔

دوسرے مکتوبِ گرامی میں موصوف کو اسی جانب متوجہ کرتے ہوئے یہ وضاحت بھی فرمائی گئی۔

"انبیائے کرام، اللہ تعالیٰ کے اُن پر درود و سلام ہوں، ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں، انھوں نے لوگوں کو شریعت ہی کی دعوت دی اور نجات کا دار و مدار بھی شریعت ہی کی پیروی پر ہے اکابر انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی بعثت بھی تبلیغِ شرائع کے لیے ہوئی۔ پس اعلیٰ ترین نیکی یہی ہے کہ ترویجِ شریعت کی کوشش کی جائے کیونکہ احکامِ شرع سے ایک حکم کا جاری اور زندہ کرنا خاص طور پر ایسے وقت میں جب اسلامی شعائر مٹائے جا رہے ہوں، راہِ خدا میں کروڑوں روپے خیرات کر دینا بھی اُس نیکی کے برابر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُس حکم کو زندہ کرنے میں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اقتدا ہے، جو ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیکیاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کو نصیب ہوتی ہیں۔ جبکہ کروڑوں روپے خرچ کرنا تو غیر انبیاء کو بھی میسّر آجاتا ہے"[۲]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینِ متین کی ترویج و اشاعت پر آمادہ کرنے اور بادشاہ سے احکامِ شرع جاری کروانے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

"مکرمی سیادت پناہ! آج اسلام بہت غریب ہو چکا ہے۔ اس کی تقویت کے لئے ایک جیتل خرچ کرنا کروڑوں کے برابر درجۂ قبولیت رکھتا ہے دیکھیں

---

[۱] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۴۴ [۲] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل مکتوب ۴۴

کونسا مردِ میدان ہے جو تبلیغ دین کی دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہو۔ دین ومذہب کی ترقی وتقویت کسی وقت یا کسی شخص کے ذریعے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے، لیکن غربِ اسلام کے وقت آپ جیسے اہلِ بیت کے جوانمردوں کے ہاتھوں یہ کام ہو جائے تو کیا ہی خوب ہے، کیونکہ یہ دولت آپ ہی کے گھرانے کی ہے۔ آپ سے اس کا تعلق ذاتی ہے اور دوسروں سے بالعرض۔ نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت شریعتِ مطہرہ کی ترویج واشاعت کے عظیم القدر فریضہ کا ادا کرنا ہے[1]

جہانگیر کے تخت نشین ہوتے ہی اُس کے خاص معتمد اور صوبہ بہار کے گورنر کی لالہ بیگ کی توجہ اِس جانب مبذول کروائی کہ بادشاہ کو اسلامی احکام جاری کرنے، احکامِ کفر کو روکنے اور مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کی جانب راغب کیا جائے۔ چنانچہ موصوف کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"ابتدائی بادشاہت میں اگر اسلامی اقدار کا رواج ہو گیا اور اہلِ اسلام نے کچھ حیثیت حاصل کر لی تو فبہا اور عیاذاً باللہ سبحانہٗ اگر معاملہ تساہل اور توقف کی نذر ہوا تو مسلمانوں پر بہت ہی بُرے دن آجائیں گے۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث۔ دیکھیے کونسا خوش بخت دولتِ ترویجِ اسلام سے مشرف ہوتا ہے اور کس شہباز کا ہاتھ دامنِ مراد تک پہنچتا ہے"[2]

اسی موقع پر جہانگیر کے خاص معتمد واتالیق، صدر جہاں کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت فہمائش کی:۔

اب جبکہ سلطنتوں میں خرابی آگئی اور دشمنی دفساد نے اہلِ مذہب کو لگاڑ دیا ہے

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۹۳ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۸

> تو اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے وزیروں، امیروں اور علمائے کرام پر لازم ہے کہ شریعت مطہرہ کی ترقی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور سب سے پہلے اسلام کے اُن ارکان کو قائم کریں جنھیں پسِ پشت پھینک دیا گیا تھا۔ تاخیر کرنے میں خیریت نظر نہیں آتی کیونکہ تاخیر سے غریبوں کے دلوں میں بے قراری اور بڑھے گی۔ جبکہ سابقہ حکومت کی ستم رانیاں دلوں کو تڑپا رہی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مذکورہ صورتِ حال کا تدارک نہ ہو اور اسلام کی ترویج و ترقی میں سرگرم نہ ہوا اور شاہی مقرب بھی اِس ذمہ داری سے پہلو تہی کر کے دنیا کی چند روزہ زندگی سے پیار کرتے رہیں تو غریب مسلمانوں پر تنگ ہو جائے گی۔[1]

بادشاہ کے خاص معتمد اور سلطنت کے اہم رکن خانِ جہاں کو بھی لسانی جہاد کرنے یعنی بادشاہ کو اسلامی عقائد و نظریات اور دیگر شعائر و ارکان کی صحت و صداقت کا معتقد بنانے اور احکامِ کفر سے اُس کے دِل میں نفرت پیدا کرنے کی جانب متوجہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے لیے لکھا:۔

> ایک بڑی دولت جس سے حق سبحانہ، تعالیٰ نے آپ کو مشرف فرمایا ہے جبکہ اکثر اُس سے محروم ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آپ کو اُس دولت کا علم ہی نہ ہو۔ وہ دولت یہ ہے کہ بادشاہِ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آ رہا ہے۔ وہ اہلسنت جماعت کے زمرہ سے اور حنفی مذہب رکھتا ہے۔ یہ زمانہ قربِ قیامت کا ہے اور عہدِ نبوت سے دُور، اِسی لیے چند سال ہوئے کہ بعض اہلِ علم نے نحوستِ طمع کے باعث جو باطنی خباثت سے پیدا ہوتی ہے، یہ کیا کہ اُمرائے سلطنت کا تقرب حاصل کر کے اُن کی خوشامد کرتے ہیں اور دینِ متین میں شکوک و

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۹۵ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۹،

شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح سادہ لوح لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا دیتے ہیں۔ جب یہ عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سنتا اور آپ کی مانتا ہے، تو یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ صراحتاً یا اشارۃً اُس کے کانوں میں آپ کلمۂ حق پہنچا رہے ہیں۔ اہلسنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقائد ہی کلمۂ اسلام ہیں۔ جب اور جتنا بھی آپ کو موقع ملے اہل حق کی باتیں آپ بادشاہ کے سامنے پیش کریں بلکہ ہمیشہ اس جستجو میں رہیں اور مواقع پیدا کریں کہ دین و ملت کی بات چل نکلے تاکہ اسلام کی حقانیت کو ظاہر کیا جا سکے اور کفر و کافری کا ابطال کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے، کوئی عقلمند آدمی اِس کو پسند نہیں کر سکتا، اس لیے بے دھڑک اس کا ابطال کرنا چاہیے۔[1]

جہانگیر کے معتمد اور سلطنت کے اہم رکن، خان اعظم کو اِسی مہم کے لیے یہ کہہ کر تیار کیا گیا تھا۔

مع آج وہ جنون، جس کی بنیاد اسلامی غیرت پر ہوتی ہے، آپ کی سرشت میں نظر آ رہا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اب وہ دن ہیں۔ جن میں تھوڑے عمل کا ثواب عظیم اور قبولیت کی اُمید زیادہ ہے۔ ہجرت کے سوا اصحاب کہف کا کوئی نمایاں عمل نہ تھا لیکن ملاحظہ ہو کہ اِس عمل کا کس قدر اعتبار کیا گیا۔ سپاہی دشمنوں کے غلبہ کے وقت تھوڑا سا بھی تردد کریں تو اُس کی دشمنوں کے اوقاتِ سکون کی نسبت زیادہ قدر ہوتی ہے۔ یہ قولی جہاد جو اِس وقت آپکو میسر ہے، یہ جہادِ اکبر ہے، اس کو غنیمت جانیں اور هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ لگائیں۔ .... آپ سے التماس ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسرار اِس بزرگ خانوادہ (مشائخ نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ محبت وعقیدت

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷۔

> رکھنے کی برکت سے آپ کی باتوں میں اثر بھر دیا اور معاصرین پر آپ کی اسلامی عظمت کو نمایاں تو اِس بات کی سعی فرمائیں کہ اہلِ کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں، وہ مٹ جائیں اور اہل اسلام خلافِ شرع امور سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اِس سے پہلی بادشاہی میں دینِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صریح عناد اور مخالفت نظر آتی تھی۔ جبکہ موجودہ بادشاہی میں ظاہری طور پر وہ عناد محسوس نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو عدمِ علم کے باعث ہوگا۔ للہٰذا اِس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اب بھی کہیں معاملہ بغض و عناد تک نہ پہنچ جائے“۔ [1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خانِ جہاں کو پہلے یہ بات سمجھائی کہ سلطانِ اسلام کی اصلاح کیا درجہ رکھتی ہے سارے ملک کا بناؤ اور بگاڑ سربراہ مملکت کی اصلاح و فساد سے وابستہ ہے۔ چنانچہ بادشاہ کی اصلاح پر آمادہ کرنے کی خاطر موصوف کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

> ”بادشاہ کی مثال (ملک میں) رُوح کی طرح اور باقی انسان جسم کی طرح ہیں۔ اگر رُوح درست ہے تو سارا جسم درست رہے گا اور اگر رُوح فاسد ہے تو سارا جسم فاسد ہو جائے گا۔ پس بادشاہ کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا تمام انسانوں (رعایا) کی اصلاح کرنا ہے۔ اصلاح اسلامی تعلیمات کے اظہار میں ہے۔ جس وقت بھی موقع ملے تو عقائدِ اسلام طریقۂ اہلسنت و جماعت کے مطابق بادشاہ کے گوش گزار کرتے رہیں اور مخالفین کے مذاہب

---

[1] مکتوباتِ امام ربّانی دفتر اوّل، مکتوب ۶۵

کی تردید کریں۔ یہ دولت اگر آپ نے حاصل کر لی تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثتِ علمی ہاتھ آگئی، جبکہ آپ کو یہ دولت مفت ملی ہوئی ہے، اِس نعمت کی قدر کی جائے۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ فرید بخاری علیہ الرحمہ کو اِس سلسلے میں یوں بھی تلقین فرمائی۔

"مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہ کو رسوماتِ کفر کی برائی سے آگاہ کریں اور اُن کے مٹانے کی کوشش کریں، شاید بادشاہ کو اِن نقایا رسومات کی بُرائی کا علم نہ ہو۔ اگر صورتِ حال کے لحاظ سے مناسب نظر آئے تو علمائے اسلام کی مدد حاصل کر لی جائے تاکہ وہ اہل کفر کی بُرائی ظاہر کریں بہرحال شرعی مسائل کی حقیقت سے بادشاہ کو آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے، جب تک اسلامی احکام کا نفاذ نہیں ہو جاتا، اس کوتاہی کی ذمہ داری علما اور بادشاہ کے مقربین پر عائد ہوتی ہے۔ یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ اِس کوشش میں کسی طبقے کو تکلیف پہنچے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغِ احکام میں کونسی تکلیف برداشت نہیں کی اور کونسی اذیت تھی جو اُنھیں پہنچائی نہ گئی۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وَمَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ یعنی میرے برابر کسی نبی کو اذیت نہیں پہنچائی گئی۔"[2]

بادشاہ کے سُنّی حنفی ہونے کے بارے میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد اشرف

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب نمبر ۱۹۳

علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

> “اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ سلطانِ وقت اپنے آپ کو حنفی المذہب قرار دیتا اور اہلسنت و جماعت میں سے گردانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری ہوتی۔ اِس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔” [1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے اراکینِ سلطنت اور بادشاہ کے مقربین کو اس بات پر جو مقرر فرمایا تھا کہ اسلامی احکام کی حقانیت اور کفریہ باتوں کی قباحت بادشاہ کے مقربین کو اِس بات پر جو مقرر فرمایا تھا کہ اسلامی احکام وارکان کی جانب ہو جائے اور کافروں کے مذہبی امور سے اُس کے دِل میں نفرت پیدا ہو، تو اُن حضرات نے اپنے فرض کو پہچانا ہے اور بادشاہ پر خاطر خواہ اثر ہوا ہے، جس کا ایک ثبوت یہ مِلا کہ بادشاہ نے اسلامی احکام معلوم کرنے کی خاطر چار علماء کو اپنے پاس رکھنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اِس خبر سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بے حد خوشی ہوئی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے پر کس کو خوشی نہیں ہوتی، بلکہ اِس کامیابی سے تو پورے ملک کی قسمت وابستہ تھی۔ اِس مبارک موقع پر آپ نے اپنے خلیفہ اعظم، میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کو نام مکتوباتِ گرامی لکھتے ہوئے اپنی مسرت کا یوں اظہار کیا۔

> “آپ نے اپنے مکتوبِ محبت میں بادشاہِ وقت کی خدا ترسی اور حسنِ نشاۃ کی جانب اشارہ کیا ہے اور احکامِ شرعیہ کے التزام نیز انصاف پروری کے متعلق لکھا ہے۔ یہ خبر پڑھ کر از حد مسرت ہوئی اور سرور آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا کو بادشاہِ وقت کے عدل و انصاف سے روشن فرمایا ہے۔

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۵۱

شریعتِ محمدیہ کو بھی اُن کے حسنِ اہتمام سے اعانت و عزت بخش دی“ سلہ اور شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے اِس سلسلے میں حسبِ ذیل ہدایت فرمائی، جس کا ایک ایک نقطہ دین و ملت کے ہر بہی خواہ کو دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے اور لمحۂ فکریہ ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

”یہ بات سننے میں آئی ہے کہ سلطان اسلام نے اپنی دینی فطرت کے حسن و خوبی کے باعث، جو اُن کے اندر موجود ہے، آپ کو حکم دیا ہے کہ چار دیندار علماء مہیا کریں جو ہر وقت شاہی دربار میں حاضر رہیں کہ شرعی احکام بتلاتے رہیں تاکہ کوئی خلافِ شرع امر واقع نہ ہو جائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ مسلمانوں کے لیے اِس سے عمدہ اور کیا بشارت ہو۔ یہ فقیر چونکہ اسی سلسلہ میں آپ کی جانب متوجہ ہوا ہے، جیسا کہ اِس کا بارہا اظہار کر چکا ہوں۔ بقدرِ ضرورت اب بھی کہنے میں کمی نہیں کروں گا۔ اُمید ہے کہ بارِ خاطر نہ ہو گا۔

غرض مند دیوانہ ہوتا ہے، اِسی لیے عرض کرنا پڑتا ہے کہ دیندار علماء حقیقت میں بہت کم ہیں، جن کا مطمحِ نظر صرف شریعتِ مطہرہ کی ترویج و اشاعت اور ملّتِ اسلامیہ کی تائید و تقویت ہو اور جاہ و منصب کی محبت جن کے دِلوں سے نکل چکی ہو۔ جاہ طلب علماء میں سے ہر ایک بات بات میں اپنا الگ پہلو اختیار کرے گا، اپنی بزرگی و برتری ثابت کرنے میں کوشاں رہے گا، اختلاف کی آگ کو ہوا دے گا، اِس روش کو بادشاہ کے قُرب کا ذریعہ بنائے گا، اِس صورت میں تبلیغِ دین کی مہم خراب و خستہ ہو کر رہ جائے گی۔

پچھلی بادشاہی میں علماء کے اختلاف ہی نے مسلمانوں کو مصیبت اور فتنہ میں مبتلا کیا تھا۔ وہی صورت اب بھی در پیش آ سکتی ہے، جس سے ترویج کے بجائے اُلٹی تخریب ہو کر رہ جائے گی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اُس سے بچائے

اور علمائے سُوء کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ اِس مقصد کے لیے اگر ایک ہی عالِمِ دین کا انتخاب کریں تو بہتر ہوگا۔ علمائے آخرت میں سے کوئی ایک بھی میسر آجائے تو یہ بڑی خوش بختی ہوگی کیونکہ ایسے عالِم کی صحبت کبریتِ احمر ہے۔ اگر ایسا نیک اور پرہیزگار عالِم نہ مل سکے تو چھان پھٹک کے بعد اِس جنس میں سے اُس کا انتخاب کریں جو سب سے بہتر ہو، کیونکہ اگر ایک چیز مکمل طور پر میسر نہ آئے تو اُسے بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔" [1]

قارئینِ کرام! کیا یہ غور کا مقام نہیں ہے کہ سرہند شریف کے ایک مردِ حق آگاہ نے بوریا نشین ہو کر بادشاہ کو کس حکیمانہ انداز سے مائل بہ اسلام کیا۔ جہانگیر کے ہاتھوں اسلامی احکام نافذ کروائے اور اُسی کے ہاتھوں غیر اسلامی احکام نافذ کروائے اور اُسی کے قوانین، جن کو اکبر نے جاری کیا تھا، موقوف کروا دیئے گئے۔ پوری مملکت کے نظام کو بدلنے کا یہ بہترین نمونہ کیا ہمارے سامنے نہیں ہے؟ کیا مدعیانِ علم و دانش اور دین و ملت کے بہی خواہوں نے سرزمینِ پاکستان میں اِس قابلِ قدر مثال سے سبق حاصل کیا ہے؟ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چل کر پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ کی، غیر اسلامی قوانین کو منسوخ کروانے کی اور سربراہانِ مملکت و دیگر اراکینِ سلطنت کے دلوں اور دماغوں کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوئی سعی فرمائی ہے؟ جب قیامِ پاکستان سے آج تک اصلاحِ احوال کرتی ہوئی کوئی انقلابی ہستی نظر نہیں آئی تو مجبوراً نوکِ قلم پر یہی آتا ہے۔

؎ زیبِ سجادہ بہت سے ہیں مشائخ آج بھی
تجھ سے کیا نسبت کہ یہ گفتار تُو کردار ہے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۵۳۔

دو قومی نظریہ ——— پاکستان میں یہ نظریہ بظاہر بڑا مقبول ہے کیونکہ اس مملکت خداداد کی بنیاد ہی دو قومی نظریہ پر ہے۔ اگر سوال کیا جائے تو شاید ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اُن کی تعداد کے مطابق ملک کو تقسیم کر دینے کے سوا اکثر حضرات کے نزدیک اِس کا کوئی اور مفہوم دکھائی نہیں دیتا۔ حقیقت میں دو قومی نظریہ کے مفہوم کی جو درگت اِس مملکتِ خداداد پاکستان میں ہوئی ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اِس نظریہ کو اپنے دین و ایمان کا جزو بتانے والے تو بہت سارے حضرات مِل جائیں گے لیکن اِس کا مفہوم خانہ ساز ہوگا یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہوں گے، ورنہ جب یہ معلوم ہی نہیں کہ دو قومی نظریہ ہے کس چیز کا نام تو اعتقاد و عمل کس بات پر ہے۔ پوری دنیائے اسلام میں اس نظریہ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اور جس طرح مسلمان خود اِسے پامال کر رہے ہیں وہ ستم ظریفی کی دردناک مثال ہے اور مسلمانوں کے زوال کی وجوہات میں سرِفہرست یہی وجہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی کثرت دو قومی نظریہ سے عملاً منحرف ہو چکی ہے۔

اِس صورتِ حال نے راقم الحروف کو مجبور کیا کہ اس مسئلے کا اجمالی مگر جامع جائزہ لیا جائے کیونکہ اس کتاب کے نفسِ مضمون اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے تجدیدی کارنامے سے دو قومی نظریہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ متحدہ ہندوستان میں دو زمانے ایسے گزرے ہیں کہ دو قومی نظریہ کو پامال کرنے اور اِس مبارک درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ سب سے پہلے اکبری دَور میں ایسا ہُوا کہ اِس نظریہ کو ختم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی۔ جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحاتِ مدنیہ کے سہارے اس سازش کے فلک بوس محل کو تہس نہس کر دیا۔ دوسری مرتبہ دو قومی نظریہ کو اِس گذشتہ صدی کے آخر اور اِس صدی کے اوائل میں ختم کرنے کی پُرزور کوشش کی گئی، جس کی پُراسرار علمبرداری کا فریضہ سر سید احمد اینڈ کمپنی اور مسٹر گاندھی ادا کر رہے تھے۔ کتنے ہی مسلمان کہلانے والے صاحبانِ جبہ و دستار بھی کی پوری پوری ہمنوائی کر کے

خود گمراہ ہوئے اور مسلمانانِ ہند کو گمراہ کرنے پر اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے تھے۔ ملّتِ اسلامیہ اُن زنّار دوست اور ہندو نواز گروہ کو گاندھی ٹولہ کہتے تھے۔ برٹش نوازی اور گاندھویت کے بتوں کو جس مردِ قلندر نے پاش پاش کیا اُس کا نامِ نامی واسمِ گرامی، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ / سنہ ۱۹۲۱ء) ہے۔ وہ اس صدی کے مجدّدِ برحق اور اِس دورِ پُرفتن میں ملّتِ اسلامیہ کی امیدوں کا آخری سہارا تھے۔

دو قومی نظریہ کے خلاف آج جو تیسرا دَور گزر رہا ہے، یہ اپنی ہمہ گیری کے لحاظ سے اپنی مثال خود آپ ہے، اِس تیسری سازش نے پورے عالمِ اسلام کو اپنی لپیٹ میں لیا ہُوا ہے جبکہ اِس سے پہلے جو دو مرتبہ اس کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں، وہ صرف متحدہ ہندوستان کے اندر ہی محدود تھیں، بیرونی دنیا میں اُن کے اثرات بہت کم پہنچے تھے۔ جبکہ موجودہ سازش نے اپنی جڑیں ساری دنیا میں پھیلا دی ہیں اور مسلمان کہلانے والوں کی خاصی تعداد اِس سازش کا شکار ہو کر دین و ملّت کی بربادی و تباہی میں علیٰ قدرِ مراتب حصہ لے رہی ہے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی کیوں چلائی جا رہی ہے؟ مسلمان خود کیوں اپنی جڑیں کاٹ رہے ہیں؟ مسلمان دیکھتے بھالتے تباہی کے گڑھے میں کیوں گرتے جا رہے ہیں؟ محض اِس لیے کہ غیر مسلموں، بدخواہوں نے ایک منظم سازش کے تحت اس نظریہ کا نام تو مسلمانوں کی زبانوں پر باقی رکھا ہے لیکن اِس کا مفہوم اُن کے دماغوں سے نکال کر باہر پھینک دیا ہے۔

"قارئینِ کرام دو قومی نظریہ اِس زندہ حقیقت کا نام ہے کہ بنی نوعِ آدم ابتدائے آفرینش سے دو بنیادی قوموں میں منقسم رہی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ پہلی قوم کو مسلم کہتے ہیں اور دوسری کو غیر مسلم۔ ایمان اِن کے مابین خطِ فاصل ہے، دولتِ ایمان رکھنے کے باعث مسلمان پر مومن کا اطلاق ہوتا ہے اور اِس سے محروم رہنے والے سب

سب کافر لوگ ہیں جو ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی، جینی، بدھ، آتش پرست بابی، بہائی، مرزائی اور اسمٰعیلیہ وغیرہ فرقوں یا مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ منافق اگرچہ ظاہر میں مسلمان نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ کافروں کا بدترین طبقہ ہوتا ہے، جو کھلے کافروں کی نسبت زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اس بنیادی تقسیم یعنی دو قومی نظریہ کے دو بدیہی تقاضے ہیں۔ جن کا قائل ہوئے بغیر یہ نظریہ محض ایک سیاسی ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ تقاضے یہ ہیں:۔

۱۔ مسلمانوں سے دلی محبت رکھنا اور اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے ہمہ تن کوشاں رہنا۔

۲۔ کافروں سے دلی نفرت رکھنا اور کفر کو پامال کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھنا۔

مذکورہ دونوں تقاضے ایسے ہیں کہ کسی ایک میں تساہل برتنے کے باعث پوری ملّتِ اسلامیہ کو متاثر ہونا پڑتا ہے۔ مسلمانوں کی باہمی محبت و خیر خواہی اور اسلام کی ترویج و ترقی میں کوتاہی کی جائے تو ایسا کرنا کفر کی امداد و اعانت کا مترادف ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور کافروں، غیر مسلموں سے نفرت و عداوت نہ رکھنا گویا کفر کو اپنے اُوپر سوار کر لینا اور اسلام کو مغلوب کرنے میں اُن کی مدد کرنا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں آپس میں مخالف و متحارب ہیں۔ ایک کے اقبال میں دوسری کا ادبار، ایک کی ترقی میں دوسری کا تنزّل، ایک کی عزت میں دوسری کی ذلت اور ایک کے کمال میں دوسری کا زوال مضمر ہے۔ شاعرِ مشرق نے اِس حقیقت کو یُوں بیان کیا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

قرآن و حدیث میں اس نظریہ کے اِتنے دلائل ہیں جن کا احاطہ میرے جیسے کوتاہ علم کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اِس نظریہ کے بعض پہلوؤں کو اُجاگر کرنے

کی خاطر آئندہ سطور میں چند قرآنی آیات پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ تاکہ تشکیکین کے لیے طمانیتِ قلب کا باعث ہو اور مسئلہ کی حقیقتِ نفس الامری کھل کر سامنے آ جائے جو اِس نظریہ کے تو قائل ہیں لیکن اِس کے مفہوم سے بے خبر، انھیں اس کی اہمیت، اِس کے تقاضوں اور اِس کے دائرہ کار کا علم ہو جائے گا۔ موجودہ حالات میں اِس نظریہ کو اُس کے حقیقی رنگ روپ میں پیش کرنا وقت کا اہم ترین تقاضوں بھی ہے کیونکہ اسے نظر انداز کرنا ملّتِ اسلامیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہے۔ سنیئے اِس کائنات کا خالق و مالک بنی نوعِ انسان سے فرما رہا ہے :-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۔[1]	وہی ہے (اللہ تعالیٰ) جس نے تمہیں پیدا کیا، تو تم میں کوئی کافر ہے اور تم میں کوئی مومن۔

یہاں انسانوں کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) کافر (۲) مومن —— جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں اُن مسلمانوں کو مومن کہتے ہیں اور جن افراد کے پاس ایمان نہیں ہوتا۔ وہ کافر کہلاتے ہیں۔ یہ ایمان کے لحاظ سے تمام انسانوں کی تقسیم ہے اور اِسی کو قومی نظریہ کہتے ہیں۔ ایمان صرف مسلمانوں کا سرمایہ ہے، غیر مسلم اِس سے محروم ہیں۔ ایمان والوں کو مسلمان کہنا قرآنِ کریم ہی کی اصطلاح ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ[2]	اور دین میں تم پر کچھ تنگی نہ رکھی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اُس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

بلکہ قیامت کے روز انجام دیکھ کر کفار بھی حسرت سے کہیں گے کہ ہم مسلمان ہوتے

---

[1] پارہ ۲۸، سورۃ التغابن، آیت ۲ [2] پارہ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۷۸

جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:۔

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۰ [1]	بہت آرزوئیں کریں گے کافر کہ کاش! (وہ) مسلمان ہوتے۔

اس سے بھی واضح ہے کہ قومیں بنیادی طور پر صرف دو ہیں (۱) مسلمان (۲) غیر مسلم یعنی کفار ——— اور یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ اس دین کی بنیاد ملتِ ابراہیمی ہے ملتِ ابراہیمی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۔ [2]	اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے گا سوائے اُس کے جو دِل کا احمق ہے۔

سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن کریم نے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے۔

وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۰ [3]	ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے ——— اور مشرکوں سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اپنی اولاد کو جو وصیت فرمائی، وہ ملاحظہ ہو:۔

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ط یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [4]	اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے یہ دین تمہارے لیے چن لیا، تو نہ مرنا مگر مسلمان۔

---

[1] پارہ ۱۴، سورۂ الحجر، آیت ۲

[2] پارہ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۳۰

[3] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۶۷

[4] پارہ ۱، سورۂ البقرہ، آیت ۱۳۲

اور اس سلسلے میں اللہ رب العزت نے امتِ محمدیہ کو یہ حکم دیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [1]	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان کی حالت میں۔

اور ملتِ اسلامیہ کو دین کی تکمیل کا مژدہ سناتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا [2]	آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے متعلق اللہ رب العزت نے یہ واضح فیصلہ سُنا دیا ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [3]	اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا۔ وہ ہرگز اُس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔

منافقین کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ وہ اگرچہ ظاہری طور پر مسلمان نظر آتے ہیں لیکن دولتِ ایمان سے محروم ہونے کے باعث ملتِ اسلامیہ میں اُن کا شمار نہیں بلکہ وہ کافروں میں محسوب ہوں گے، چنانچہ فرمایا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ [4]	اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

---

[1] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۰۲

[2] پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳

[3] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۸۵

[4] پارہ ۱، سورۃ البقرہ، آیت ۸

بلکہ اللہ جل شانہٗ نے اِن کے بارے میں اپنے حبیب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یوں حکم دیا تھا:۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ؕ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۰ [1]

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) جہاد فرمایا کافروں اور منافقوں پر اور اُن پر سختی کرو اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

کفار و منافقین کے انجام کی خبر دیتے ہوئے پروردگارِ عالم نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ ھِیَ حَسْبُھُمْ ۚ وَلَعَنَھُمُ اللّٰہُ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۰ [2]

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ اُن کے لیے کافی ہے اور اللہ کی اُن پر لعنت ہے۔ اور اُن کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

اللہ رب العزت نے اسلام کو دیگر تمام ادیان پر غالب رکھنے کا یوں وعدہ فرمایا ہے:۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۰ [3]

وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ۔

دوسرے مقام پر اسی وعدے کو یوں دُہرایا گیا ہے:۔

---

[1] پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۷۳

[2] پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۶۸

[3] پارہ ۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت ۲۰

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ [1]	وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، پڑے بُرا مانیں مُشرک۔

مخالفینِ اسلام کو اللہ جل شانہٗ نے سب سے ذلیل ٹھہرایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ○ [2]	بیشک وہ جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

دو قومی نظریہ پر صحابۂ کرام پوری طرح حاصل کرتے تھے، جن کی باری تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ [3]	کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل

افسوس آج ہمارا طرزِ عمل اپنے اکابر کے برعکس ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان تھے لیکن اب آپس آپس میں ایک دوسرے کی جان اور مال پر دن دہاڑے چھری پھیری جا رہی ہے۔ وہ کافروں پر سخت تھے لیکن وائے بدنصیبی کہ ہماری حکومتیں کفر کی طاقتوں کے آگے اس طرح سجدے میں پڑی ہوئی ہیں کہ سر اٹھانے کا نام ہی نہیں لیا جاتا پورا عالمِ اسلام اسی ذلت و خواری کا دلدادہ ہو کر رہ گیا۔ ہائے افسوس!

؎
ان دکھائے یا الٰہی پھر وہ صبح و شام تو۔
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!

---

[1] پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۱۰

[2] پارہ ۲۸، سورۃ الصف، آیت ۹

[3] پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، آیت ۲۹

یہودی نصاریٰ کی خصلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا تھا:-

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط [1]	اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے، جب تک تم اُن کے دین کی پیروی نہ کرو۔

جملہ کافروں، غیر مسلموں سے کٹ کر رہنے کا مسلمانوں کو یوں حکم دیا گیا ہے:-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ [2]	اے ایمان والو! اگر تم کافروں کے کہنے پر چلے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں لوٹا دیں گے، پھر نقصان اُٹھا کر پلٹ جاؤ گے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ دنیا میں بنیادی طور پر صرف دو قومیں ہیں۔ ایک ہیں مسلم اور دوسرے غیر مسلم۔ اُن کا ٹھکانہ جنت اور اِن کا جہنم۔ وہ خدا کے پیارے اور یہ لعنت کے مارے۔ اُن سے خدا راضی اور اِن سے ناراض۔ وہ خدا کے دوست اور یہ دشمن۔ وہ اللہ کی جماعت اور یہ شیطان کی۔ غرضیکہ دونوں قومیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کرنے سے ایک کی بربادی یقینی ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے لیے کافروں سے دوستی رکھنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ جہاں یہ ملی غیرت کے خلاف ہے وہاں مسلمانوں کی اپنی تباہی کا باعث بھی ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات ہیں جن میں غیر مسلموں سے دوستی رکھنے کو منع فرمایا گیا ہے۔ ایسی چند پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو

---

[1] پارہ پہلا، سورۂ البقرہ، آیت ۱۲۰

[2] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۴۹

عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ [1]

دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں دوستی سے خبریں پہنچاتے ہو حالانکہ وہ منکر ہیں اُس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتا دیا کہ کافروں، غیر مسلموں سے ایسے لوگ ہی دوستی کرتے ہیں جنہیں اسلام کی حقانیت و صداقت پر اعتماد نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ [2]

اُن (مسلمانوں) میں تم بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ کیا ہی بُری چیز خود اپنے لیے آگے بھیجی، یہ کہ اللہ کا اُن پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور نبی پر اور اُس پر جو اُن کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے، مگر اُن میں کتنے ہی تو فاسق ہیں۔

قرآن کریم نے کیسا ملی غیرت کا سبق سکھایا کہ وہ تمہارے دین کے منکر ہیں پھر کس منہ سے اُن سے دوستی کرتے ہو، ساتھ ہی بتا دیا کہ کافروں سے دوستی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ہمیشہ کے عذاب میں رکھے جائیں گے اور وہ خدا کے نافرمان ہیں۔ یہ غضبِ الٰہی کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے کہ جملہ یورپین ممالک اور کمیونسٹ بلاک کے سارے ملک بھلے چنگے اور اسلامی ممالک بھوکے ننگے۔ وہ ترقی یافتہ اور یہ ترقی پذیر و پسماندہ، وہ اَن داتا اور یہ بھکاری، وہ طاقتور اور یہ ناتواں۔ اللہ تعالیٰ بھی اِن

---

[1] پارہ ۲۸، سورۂ الممتحنہ، آیت پہلی

[2] پارہ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۸۰، ۸۱

ممالک کو پستی اور ذلت سے نہیں نکالتا کیونکہ خود فرمایا ہے کہ:-

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ۔ [1]	مسلمان کافروں کو دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا۔ اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ اور رسول سے کچھ علاقہ (تعلق) نہ رہا۔

دوستی تو پھر بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا کافروں کی طرف جھکنے، ذرا سا دل لگاؤ رکھنے سے بھی منع فرمایا اور ایسا کرنے پر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ڈر سنایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:-

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ [2]	اور ظالموں (کافروں) کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ (جہنم کی) چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں، پھر مدد نہ پاؤ گے۔

مندرجہ بالا آیت میں کافروں کی جانب میلانِ طبع رکھنے پر بھی جہنم کے داخلے اور شفاعت سے محرومی کی وعید سنائی ہے۔ اب یہ ملاحظہ ہو کہ کافروں سے دوستی کرنے والے قرآن کریم کی رو سے منافق ہیں اور کافروں کے در کے بھکاری۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:-

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ [3]	خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان (کافروں) کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے۔

---

[1] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۲۸

[2] پارہ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۱۱۳

[3] پارہ ۵، سورۂ النساء، آیت ۱۳۸، ۱۳۹

یہی نہیں بلکہ جس قسم کے کافروں سے دوستی کی جائے گی، دوستی کرنے والے مسلمان بھی عنداللہ اُن کی فہرست ہی میں شمار ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ [۵۱]

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی اُن سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

کافر خواہ باپ ہو یا بھائی، اُس سے بھی دوستی کرنے، دلی ہمدردی رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں دکھاتا ہے۔ ایسا کرنا بھی ملّی غیرت اور دو قومی نظریہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ [۵۲]

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں۔ اور تم میں جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو وہی ظالموں میں سے ہے۔

کفار سے دوستی رکھنے والوں کے بارے میں یہاں تک قرآن کریم نے بتایا کہ وہ فاسق[۱] ہیں، اُن پر[۲] اللہ کا غضب ہے، وہ ہمیشہ[۳] کے عذاب میں پڑیں گے، اُن[۴] کا اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ رہا، وہ آگ[۵] میں ڈالے جائیں گے، اُن کی کوئی بھی شفاعت نہ کرے گا، وہ[۶] منافق ہیں، کافروں[۷] سے خدا کو چھوڑ کر عزت کی بھیک مانگتے ہیں، اُن کا شمار یہود و نصاریٰ

---

[۵۱] پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۵۱،

[۵۲] پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۲۳

وغیرہ میں ہوگا، وہ ظالم ہیں۔ یہ دس وعیدیں مذکورہ آیات میں آئیں، مزید:-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ [1]

تم نہ پاؤ گے اُن لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہیں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی رُوح سے اُن کی مدد کی اور اُنھیں باغوں میں لے جایا جائے گا، جن کے نیچے نہریں بہیں۔ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سُنتا ہے اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔

جو اللہ اور رسول کے دشمنوں یعنی غیر مسلموں سے محبت اور دوستی کا علاقہ نہیں رکھتے، خواہ حسب و نسب کے لحاظ سے وہ اُن کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں، تو ایسے غیرت مند مسلمانوں، دو قومی نظریہ کے حامیوں کو قرآنِ کریم کی مذکورہ آیت نے سات بشارتیں سُنائی ہیں، جو یہ ہیں:-

۱- ایسے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ ایمان نقش کر دیتا ہے۔

۲- اپنی طرف کی رُوح سے اُن کی مدد فرماتا ہے۔

---

[1] پارہ ۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲۔

۳ - ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے۔
۴ - وہ اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے ہیں۔
۵ - اُنھیں ایسی جنت میں داخل کیا جائے گا جس کے نیچے نہریں رواں ہیں۔
۶ - ایسے لوگوں کا گروہ، اللہ کی جماعت ہے۔
۷ - یہ جماعت کامیابی سے ہمکنار ہے۔

جائے غور ہے کہ دنیا اور آخرت کی کونسی بھلائی ہے جو اِن ساتوں بشارتوں سے باہر رہ گئی؟ دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی ہاتھ آجاتی ہے لیکن کب؟ اُس وقت جب کافروں سے دوستی نہ رکھی جائے۔ اُنھیں اللہ اور رسول کا دشمن سمجھ کر اپنا دشمن شمار کیا جائے، اُن سے دلی نفرت کی جائے، دو قومی نظریہ کا دل و جان سے احترام کیا جائے اگر اس کے برعکس کفار سے دوستی رکھی گئی تو مذکورہ بشارتیں وعیدوں میں بدل جائیں گی یعنی:-

۱ - ایمان اُن کے دلوں میں قرار نہیں پائے گا۔
۲ - اللہ تعالیٰ اُن کی مدد نہیں فرمائے گا۔
۳ - اللہ تعالیٰ اُن سے راضی نہیں ہوگا۔
۴ - وہ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں ہونگے۔
۵ - اُنھیں دوزخ میں پھینکا جائے گا جو بُرا ٹھکانا ہے۔
۶ - ایسے لوگوں کے گروہ کا نام شیطان کی جماعت ہے۔
۷ - یہ جماعت کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتی۔

کافروں سے دوستی نہ رکھنے کی جہاں یہ وجوہات ہیں کہ اُن سے دوستی رکھنا ملی غیرت کے خلاف ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں وہاں ایک فطری اور نفسیاتی وجہ بھی ہے کہ کفر و اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی لیے

مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کافر اسلام و مسلمین کی خیر خواہی کریں۔ وہ دوستی کے رنگ میں بھی نزدیک آئیں گے تو کھل کر دشمنی رکھنے سے بڑھ کر نقصان پہنچائیں گے۔ خدائے حکیم و خبیر نے اُمّتِ محمدیہ کو اِس حقیقت سے یوں آگاہ فرمایا ہے:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ [۱]

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ اُن کی آرزو ہے جتنی ہو سکے تمہیں ایذا پہنچے، بغض اُن کی باتوں سے جھلک اُٹھا۔ اور وہ جو سینوں میں چھپائے ہیں وہ بڑا ہے۔ ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر بتا دیں، اگر تمہیں عقل ہو۔

دو قومی نظریہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ کافروں سے دلی نفرت ہو اور کفر کو مٹانے کی پوری کوشش کی جائے۔ اِس کے برعکس اگر کوئی غیر مسلموں سے دوستی رکھے تو اُس کے بارے میں قرآنِ کریم کی چند آیتیں حسبِ وعدہ پیش کر دی ہیں۔ جب کلامِ الٰہی پر ہمارا ایمان ہے تو اِن آیات کی روشنی میں ہمیں اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہیے اور اگر ہمارا اندازِ فکر اِس حکمِ خداوندی کے مطابق نہ ہو تو ہمارا اوّلین فریضہ ہے کہ مسئلہ کی حقیقتِ نفس الامری کا علم ہو جانے پر اپنے زاویۂ نظر کو قرآنی احکام کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

دو قومی نظریہ کا دوسرا تقاضا مسلمانوں سے دلی محبت رکھنا اور اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے بساط بھر کوشاں رہنا ہے۔ اِس سلسلے میں بھی اگر ہم اپنے گریبانوں میں

---

[۱] پارہ ۴، سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۱۸

جھانک کر دیکھیں تو یقیناً شرمندگی ہوگی کیونکہ آج ہمارا طرۂ امتیاز تو یہ ہے کہ دین و ملت کی خیر خواہی کو بالائے رکھ کر ہر کوئی اُس دوڑ اور بازی میں شامل ہونے کی کوشش کر رہا ہے جو مالی منفعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خاطر لگی ہوئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ مال اکٹھا کرنا مقصدِ زندگی بن گیا ہے، خواہ اِس کی خاطر قطع رحمی کی جائے، کسی کے بچوں کا گلہ کاٹا جائے، خواہ کسی کی سسکیاں اور آہیں مول لینی پڑیں۔ خواہ کسی کا بسا گھر اُجڑ جائے۔ اپنی زندگی کو آرام و راحت سے گزارنے کی خاطر کونسا حربہ ہے جو آج اختیار نہیں کیا جاتا؟ جو ایک دوسرے کی خاطر جان دینے کے لئے تیار رہا کرتے تھے وہ ایک دوسرے کی جان لینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ جو دوسرے کے مال کو اپنے لئے حرام سمجھتے تھے آج اُن کی آمدنی کا بیشتر حصہ دوسروں کے جان لینے پر منحصر ہے۔ گویا شاہین کو زاغ و بُوم بن کر رہنا پسند آگیا ہے۔

رہبری کے پردے میں رہزنی، انصاف کی آڑ میں ناانصافی، انتظام کے پردے میں بدنظمی، قانون کے نام سے لاقانونیت، ثقافت کے نام سے فحاشی و عیاشی، اِصلاح کی آڑ میں فساد، بناؤ کے پردے میں بگاڑ اور تعمیر کے نام سے تخریب ہو رہی ہے۔ بھائی بھائی کو دھوکا دے رہا ہے، بھائی بھائی کا مال چھین رہا ہے۔ بھائی بھائی کی عزت پر ڈاکہ ڈال رہا ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے اور بھائی بھائی کا ایمان چھین رہا ہے، کیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا مظاہرہ اِسی طرح ہونا چاہیئے؟ کیا اپنے مسلمان بھائیوں سے دلی محبت اِسی کاروبار کا نام ہے؟ کیا اُمت ملّتِ اسلامیہ کی خیر خواہی اِسی تماشے کو کہیں گے؟ کیا اِس افراتفری، لوٹ کھسوٹ اور مار دھاڑ کے ذریعے ہی اسلام کی ترویج و ترقی ہوگی؟ سوچیے اور اپنے ضمیر سے اِس کا جواب پوچھیے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ مسلمان آپس میں بھائی ہونے کے فوراً بعد مومنات

کا جو عملی نمونہ پیش کیا وہ تاریخِ عالم کا ایسا نادر اور سنہری نمونہ ہے جس کی مثال کسی بڑے مصلح سے پیش نہ کی جا سکی اور جسے ہر دور کے مدبرین نے سراہا ہے۔ قرآنِ کریم نے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں مسلمانوں کی رہبری نہ فرمائی ہو کہ دوسرے مسلمانوں سے اسے کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ اولاد کو والدین کو اولاد سے، بیوی کو خاوند سے خاوند کو بیوی سے، بڑوں کو چھوٹوں سے، چھوٹوں کو بڑوں سے، حکومت کو رعایا سے، رعایا کو حکمران سے غریبوں کو امیروں سے، امیروں کو غریبوں سے، تندرست کو بیمار سے، صاحبِ استعداد کو حاجت مند سے، جوانوں کو بوڑھوں سے، بوڑھوں کو جوانوں سے، جاہل کو عالم سے عالم کو جاہل سے، آجر کو مزدور سے، مزدور کو آجر سے، تاجر کو گاہک اور گاہک کو تاجر سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ غرضیکہ قرآنِ کریم نے ہر طبقے کے انسانوں کی رہنمائی فرمائی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کامیاب بنانے کے اصول بتائے ہیں، جن پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت کی کامیابی مقدر ہو جاتی ہے، دنیا امن و امان کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ اور یہ فانی جہان بھی جنت نشان بن جاتی ہے۔ یہ دولت موجود ہے لیکن عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی خیر خواہی کے ساتھ اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے کوشاں رہنا بھی ہر مسلمان کا فریضہ اور دو قومی نظریہ کا تقاضا ہے۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ پاکستان میں دین کی ترقی و ترویج کی جگہ اپنے اپنے فرقے کو مستحکم کرنے کی کوشش نے لی ہوئی ہے۔ تمام فرقے اسلام کے نام پر اپنی اپنی دکان سجائے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ میں شامل ہیں۔ دوسری جانب علمائے اہلسنت و جماعت اور مشائخ، ظاہر ہے کہ وہ صورتِ حال سے آنکھیں بند کر کے خاموش اور خود فراموش ہیں۔ بعض حضرات جو اس سلسلے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں ان کی کاوشیں قابلِ قدر ہیں لیکن صورتِ حال کے پیشِ نظر ناکافی ہیں کاش! ان میں سے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کرنے والے پیدا ہوں، جو حالات کی اس ستم ظریفی کا مقابلہ کریں اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کریں۔

دو قومی نظریہ کے بارے میں جملہ تفصیلات کو سمیٹ کر اور دریا کو کوزے میں بند کر کے دو حرفی بات یوں کی جا سکتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو عام کر کے اور اپنے قومی تشخص کو ابھار کر ہی دو قومی نظریہ کے گلشن کی آبیاری کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو باقی سب کچھ زبانی جمع خرچ ہے، جس سے شاید کوئی سیاسی فائدہ تو حاصل کیا جا سکے لیکن ملک و ملت کے ہاتھ تلے کچھ نہیں پڑے گا۔ پس یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات عام ہوں۔ اسلامی اصولوں پر عمل کیا اور کروایا جائے۔ غرضیکہ ہماری گفتار اور کردار، صورت اور سیرت ہمارے مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہو۔ ہم اتباعِ رسول کے چلتے پھرتے سمجھتے اور نمونے نظر آئیں۔ اسی صورت میں ہم پر رحمتِ خداوندی کے پھولوں کی بارش ہو سکتی ہے۔ اسی صورت میں وہ عظمتِ رفتہ پھر حاصل کی جا سکتی ہے۔ جو ہمارے اسلاف کا مقدر کا مقدر ہو کر رہ گئی تھی اور اپنی نااہلی کے باعث جس ورثے سے ہم محروم ہوئے پڑے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی مدِنظر رکھنی چاہیے کہ حلقہ بگوشانِ اسلام کی جماعت صرف ایک ہے یہ قوم اول و آخر ایک ہے اور ایک ہی رہتی ہے جبکہ غیر مسلم مختلف ذیلی اقوام میں بٹے ہوئے ہیں۔ وہ نہ کبھی آپس میں ایک ہوئے ہیں نہ تا قیامت ہو سکتے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ اپنی وحدت کے باعث بکھرے ہوئے غیر مسلموں پر ہمیشہ غالب آتی رہی لیکن جب سے بعض گندم نما جو فروشوں نے، رہبروں کے بھیس میں رہزنوں نے اور خیرخواہوں کے بھیس میں لنکا ڈھانے والے گھر کے بھیدیوں نے ملتِ اسلامیہ کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیے۔ اس کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا، اس کے مختلف فرقے بنا کر اس کی اجتماعی قوت کو منتشر اور آپس میں متحارب بنا دیا، اس وقت سے وہ عظمتِ رفتہ جو ہمارے اسلاف کے ساتھ لازم و ملزوم ہو کر رہ گئی تھی، ہم سے

دُور دُور رہتی ہے۔ لٰہذا فرقہ سازوں اور اُن کے اعیان و انصار نے مِلّتِ اسلامیہ کو وہ نقصان پہنچایا ہے جو کُھلے دشمنوں سے کبھی میدانِ جنگ میں بھی نہ پہنچایا جا سکا۔ گلشنِ اسلام کی تباہی میں اِن نام نہاد مُصلحین کا حصّہ کُفّار و مشرکین سے بھی زیادہ ہے۔ ان کی پُراسرار مضرّت کو سمجھنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ شہد میں لپیٹ کر زہر کھلانے والے اِن معالجوں کے شر سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

متحدہ ہندوستان میں دو قومی نظریہ کو جب پہلی مرتبہ اکبر کے دور میں مٹانے کی بھرپور کوشش کی گئی تو خداوندِ کریم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے اسے قائم رکھا۔ اُنھوں نے تائیدِ ایزدی سے کفر و اسلام اور حق و باطل کے درمیان، فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سچا وارث بن کر خطِ فاصل کھینچ دیا۔ اپنی حکمتِ کاملہ سے گلشنِ اسلام کی وہ آبیاری کی کہ نہ صرف اِسے تر و تازہ کیا بلکہ بہاروں سے ہمکنار کر دکھایا۔ اکبری دور کی ستم ظریفی کے سلسلے کو ختم کروانے کی خاطر آپ نے خانِ اعظم کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے فرمایا تھا۔

> ”آپ پوری کوشش کریں کہ اہلِ کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں اُنھیں نیست و نابود کر دیا جائے اور اہلِ اسلام خلافِ شرع اُمور سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔“[1]

یہ ہے دو قومی نظریہ کا پاس، جس کی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تلقین فرمائی کہ کفر کی بربادی میں اسلام و مسلمین کی ترقی کا راز پنہاں ہے۔ بہار کے گورنر، جناب لالہ بیگ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت آپ نے اِس نظریہ کھل کر بیان فرمایا تھا۔

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۶۵

دو قومی نظریہ کا نعرہ بلند کرنے والے ذرا اِس عبارت کو بہ چشمِ بینا سے دیکھیں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، جو صاحبِ خُلقِ عظیم تھے، کفار سے جہاد کرنے اور اُن پر سختی فرمانے کا حکم دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ سخت رَوَیہ اختیار کرنا بھی خُلقِ عظیم کا ایک حصّہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی ذلّت و خواری میں ہے جس نے کافروں کی عزت کی اُس نے اسلام کو ذلیل کیا۔ عزت دینے سے یہی مراد نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اُن کی تعظیم کی جائے اور اُنھیں اونچی جگہ بٹھایا جائے، بلکہ اُنھیں اپنی مجالس میں جگہ دینا، اُن کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور اُن سے گفتگو کرنا بھی اُن کے اعزاز میں داخل ہے۔

اُنھیں کُتوں کی طرح دُور رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی دنیاوی غرض یا کام صرف اُن سے ہی متعلق ہو اور کسی دوسرے کے ذریعے وہ کام نہ ہو سکے تو اُنھیں ذلیل جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت اُن سے معاملہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اسلامی کمال تو یہ ہے کہ دنیاوی غرض کے لیے بھی اُن سے مطلقاً رابطہ قائم نہ کیا جائے اور قطعاً میل جول نہ رکھا جائے۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اُنھیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دشمن قرار دیا ہے۔ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میل جول اور اُنس و محبت رکھنا بہت بڑی خطاؤں میں سے ہے۔ اِن کے دشمنوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا کم سے کم ضرر یہ ہے کہ شرعی احکام جاری کرنے کی طاقت اور احکامِ کفر مٹانے کی قوّت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے اور باہمی تعلقات کا لحاظ اِن اُمور سے مانع ہوتا ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت نقصان دِہ ہے۔

خدا کے دشمنوں کی دوستی ایک انسان کو خدا کا دشمن بنا دیتی ہے اور پیغمبر خدا سے دشمنی رکھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ شخص یہی گمان کرے گا۔ کہ میں مسلمان ہوں، اللہ و رسول کی تصدیق کرتا اور اُن پر ایمان رکھتا ہوں لیکن وہ نہیں جانتا کہ اُس کی اِس روش اور بے ڈھنگی چال نے اُسے اسلامی دولت سے یکسر محروم کر دیا ہے...... اُن نالائقوں (کفار) کا کام ہی اسلام و مسلمین کا مذاق اُڑانا ہے اور وہ اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ موقع ملے تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا کفر کی جانب پھیر دیں۔ دریں حالات مسلمانوں کو بھی ملّی غیرت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ہندوستان میں اہل کفر سے جزیہ کا موقوف ہونا اُن علاقوں کے امراء و سلاطین کی نالائقی کے باعث ہُوا۔ کفار سے جزیہ لینے کا اصل مقصد کافروں کو ذلیل و خوار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ذلت و خواری کے لیے ہی جزیہ وضع فرمایا ہے یعنی کافروں کو ذلت اور رسوائی اور مسلمانوں کو عزت و غلبہ حاصل ہو غیر مسلم کے قتل میں اسلام کا نفع ہے۔ اہلِ کفر سے بغض و عناد رکھنا دولتِ ایمانی سے مالامال ہونے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اُنھیں نجس اور ناپاک قرار دیا ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ کافروں کو اُسی نظر سے دیکھیں جس نظر سے ناپاک چیزوں کو دیکھا جاتا ہے، جب مسلمان اُنھیں اِس طرح دیکھیں گے اور ذلیل جانیں گے تو یقیناً اُن کی صحبت سے پرہیز کریں گے اور اُن کی ہمنشینی کو معیوب جانیں گے۔ اُن سے مشورہ لینا، پھر اُس کے مطابق عمل کرنا، دشمنانِ خدا کا انتہائی اعزاز ہے، جس کی اسلام قطعًا اجازت نہیں دیتا۔"[1]

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۶۳

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عبارت میں دو قومی نظریہ اور اُس کے دونوں تقاضوں کو جس شرح و بسط سے بیان کر دیا ہے اُس کی موجودگی میں کسی وضاحت کی مزید ضرورت باقی نہیں رہتی۔ شیخ فرید بخاری علیہ الرحمہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت آپ نے اِس سلسلے میں یہ فرمایا تھا:

"کفر اور کافروں کو ذلیل کرنے میں اسلام و مسلمین کی عزت ہے۔ جزیہ سے کفار کی ذلت و اہانت ہی مقصود ہے۔ کافروں کی جس قدر عزّت کی جائے اسلام کی اُسی قدر ذلت ہے۔ اس حقیقت کو خوب مدِّ نظر رکھنا چاہیئے۔ اکثر لوگوں نے اِس اُصول کو نظر انداز کر کے اپنی بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور اُن پر سختی فرماؤ۔ پس کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور اُن پر سختی کرنا ضروریاتِ دین سے ہے۔"[1]

نیز اسی مکتوبِ گرامی میں آپ نے مشرکینِ ہند (ہندوؤں) کے ایک سرغنہ، گوبند نامی کے قتل ہونے پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"کافر لعین گوبند اور اُس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہُوا اور یہ مردود ہندوؤں کی شکست کا باعث ہوگا۔ اُس کو خواہ کسی نیت اور کسی بھی غرض کے تحت قتل کیا گیا، بہرحال اس میں کفار کی ذلت و رسوائی اور اہلِ اسلام کی ترقی ہے۔ اس فقیر نے کافر مذکور کے قتل ہونے سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ بادشاہِ وقت نے شرک کی کھوپڑی کو توڑا ہے۔ واقعی وہ بہت بڑا بُت پرست، مشرکین کا سرغنہ اور کافروں کا امام

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۹۳

تھا۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں ذلیل وخوار کرے۔ بلکہ دنیا وآخرت کے سردار نبی کریم علیہ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں مشرکین پر یوں، لعنت ونفرین کی۔ اے اللہ اِن کی جمعیت کو پراگندہ کر، اِن کی جماعت میں تفرقہ ڈال، اِن کے گھروں کو ویران کر، اپنی قوتِ کاملہ کے مطابق پکڑ۔[۵۱]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخدوم زادگان یعنی خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔

”فقیر کی نظر میں حق سبحانہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں اُس کے دشمنوں سے بیزار رہنے کے برابر کوئی عمل نہیں۔ اِس بیزاری کا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ کو کفر اور کافروں سے عداوت ہے۔“[۵۲]

جنابِ مرتضیٰ علی خاں کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت یہ مسئلہ آپ نے اُن کو یوں سمجھایا۔

”ہر شخص کے دِل میں کوئی نہ کوئی خواہش ضرور ہوتی ہے جبکہ اِس فقیر کی دِلی خواہش یہ ہے کہ اللہ ورسول (جلّ جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے دشمنوں پر سختی کی جائے، اُن کی اہانت کی جائے اور اُن کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل وخوار کیا جائے۔ فقیر کا اِس بات پر کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِس سے زیادہ پسندیدہ اور پیارا عمل اور کوئی نہیں ہے۔ بایں وجہ آپ کو بار بار اِس محبوب عمل کی ترغیب دی جاتی رہی ہے۔ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچانا میرے نزدیک نہایت ضروری ہے۔

---

[۵۱] ایضاً

[۵۲] مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۶۶

چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اُس گندے مقام اور وہاں کے باشندوں کی تحقیر و اہانت کے لیے آپ کا تقرر ہوا ہے۔ لہٰذا پہلے تو اِس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ کتنے ہی لوگ اُس جگہ کی اور وہاں کے باشندوں کی تعظیم و توقیر کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اِس مصیبت سے اُس نے ہمیں محفوظ رکھا ہے۔ اِس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد اُن بدبختوں اور اُن کے جھوٹے خداؤں کی توہین و تذلیل میں پوری طرح کوشاں رہنا چاہیے اور اُن کی بربادی کے لیے ظاہر باطن میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنی چاہیے۔"[1]

مکتوباتِ امامِ ربانی کی مذکورہ بالا چند عبارتوں سے بالکل واضح ہے کہ دو قومی نظریہ کیا ہے اور حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس پُرفتن دور میں کس طرح اِس نظریہ کی علمبرداری کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا جاتا۔ یہ کارنامہ دسویں صدی ہجری کے اواخر اور گیارھویں صدی کے اوائل میں انجام دیا گیا تھا۔ یعنی اکبری دَور میں دو قومی نظریہ کو مٹانے کی حکومتِ وقت نے بھرپور کوشش کی جبکہ ایک بوریانشین نے اپنی قوتِ ایمانی اور جذبۂ فاروقی سے عہدِ جہانگیری میں اِس نظریہ کی جڑوں کو مضبوط کیا اور اِس کے خلاف کی ہوئی ہر سازش اور شرارت کے تار پود بکھیر کر رکھ دیے۔ جہانگیر کو اکبر کا جانشین نہ بننے دیا بلکہ سلطانِ اسلام بنا دیا۔

؎ نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اکبری دَور کے بعد دو قومی نظریہ کو پامال کرنے اور اسلامی قدروں کو مٹانے کا

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۶۹

دوسرا دور برٹش گورنمنٹ کے عہد میں آیا۔ متحدہ ہندوستان کے اندر یہ عہد حکومت اس دوسرا دور اِس لحاظ سے بڑا پُراسرار ہے کہ اِس میں ۱۸۵۷ء سے پہلے انگریزوں کی پالیسی واضح اور تشدد آمیز تھی لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کا سلوک سراسر معاندانہ تو ضرور رہا لیکن بڑے پیار کے بعد مسلمانوں کے ساتھ اور وہ بھی خود مسلمانوں کے بااثر افراد کے ہاتھوں۔ اب مسلمانوں اپنی رواداری پر دھبہ لگوانا بھی نہیں چاہتے تھے اور مسلمانوں کو من حیث القوم دیکھنے کے لیے تیار بھی نہ تھے۔

اب مسلمانوں کے گلے پر چھُری اِس طرح پھیری جاتی تھی کہ چھُری چلانے والے خود مسلمانوں کے معتمد ہوتے، یعنی اِن کے اپنے لیڈر، خیرخواہ، مصلح، ریفارمر اور مولوی ہی اس کارِ خیر کو سرانجام دیتے تھے۔

اِس مرحلے پر مسلمانوں کے کتنے ہی بااثر افراد برٹش گورنمنٹ کے دست و بازو بن گئے۔ اُن کے مفادات کے محافظ ہو گئے۔ اُن کا جینا اور مرنا استعمارِ مغرب کے استحکام کی خاطر وقف ہو کر رہ گیا۔ ایسے حضرات کی فہرست تو بڑی طویل ہے، جن کے تفصیلی خدوخال ہم نے تاریخ کی روشنی میں معارفِ رضا، جلد اوّل کے اندر پیش کیے ہیں، لیکن ان میں سے سرِفہرست یہ حضرات ہیں۔

۱۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء)
۲۔ سید احمد رائے بریلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء)
۳۔ میاں نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء)
۴۔ مولوی محمد حسین بٹالوی (المتوفی ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء)
۵۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء)
۶۔ مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء)
۷۔ مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)

۸ - مولوی محمد الیاس کاندھلوی (المتوفی سنہ ۱۳۶۳ھ / سنہ ۱۹۴۴ء)
۹ - سرسید احمد خاں (المتوفی سنہ ھ / سنہ ء)
۱۰ - علامہ شبلی نعمانی (المتوفی سنہ ۱۳۳۲ھ / سنہ ۱۹۱۴ء)
۱۱ - مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی سنہ ۱۳۲۶ھ / سنہ ۱۹۰۸ء)

یہ وہ حضرات ہیں۔ جو چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے اور استعمار مغرب کے سامنے سربسجود ہونے والے اپنے اپنے قافلے سالار تھے۔ غرضیکہ اِس دَور میں کتنے ہی بظاہر مقدس چہرے اور کتنے ہی صاحبانِ جبہ و دستار بھی گندم نما جو فروش ہو کر رہ گئے تھے مسلمان انھیں اپنا خیر خواہ اور اپنا رہنما سمجھ کر اُن کے پیچھے لگتے اور ایسے حضرات اُن کا رُخ بڑے پُراسرار طریقے سے حرم سے ہٹا کر لندن کی جانب پھیر دیتے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ رُخ تو بظاہر حرم کی جانب ہی نظر آتا لیکن دِل کا رشتہ لندن سے جوڑ دیتے تھے۔

جب حصولِ آزادی کی خاطر ہندو لیڈروں نے اپنی قوم کو ہر طرح تیار کر لیا اور مسلمان لیڈروں نے دیکھا کہ انھوں نے تو اپنی قوم کا کچھ بھی نہیں سنوارا۔ قوم کو تیار کرنے میں اُن کا کام ہندو لیڈروں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے تو مسلمانوں کی رہنمائی کا دَم بھرنے والوں میں سے بعض یارانِ سرِپل نے اسی میں بہتری سمجھی کہ گاندھی کی آندھی میں تنکوں کی بلندیوں کو شرمائیں۔ حالانکہ اِس پرواز میں اُن کا اپنا کوئی بس نہ تھا، وہ تو محض تنکے تھے، یہ سب کچھ آندھی میں تنکوں کی طرح اُڑتے پھرے۔ خوب اُونچی پرواز دکھائیں، فضا میں اپنے ہوائی گھوڑے دوڑائیں اور اِس پر دل کھول کر آسمان کی بلندیوں کو شرمائیں۔ حالانکہ اِس پرواز میں اُن کا اپنا کوئی بس نہ تھا، وہ تو محض تنکے تھے، تو یہ ہے کہ اِس بے اختیاری و مجبوری کا نہ اُس وقت احساس ہوا اور نہ آج تک بُت پرست نوازی اور زنار دوستی کا قوم کو سبق پڑھانے کا ملال۔ نشہ کچھ ایسا چڑھا ہے کہ اُترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیڈر اور رہنما کہلانے والے ہندوؤں سے سبق حاصل کر کے ہی سہی لیکن اپنی قوم کو تیار کرنے کی کوشش فرمائی، یہ موضوع بحث نہیں، ہاں بعض حضرات نے اپنی لیڈری کی شان، مولویت کی آن اور مسلم قوم کی اُٹھان اسی میں سمجھی کہ گاندھی کے قدموں میں جگہ مِل جائے۔ توحید کس طرح سربازار بُت پرستی پر قربان ہو سکتی ہے، یہ گُل کِھل جائے۔ شاید اُن کا یہ پختہ عقیدہ ہو کر رہ گیا تھا کہ جو مسلمان کہلانے والا بُت پرست نوازی اور زُنّار دوستی کی پاداش میں آج بہتی گنگا کے منجدھار میں بھی ڈبو دیا گیا تو کل وہ کوثر و تسنیم کے کنارے جا اُبھرے گا۔ شاید ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی بازی اِسی لیے لگی ہوئی ہو سکتی کہ وہ ایسے حضرات کے نزدیک چودھویں صدی کے مسلمانوں کی نجات سے شریعتِ محمدیہ نے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر دیا ہو اور بارگاہ الٰہیہ کا قرب بُت پرست نوازی میں منحصر ہو کر رہ گیا ہو۔

جو حضرات اِن ہندو مزاج مسلمان کی لیڈری کر رہے تھے، ہنود کی پختہ زنّاری کو دیکھ کر رشتۂ تسبیح کو خود توڑ کر رہے تھے، آیات و احادیث کی روشنی میں گزاری ہوئی عمر کو بُت پرستوں پر نثار کر رہے تھے، اپنی توحید کے پھولوں کو بُت پرستی کی دیوی پر چڑھا رہے تھے، وہ مسجد کو مندر پر اور حرم کو سومنات پر قربان کر رہے تھے۔ ایسے حضرات کی قیادت کا فریضہ انجام دینے والے حضرات کے نام یہ ہیں:-

۱۔ مولوی محمود الحسن (المتوفی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

۲۔ مولوی حسین احمد (المتوفی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء)

۳۔ مفتی کفایت اللہ دہلوی (المتوفی ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء)

۴۔ جناب ابوالکلام آزاد (المتوفی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء)

۵۔ مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی (المتوفی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء)

۶۔ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری (المتوفی ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء)

۷۔ مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی (المتوفی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء)
۸۔ مولوی محمد داؤد غزنوی (المتوفی ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء)
۹۔ خان عبدالغفار خان (خان صاحب تاحال بقیدِ حیات ہیں)

اِن حضرات نے مسلمانوں کو گاندھی کے آگے جھکانے، بُت پرست نواز بنانے اور دو قومی نظریہ کو پامال کر دینے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہُوا تھا۔ گاندھی جتنا کام سیکڑوں ہندو لیڈروں اور پنڈتوں سے نہیں لے سکتا تھا اُس سے بڑھ کر اسلام دشمنی کا کام اِن چند مولویوں اور لیڈروں سے لے لیا۔ اِس صورتِ حال نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ہندو اکثریت اور ہندو پرستوں کے شر سے محفوظ رہنے کی خاطر ملک کے ایک حصّے کو اپنی پناہ گاہ بنائیں۔ اِسی ضرورت کے پیشِ نظر ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرار داد پاکستان منظور کی گئی۔ ملّتِ اسلامیہ کے بہی خواہوں نے مطالبۂ پاکستان کو اپنے قومی تحفظ کی خاطر منزلِ مقصود بنا لیا اور اس کی جانب پوری سرگرمی سے رواں دواں ہو گئے جبکہ بُت پرست نوازوں نے نظریۂ پاکستان کو اپنے آقاؤں کے مفادات پر کاری ضرب سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی اور حقِ نمک ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

جب گاندھوی حضرات نظریۂ پاکستان کی سر توڑ مخالفت کر رہے تھے تو مجدد مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور علمائے اہلسنت کی اکثریت نے پاکستان کے حصول کو اپنا مِلّی حق سمجھتے ہوئے اپنے مطلبے کی کشتی کو ساحلِ مراد پر لگانے کی خاطر تن من دھن کی بازی لگا دی اور قیام پاکستان کے لیے دیوانہ وار شب و روز کام کرنے لگے۔ جہاں مشرکینِ ہند کی عددی کثرت مطالبۂ پاکستان کے راستے میں قدم قدم پر روڑے اٹکا رہی تھی وہاں مسلمانوں کا بُت پرست نواز گاندھوی ٹولہ، پاکستان دشمنی میں ہندو سے بدرجہا بازی لے گیا۔

بدقسمتی سے ایک وہ وقت بھی آیا جب اُس وقت کے صدرِ دیوبند، مولوی حسین احمد صاحب نے تقریر کرتے ہوئے دہلی میں علی الاعلان کہہ دیا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم اُن دنوں صاحبِ فراش تھے۔ حیاتِ مستعار کے صرف چند روز باقی رہ گئے تھے۔ جب ٹانڈوی صاحب کے مذکورہ الفاظ علامہ مرحوم کے کانوں تک پہنچے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ تھمنے والا سیلاب جاری ہو گیا۔ دل پھٹنے لگا، کلیجہ منہ کو آرہا تھا، یہی سوچتے تھے کہ جس قافلے کے خیر خواہ ہی بدخواہ ہو جائیں، راستہ بتانے والے ہی بہکانے لگ جائیں، میرِ کارواں ہی رہزنوں میں شامل ہو جائیں تو اُس بدنصیب قافلے کا حشر کیا ہو گیا۔ آخر کار شاعرِ مشرق، علامہ سر محمد اقبال مرحوم نے اپنے جذبات کے طوفان کو سمیٹا اور اپنے اسلامی نظریات کے دریا کو درجِ ذیل تین شعروں کے کوزے میں بند کر دیا۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ؛ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن ست ؛ چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ؛ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست[1]

جب اِن اشعار کے منظرِ عام پر آتے ہی ٹانڈوی صاحب کے معتقدین اور دیگر گاندھوی حضرات نے علامہ مرحوم کے خلاف طول طویل بیانات شائع کروانے شروع کر دیئے۔ اور خود ٹانڈوی صاحب نے بھی قوم و ملت کے لغوی معانی پر لمبی چوڑی بحث شروع کر دی تو علامہ اقبال مرحوم نے اس شعر پر ساری بحث کو ختم کر دیا۔

؎ قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

---

[1] ارمغان حجاز، طبع پنجم ۱۹۵۱ء، ص ۲۷۸

علامہ اقبال کے عاشق اور روزنامہ زمیندار، لاہور کے ایڈیٹر یعنی مولوی ظفر علی خاں نے دیوبندی ہونے کے باوجود مولوی حسین احمد صاحب کے مذکور غیر اسلامی نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے اُن دنوں یہ نظم کہی۔

حسین احمد مدنی

وطن جس کی رُو سے ہے بنیادِ ملّت ٭ میں اُس شرع کی کر رہا پیروی ہوں
اہنسا کا فوّارہ اُچھلا ہے جس سے ٭ میں اُس زندگانی کی شانِ نوی ہوں
سکھاتا ہے جو ناچنا اور گانا ٭ میں اُس مدرسہ کا بڑا مولوی ہوں
کبھی میں بھی تھا عازمِ کوئے یثرب ٭ اب اِس عزم کو کر چکا ملتوی ہوں
کوئی قادری ہے کوئی سہروردی ٭ مرا فخر یہ ہے کہ میں گاندھوی ہوں
مجھے لیگ سے اِس لیے دشمنی ہے ٭ وہ عبدالنصاری، میں عبدالہنوی ہوں
برستی ہیں جس سے ترنگی بلائیں ٭ میں اُس عرش پر آجکل مستوی ہوں
سمجھ لوں میں جینا کو کیونکر مسلماں ٭ کوئی میں بھی اشرف علی تھانوی ہوں[1]

بد قسمتی سے آجکل پاکستان میں بعض گاندھوی حضرات نے یہ شور مچایا ہوا ہے کہ علامہ اقبال مرحوم نے مولوی حسین احمد صاحب کے بیان، قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ پر جو تنقید کی تھی، اُس کے پیشِ نظر مانڈوی صاحب سے معافی مانگ لی تھی۔ اس بیان سے صداقت کی ذرا بھی بو نہیں آتی کیونکہ اسلام کو خیرباد کہنے اور کافروں، بت پرستوں کا ہم قوم بننے کی تبلیغ تو گاندھوی صاحب فرمائیں اور معافی مانگ لی تھی۔ اِس صورت میں بحث کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے تھا لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

---

[1] چمنستان، مطبوعہ لاہور، ۱۴۲۔۱۴۳

کہ جب گاندھوی حضرات کے بقول علامہ اقبال نے معافی مانگ ہی لی تو علامہ کے ردّ میں اُن کی وفات کے چھ ماہ بعد مولوی حسین صاحب نے متحدہ قومیت اور اسلام کے نام سے کتاب کیوں لکھی؟ معافی کی صورت میں رد لکھنے کا جواز یا ضرورت نہیں اور ردّ لکھنے کی صورت میں معافی والی بات خلافِ واقعہ نظر آنے لگتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

؎ دیکھو تو دلفریبئ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

علاوہ بریں مولوی حسین احمد صاحب نے تو فرمایا تھا کہ جملہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں ــــ محض ایک خبر تھی نہ کہ منشا یا مشورہ ــــ اِس کے برعکس اُن کی تصنیف متحدہ قومیت اور اسلام اِسے مشورہ اور منشا قرار دے رہی ہے بلکہ اِس سے بھی چار قدم آگے بڑھ کر اِسے مشورہ اور منشا اِسے گاندھوی صاحب کے دین و ایمان کا رکنِ اعظم بتا رہی ہے۔ حال ہی میں لاہور سے یہ بُت پرست نوازی کا سبق پڑھانے والی اور دو قومی نظریہ پر نیشہ زنی کرنے والی کتاب شائع ہوئی ہے اور پاکستان میں بیٹھ کر گاندھوی حضرات نظریہ پاکستان کی بیخ کنی میں مصروفِ عمل ہیں۔ معلوم نہیں ایسا زہریلا مواد آجکل پاکستان میں اتنی جانفشانی سے کیوں پھیلایا جا رہا ہے؟ پاکستان کے بہی خواہوں اور دو قومی نظریہ کی صداقت پر یقین رکھنے والوں کو اِس صورتِ حال کا جائزہ لینا چاہیے۔

احقر کی ناقص رائے کے مطابق قائد اعظم محمد علی جناح نے گاندھویت کے علمبرداروں کو پاکستان میں داخل ہونے کی اجازت دے کر ضرورت سے زیادہ فیاضی، دریا دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بدخواہوں کو گھر میں بٹھا لینا، بلکہ گھر کے سارے راز اُن کے سامنے رکھ دینا، بلکہ انھیں گھر میں برابر کا حصے دار بنا لینا بھی تو رنگ لایا کرتا ہے جس کا پاکستان میں تیس سال سے مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اگر قائد اعظم

نے فیاضی کا ضرورت سے زیادہ مظاہرہ کر ہی دیا تھا، تو کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ گاندھوی حضرات احسان فراموش نہ بنتے اور نظریہ پاکستان کی مخالفت کے جملہ اسباق کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیتے۔

گاندھویت کے مذکورہ دَور کی پوری تاریخ اور اِس کا شرعی جائزہ ہماری تازہ تصنیف دو قومی نظریہ میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے اور معارفِ رضا، جلد اول میں بھی برٹش گورنمنٹ کے وفاداروں اور گاندھویت کے علمبرداروں کے تاریخی خدوخال پیش کیے ہوئے ہیں۔ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے اِن کتابوں کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں۔ اِن کی روشنی میں کتنے ہی خوشنما چہرے بدنما نظر آنے لگیں گے۔

دو قومی نظریہ کو پامال کرنے اور ملّی غیرت کو فنا کرنے کا تیسرا دَور موجودہ زمانہ ہے۔ آجکل مسلمانوں کے اکثر ممالک اگرچہ آزاد اور خود مختار نظر آتے ہیں لیکن نگاہِ حقیقت بیں سے دیکھا جائے تو اِن کا ایک بھی ملک آزاد اور مختار نظر نہیں آئے گا۔ ہمارے اکثر ممالک امریکہ کے شکنجے میں ہیں اور کافی باقی روس کے قبضے میں۔ اب غلامی کی صورت بھی ترقی کر کے اس درجہ پُراسرار ہو گئی ہے کہ کسی ملک کے غلام یا آزاد ہونے کا فیصلہ آسانی سے نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اب ہزاروں میل دُور بیٹھ کر بھی دوسرے ممالک کو غلام بنا لیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی اِس مجبوری و مقہوری میں سب سے زیادہ حصہ اپنے حکمرانوں کا ہے۔ یہ حضرات دینی معلومات سے موجودہ نصاب کے سبب نابلد رہنے اور غیر ملکی تعلیم کے باعث جہاں سلاطینِ اسلام کی ذمہ داریوں سے بے بہرہ رہتے ہیں وہاں ملی غیرت اور ایمانی تقاضے سے بھی بڑی حد تک محروم ہوتے ہیں۔ اِن کے قلوب و اذہان میں اسلامی ممالک کو ایسے کا وہی تصور ہوتا ہے جو مغربی طرز کی درسگاہوں سے انھوں نے حاصل کیا ہوتا ہے۔ کاش! اسلامی ممالک کو ایسے سربراہ میسّر آجائیں جو اِس

ناامیدی کے دَور میں ملّتِ اسلامیہ کو اُس کا کھویا ہُوا مقام واپس دِلا سکیں۔ مسلمانوں کو اِس ذلت کے گڑھے سے نکال کر اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے وعدے کا مصداق بنا دیں۔ اور اِس طرح اِسلام و مسلمین کا بول بالا کر دکھائیں۔ مسلمانوں کو اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ کے معیار کی جانب لائیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

؎ الٰہی پھر مسلمانوں میں پہلی شان پیدا کر
صلاح الدین جیسا آج بھی سلطان پیدا کر

آج مسلمانوں کا کونسا ملک ایسا ہے جو غیر مسلموں سے بھیک مانگنے پر مجبور نہیں اپنی نااہلی کے باعث ہم اس درجہ مجبور بنے بیٹھے ہیں کہ کسی غیر مسلم طاقت کو ہم نے اپنا آقا بنایا ہُوا ہے اور کسی کو اپنا یار و غمخوار۔ جس مالکِ حقیقی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے، جو عزّت و ذلت دینے والا ہے اُس پر ہمیں اتنی بے اعتمادی ہے کہ عزّت حفاظت اور دولت کی طلب میں اُس کے دشمنوں کے آگے سربسجود ہیں۔ اُن پر کامل اعتماد ہے۔ ہر وقت اُن کے آگے ہاتھ پھیلائے، جھولی اُٹھائے بھیک مانگنے کے لیے تیار رہتے ہیں، ہائے افسوس! نہ اسے کوئی توحید کے منافی سمجھتا ہے، نہ اسلامی شان و ایمان آن کے خلاف قرار دیتا ہے اور نہ اسے ملّی غیرت کا جنازہ نکالنا گردانتا ہے۔ کاش! ہمارے حکمرانوں کے کانوں میں شاعرِ مشرق کی یہ آواز پہنچ جائے۔

ع تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک کے سربراہوں نے غیر مسلموں کے رحم و کرم پر جینے مرنے کا تہیہ کیا ہُوا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے ایسے مواقع بھی آ رہی جاتے ہیں۔ جب غیر مسلموں سے مدد لینا ناگزیر ہو جاتا ہے یا عام حالات میں بھی جب اُن سے مدد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا۔ آئیے شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں دیکھیں کہ غیر مسلموں سے کس حالت میں مدد لی جا سکتی ہے۔ موجودہ صدی

کے مجددِ برحق یعنی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد دلائل شرعیہ پیش کر کے اُن کا خلاصہ غیر مسلموں سے مدد لینے کے سلسلہ میں یوں رقم فرمایا :۔

"تحقیق مقام توفیق مغام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں (۱) التجا (۲) اعتماد (۳) استخدام۔ **التجا :۔** یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف و کمزور یا عاجز پا کر کثیر و قوی و طاقتور جتھے کی پناہ لے۔ اپنا کام بنانے کے لیے اُس کا دامن پکڑے۔ یہ بداہتہً اپنے آپ کو اُن کے ہاتھ میں دے دینا ہوگا اور انھیں خواہی نخواہی اُن کے اشارے پر چلنا، اُن کی پس روی کرنی پڑے گی۔

اعتماد :۔ یہ کہ گروہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں، اُنھیں اپنا یاور و یار معین و مددگار بنائیں، اُن کی مدد و موافقت سے اپنے لیے غلبہ و عزت و کامیابی چاہیں۔ یہ گروہ اپنے آپ کو اُن کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں مگر اُن کی ہمدردی و خیر خواہی پر اعتماد یقیناً ہے۔ کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن بدخواہ کو معین و ناصر نہ بنائے گا۔ یہاں مساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوت میں ہمارا ہم سنگ ہو بلکہ خودسر گروہ کہ ہمارے ہاتھ میں مجبور نہیں اور ہمارے ساتھ اظہارِ بدخواہی کر سکتا ہے، اسی شق میں ہے کہ باوصف خودسری اُسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں کفار کے ساتھ یقیناً نصوصِ قطعیہ قرآنیہ سے حرام قطعی ہیں جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ہی آیتیں کافی و وافی ہیں۔ ہرگز کوئی مسلمان انھیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

استخدام :۔ یہ کہ کافر ہم سے دبا ہوا ہو۔ اُس کی چٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو۔ کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو۔ وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث

> یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست وپا ہے، ہم سے خوف وطمع رکھتا ہے۔ خوفِ شدید کے باعث اظہارِ بدخواہی نہ کر سکے گا، بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔"[1]

معلوم ہوا کہ جب غیر مسلم ذلیل وقلیل اور بے دست وپا ہوں تو اس صورت میں ان سے مدد لی جاسکتی ہے جیسے شکاری کُتّے سے مدد لیتے ہیں۔ غیر مسلم اگر طاقت میں ہمارے برابر یا اپنی مرضی پر قادر ہوں تو اِس صورت میں اُن سے مدد لینے کی شریعتِ مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی بلکہ کفار سے ایسی استعانت کو قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا ہے۔ کافروں پر اعتماد کرنے اور اُن کی عزت افزائی میں اسلام ومسلمین کی تذلیل ہے کیونکہ یہ ملّی غیرت، ایمانی تقاضے اور دو قومی نظریہ کو اپنے ہاتھوں زندہ درگور کر دینا ہے۔ یہ کفر کے اعزاز اور ایمان کی تذلیل کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو اسلامی اقدار کے محافظ اور ایمانی غیرت کے نمونے بنائے۔ آمین۔

اسلامی ممالک کے سربراہ اگر چاہیں۔ تو ملّت اسلامیہ کی کشتی جو تلاطم خیز طوفانوں کے تھپیڑے کھا رہی ہے اُسے آج بھی ساحل پر لگا سکتے ہیں۔ کافروں کی غلامی سے اپنی قوم کو آزاد کروا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کو آج بھی اُن کا کھویا ہوا مقام واپس دلوا سکتے ہیں۔ لیکن حصولِ مقصد کی خاطر کتاب وسنت کو اپنا منشور اور لائحہِ عمل بنانا پڑے گا۔ ملّی غیرت، ایمانی تقاضے اور دو قومی نظریہ کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ حالاتِ حاضرہ کے تحت بعض رہنما اصول اپنانے ہوں گے، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ جملہ اسلامی ممالک کے سربراہوں کو کہ اسلامی انقلاب لانے اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی خاطر آمادہ کرنا ہوگا۔ جملہ پیش آمدہ حالات کا حل قبل از

---

[1] الحجۃ المؤتمنہ، مطبوعہ لاہور: ص ۱۰۵

وقت مدِنظر رکھنا ہوگا۔

۲۔ جملہ سربراہانِ مملکت اور اُن کی مشینری کے ہر پرزے کو سب سے پہلے خود شریعتِ مطہرہ کا پابند ہونا پڑے گا اور غیر اسلامی ذہنیت رکھنے والے افراد کو اہم عہدوں پر ہرگز نہ رکھا جائے۔

۳۔ جملہ غیر اسلامی اور لادینی قوانین منسوخ کر کے ہر اسلامی ملک میں خالص اسلامی قانون رائج کرنا ہوگا۔

۴۔ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا پڑے گا۔ اسلامی تعلیمات کو اسکولوں اور کالجوں میں اولیت دینا لازمی ہوگا۔ پھر فنی تعلیم اور اس کے بعد دیگر مضامین۔ جملہ غیر اسلامی اور بیکار مضامین کو نصاب سے فوراً خارج کرنا ہوگا۔

۵۔ درسگاہوں میں اسلامی اصولوں کے مطابق طلبہ کی تربیت کا بندوبست کرنا ہوگا۔ تعلیمی اداروں میں تربیت پانے والوں کی صورت اور سیرت گواہی دے کہ یہ ملتِ اسلامیہ کے نونہال ہیں۔

۶۔ مغربی تہذیب، ٹیڈیت اور ہیپی ٹائپ وغیرہ لعنتوں کو ممنوع قرار دینا ہوگا۔

۷۔ ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات و رسائل اور ریڈیو ٹیلی ویژن وغیرہ کو مسلمان کرنا پڑے گا۔ انھیں قوم و ملک کے ترجمان، اسلامی قدروں کے محافظ اور دین و ملت کے مبلغ بنانا ہوگا۔

۸۔ موجودہ فلمی صنعت کو زندہ درگور کر کے ایسی فلمی صنعت ایجاد کرنا ہوگی جو اسلام کی خادم ہو۔

۹۔ جملہ اسلامی ممالک کا ایک علیحدہ اسلامی بلاک ایسا بنانا پڑے گا جس میں کوئی غیر اسلامی ملک شامل نہ ہو۔

۱۰۔ تمام اسلامی ممالک کو ایک دفاعی معاہدے میں منسلک ہونا چاہیے اور اس

میں غیر مسلموں کو شامل نہ کیا جائے۔

۱۱۔ کوئی اسلامی ملک غیر مسلموں کے کسی دفاعی، اقتصادی یا تجارتی معاہدے میں ہرگز شامل نہ ہو۔

۱۲۔ اسلامی ممالک کے صرف آپس میں سفارتی تعلقات ہوں اور غیر مسلم ممالک سے سفارتی تعلقات نہ رکھے جائیں۔

۱۳۔ اسلامی ممالک کے سربراہ اپنے ہر ملک کے وسائل کا جائزہ لے کر ایک دوسرے کی ضرورت کے کفیل بنیں۔

۱۴۔ کوئی اسلامی ملک کا غیر مسلم ملک کو خام مال ہرگز نہ دے۔

۱۵۔ جملہ اسلامی ممالک کا اپنا مشترکہ بنک ہو۔ ہرگز اسلامی ملک اپنا فاضل سرمایہ اُس میں جمع کروائے۔ اس بنک کو چھوڑ کر مسلمانوں کا کوئی ملک اپنا سرمایہ کسی غیر اسلامی ملک کے بنک میں قطعاً جمع نہ کروائے اور جتنے ممالک کا سرمایہ اُس وقت ایسے بنکوں میں ہو اُسے فوراً نکلوا کر اپنے مشترکہ اسلامی بنک میں جمع کروا دیا جائے۔

۱۶۔ مذکورہ بنک کو سود کی لعنت سے پاک رکھتے ہوئے اسلامی مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے اور ایک ضابطے کے تحت اسلامی ممالک کو اُس سے قرضے دیئے جائیں۔ غیر مسلموں سے بھیک مانگنے کی لعنت سے بچنا چاہیے۔

۱۷۔ اسلامی ممالک مشترکہ صنعتیں قائم کرنے پر پوری توجہ دیں۔ مذکورہ اسلامی بنک بھی اس میں خاص کردار ادا کرے۔

۱۸۔ اسلامی ممالک کی اپنی علیحدہ سلامتی کونسل ہو۔ مذکورہ امور پر مسلم ممالک سے عمل کروانا، غیر مسلم ممالک کے ردِ عمل اور غیر عزائم پر کڑی نگاہ رکھنا، جملہ اسلامی ممالک کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے رکھنا اور اپنے

جملہ متنازعہ معاملات کو پنچائتی طور پر اسلامی اصولوں کے تحت حل [illegible]
کے فرائض میں شامل ہو۔

۱۹۔ کسی غیر مسلم ملک کو اپنی سلامتی کونسل سے ممبر یا رکن ہرگز نہ بنایا جائے اور موجودہ سلامتی کونسل سے جو حقیقت میں ملامتی کونسل ہے، جملہ اسلامی ممالک کو قطعاً لاتعلق ہو جانا چاہیئے۔

اگر جملہ اسلامی ممالک کے سربراہ مِل جُل کر مذکورہ اصولوں کو اپنا لیں تو غیر مسلم طاقتوں کے لیے یہ انیس۱۹ اصول حیثیت میں جہنم کے انیس۱۹ فرشتے ثابت ہوں گے، کفار کو عذاب دینے پر مامور ہوں گے۔ اِس راہ پر گامزن ہونے سے مِلّتِ اسلامیہ کو اُس کی عظمتِ رفتہ دوبارہ مِل سکتی ہے، کافروں کی غلامی سے نجات حاصل ہو سکتی ہے، اسلام و ایمان کے وہ فیوض و برکات میسّر آ سکتے ہیں جو حق و صداقت کے علمبرداروں اور مِلّی غیرت کے پاسبانوں کا مقدر ہیں۔ شاعرِ مشرق، علامہ محمد اقبال مرحوم نے بھی تو یہی خواب دیکھا تھا جو تا حال شرمندۂ تعبیر ہے۔ اُس خواب کا اظہار یُوں کیا تھا۔

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

آج کوئی ایک اسلامی ملک بھی ایسا نہیں جو کافر ممالک سے بطور استخدام مدد طلب کرتا ہو، دولتِ عثمانیہ کا کافروں نے مِل جُل کر اسی لیے خاتمہ کیا تھا۔ آج ہمارے ممالک کو کافروں سے استعانت میں امتداد کی حیثیت بھی حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ بیچارے بطور التجا استعانت کرتے ہیں، جس کی شریعتِ مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی کیونکہ یہ مِلّی غیرت، ایمانی تقاضے اور دو قومی نظریے کے خلاف ہے۔ اسلام ہرگز یہ برداشت نہیں کرتا کہ مِلّتِ اسلامیہ کسی بھی مرحلے پر مِلّتِ کفر یعنی خدا کے دشمنوں کی دست نگر بنے۔ اسلام کا کمال تو اس میں ہے کہ کافروں کو دست نگر

اور ذلیل رکھا جائے چنانچہ جزیہ لینے کا حکم اسی لیے دیا گیا تھا۔
دو قومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے منشا برٹش گورنمنٹ کے وفاداروں، بہی خواہوں اور بت پرست نوازوں کا اجمالی ذکر بھی کر دیا گیا ہے کیونکہ دو تین سال سے گاندھویت کے جراثیم بڑی تیزی سے پاکستانی مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں سرایت کر رہے ہیں۔ نیز دو قومی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے خلاف لٹریچر بڑے اہتمام سے پورے ملک میں پھیلایا جا رہا ہے۔ دورِ حاضر میں مسلمانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ اِس سلسلے میں بھی خیر خواہی کے جذبے سے اپنی ناقص رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ چنانچہ:۔

ــــہ
پندہا دادیم و حاصل شد فراغ
مَا عَلَیْنَا یَا اَخِیْ اِلَّا الْبَلَاغ

باب چہارم

[illegible]

[illegible] کا یہی دعویٰ ہے [illegible]

[illegible] بحبل اللہ [illegible] [1]

[illegible] کر دیا۔

اِس کے ساتھ ہی پروردگار عالم نے یوں بھی فرقہ بازی سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ [2]	اور ان جیسے نہ ہونا [illegible] فرقہ فرقہ ہو گئے اور [illegible] ہو لیا بعد اس کے کہ روشن [illegible] آچکی تھیں۔

لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں میں جب [illegible] پیدا ہونے شروع [illegible] کی مجموعی طاقت کو کمزور کرنے [illegible] علاوہ [illegible] شہرت حاصل کرنے اور دنیا کے آرام و راحت کی ساما [illegible]

---

[1] پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۳

[2] [illegible]

[illegible] اسلام میں اپنی ایجادات کر کے قلمیں لگا کر ترمیم و اضافہ کر کے
[illegible] بدخواہی میں کوئی کمی نہ کی۔ اس سلسلے کی حدیث تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثَۃٍ وَّ
سَبْعِیْنَ فِرْقَۃً ..... کا اس کتاب میں مختلف مقامات پر ذکر ہے۔ اِس حدیث پاک کے
[illegible] خداداد علوم غیبیہ جو سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
[illegible] مشاہدہ سامنے آ گیا۔ تہتر فرقے سب [illegible] سے صدیوں پہلے بن چکے تھے۔

غنیۃ الطالبین کتاب جو [illegible] شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ
اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے اس میں مذکور ہے کہ تہتر فرقے بن چکے ہیں اور اُن کی اصل
[illegible] (۱) اہلسنت وجماعت (۲) خوارج (۳) روافض (۴) معتزلہ (۵)
مرجیہ (۶) مشبہ (۷) جہمیہ (۸) ضراریہ (۹) نجاریہ (۱۰) کلابیہ

ان میں سے خوارج کے پندرہ، معتزلہ کے چھ، روافض کے بتیس، مرجیہ کے بارہ،
اور مشبہ کے تین فرقے ہیں۔ اس طرح پندرہ فرقے خوارج کے، چھ معتزلہ کے، بتیس
روافض کے، بارہ مرجیہ کے اور تین مشبہ کے یہ اڑسٹھ فرقے ہوئے، آ گئے (۶۹)
[illegible] (۷۲) کلابیہ۔ یہ بہتر فرقے گمراہ اور اہلِ بدعت ہیں۔
تہتر واں فرقہ اہلسنت وجماعت کا ہے جو مسلمانوں کی اصلی جماعت اور حق وصداقت
[illegible] گروہ اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم ان کو کہا جاتا ہے۔ حدیث پاک
[illegible]

[illegible]

فرمایا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری
اُمت تہتر جماعتوں (فرقوں) میں بٹ
جائے گی، وہ سب جہنم میں جائیں گے سوائے
ایک جماعت کے۔ صحابہ کرام نے عرض
کی یا رسول اللہ! وہ ایک جماعت کونسی ہے؟

[illegible]

فرمایا: جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور جماعتِ صحابہ کی تابعداری کے باعث اہلِ حق نے اپنی جماعت کا نام اہلسنت وجماعت رکھ لیا تھا تاکہ بدمذہبوں اور جدید فرقوں سے امتیاز رہے اور نام بھی ان حقانیت وصداقت کی وہ گواہی تھی جو فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ دوسری حدیث میں اس حدیث کا آپ نے یوں تذکرہ فرمایا۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالة و ید اللہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار[1]	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ جدا ہو کر جہنم میں گیا۔

یہ حدیث بھی اس امر کی داعی ہوئی کہ اہلِ حق کی جماعت کے نام میں لفظ جماعت بھی ہونا چاہیے۔ اس برحق جماعت کی ایک واضح خصوصیت نبی اکرم، نورِ مجسم، فخرِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی۔

من ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار[2]	ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ جو اس سے جدا ہوا، جدا ہو کر جہنم میں گیا۔

---

[1] [illegible]

[2] ایضاً

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکورہ بہتّر فرقوں کے بارے میں یوں قمطراز ہیں۔

"مجمع ذالک ثلث وسبعون فرقۃ علی ما اخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ"[1]

یہ سب تہتّر فرقے بنتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ اور ان میں سے اہلسنت وجماعت ہی ناجی گروہ ہے۔

گمراہیوں کے مذکورہ بہتّر فرقوں کی پیدائش کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمادیا ہے۔

"وھذا الافتراق الذی ذکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن فی زمانہ ولا فی زمان ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم وانما کان ذالک بعد تقادم السنین"[2]

مذکورہ فرقوں کا بننا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ آپکے مقدس زمانے میں ہوا اور نہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانوں میں ہوا، بلکہ سالہا سال بعد یہ فرقے پیدا ہوئے۔

اِسی سلسلے میں عارفِ ربانی، غوثِ صمدانی، شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) نے فرمایا ہے:

"انّ سائر الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ عنھم اجمعین علی ھدًی من ربھم فی ظاھر الامر وباطنہ"[3]

بیشک چاروں آئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے مقلدین ہی ظاہر و باطن میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔

سوادِ اعظم کی تعریف امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۶۹ھ) کے حوالے سے یوں بیان فرمائی گئی:۔

---

[1] غنیۃ الطالبین مترجم، مطبوعہ کراچی، ص ۳۰۹ [2] غنیۃ الطالبین، ص ۳۰۶

[3] المیزان الکبریٰ، جلد اوّل، ص

كان سفيان الثورى يقول المراد بالسواد اعظم هو من كان اهل السنة والجماعة[1]

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے۔ کہ سوادِ اعظم سے وہی مراد ہیں۔ جو اہلسنت و جماعت کہلاتے ہیں۔

مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ناجی گروہ اور سوادِ اعظم اہلسنت وجماعت ہی کو قرار دیتے تھے۔

فلا شك ولا ريب انهم هم اهل السنة والجماعة[2]

اِس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ناجی گروہ اہلسنت وجماعت ہی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اس بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم، اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج منها خروجا عن السواد الاعظم[3]

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سوادِ اعظم یعنی بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ اور جب مذاہبِ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے سوا باقی سب ختم ہو گئے تو اِن کا اتباع ہی سوادِ اعظم کا اتباع ہے اور اِن سے نکلنا سوادِ اعظم سے نکلنا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے ناجی گروہ کے بارے میں فرمایا ہے۔

---

[1] المیزان الکبریٰ جلد اوّل، ص ۶۳

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد اوّل، ص ق،

[3] عقد الجید، مطبوعہ دہلی، ص ۳۳

امّا مذاہب مختلفہ اہل سنت والجماعت مثل اشعریہ و ماتریدیہ در عقائد و مثل حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی در فقہیات و مثل قادری، چشتی و نقشبندی، سہروردی در سلوک ایں ہمہ را فقیر برحق می داند[1]	اہلسنت وجماعت کے مختلف مذاہب جیسے عقائد میں اشعریہ و ماتریدیہ اور فقہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور تصوف وسلوک میں قادری، چشتی، نقشبندی وسہروردی۔ یہ فقیر (شاہ عبدالعزیز صاحب) ان سب کو برحق جانتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر و خواجہ تاش یعنی خاتم المتقین، سند المدققین، زینۃ المتقدمین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) نے اس فرقہ بازی کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا ہے:۔

در مواقف گفتہ است کہ کبار فرق اسلامیہ ہشت است۔ معتزلہ و شیعہ و خوارج و مرجیہ و نجاریہ و جبریہ و مشبہہ و ناجیہ بعد ازاں معتزلہ را بست فرقہ ساختہ و شیعہ بست و دو فرقہ و خوارج بست و مرجیہ را پنج و نجاریہ را سہ و جبریہ و مشبہ را تفریق نکردہ و فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت اند و مجموع ہفتاد و سہ فرقہ شدہ[2]	مواقف میں کہا ہے کہ بڑے بڑے فرقے (بنیادی طور پر) آٹھ ہیں:۔ (۱) معتزلہ (۲) شیعہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) نجاریہ (۶) جبریہ (۷) مشبہہ (۸) ناجیہ۔ اس کے بعد معتزلہ کے بیس فرقے ہو گئے اور شیعہ کے بائیس فرقے اور خارجیوں کے بیس اور مرجیہ کے پانچ اور نجاریہ کے تین گروہ یا فرقے بن گئے۔ جبریہ اور مشبہہ فرقوں میں مزید تفریق نہیں ہوئی۔ اور ناجی فرقہ

---

[1] فتاویٰ عزیزی فارسی، جلد دوم، ص ۱۲۴ [2] اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص ۱۴۰

اہلسنت وجماعت ہے۔ اِن سب کا مجموعہ تہتّر فرقے ہے۔

سوادِ اعظم کے سلسلے میں شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

وبالجملہ سوادِ اسلام در دینِ اسلام مذہب اہلِ سنت وجماعت ست [1]

اور بالجملہ دینِ اسلام میں مذہبِ اہلسنت و جماعت ہی سوادِ اعظم ہے۔

مذہب اہلسنت وجماعت کی حقانیت کے بارے میں اور اِس کے ناجی گروہ ہونے کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

اگر گویند چگونہ معلوم شود کہ فرقۂ ناجیہ اہلسنت وجماعت اند وایں راہِ راست وراہِ خداست ودیگر ہمہ راہ ہائے نار است وہر فرقہ دعویٰ میکند کہ براہِ راست است ومذہب وے حق۔ جوابش آنکہ ایں چیزے نیست کہ بمجرد دعویٰ تمام شود، برہان باید وبرہانِ حقانیتِ اہلسنت وجماعت آنست کہ ایں دینِ اسلام بنقل آمدہ است ومجردِ عقل بآں وافی نیست وبتواتر اخبار معلوم شدہ وبتتبع وتفحص احادیث وآثار متیقن گشتہ کہ سلف صالح

اگر کہیں کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہلسنت و جماعت ہی ناجی فرقہ ہیں اور یہی راہِ راست ہے اور اللہ والوں کا راستہ ہے اور باقی تمام راستے (فرقے) جہنم کی طرف جاتے ہیں اور ہر فرقہ یہی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ راہِ راست پر ہے اور اُسی کا مذہب برحق ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ صرف دعویٰ کر دینا برحق ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کے لیے دلیل چاہیئے۔ اہلسنت وجماعت کے برحق ہونے کی یہ دلیل ہے کہ یہ دینِ اسلام نقل سے ثابت ہے [illegible]

---

[1] اشعۃ اللمعات، جلد [illegible] ۱۴

از صحابہ و تابعین باحسان و من بعدہم ہمہ
بریں اعتقاد و بریں طریقہ بودہ اند و ایں
بدع و ہوا در مذہب و اقوال بعد از
صدر اوّل حادث شدہ و از صحابہ و
سلف متقدمین ہیچ کس براں نبودہ و ایشاں
منبری بودہ اند ازاں و بعد از حدوث
آں رابطہ صحبت و محبت کہ باں قوم
قطع کردہ و رد نمودہ و محدثین اصحاب
کتب ستہ و غیرہا از کتب مشہورہ معتمدہ
کہ معنی و مدار احکام اسلام برآنہا افتادہ
و ائمہ فقہائے ارباب مذاہب اربعہ
و غیرہم از آنہا کہ در طبقہ ایشاں بودہ اند
ہمہ بریں مذہب بودہ اند و اشاعرہ و
ماتریدیہ کہ آئمہ اصول کلام اند تائید مذہب
سلف نمودہ و بدلائل عقلیہ آں را اثبات
کردہ و آنچہ سنت رسول صلی اللہ علیہ
وسلم و اجماع سلف براں رفتہ بودہ مدلل
ساختہ اند و لہٰذا نام ایشاں اہل سنت و
جماعت افتادہ اگرچہ ایں نام حادث
ست اما مذہب و اعتقاد ایشاں قدیم
است و طریقہ ایشاں اتباع احادیث

کے لیے مجرد عقل کافی نہیں ہے۔ مذہب
اہلسنت کی حقانیت متواتر اخبار کے
ذریعے ثابت ہوتی ہے اور احادیث و
آثار میں غور و خوض کرنے سے یہ یقین پختہ
ہو جاتا ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ و
تابعین اور ان سے بعد کے تمام بزرگ یہی
عقائد رکھتے تھے اور اسی طریقے پر تھے۔
اور مذہب و اعتقادات اکابر میں بدعت
و ہوس کی ملاوٹ صدرِ اوّل کے بعد ہوئی۔
اور صحابہ و سلف متقدمین میں سے کوئی
ایک بھی اُن کے طریقے پر نہ تھا اور وہ
ایسے راستوں سے بری تھے۔ بزرگوں کی
صحبت و محبت کے رشتے کو دوسرے
فرقوں نے توڑ دیا اور اس کا رد کیا اور
صحاح ستہ و دوسری مشہور و معتمد کتب
احادیث کہ اسلامی احکام کا جن پر دار و مدار
ہے اور چاروں مذہب کے آئمہ مجتہدین و
فقہا وغیرہ سب زمرۂ اہلسنت و
جماعت سے تھے۔ سب اسی مذہب
پر تھے اور اشاعرہ و ماتریدیہ کہ اصول کلام
کے امام تھے انھوں نے بھی سلف صالحین

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و اقتدا بآثار سلف [illegible] نصوص [illegible] ظاہر است۔[1]

کے مذہب کی تائید کی اور اسے عقلی دلائل سے ثابت کیا اور جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے اسے مؤکد کیا، اسی وجہ سے اس جماعت کا نام اہلسنت وجماعت پڑ گیا۔ اگرچہ ناجی گروہ کا یہ نام بعد میں رکھا گیا لیکن ان کا مذہب اور عقیدہ قدیم ہے اور ان کا طریقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کا اتباع کرنا اور سلف صالحین کے آثار کی اقتدا کرنا اور نصوص کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا ہے۔

قارئین [illegible] کے طور پر بزرگانِ دین کی چند عبارتیں ہی ناجی گروہ کے [illegible] سے [illegible] کی ہیں۔ اگرچہ اس طرح ہزاروں عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن کتاب [illegible] مضمون چونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات سے ہے اور مضمون کی مناسبت سے اس سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر پیش کرنا ہی اصل مقصود ہے، لہٰذا [illegible] مذکورہ چند عبارتوں ہی کو کافی سمجھا گیا۔

متقدمین و متاخرین سے جملہ ائمہ دین، فقہا، محدثین، مفسرین، متکلمین اور صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سب اہلسنت وجماعت سے تعلق رکھتے تھے اسی طرح تفسیر، احادیث، فقہ و فتاویٰ، کلام و تصوف اور تاریخ و سیر وغیرہ کی جملہ

---

[1] اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص ۱۴۰، ۱۴۱

کتابیں جو ملّتِ اسلامیہ کا علمی و دینی ذخیرہ ہے۔ اُن کے مصنفین بھی اہلسنت و جماعت کے اکابر ہیں۔ دریں حالات اسلام کا سارا سرمایہ بصرف اہلسنت و جماعت ہی کے پاس ہے۔ موجودہ دور میں جتنے بھی قدیم یا جدید گمراہ فرقے پائے جاتے ہیں اُن کی تصانیف سے اگر وہ حوالے اور بیانات خارج کر دیے جائیں جو بزرگانِ اہلسنت و جماعت کی تصانیفِ عالیہ سے نقل کیے گئے ہیں تو اُن کی تصانیف میں گمراہ گری کے چند لفظوں کی خاک دھول ہی رہ جاتی ہے۔ اہلسنت و جماعت کے ان علمی ذخیروں کو ایک جانب رکھنے کے بعد کوئی گمراہ گر علمی میدان میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔

یہ کتنی ستم ظریفی بلکہ ستم پروری ہے کہ جملہ متبدعین اہلسنت کی تصانیف ہی سے استناد و استفادہ کرتے ہیں اور صرف اس غرض سے کہ زیادہ سے زیادہ سُنیوں کو اپنے جال میں پھنسائیں، صراطِ مستقیم سے دُور لے جائیں اور اپنے پیچھے لگائیں۔ اُن کی جماعتوں میں اُن جتنے بھی افراد ہیں وہ کل تک ناجی گروہ ہی کے افراد تھے۔ بدمذہبوں کی جتنی بھی تصانیف ہیں۔ اُن میں اکابرِ اہلسنت کی علمی کاوشوں اور تحقیقات ہی اپنی دکان سجائی اور چمکائی ہوئی ہیں۔ گویا سُنیوں کی علمی کاوشوں سے سُنیوں کے افراد ہی کو ورغلانے ناجی گروہ سے بغاوت کرانے اور اپنے جدید فرقے میں لانے کا کام لیا جاتا ہے۔ گویہ صحیح مسلمانوں کو ورغلانے، اور اپنے پیچھے لگانے کی خاطر جس ہانڈی سے کھاتے ہیں اسی میں چھید کرتے رہتے ہیں۔ جن کے صدقے مولوی، عالم، مفتی، مصنف اور مبلغ وغیرہ بنتے ہیں اُن بزرگوں کے مذہب ہی کی تنقیص و تردید پر کمربستہ رہتے ہیں۔

مذکورہ تہتّر فرقے جن کا اوپر ذکر ہوا، وہ آج سے صدیوں پہلے معرض وجود میں آ چکے تھے جیسا کہ غنیۃ الطالبین کے حوالے سے عرض کیا گیا۔ غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی جانب یہ کتاب منسوب ہے، انھوں نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی تھی اور اب ۱۳۹۸ھ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

بہتّر گمراہ فرقوں کا ظہور تو آج سے آٹھ ساڑھے آٹھ سو سال پہلے مکمل ہو چکا تھا اب جو گمراہ گری کا چکر چل رہا ہے۔ یہ اُن مذکورہ فرقوں کی شاخیں ہیں۔ اِس وقت ہمارے ملک میں جتنے گمراہ فرقے پائے جاتے ہیں اُن میں قابلِ ذکر یہ ہیں۔

۱ - شیعہ :- یہ قدیم گمراہ فرقوں سے ہے اور اِس کا بانی عبداللہ بن سبا نامی یہودی تھا۔

۲ - ناصبی :- یہ یزید پلید کی حمایت کرنے والوں کا نہایت قلیل اور بے وقعت ٹولہ ہے۔

۳ - چکڑالوی یا پرویزی :- یہ منکرینِ سنت کا اقل قلیل گروہ ہے جس کے سرغنہ آجکل مسٹر غلام احمد پرویز ہیں۔

۴ - مرزائی :- یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جماعت ہے، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حکومت پاکستان نے یہ جماعت مسلمانانِ پاکستان کے پُر زور اصرار پر، ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو باقاعدہ طور پر غیر مسلم قرار دے دی تھی۔

۵ - اہلحدیث :- یہ غیر مقلد وہابیوں کی جماعت ہے۔ اِس کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) تھے۔

۶ - دیوبندی :- یہ مقلد وہابیوں کی خطرناک ترین، پُر اسرار اور ہر فن مولا جماعت ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) نے اِس کی بنیاد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران رکھی۔

۷ - جماعتِ اسلامی :- یہ کتابِ وہابیت کا تازہ ترین اور سیاست آمیز ایڈیشن ہے۔ اِس کے بانی صاحب ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ لوگ اُنھیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں۔ دیوبندیت کے بعد خطرناکی میں اِس جماعت کا نمبر ہے۔

یوں تو وہابیت کا سنگِ بنیاد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے ۱۲۴۰ھ کے لگ بھگ رکھا۔ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء تک وہابیوں کی جماعت خود کو موحد اور محمدی

وغیرہ بتاتے رہے۔ لیکن جنگِ آزادی سے چند سال پہلے میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنے غیر مقلد ٹولے کی ابتدا کر دی تھی اور اِس کے تھوڑے عرصے بعد دیوبندیت کا گنگوہی صاحب نے سنگِ بنیاد رکھ دیا۔ اُن دنوں نیچریت کے نام سے بھی ایک جماعت تشکیل دی گئی تھی، لیکن اُس کے اجزا مختلف جماعتوں میں تحلیل ہو چکے ہیں اور آج وہ فرقہ تو نہیں لیکن مودودی صاحب نے وہابیت کی اِس کمی کو پورا کر دیا کہ جماعت اسلامی کے نام سے ملتِ اسلامیہ کو ایک تازہ فرقہ مزید دے دیا۔ حالانکہ اُمتِ محمدیہ پہلے ہی اَن گنت فرقوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ بنیادی فرقوں کا ذکر کیا اور اہلسنت وجماعت کو ناجی فرقہ قرار دیتے ہوئے اس کی نشانیاں بھی بیان فرمائیں اور اِسی پر زندہ رہنے کی دعا اِن لفظوں میں کی:۔

> "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں اکہتر ۷۱ فرقے بن گئے تھے جن میں سے ایک کے سوا سب جہنمی تھے۔ قریب ہے کہ میری اُمت کے تہتر ۷۳ فرقے بن جائیں، جن میں سے ایک جنتی ہوگا اور باقی سب جہنمی۔ صحابہ نے عرض کی کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اُسی طریقے پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں اور اُسی نجات پانے والے فرقے کا نام اہلسنت و جماعت ہے اور وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کو ضروری قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقیدے پر قائم رکھنا، اسی جماعت میں رہتے ہوئے ہمیں موت آئے اور اِن حضرات ہی میں ہمارا حشر ونشر ہو۔"[1]

---

[1] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

بہتّر گمراہ فرقوں کا ذکر غنیۃ الطالبین سے کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔

> "حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کی جتنی بھی جماعت ہیں اُن کی بنیاد نو فرقے ہیں، جو یہ ہیں (۱) خوارج (۲) شیعہ (۳) معتزلہ (۴) مرجیّہ (۵) مشبّہ (۶) جہمیہ (۷) ضراریہ (۸) نجاریہ (۹) کلابیہ۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نہ تھے اور نہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد خلافت میں اِن کا وجود پایا گیا۔ یہ اختلاف اور فرقہ بندی صحابہ و تابعین و فقہائے سبعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد خلافت میں اِن کا سالہا سال بعد واقع ہوا۔" [1]

مولانا محمد اشرف صاحب کے نام مکتوب گرامی لکھتے وقت آپ نے اِسی سلسلے میں یہ نصیحت فرمائی تھی:۔

> "پس چاہیے کہ اہلسنت وجماعت کے معتقدات پر اپنے عقائد کا دار و مدار رکھیں اور زید و عمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ دوسروں کی لفاظی اور چرب زبانی پر اعتماد کرنا اپنے دین کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی اُمید ہو ورنہ ساری محنت رائیگاں جائے گی۔" [2]

سُنّی حضرات کو چاہیے کہ اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ خدائے ذوالمنن نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اہلسنت وجماعت سے بنایا جو ناجی گروہ ہے،

---

[1] ایضاً

[2] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۵۱

جیسا کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔

”اس دولتِ عظمیٰ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں نجات پانے والے گروہ (ناجی فرقہ) میں شامل فرمایا جو اہلسنت وجماعت ہیں۔ نفس پرستوں اور نئے فرقوں میں نہیں مبتلا کیا“[1]

نجات پانے والی جماعت یعنی فرقۂ ناجیہ کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

”طریق النجات متابعة اهل السنة والجماعة کثّرهم الله سبحانه فی الاقوال والافعال وفی الاصول والفروع فانه الفرقة الناجیة وما سواهم من الفرق فهم فی معرض الزوال وشرف الهلاك علمه الیوم احد اولم یعلم امّا فی الغد فیعلمه کل احد ولا ینفع“[2]

نجات کا طریقہ اہلسنت وجماعت کی متابعت میں ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ اہلسنت کے اقوال وافعال اور اصول وفروع میں برکت مرحمت فرمائے کیونکہ ناجی فرقہ یہی ہے اور اِس کے سوا باقی سب فرقے خرابی کا شکار ہیں اور اس ہلاکت کا خواہ آج کسی کو علم نہ ہو لیکن کل بروزِ قیامت یہ راز سب پر کھل جائے گا لیکن فائدہ نہیں ہوگا۔

اہلسنت وجماعت ہی ناجی فرقہ ہے۔ نجات صرف اہلسنت کی ہوگی۔ دوسرے تمام فرقے گمراہ ہیں اور وہ جہنم میں جائیں گے۔ اِس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اہلسنت و جماعت کا ہر فرد جنتی ہے، نہیں بلکہ اپنے گناہوں کے باعث بعض سنی بھی جہنم میں

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۶۹

جا سکتے ہیں۔ لیکن جو اہلسنت وجماعت سے خارج ہو کر خواہ کسی بھی فرقے میں شامل ہیں، اُن کا بالفرض کوئی اور گناہ نہ بھی ہو۔ لیکن اہلِ حق کی جماعت سے جُدا ہونے کے باعث اُن سب کو جہنم میں جانا ہوگا۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّیْ۔ ہاں جن افراد کا کفر و شرک ثابت ہو وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، ایسے افراد خواہ سُنی ہوں یا غیر سُنی، سب مستوجب عذاب و خلودِ نار ہیں۔ کفر و شرک کے علاوہ گمراہی کے بھی مراتب ہیں، ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ عذاب بھی اُسی لحاظ سے ہوگا۔ یہ بات اُصولِ شرعیہ کے تحت ہے۔

لیکن فضلِ خداوندی کی بات ہی اور ہے کیونکہ اُس کی شان فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ سراپا گناہوں میں ڈوبے ہوئے کسی میرے جیسے کو بخش دے تو اُس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔

اہلسنت وجماعت چونکہ وہی گروہ ہے جو صحابۂ کرام کا نمائندہ ہی طریقہ آج تک متوارث چلا آتا ہے۔ اِس نے دین کے ہر شعبے کو منضبط کیا ہوا ہے۔ اکابر اہلسنت نے اس مقدس امانت کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر کے ہر گوشے کو ایسی تحقیق و جستجو سے اُجاگر کیا ہے کہ پوری تاریخ انسانیت میں جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ عقائد پر ائمۂ اصولِ کلام اور اُن کے پیروکاروں نے نقلی و عقلی لحاظ سے اسلامی عقائد کو نہ صرف مبرہن کیا بلکہ فلاسفہ و معتزلہ وغیرہم کے عائد کردہ الزامات کی دھجیاں بکھیر کر اہلسنت وجماعت کے عقائد کی صحت و صداقت پر اَنمٹ مُہر ثبت فرمائی ہوئی ہے۔

مفسرین، محدثین، فقہا اور صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی علمی کاوشوں کو دیکھ کر جہاں سُنیوں کا سر فخر سے بلند ہے۔ وہاں دنیا انگشت بدنداں اور بدخواہ غیظ و غضب کی آگ میں جل بھن رہے ہیں۔ اکابر اہلسنت کے اِن علمی ذخائر کو نظر انداز کر کے کوئی دیوبندی، مودودیہ، اہلحدیث، پرویزی، ناصبی اور شیعہ وغیرہ پارٹیوں سے تعلق رکھنے والا میدانِ تحقیق میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ دوسرے کسی قدیم یا جدید فرقے کے پاس کوئی ایسا علمی سرمایہ نہیں ہے جس کے بل بوتے پر وہ کھڑے ہونے

کوشش کریں۔ جملہ بدمذہبوں اور گمراہ گروں کی بہادری صرف یہی رہ گئی ہے کہ اہلسنت وجماعت کے علمی سرمایہ کے بل بوتے پر اہلسنت ہی کی جڑیں کاٹنے کو اپنا مقصدِ حیات اور دینی کارنامہ بنائے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے تمام گمراہوں کو راہِ ہدایت نصیب فرمائے، آمین یا اللہ العٰلمین۔

یہ بدیہی اور مسلمہ بات ہے کہ دین و مذہب کی بنیاد عقائد پر ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کا فرق دیکھنا ہو تو بنیادی حیثیت عقائد کی ہوگی اور باقی امور کا درجہ ثانوی ہوگا۔ عقائد کی بنا پر خود مسلمان کہلانے والوں میں بھی غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مرزائی، بابی، بہائی وغیرہ فرقوں کی بنیاد مطلقاً کفر پر ہے۔ پرویزی یا چکڑالوی فرقہ کے جو افراد منصبِ رسالت کے منکر ہیں اُن کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شیعہ حضرات میں سے جو قرآن کریم کی صحت کے منکر ہیں یا خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو سب وشتم سے یاد کرتے ہیں وہ بھی قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ دیوبندی حضرات میں سے اُن کے بعض اکابر کے کفریہ کلماتِ ثابت ہیں اُن کا کافر و مرتد ہونا یقینی ہے، جس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے جیسا کہ مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند (المتوفی سنہ ۱۲۹۷ھ / سنہ ۱۸۷۹ء) نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں نبیٔ آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت مرتبی رکھ دیا۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی مذموم کوشش کی کہ فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلحاظ زمانہ آخری نبی نہیں ہیں یعنی رتبے میں آپ جیسا کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوگا۔ موصوف نے برطانوی سازش کے تحت یہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے مدعیان نبوت کے لیے راستہ صاف کیا تھا۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی سنہ ۱۳۲۳ھ / سنہ ۱۹۰۵ء) نے اپنے ایک مہری دستخطی فتوے میں وقوعِ کذبِ باری تعالیٰ کا اثبات کیا یعنی یہ بات ثابت کرنے

کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا رہا ہے۔ اُن کا یہ سراسر غیر اسلامی اور شرمناک فتویٰ ۱۳۰۸ھ میں میرٹھ (صوبہ یوپی۔ بھارت) سے شائع ہوا تھا۔ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۹۲۶ء) نے اپنی رسوائے زمانہ تصنیف براہین قاطعہ میں محیطِ زمین کا علم شیطان اور ملک الموت کے لیے نصوص سے ثابت مانا بلکہ اولیائے کرام کے لیے بھی اِس کا اثبات کیا لیکن یہی علم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا خلافِ نصوص ٹھہرایا اور ایسا شرک بتایا جس میں ایمان کا کوئی حصہ باقی نہیں۔ اِسی طرح مولوی اشرف علی تھانوی نے، جنھیں اُن کے فرقے میں مجدّدِ ملّت، حکیمِ اُمّت بلکہ جامع المجددین تک کہا جاتا ہے، اپنی کتاب حفظ الایمان میں، جو ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوئی، یہ صاف طور پر لکھ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علومِ غیبیہ جیسا علم تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ یہ چاروں حضرات اپنے مذکورہ کفریہ عقائد و نظریات کی بِنا پر قطعاً یقیناً دائرہ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہیں۔ جو علم ہونے کے باوجود انھیں مسلمان مانے اُس کے کافر ہونے میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) نے تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم وغیرہ کتابوں میں کتنی ہی باتیں ایسی لکھی ہیں جن کے کفریہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں مگر اُن موصوف کے بارے میں چونکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے آخری ایام میں اپنی کفریہ عبارتوں اور غیر اسلامی عقائد و نظریات سے توبہ کرلی تھی، قطع نظر اِس کے کہ یہ خبر واقعہ کے مطابق ہے یا نہیں، لیکن شہرتِ توبہ کے باعث انھیں کافر کہنے اور اُن کی تکفیر سے احتیاطاً زبان کو روکنا ہی مناسب ہے، لیکن اُن دنوں چونکہ دہلوی صاحب موصوف صوبہ سرحد میں سکھوں اور خصوصاً مسلمانوں سے برسرِپیکار تھے اور واپس اپنے وطن آنا نصیب ہی نہ ہوا بلکہ مسلمانوں کے ہاتھوں راہیِ ملکِ عدم ہوگئے تھے اس لیے اُن کے جملہ غیر اسلامی خیالات اور کفریہ کلمات اُن کی کتابوں میں

اُسی طرح موجود ہے۔ حالانکہ وہ کلمات وخیالات یقیناً کفریہ ہیں اور اُن کو اسلامی کلمات وخیالات کہنے والا اسلام کا منہ چڑاتا ہے۔

اِسی طرح اور کتنے ہی حضرات کے بعض کفریہ کلمات ثابت ہیں، جن پر تفصیلی بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہاں ان کے کشفِ حال کی خاطر تصانیفِ اعلیحضرت علیہ الرحمہ کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے غیر اسلامی کلمات وخیالات کے سلسلے میں احقر کی تصنیف معارفِ رضا، جلد اوّل کا مطالعہ نفع سے خالی نہیں اکابرِ دیوبند کی کفریہ عبارتوں کے بارے میں فقیر کا رسالہ کھلا خط، اس موضوع پر ایک نرالی کتاب ہے۔

جو حضرات صورتِ حال کا واقعی علم نہ ہونے کے باعث شکوک وشبہات کی دلدلوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اُن کے لیے اِن دونوں کتابوں کا مطالعہ صد درجہ مفید ثابت ہو گا، ہاں تعصب اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ وَاللّٰہُ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ،،

"مسلمانوں کو عقائد کے سلسلے میں جتنا محتاط ہونا چاہیے اُسی درجہ بے احتیاطی کو آجکل شعار بنایا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض گمراہ گر بڑی آسانی سے اپنے غیر اسلامی عقائد ونظریات کو چرب زبانی کے بل بوتے پر مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں اُتارتے رہے ہیں۔ اِن زہریلی اور مہلک گولیوں کو وہ اِس طرح بناتے ہیں کہ زہر کو وافر مٹھاس میں چھپاتے ہیں اور مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کوئی اِنھیں تقویۃ ایمان کے لیے استعمال کرواتا ہے تو دوسرا حفظِ ایمان کی خاطر۔ کوئی اِس دینی موت کو صراطِ مستقیم ٹھہراتا ہے تو دوسرا براہینِ قاطعہ بناتا ہے۔ کسی نے اِس تضلیل کا نام تفہیم رکھا ہے اور کوئی اِسے قرآنِ فکر و تدبر سے موسوم کرتا ہے۔ کبھی اِس کافر گری کو کشتیٔ نوح بتایا جاتا ہے تو کبھی تریاق القلوب گنایا جاتا ہے۔ غرضیکہ اضلال و تضلیل کا ایک سیلاب ہے جو ٹھہرنے کا نام نہیں دیتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس سیلاب کی خطرناکی اور ہلاکت خیزیوں کا پورا پورا احساس تھا چنانچہ آپ نے اس کے سامنے بند باندھنے کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اِس بات پر پورا زور دیا کہ مسلمانوں کو ایک ہی مرکز پر جمع رکھا جائے۔ سب مسلمان اہلِ حق کی جماعت سے پوری طرح وابستہ رہیں اور خصوصاً عقائد میں کوئی اس سے سرِ مُو انحراف نہ کرے کیونکہ اہلسنت کے عقائد سے ذرا بھی انحراف کرنا حق و صداقت اور دین و دیانت سے انحراف ہے اور ایسا کرنا مقدس شجرِ اسلام میں اپنے نظریات کی قلمیں لگانا ہے جس کی شریعتِ مطہرہ قطعاً اجازت نہیں دیتی بلکہ اِس قسم کی ذرا سی اجازت سے بھی روکتی ہے اور ایسا کرنے کو شریعت سازی ٹھہراتی ہے۔ چنانچہ سرمایۂ ملت کے اس عدیم النظیر نگہبان نے مرزا داراب بن خانِ خاناں کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے تلقین فرمائی :-

شکرِ منعم تعالیٰ اوّلاً بتصحیحِ عقائد است بمقتضائے آرائے فرقہ ناجیہ کہ اہلسنت و جماعت اند و ثانیاً باتیانِ احکامِ شرعیہ عملیہ بروفق آرائے مجتہدین ایں فرقہ علیہ و ثالثاً بتصفیہ و تزکیہ است بر طبقِ سلوکِ صوفیہ علیہ ایں فرقہ سنیہ و وجوبِ ایں رکنِ اخیر استحسانی است بخلافِ رکنینِ سابقین چہ اصلِ اسلام مربوط بایں دو رکن است و کمالِ اسلام منوط بہ آں یک رکن و عملے کہ مخالف ایں ارکانِ ثلاثہ است اگرچہ از جنسِ ریاضاتِ شاقہ و مجاہداتِ شدیدہ باشد داخلِ معصیت است و نافرمانی و ناسپاسی منعم جل سلطانہ[1]

منعمِ حقیقی کے شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت کی آراء کے مطابق درست کیا جائے اس کے بعد اس گروہ کے مجتہدینِ عظام کی تحقیقات کے مطابق احکامِ شرعیہ پر عمل کرے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ اِس عالی قدر جماعت کے صوفیائے کرام کے طریقے پر راہِ سلوک طے کرتا ہوا تزکیۂ نفس کرے۔ اِس آخری رکن کا وجوب درجۂ استحسان میں ہے بخلاف دونوں پہلے ارکان کے کیونکہ اسلام کے کمال سے متعلق ہے۔ اور ہر وہ عمل جو اِن ارکانِ ثلاثہ کے خلاف ہو خواہ

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اول، مکتوب لہ

خواہ وہ سخت ریاضت یا شدید مجاہدے کی قسم ہی سے کیوں نہ ہو، داخلِ معصیت ہے ایسا کرنا اُس منعمِ حقیقی جلّ سلطانہٗ کی نافرمانی اور ناشکری ہے۔

مرزا بدیع الزمان کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت آپ نے اِسی حقیقت کو اِن لفظوں میں بیان فرمایا تھا۔

متابعتِ سیدِ کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اوّلاً بتصحیح عقائد وثانیاً بدانستن احکام ضروریہ فقہیہ ودر بیان آنکہ از حق سبحانہٗ وتعالیٰ بوسیلہ یا بے وسیلہ او را تعالیٰ بوسیلہ یا بے باید طلبید ثبتکم اللہ سبحانہٗ و عافاکم نقد سعادتِ دارین منوط بمتابعتِ سیدِ کونین است علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا بر منہجے کہ علمائے اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم بیان فرمودہ اند۔ اوّلاً تصحیح عقائد بمقتضائے آراے صائبہ ایں بزرگواراں باید کرد وثانیاً علمِ حلال وحرام و فرض و واجب و سنت و مندوب و مباح و مشتبہ حاصل باید نمود و عمل بمقتضائے ایں علوم نیز در کار است۔ بعد از حصول ایں دو جناح اعتقادی و عملی اگر سعادت

سرورِ کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اِس طرح ہوتی ہے کہ سب سے پہلے عقائد کو درست کیا جائے۔ اِس کے بعد فقہ کے ضروری احکام ومسائل کا علم حاصل کیا جائے اور وسیلے سے یا بغیر وسیلے کے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے اُس کی رضا طلب کی جائے۔ اللہ سبحانہٗ تمہیں سلامتی اور عافیت کے ساتھ رکھے۔ سعادتِ دارین کی دولت سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے، لیکن اُس طریقے پر جو حضرات علمائے اہلسنت، اللہ تعالیٰ اُن کی کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے، نے بیان فرمایا ہے یعنی سب سے پہلے بزرگانِ اہلسنت کی آرائے صائبہ کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے۔ دوسرے [illegible]

ازلی مدد فرماید طیرانِ عالمِ قدس میسّر آید[1]

اور فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح اور مشتبہ کا علم حاصل کرے اور اِن علوم کے مطابق عمل کرنا اصل مقصود ہے۔ یہ عملی اور اعتقادی دونوں پَر حاصل کر لینے کے بعد اگر سعادتِ ازلی مدد فرمائے تو عالمِ قدس کی جانب پرواز میسّر آسکتی ہے۔

غرضیکہ عقائد کو فرائض و عبادات وغیرہ جملہ امور و احکام پر اولیت و فوقیت حاصل ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اسی پر زور دیتے ہوئے شیخ کبیر علیہ الرحمہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے وقت فرمایا تھا۔

"اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن سنت کی متابعت اور اُس پر استقامت نصیب فرمائے۔ سب سے ضروری اور کرکرنے والا کام یہ ہے کہ اوّلاً علمائے اہلسنت کی آرا کے مطابق عقائد درست کیے جائیں کیونکہ یہی جماعت فرقہ ناجیہ ہے اِس کے بعد فقہی احکام کے مطابق علم و عمل کو اپنے اُوپر لازم کر لینا چاہیئے اِن دو اعتقادی اور عملی پروں کو حاصل کر لینے کے بعد عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنی چاہیے۔"[2]

خضر خاں لودھی کو مکتوب گرامی لکھتے وقت اِسی چیز کی آپ نے یُوں تلقین فرمائی تھی۔

"وہ ضروری امر جس کے بغیر چارۂ کار نہیں یہ ہے کہ سب سے پہلے اہلسنت وجماعت کی آرائے صحیحہ کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۵، [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل [illegible]

کیونکہ فرقہ ناجیہ یہی ہے۔ اِس کے بعد فقہی احکام کے مطابق فرائض و سنن، واجبات و مستحبات، حرام و حلال اور مکروہ و مشتبہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کر کے اُن پر عمل کیا جائے۔ جب یہ اعتقادی اور عملی دونوں بازو میسّر آجائیں اور اللہ جلّ شانہٗ کی توفیق دستگیری فرمائے تو ممکن ہے کہ عالمِ حقیقت کی جانب پرواز کرنا نصیب ہو جائے لیکن اِن دونوں بازوؤں کو حاصل کیے بغیر عالمِ حقیقت کی جانب پرواز کرنا ناممکن اور محال ہے۔“[1]

جمال الدین حسین بدخشی کو بھی نصیحت لکھتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

”سب سے پہلے اہلسنت وجماعت کی آرائے صحیحہ کے مطابق اپنے عقائد درست کیے جائیں، اللہ تعالیٰ اُن بزرگوں کی مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے۔ اِس کے بعد فقہی احکامِ شرعیہ کے مطابق عمل کریں۔ تیسرے درجے پر گرامی قدر صوفیہ جمیلہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقۂ سلوک کو اختیار کیا جائے۔ جس کو یہ چیز نصیب ہو گئی اُس نے عظیم الشان کامیابی حاصل کر لی اور جو اِس سے محروم رہا وہ صریح خسارے میں ہے۔“[2]

شیخ فرید بخاری کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے وقت اُنھیں بھی آپ نے یہی نصیحت فرمائی تھی۔

”مکلّفین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہلسنت وجماعت کی آرا کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں کیونکہ نجاتِ اُخروی بھی انھیں بزرگوں کی آرائے صائبہ کے اتباع پر موقوف ہے۔ فرقہ ناجیہ بھی یہی بزرگ اور اِن کے متبعین ہیں۔“[3]

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۹۲ [2] مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۷۷

[3] مکتوباتِ امامِ ربّانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۱۹۳

ذکر و اذکار وغیرہ یعنی منازلِ سلوک طے کرنے کا درجہ عقائد کی اصلاح اور فرائض کے علم و عمل کے بعد ہے۔ ملا عبدالغفور سمرقندی کو یہ بات سمجھاتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

"اہلسنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کے مطابق عقائد اور احکام شرعیہ سے اعتقادی و عملی طور پر اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و مزین کر کے اپنے باطن کو ذکر الٰہی سے آباد کرنا چاہیے۔"[1]

اپنے مخدوم دونوں یعنی خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہما کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلسنت و جماعت کے عقائد لکھ کر بھیجے اور ان سے پہلے عقائد کی اہمیت بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے، عقلمندوں کا اولین فریضہ ہے کہ اپنے عقائد و نظریات کو حضرات علمائے اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقائد کی روشنی میں درست کریں، کیونکہ فرقہ ناجیہ یہی ہے۔"[2]

شیخ بدیع الدین علیہ الرحمہ کے نام مکتوب گرامی لکھتے ہوئے آپ نے احکام شرعیہ اور احوال و مواجید کا مقابلہ کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کی روشنی میں ان کے مقامات کو یوں بیان فرمایا تھا

"بزرگوں کے نزدیک تمام ظاہری اور باطنی کمالات کا انحصار کمالاتِ شرعیہ پر ہے۔ علوم و معارفِ الٰہیہ کا دار و مدار عقائد کلامیہ پر ہے جو اہلسنت و جماعت کے نزدیک ثابت شدہ ہیں۔ اکابر اہلسنت، ہزاروں شہود و مشاہدات کو عقائدِ کلامیہ میں سے اللہ تعالیٰ کی بے چونی

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

وبے چگونی کے ایک مسئلہ کے برابر بھی نہیں جانتے اور احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو کسی شرعی حکم کے خلاف ہوں، ایک دانہ جو کے برابر وقعت دے کر بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں، کیونکہ وہ ایسے ظہورات کو استدراج سمجھتے ہیں۔“[1]

مُلّا عبدالکریم سنامی کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے انہیں بھی یہی تلقین فرمائی ہیں:۔

”سب سے پہلے علمائے اہلسنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی تصانیفِ علمِ کلام کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرنا چاہیے۔ اِس کے بعد فقہی احکام یعنی فرض، واجب، سنت، مستحب یعنی حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کو علمی اور عملی طور پر بجا لائیں۔ اِس کے بعد لازم ہے کہ دل کو ماسوائے حق کی گرفتاری سے محفوظ رکھا جائے۔ دِل کی سلامتی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب دِل میں ماسوائے حق کے اور کسی کا گزر نہ رہے یعنی اگر ہزار سال بھی زندگی وفا کرے تو بھی حق تعالیٰ کے سوا کسی کا خیال دل میں نہ نہ آنے دے۔“[2]

خانِ جہاں کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے اِس سلسلے میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:۔

”اے بزرگی اور سعادت کے نشان! سب سے پہلے آدمی پر ضروری ہے کہ فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے، کیونکہ یہی مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہے۔ عقائد کی اصلاح بہت ضروری ہے تاکہ آخرت میں کامیابی اور نجات میسر آسکے۔ اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا بداعتقادی ہے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل مکتوب ۲۶۶

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل مکتوب ۳۰۵

جو سمِ قاتل ہے اور اِس کا نتیجہ ابدی موت اور دائمی عذاب خریدنا ہے۔ عمل میں اگر سستی یا کوتاہی ہو جائے تو بخشش کی اُمید ہو سکتی ہے لیکن عقیدے میں تساہل اور خرابی ہوئی تو نجات کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔"[1]

حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت یعنی محمد امین کی والدہ محترمہ کو مختلف نصیحتیں کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

"سب سے پہلے علمائے اہلسنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی رائے کے مطابق عقائد کو درست کرنا چاہیے، کیونکہ یہی ناجیہ فرقہ ہے۔ عقائد کی درستی کے بعد فقہی احکام کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جن کاموں کے کرنے کا شریعتِ مطہرہ نے حکم دیا ہے اُن کی تعمیل کے بغیر چارۂ کار نہیں اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے اُن سے پرہیز کیے بغیر گزارہ نہیں ہے۔"[2]

شیخ فرید بخاری کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا۔

"اصلاحِ عقائد کے بعد حلال وحرام و فرض وواجب وسنت ومندوب ومکروہ (جن کا علمِ فقہ متکفل ہے) وغیرہ کا علم حاصل کرنا اور اِس علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ پڑھے لکھوں سے فرمائیں کہ مجلس میں فقہ کی کوئی کتاب پڑھ کر سنایا کریں جو فارسی زبان میں ہو جیسے مجموعہ خانی اور عمدۃ الاسلام۔ اگر کسی ضروری اعتقادی مسئلے میں نعوذ باللہ خلل آگیا تو ایسا شخص اُخروی نجات کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے کسی عمل میں اگر سستی واقع ہو جائے تو ممکن ہے کہ توبہ کے ذریعے معافی ہو جائے یا مواخذہ بھی ہوا تب بھی آخرکار نجات ہو جائے گی۔ لہٰذا سب سے بہتر

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴۷ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۴

عقائد کا درست کرنا ہے۔"[1]

عقائد وہی معتبر ہیں جو علمائے اہلسنت نے اپنی تصانیفِ عالیہ میں درج فرمائے اور خصوصاً کتب کلامیہ میں روشن و مبرہن ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں عقائد کی اولیت اور اِن کی اہمیت پر زور دیا ہے وہاں ہر جگہ یہی فرمایا ہے کہ اکابر اہلسنت وجماعت کی تصریحات کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے۔ بدمذہب خواہ خیر خواہی و اصلاح کا جتنا بھی خوشنما لباس پہن کر آئے وہ ضرور کسی نہ کسی مسئلے میں اہلسنت وجماعت سے مخالفت رکھتا ہوگا ورنہ ناجی گروہ سے کیوں نکلتا؟ اہلسنت وجماعت سے علیحدہ ہو کر الگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد فرار کیوں بناتا؟ اِس حقیقت کو وہابیوں کے عالمی شہرت یافتہ عالِم اور ایک تازہ فرقہ، جماعت اسلامی کے بانی و مؤجد عالیجناب مودودی صاحب نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

> "یہ بھی انسان کی عین فطرت ہے کہ وہ بُرائی کی کھُلی دعوت کو کم ہی قبول کرتا ہے۔ عموماً اُسے جال میں پھانسنے کے لیے ہر داعیٔ شر کو خیر خواہ کے بھیس ہی میں آنا پڑتا ہے۔"[2]

مودودی صاحب نے ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ کے طور پر یہ درست ہی تو فرمایا ہے واقعی ہر داعیٔ شر ہمیشہ خیر خواہ ہی کے بھیس میں آتا رہا اور شاید موصوف کو نظر آ گئے ہیں لیکن اِس دَورِ پُرفتن میں تو ایسے خیر خواہوں کی کثرت کو دیکھ کر یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے یہ آسمان سے بارش کی طرح برسے ہیں۔ یعنی ایسے خیر خواہ تو عالمی شہرت کے مالک ہیں اور ہر ایک اس کوشش میں ہے کہ میں اہلِ حق کے ناجی گروہ یعنی اہلسنت وجماعت کے میں سے زیادہ سے زیادہ افراد کو اپنی جانب کھینچ لوں۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۳

[2] تفہیم القرآن، جلد دوم، مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۰ء، ص ۱۶

اپنے دھندے کو خوب مضبوط کر لوں، اہلسنت وجماعت کے عقائد و نظریات کو غلط اور کفریہ قرار دے کر سچے مسلمانوں کا کافر و مشرک قرار دوں اور اپنے مزعومہ مفہوم و مطالب کا جو قرآن و حدیث سے اخذ کیے ہیں، اُن کی صحت کا ڈھول بجاتا پھروں۔ تاکہ اہلسنت وجماعت کا بازار سونا پڑے اور میری ذاتی دکان خوب چمک اُٹھے۔ آج بھی ایسا ہر داعئ شر مکمل خیر خواہ کے بھیس میں اپنا کام کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں جناب مودودی صاحب کا فیصلہ یہ ہے۔

> ”اسلام کو مسلمانوں کے بدترین دشمنوں وہ ہیں جو مسلمانوں میں بدعقیدگی اور نافرمانی پھیلا رہے ہیں۔ یہ منافقوں کی سب سے زیادہ بُری قسم ہے، جس کا وجود مسلمانوں کے لیے حربی کافروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ باہر سے حملہ نہیں کرتے بلکہ گھر میں بیٹھ کر اندر ہی اندر ڈائنامائٹ بچھاتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو دین اور دنیا دونوں میں رسوا کرنا چاہتے ہیں، جس طرح وہ خود ہو گئے ہیں۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً۔ ان کے شر سے بچنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ جو لوگ دل سے مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں۔ وہ ان سے قطع تعلق کر لیں۔ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ۔ ورنہ قرآن نے تو اِن کی آخری سزا یہ قرار دی ہے کہ اِن سے جنگ کی جائے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ“ [1]

اسلامی عقائد و نظریات وہی ہیں جو اہلسنت وجماعت کے عقیدے ہیں۔ جو اِن سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہٹتا ہے یا ان میں ترمیم و تنسیخ کرتا ہے وہ اسلام میں ترمیم و تنسیخ

---

[1] تنقیحات مصنفہ مودودی صاحب، ص ۴۴۔

کرتا ہے۔ ایسا شخص خواہ مصلح و ریفارمر وغیرہ بن کر اور کتنے ہی خوشنما لباس میں کیوں نہ آ جائے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کا بدخواہ اور داعیٔ شر ہے اور اس کی سزا مذکورہ بالا عبارت میں مودودی صاحب نے بتائی ہوئی ہے۔ ایسے لصوصِ دین کے شر سے بچانے کی خاطر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو تلقین فرما دی ہے کہ قرآن و حدیث کے وہی مفہوم و مطالب درست ہیں جو علمائے اہلسنت نے بیان فرمائے ہیں۔ چونکہ اِن حضرات کے مطابق باقی سب داعیانِ شر ہیں لہٰذا غیر سُنیوں کے سمجھے ہوئے مفہوم و مطالب کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ آپ نے شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے فرمایا تھا:۔

> علومیکہ از کتاب و سنت مستفاد میشوند معتبر اند کہ ایں بزرگواراں از کتاب و سنت اخذ کردہ اند و فہمیدہ زیرا کہ ہر مبتدع و ضال عقائدِ فاسدہ خود را بزعمِ فاسدِ خود از کتاب و سنت اخذ میکند۔ پس ہر معنی از معانی مفہومہ ازینہا معتبر نباشد"۔ [1]

> وہ علوم جو کتاب و سنت سے مستفاد ہیں، اُن میں سے وہی بات معتبر ہے جو بزرگانِ اہلسنت نے کتاب و سنت سے اخذ کی اور سمجھی ہے ورنہ یوں تو ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائدِ فاسدہ کو اپنے فاسد زعم میں کتاب و سنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کی سمجھی ہوئی کوئی بات معتبر نہیں ہے۔

یہی نہیں کہ جو حضرات اہلسنت و جماعت کے زمرے سے باہر ہیں صرف اُن کے مزعومہ مفہوم و مطالبِ قرآن و سنت ہی ناقابلِ اعتبار ہیں بلکہ کسی سُنی بزرگ کو اگر بذریعہ کشف یا الہام کوئی بات ایسی معلوم ہو جو اہلسنت کے کسی عقیدے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۹۳

کے خلاف ہو، تو عقیدے کو درست نہ ہی سمجھا جائے گا۔ اور ناحق کشف والہام کی صحت سے انکار کرنا ضروری ہو جائے گا۔ عقائدِ اہلسنت کے اِس درجہ اٹل اور ناقابلِ ترمیم و تنسیخ ہونے کی وجہ آپ نے امان اللہ فقیہ کو یوں بتائی تھی،۔

> "خلاصہ یہ ہے کہ معانی مشہورہ علمائے اہلِ حق کو کشف کی صداقت کا نشان قرار دینا چاہیئے اور اِن کے سوا اپنے الہام کو پرکھنے کی کوئی اور کسوٹی نہ بنائے کیونکہ وہ معانی جو اِن علمائے حق کے معانی مشہورہ کے خلاف ہوں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ کیا دیکھا نہیں کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائد کا ماخذ کتاب وسنت ہی کو قرار دیتا ہے اور اپنی کم فہمی کے باعث کتاب وسنت کے معانی غیر مطابقہ اخذ کر لیتا ہے......
>
> یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہلِ حق کے سمجھے ہوئے معانی ہی قابلِ اعتبار ہیں اور دوسروں کے معتبر نہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِن بزرگوں نے یہ معانی صحابہ کرام اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے آثار اور تتبع سے اخذ کیے ہیں اور یہ نجوم ہائے ہدایت کے انوار سے حاصل کیے ہیں۔ اس لئے نجاتِ ابدی اِن کے ساتھ مخصوص ہو گئی اور فلاحِ سرمدی اِن کا حصہ بن گئی۔"[1]

گمراہی کا دروازہ اِسی طرح چوپٹ کھلتا ہے کہ ہر شخص یا بعض اشخاص اپنے علمی زعم میں محقق بن کر اپنے سمجھے ہوئے مفہوم ومطالب کو درست بتانے اور مجتہدین کے منہ آنے لگیں۔ ترکِ تقلید کی دعوت دینا گویا گمراہی کا پھاٹک کھول دینا ہے۔ اِس سے ہر کسی کو محقق بننے اور اپنی منوانے کا موقع مِل جاتا ہے۔ فرقہ سازوں کے

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ اوّل، مکتوب ۲۸۶

پس یہ چور دروازہ یہی ترکِ تقلید ہے جتنے بھی گمراہ فرقے آج پائے جاتے ہیں۔ وہ سب آئمہ مجتہدین کی تقلید کا انکار کر کے علیحدہ دکان سجانے اور فرقہ بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آئمہ مجتہدین کی تقلید ہی ایسی رحمتِ خداوندی ہے جس پر عمل کرنے کے باعث فرقہ سازی کی گنجائش نہیں رہتی۔ دین میں نئے نئے فتنے کھڑے نہیں ہو سکتے اور ملتِ اسلامیہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچ سکتی ہے لیکن برا ہو بدخواہوں کا کہ انھوں نے گمراہی کا پھاٹک کھول ہی دیا اور اس طرح بعض گمراہ گروں کو خیر خواہی کے لبادے میں اپنی گمراہی پھیلانے اور فرقے بنانے کا موقع مل گیا۔ اسی لیے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا امان اللہ فقیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے اس بارے میں یہ ہدایت فرمائی تھی:۔

ہم چنانکہ اعتقاد بموجب کتاب و سنت ضروری است عمل بمقتضائے آنہا بر نہجیکہ آئمہ مجتہدین از کتاب و سنت استنباط فرمودہ اند و استخراج احکام از آنہا نمودہ اند از حلال و حرام و فرض و واجب و سنت و مستحب و مکروہ و مشتبہ و علم باین احکام نیز ضروری است و مقلد را نمی رسد کہ خلافِ رائے مجتہد از کتاب و سنت احکام اخذ نمودہ برآں عامل باشد و در عمل قولِ مختار را از مذہبِ مجتہدے کہ خود را تابع او ساختہ است احتیاط از

جس طرح کتاب و سنت کے مطابق عقیدے رکھنے ضروری ہیں اسی طرح ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے لیکن اس طریقے پر جیسے کہ آئمہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور کتاب و سنت کے احکام کی تخریج کی ہے جو حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ کے متعلق ہے، ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور اپنی

رخصت اجتناب نمودہ"[1]

تحقیق کے مطابق عمل کرے۔ آدمی جس مجتہدین کے تابع ہو گیا ہے اپنے اس مجتہد کے مذہب کے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت (قول مختار و رخصت اصطلاحی الفاظ ہیں) سے اجتناب کرے۔

مجتہدین عظام دراصل ماہر طبیب ہیں۔ احکامِ شرعیہ کے بارے میں اُن پر کُلّی اعتماد کرنا ضروری ہے۔ جو کچھ کتاب و سنت سے احکامِ شرعیہ کا استنباط اُنھوں نے کیا وہ دوسرے مایۂ ناز بزرگوں اور اُن ہستیوں سے بھی نہ بن پڑا جو آسمانِ علم کے شمس بن کر اپنی تابانی دکھاتے رہتے، تو آج کے دعویانِ خام کس کھیت کی مُولی اور کس گنتی شمار میں ہیں کہ اُن مجتہدوں کو چھوڑ کر جن کی تقلید کیے بغیر ملّتِ اسلامیہ کی بڑی سے بڑی ہستیوں کو بھی چارہ کار نظر نہ آیا، اِن گندم نما جو فروشوں کی علمیت پر اعتماد کر کے انھیں فخر المجتہدین مان لیا جائے۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اُن جملہ بزرگوں کے علمی ذخائر کو ایک جانب رکھ کر اگر موجودہ دعویانِ خام سے کسی ایک آیت یا ایک ہی حدیث کے بارے میں پوچھا جائے تو پہلے ہی قدم پر اُن کی تحقیق والی ریل گاڑی کے پہیے جام ہو کر رہ جائیں گے۔ ساری خفگی ہے تو اُن بزرگوں کی کمائی اور مساعی جمیلہ کی بدولت اور پھر مخالفت بھی ہے تو انہی سے۔ خود بھی اُن سے باغی ہیں اور دوسری کو بھی اُن بزرگوں سے، سوادِ اعظم سے، ناجی گروہ سے بغاوت پر آمادہ کرتے، علیحدہ اپنی جماعت بناتے، ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اِس کا جواب جناب مودودی صاحب کے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۰۰

اس تفرقہ پردازی کا محرک کوئی نیک جذبہ نہیں تھا بلکہ یہ اپنی پُرانی اُپج دکھانے کی خواہش، اپنا الگ جھنڈا بلند کرنے کی فکر، آپس کی ضدّم ضدّا، ایک دوسرے کو زک دینے کی کوشش اور مال وجاہ کی طلب کا نتیجہ تھی۔ ہوشیار اور حوصلہ مند لوگوں نے دیکھا کہ بندگانِ خدا اگر سیدھے سادھے خدا کے دین پر چلتے رہیں تو بس ایک خدا ہوگا جس کے آگے لوگ جھکیں گے، ایک رسول ہوگا جس کو لوگ پیشوا اور رہنما مانیں گے، ایک کتاب ہوگی جس کی طرف لوگ رجوع کریں گے اور ایک صاف عقیدہ اور بے لاگ ضابطہ ہوگا جس کی پیروی وہ کرتے رہیں گے۔ اِس نظام میں اُن کی اپنی ذات کے لیے کوئی مقامِ امتیاز نہیں ہو سکتا، جس کی وجہ سے اپنی مشیخت چلے اور لوگ اُن کے گرد جمع ہوں اور اُن کے آگے سر بھی جھکائیں اور جیبیں بھی خالی کریں۔ یہی وہ اصل سبب تھا جو نئے نئے عقائد اور فلسفے، نئے نئے طرزِ عبادت اور مذہبی مراسم اور نئے نئے نظامِ حیات ایجاد کرنے کا محرک بنا اور اس نے خلقِ خدا کے ایک بڑے حصے کو دین کی صاف شاہراہ سے ہٹا کر مختلف راہوں میں پراگندہ کر دیا۔ پھر یہ پراگندگی اِن گروہوں کی باہمی بحث وجدال اور مذہبی و معاشی اور سیاسی کشمکش کی بدولت شدید تلخیوں میں تبدیل ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ نوبت آن خونریزیوں تک کہ نوبت آن خونریز جن کے چھینٹوں سے تاریخِ انسانی سرخ ہو رہی ہے۔“ [1]

آئمہ مجتہدین کی تقلید کے عوام الناس ہی پابند نہیں بلکہ اولیاء اللہ جن کی پیشوائی مسلّمہ

---

[1] تفہیم القرآن، جلد چہارم، مطبوعہ لاہور، طبع سوم ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء، ص ۲۹۳، ۲۹۴

جن کی بزرگی پر سب کو اعتماد، جو مسلمان کی عقیدت کے مرکز اور اسلام کے فضل و کمال کی منہ بولتی تصویریں تھے، وہ بھی بایں ہمہ تقلید آئمہ کے پابند تھے اور اُن کے لیے بھی اس کے بغیر چارۂ کار نہ تھا۔ کشف و کرامت اور روحانیت میں اُن کے کشف و الہام جہاں اِن بزرگوں کی تحقیقات سے ٹکرائیں گے تو اعتماد آئمہ مجتہدین کی اُنکے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ (اُن کا مقام خواہ کتنا ہی کو حجت تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اُسے رد کر دینا پڑے گا) حضور سیدنا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی (المتوفی سنہ ۵۶۱ھ)، شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری (المتوفی سنہ ۴۶۵ھ)، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر (المتوفی سنہ ۶۲۳ھ)، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (المتوفی سنہ ۶۳۴ھ)، خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر (المتوفی سنہ ۶۶۴ھ) محبوب الٰہی، خواجہ نظام الدین (المتوفی سنہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء) اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جیسے سرمایۂ ملت کے نگہبان اور مملکت ولایت و روحانیت کے فرمانروا بھی تقلید آئمہ سے آزاد نہ ہو سکے۔ باوجود اِس فضل و کمال کے انھیں بھی تحقیقاتِ آئمہ مجتہدین کے سامنے سر جھکانا پڑا اور مجتہدین عظام کی تحقیقات کے مطابق ہی عمل کرنا پڑا۔ یہی حقیقت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادگان کو یوں سمجھائی تھی۔

اربابِ ولایتِ خاصہ یا علامۂ مومناں در تقلیدِ مجتہدین برابر اند کشوف و الہامات ایشاں مزیت نمی بخشد و از ربقۂ تقلید نمی برآرد و ذوالنون و بسطامی و جنید و شبلی با زید و عمر و بکر و خالد کہ از عوام مومناں اند در تقلیدِ مجتہداں در احکام اجتہادیہ مساوی اند۔ آرے مزیت ایں بزرگاں

اُونچے پائے کے اولیاء اللہ بھی مجتہدین کی تقلید میں عام مومنین کے برابر ہیں۔ اُن کے کشوف و الہامات کی فضیلت کا اِس میدان میں کوئی دخل نہیں اور وہ حلقۂ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری بایزید بسطامی، جنید اور شبلی جیسے بزرگ بھی عام مومنین مثل زید و عمر و بکر و خالد کی طرح

در امورِ دیگر است ۔ ۱؎

مجتہدین کے اجتہادی احکام کی تقلید کے پابند ہیں۔ ہاں دوسرے امور میں ان بزرگوں کو ضرور فضیلت حاصل ہے۔

آئمہ مجتہدین کی تحقیقاتِ جلیلہ پر حرف گیری کرنا اور اُن کے مقابلے میں اپنی لنگڑی لولی تحقیقِ ظاہری کو درست قرار دینا ایک ایسی بیماری ہے جو آجکل خوب زوروں پر ہے اور اہلحدیث حضرات تو خصوصیت سے اِس مرض کے شکار ہیں۔ چونکہ وہ حضرات بھی عوام کو دھوکا دینے کی خاطر حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں، آپ کے مکتوبات کو علومِ شرعیہ کا خزانہ بتاتے اور تمام اختلافی مسائل کو حل کرنے کی خاطر حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کو حکم بنانے کی پیشکش کر دیا کرتے ہیں، اِس لیے ہم یہ معاملہ بھی مکتوباتِ امامِ ربانی ہی سے حل کروا لیتے ہیں۔ آپ نے میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے فرمایا تھا۔

”اگر کوئی کہے کہ ہم دلیلِ مجتہد کے خلاف علم رکھتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ثبوتِ حِلّت و حُرمت میں مقلّد کا علم معتبر نہیں ہے، ہاں مجتہدین کے دلائل کو مکڑی کے جالے کی طرح کمزور بتانا انتہائی دیدہ دلیری ہے اِسی طرح اپنے علم کو اُن کے علم کو اُن کے علم پر ترجیح دینے اور اصحابِ حنفیہ کے اُصولوں کو باطل ٹھہرانے کا معاملہ ہے کہ یہ روایاتِ معتبرہ مفتیٰ بہا کو درہم برہم کرنے اور شاذ کہنے کے مترادف ہے۔ یہ حضرات احادیث کو زمانۂ نبوی سے قرب کے باعث اور زیادہ علم رکھنے نیز زیورِ تقویٰ و ورع سے آراستہ ہونے کے سبب ہم دُور افتادہ لوگوں سے بہتر جانتے تھے اور اُن کے

۱؎ مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

سقم وصحت اور نسخ وعدم نسخ کی پہچان ہم سے زیادہ رکھتے تھے۔ ؎۱

اسی سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے سید محمود علیہ الرحمہ کے لیے مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔

”آپ نے فائدہ مند باتوں اور نصیحت کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مخدوم گرامی آدمی کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں تاکہ وہ نجاتِ ابدی میسر آجائے (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس پر عمل مقصود ہے۔ فقہ اس علم کو بیان کرنے کی کفیل ہے۔ علم کی دوسری قسم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور قلبی یقین ہے۔ اس علم کی تفصیل اہلسنت وجماعت کی آرائے صائبہ کے مطابق علمِ کلام کی کتابوں میں موجود ہے۔ چونکہ اہلسنت وجماعت ہی ناجی فرقہ ہے۔ لہٰذا اِن بزرگوں کی پیروی کیے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر بال برابر بھی ان سے مخالفت کی تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات کشفِ صحیح اور الہام صریح سے بھی درجۂ یقین تک پہنچ چکی ہے اس لیے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ تو کس قدر مبارک ہے وہ شخص جس کو ان بزرگوں کی متابعت کی توفیق مل گئی اور اِن کی تقلید کا شرف نصیب ہوگیا۔ اور خرابی ہے اُس کے لیے جو ان کے مخالف چلا اور ان کے گروہ سے نکلنے والا خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈالتا ہے۔“ ؎۲

ناجی گروہ اہلسنت وجماعت کی پیروی کرنے اور اِس گروہ سے نکل جانے والوں کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل الفاظ گوشِ ہوش سے

؎۱ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۱۲ ؎۲ مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۹۵

سننے اور چشم بینا سے دیکھنے چاہئیں۔ آپ نے فرمایا ہے:۔

پس لازم است کہ ہمگی ہمت در اتیان احکامِ شرعیہ باید صرف نمود و اہلِ شریعت را از علمار و صلحا تعظیم و توقیر باید داشت و در ترویج شریعت باید کوشید و اہلِ ہوا و بدعت را ذلیل و خوار باید داشت۔"[۱]

پس لازم ہے کہ پوری کوشش احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں صرف کی جائے اور شریعت مطہرہ کی ترویج و اشاعت میں کوشش کرنی چاہیئے نیز گمراہوں اور اہلِ بدعت (غیر سنّیوں) کو ذلیل و خوار رکھنا چاہیے۔

اہلسنت وجماعت کی حقانیت اِس سے نکلنے اور بال برابر مخالفت کرنے کا وبال، اِس کا ناجی گروہ ہونا، جو اس سے نکل گئے اُن کے گمراہ ہونے اور تقلیدِ ائمہ مجتہدین کی ضرورت وغیرہ اُمور کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات اُن کے مکتوبات کی روشنی میں قارئین کرام کے سامنے ہیں۔ اِن سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ خود سنی المذہب تھے اور دوسروں کو بھی اِسی مرکز پر جمع کرنا چاہتے تھے کیونکہ اُن کے نزدیک بھی ناجی گروہ یہی ہے۔ جو حضرات آپ کے مکتوبات کو حکم بنانے کی پیشکش کرتے رہے ہیں وہ آئیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق اہلسنت وجماعت کے زمرے میں شامل ہو جائیں کیونکہ اس کی بال برابر مخالفت کرنے میں خطرہ ہے اور اِس زمرے سے باہر نکلنے والے گمراہ اور بقول شیخِ مجدد جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ:۔ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (المتوفی ۱۵۰ھ) جن کی کنیت ابوحنیفہ ہے اور دنیائے اسلام جنھیں امامِ اعظم

---

[۱] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۵

کہتی اور رانتی ہے، وہ سراجِ اُمتِ محمدیہ، قافلہ سالارِ آئمہ، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی، خدائے ذوالمنن کی خاص عنایت اور اُمتِ محمدیہ کے سرتاج ہیں جن کے وجودِ مسعود پر ملّتِ اسلامیہ کے عوام و خواص کو ہمیشہ ناز رہا ہے اور رہے گا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اُمتِ محمدیہ میں آپ ہی وہ خوش نصیب ہیں جنھوں نے اِس خطرے کو سب سے پہلے محسوس کیا کہ کتاب و سنت کے مفہوم و معانی کی نا اہوں، ہوا پرستوں اور بدخواہوں کے ہاتھوں کیا گت بن سکتی ہے۔ کتبِ سابقہ کی لفظی اور معنوی تحریفات کی دردناک مثالیں سامنے تھیں۔ اِس تصوّر نے آپ کو تڑپا دیا تھا۔ قرآنِ کریم میں لفظی تحریف تو وعدۂ الٰہی، — اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہ کے باعث ناممکن ہے۔ دوسری جانب صحابۂ کرام و تابعینِ عظام خصوصاً حُفّاظِ حدیث کی مساعی جمیلہ اور اُن بزرگوں کی ارشاداتِ نبویہ سے عدیم المثال وابستگی ذخیرۂ احادیث کی جانب سے مطمئن کر دینے کے لیے کافی تھی لیکن مفہوم و مطالب والا گوشہ ہی ایسا ہے جسے ہمیشہ بدخواہوں، گمراہ گروں اور گندم نما جَو فروشوں نے چور دروازے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اِس خطرے کو بھانپ کر حضرت امام المسلمین قدس سرہ نے پورے انہماک سے کتاب و سنت کا علم حاصل کیا۔ اِن کے ظاہری و باطنی علوم میں ایسا کمال حاصل کیا کہ اپنے مایۂ ناز معاصرین پر، جو آسمانِ علم و عرفان کے شمس و قمر تھے، آپ سبقت لے گئے اور علومِ دینیہ کا منبع اور اہلِ علم کے مرجع قرار پا گئے۔

کتاب و سنت کے مفہوم و مطالب کو محفوظ کرنے کی خاطر اِس مدوّنِ شرع و دین اور خیر خواہِ اسلام و مسلمین نے ایسے عظیم کام سے عہدہ برآ ہونے کے لیے صرف اپنی ذات اور اپنی علمیت ہی پر دار و مدار نہ رکھا بلکہ مایۂ ناز اور سرمایۂ روزگار اہلِ علم کا ایک بورڈ مقرر کیا، جس کے اراکین پورے غور و خوض اور بحث و تمحیص سے مسائل

کا استنباط کیا کرتے تھے۔ آپ اِس مقرر کردہ جماعت کی سب سے ممتاز شخصیت اور میر مجلس تھے۔ اِس محفلِ مذاکرہ میں حصہ لینے والے حضرات کے بارے میں علامہ خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) یوں رقمطراز ہیں:۔

"کان اصحاب ابی حنیفة الذین یذاکرونه ابو یوسف وزفر وداؤد الطائی واسد بن عمرو وعافیة الاودی والقاسم بن المعن وعلی بن مسهر ومندل و حبان ابنا علی کانوا یخوضون فی المسئلة"[1]

امام اعظم ابو حنیفہ کے جو اصحابِ محفلِ مذکرہ میں شریک ہوا کرتے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، عافیہ اودی، قاسم بن المعن، علی بن مسہر، مندل و حبان، علی کے دونوں بیٹے، یہ حضرات مسائل میں غور و خوض کیا کرتے تھے۔

صدر الائمہ، موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۸ھ) نے اِس مجلسِ مذاکرہ کا تذکرہ یوں کیا ہے:۔

فوضع ابو حنیفة رحمه الله مذهبه شوریٰ بینهم لم یستبد فیه بنفسه دونهم اجتهادًا منه فی الدین ومبالغة فی النصیحة لله ورسوله والمومنین فکان تلقی مسئله مسئله ویسمع ما عندهم ویقول ما عنده ویناظرهم شهرًا او اکثر من ذالك حتی یستقر احد

امام ابو حنیفہ نے اپنا مذہب اُن اراکینِ مجلسِ مذاکرہ میں مشاورت کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اُن کے بغیر وہ اپنی رائے کو حرفِ آخر قرار نہیں دیا کرتے تھے۔ یہ طرزِ عمل اُنھوں نے دینی احتیاط و نزاکت کے پیشِ نظر اور اللہ و رسول اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار ہو کر کیا

---

[1] تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۱۰۸

الاقوال فیھا ثم یثبتھا ابو یوسف فی الاصول حتی اثبت الاصول کلھا[۵۱]

تھا۔ مجلس کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش ہوتا سب اُن کے دلائل سنتے، اپنے دلائل سُناتے۔ بعض اوقات ایک ماہ یا اِس سے بھی زیادہ بحث جاری رہتی۔ جب ایک قول پر اتفاق ہو جاتا تو ابو یوسف اُسے اصول میں درج کر دیتے۔ یوں تمام اُصول مرتب ہوئے۔

اِسی مجلسِ مذکرہ کے بارے میں مشہور محدث، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری یوں رقمطراز ہیں:۔

انه وضع ثلاثة الاف وثمانین الف مسئلة منها ثمانیة وثلاثون الفاً فی العبادة والباقی فی المعاملات[۵۲]

امام ابو حنیفہ نے تراسی ہزار مسائل طے فرمائے، جن میں سے اڑتیس ۳۸ ہزار کا تعلق عبادات سے ہے اور باقی مسائل متعلقہ معاملات ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم الشان کارنامے کو عظیم الشان حضرات نے ہمیشہ نظرِ استحسان سے دیکھا اور اِس کے پیشِ نظر آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے۔ خاتم الحفاظ، علامہ جلال الملت والدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کا یہ بیان کتنا جامع و مانع ہے:۔

انه اول من دوّن علم الشریعة ورتبھا ابواباً ثم تبعه مالك بن انس فی

بےشک ابو حنیفہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدون کیا اور

---

[۵۱] مناقب موفق، جلد دوم، ص ۱۳۲

[۵۲] ذیل الجواہر، جلد دوم، ص ۴۸۲

ترتیب المؤطا لم یسبق اباحنیفة، احدا لان الصحابة رضی اللہ عنہم والتابعین لم یضعوا فی علوم الشریعة ابوابًا مبوبة ولا کتبا مرتبة وانما کانوا یعتمدون علی قوة حفظهم فلما رای ابوحنیفة العلم منتشرًا وخاف علیه الضیاع دوّنه فجعله ابوابًا۔ [1]

اِسے ابواب کے تحت مرتّب فرمایا۔ پھر آپ کا امام مالک بن انس نے مؤطا کی ترتیب میں اتباع کیا۔ شریعت کی تدوین میں کوئی امام ابوحنیفہ پر سبقت حاصل نہیں کر سکا، کیونکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین نے علمِ شریعت پر ابواب میں تقسیم کر کے کوئی کتاب مرتب نہیں فرمائی تھی، اُنھیں اپنی قوّتِ حافظہ پر اعتماد تھا۔ جب امام ابوحنیفہ نے علمِ شرع کو منتشر دیکھا تو ضائع ہونے کے خطرے کو محسوس کر کے اِسے ابواب کے تحت مدوّن فرمادیا۔

بعض محدثین حضرات نے ائمہ مجتہدین اور فقہائے کاملین کے کام اور طریقِ کار کو نظرِ استحسان سے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ محدثین میدانِ اجتہاد میں اپنی بے مائیگی اور مقامِ اجتہاد کو کما حقہٗ نہ سمجھنے کے باعث اعتراضات کر بیٹھے ہوں یا شرعی مسائل میں بال کی کھال نکالنا اُنھیں طبعًا پسند نہ ہو۔ صورتِ حال خواہ کچھ بھی ہو لیکن اُن بزرگوں کی نیت پر ہمیں کوئی شبہ نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ بعض محدثین کا یہ طرزِ عمل خلوص ہی پر مبنی ہو اور اِس کی تہ میں دین و ملّت کی خیر خواہی کا جذبہ ہی کارفرما ہو۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتے کہ ائمہ مجتہدین نے شرعی مسائل

---

[1] تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ، مطبوعہ لاہور، ص ۳۶

کا کتاب و سنت کی روشنی میں استنباط کر کے آیات و احادیث کے معنی حقیقی مفہوم و مطالب کو اس درجہ محفوظ کر دیا ہے کہ اب کوئی فرضی محقق یا مصلح کے بھیس میں اسلام و مسلمین کا بدخواہ، انھیں من مانے مطالب و معانی کا لباس پہنانے میں آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آئمہ مجتہدین کے اس احسانِ عظیم میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

امام اعظم غیر مقلدین کی نظر میں:۔ محدثین حضرات میں تو ایسی دو چار ہی ہستیاں نظر آتی ہیں۔ جنھیں مجتہدین کا کارنامہ پسند نہ آیا اور خاص طور پر وہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراضات کر بیٹھے لیکن تیرھویں صدی سے محمد بن عبدالوہاب نجدی (المتوفی سنہ ۱۲۰۶ھ) اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المقتول سنہ ۱۲۴۶ھ / سنہ ۱۸۳۱ء) کے متبعین نے تو فقہا و مجتہدین کے خلاف ایسی جارحانہ مہم جاری کر رکھی ہے کہ نجدی اور ہندی متبدعین کا وجود ہی اسلاف دشمنی کی زندہ تصویر بن کر رہ گیا ہے۔ یہ دشمنی محض اس لیے ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کر کے من مانے مطالب و معانی کا راستہ کیوں بند کیا؟ ناراضگی ہے تو اسی بات پر ہے تو اسی لیے کہ ان کی گمراہ گری کے آگے بند کیوں باندھا گیا؟ اسی غصے کی آگ میں جلتے بھنتے رہتے ہیں اور آتشِ غیظ و غضب ہے کہ ٹھنڈا ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ چنانچہ سرگروہ غیر مقلداں اور جماعتِ اہلحدیث کے بانی، میاں نذیر حسین دہلوی آنجہانی (المتوفی سنہ ۱۳۲۰ھ / سنہ ۱۹۰۲ء) کے شاگرد مولوی عبدالعزیز محمدی رحیم آبادی (المتوفی سنہ ۱۳۳۸ھ / سنہ ۱۹۱۹ء) نے اس سلسلے میں اپنے بیان کا حسن یوں دکھایا ہے:۔ ●

> ”بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے چونکہ حدیث کی روایت ندارد ہے إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ اور یہ فنِ حدیث میں بے مائیگی اور نقصانِ اجتہاد

کی دلیل تھی، لہٰذا نعمانی لوگ اس کو یوں مٹانا چاہتے ہیں کہ امام صاحب کو شروطِ روایت میں شدت واحتیاط تھی۔ بھلا امام صاحب کو روایت میں تو یہ احتیاط تھی اور قیاس میں احتیاط نہ ہوئی کہ شریعتِ محمدی میں بلا تامل اپنی عقل پر اعتماد کر کے حکمِ شرع لگا دیا اور علیٰ ہٰذا یہ کہنا امام صاحب نے یہ اصول قائم کیے یہ سب بے سروپا باتیں ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں اور علمائے مقبولین کی تصریحات اس کے خلاف موجود ہیں۔" [1]

قارئینِ کرام! یہ تو قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کی جلوہ گری ہے اور جس کے بارے میں خدائے علیم وخبیر نے فرمایا ہے کہ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۔ اس آتش غلیظ وغضب کا عالم کیا ہوگا؛ مذکورہ عبارت کا ہر لفظ سچے مسلمانوں کے قلب وجگر کو خنجر سے زیادہ گھائل کر رہا ہے۔ ہر فقرے میں خارجیت کا زہر ہلاہل ملا ہوا ہے۔ یَا مَنْ عَادَ وَلِیًّا اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ والا ستم قاتل گھلا ہوا ہے۔ اس تضلیل و اضلال کا مآل موصوف کے سامنے ہوگا۔ اس اسلام دشمنی کا وبال بڑے میاں اور سارے چھوٹے میاں بھگت رہے ہوں گے اور جو باقی ہیں انھیں بھگتنا ہوگا، لیکن رونا تو اس غربتِ اسلام کا ہے کہ اسلام کے اُس مایۂ ناز سپوت پر جسے ہر دور کی سرمایۂ روزگار سنّیوں نے اپنا امام تسلیم کیا، جسے اقلیمِ اجتہاد کا فرمانروا مانا، جو فقہ کا صاحبِ خانہ مانا گیا، جس کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اسلام کے بطلِ جلیل نے اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ کا فیصلہ صادر فرمایا، جس کے متعلق امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث، صاحبِ تقویٰ وطہارت اور نازِ فن معاصر (المتوفی ۱۸۱ھ) نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[1] حسن البیان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، طبع سوم ۱۳۸۵ھ، ص ۸۲، ۸۳

۵ لقد ازان البلاد ومن علیہا

امام المسلمین ابی حنیفہ،

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اسی سرمایۂ افتخار ہستی کے بارے میں بعض اینگلو انڈین علماء صرف برٹش گورنمنٹ کے وظیفے ہضم کرنے اور اُس کا حق نمک ادا کرنے کی خاطر، یوں زبانِ طعن دراز کرتے پھرے اور آج تک ایسا ہی کر رہے ہیں لیکن کوئی اُن کے دانت دیکھنے والا نہیں۔ موصوف نے خارجیت کی ترنگ میں یوں بھی نشتر زنی کی ہے۔

> "اُن (محدثین) کا استناد تو کتاب و سنت و آثارِ صحابہ ہی پر ہے جن لوگوں کے پاس قیاس کا ہتھکنڈہ موجود تھا اُنھوں نے طالبِ حدیث میں زحمتِ سفر و مشقت اُٹھانے کی نہ ضرورت دیکھی اور نہ کی جو مسئلہ پیش آیا اُسی ہتھکنڈے سے فوراً جواب دے دیا۔ ایسے لوگ اُس وقت قیاس کہلاتے تھے جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان (علامہ شبلی) نے حصہ اوّل میں خود اقرار کیا ہے۔ علاوہ امامِ اعظم کے مناظرے جو آپ نے نقل کیے ہیں وہ بھی اسی کے شاہد ہیں کہ امام اعظم نے قیاس ہی سے جواب دیے، ادلۂ شرعیہ کا وہاں نام بھی نہ تھا۔"[1]

جب رحیم آبادی صاحب کے نزدیک حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ادلۂ شرعیہ سے نابلد تھے اور قیاس کے سہارے ہی اپنی امامت کی گاڑی چلا رہے تھے تو ایسے شخص کے لیے موصوف نے امام جیسا مقدس لفظ کس مصلحت کے تحت بار بار استعمال کیا؟ ثانیاً ۔ ساری کتاب میں امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے اسم گرامی پہ (رح) علامت

---

[1] ایضاً، ص ۹۱

کو رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف قرار دے کر رکھنے کا تکلف کیوں فرمایا گیا؟ جو شخص اُن کے نزدیک شریعتِ محمدیہ کو بازیچۂ اطفال اور اپنی مرضی کا تابع بنائے ہوئے تھا، اللہ تعالیٰ سے اُس کے لیے رحمت کا سوال کرنا چہ معنی دارد؟ آخر اسے ہیبتِ حق کے سوا اور کیا کہا جائے کہ مستندین زمانہ کے قلم سے کوئی نہ کوئی کلمہ ایسا ادا ہو ہی جاتا ہے جو حق و صداقت کی جانب اشارہ کر دیتا ہے۔

ثالثاً:۔ کیا رحیم آبادی صاحب کے ہمنوا غیر مقلد حضرات مسلمانوں کو یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ علامت (رح) استعمال کر لینے کی تعلیم کتاب و سنت نے دی ہے یا آثارِ صحابہ نے؟ اگر اس بدعتِ سیئہ قبیحہ کی کوئی سند یا وجہِ جواز ہے تو اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔ اگر اس کا ثبوت پیش نہ کیا گیا تو یہی سمجھا جائے گا کہ دین میں شیڈی ازم کو داخل کرنے کا سہرا غیر مقلد اہلحدیثوں کے سر ہے، جو دینی احکام کو اسی طرح شیڈی بناتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ تراویح کی بیس ۲۰ رکعتوں سے آٹھ ۸ بنا دیں اور وتر کی تین ۳ رکعتوں کو ایک ہی رکعت بنا کر رکھ دیا۔

رابعاً:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز معاصرین سے لے کر آج تک جو لاکھوں سرمایۂ روز ہستیوں نے حضرت امام اعظم کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کیا، اُن کی علمی جلالت اور رتبۂ اجتہاد کو تسلیم کیا، انھیں باقی مجتہدین حضرات کے مقابلے میں امامِ اعظم مانا، کیا انھیں رحیم آبادی صاحب یا اُن کے ہمنوا غیر مقلد مولویوں کے برابر بھی علم نہیں تھا؟ امتِ محمدیہ کا غالب حصہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہر دور میں مقلد چلا آیا ہے، کیا یہ سب اندھے تھے یا چند نفر غیر مقلدین ہی غیظ و غضب کی آگ میں جل بھن کر مغلوب الحال ہو چکے ہیں؟۔ مولوی عبدالعزیز محمدی رحیم آبادی نے اپنی جماعت کا ترجمان بن کر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ بہتان بھی باندھا ہے۔

> سیکڑوں مسئلے ایسے ہیں جن میں خبر واحد کیا۔ قیاس سے بھی زیادت علی الکتاب امام ابوحنیفہ نے کیا ہے۔ میں یہاں دو چار مسئلے بطور نمونہ کے ذکر کرتا ہوں۔ صاحب سیرۃ النعمان اگر سچے ہیں تو ان سب کا جواب دیں۔ اصولِ فقہ میں زیادت علی الکتاب دو معنوں (تخصیص عام و تقیید مطلق) میں مستعمل ہے۔"[1]

محمدی صاحب نے اپنے ترکش سے زہر میں بجھا ہوا تیر تو چلا دیا اور ممکن ہے کہ اس کارگزاری سے انھوں نے کسی اسلام دشمن طاقت کو خوش کرنے میں کامیابی بھی حاصل کر لی ہو لیکن ایسی بے تکی باتوں سے حقائق نہیں بدلا کرتے۔ موصوف نے اپنے ہمنواؤں کی تحسین و آفرین کو ضرور مدنظر رکھا ہوگا۔ لیکن چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے احساسات کا کچھ تو پاس لحاظ رکھتے لیکن یہ اُن کی بلا جانے، اسی لیے موصوف نے یہاں تک لکھ مارا ہے :-

> "امام ابوحنیفہ مرسل و منقطع حدیثیں لے کر اجتہاد کرتے تھے اور مرسل بھی ایسی کہ بعض کی کچھ اصل نہیں اور بعض مرفوع کے مخالف ہے"[2]

غیر مقلد پارٹی کے بانی اور ان حضرات کے شیخ الکل یعنی میاں نذیر حسین مورچ گڑھی دہلوی نے سنیوں حنفیوں کے خلاف معیار الحق کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کے دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ غیر مقلدین حضرات کے سابق امیر اور جامع مسجد گوجرانوالہ کے خطیب یعنی مولوی محمد اسمٰعیل مشہدی (المتوفی ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) نے تحریر کیا تھا۔ موصوف نے اس دیباچے میں فقہ حنفی کے خلاف اپنے محتاط قلم سے یوں زہر افشانی فرمائی تھی :-

مد اِس قسم کی سیکڑوں جزئیات مروّجہ فقہ کے دفاتر میں موجود ہیں۔ جو عقل وشعور کے دامن کو بڑے زور سے جھنجوڑتی ہیں، بجز تقلید اور عصبیت کے اُن کے قبول کے لیے ذہن آمادہ نہیں ہوتا۔ اِن گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ فقہ حنفیہ کے سارے مسائل سطحی اور عدمِ احتیاط پر مبنی ہیں، بلکہ بعض مقامات میں انتہائی تفقہ اور گہرائی سے کام لیا گیا ہے اور بڑی محتاط روش اختیار فرمائی گئی ہے۔ اِس لیے دُور اندیش اور محقق علمار کی رائے ہے کہ اِن مروّجہ مسالک سے کسی ساتھ کُلّی وابستگی نہیں رکھنی چاہیئے، خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل ہونا چاہیئے[سلہ]

فقہ حنفی جس میں صفا ہی صفا ہے وہاں تو موصوف خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَرْ کی تلقین فرماتے تھے۔ لیکن یہی ائمہ مجتہدین وعمائدِ دین کی تقلید سے انکار کرنے والے صاحب سیاسیات میں گاندھویت کے علمبردار اور گاندھی جی کے منظورِ نظر وخلیفۂ اعظم یعنی جناب ابوالکلام آزاد جیسے بُت پرست نواز کے مقلد تھے، بلکہ تحریک پاکستان میں اپنے استاذ مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے تلمذ کا لحاظ بھی نہیں رکھا تھا۔

امیر الوہابیہ مولوی محمد اسمٰعیل شہدی صاحب کا ایک سراسر خلافِ حقیقت اور مضحکہ خیز بیان بھی قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس میں موصوف نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) سے منسوب کر کے ایک خلافِ واقعہ بیان دیا اور اہلسنت وجماعت کے متعلق دین ودیانت کے خلاف تاثر دینے کی سعیٔ لاحاصل فرمائی ہے۔ موصوف کی وہ زہر آلودہ عبارت یہ ہے۔

[سلہ] معیار الحق، مطبوعہ چٹان پریس لاہور، بار دوم ۱۹۶۵ء: ص ۱۷

"شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کا یہ اثر ہوا کہ احناف سے بدعت پسند حضرات (اہلسنت وجماعت) نے تو شاید شاہ صاحب کو بالکل نظر انداز کر دیا اور احناف کا توحید پسند گروہ (دیوبندی وہابی) چونکہ حدیث کے ساتھ تعلق اور تعارف کی وجہ سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ممنون ہے، اِس لیے اُن سے عقیدت کا اظہار تو کرتے ہیں۔ لیکن حضرت کے اُس پروگرام سے وہ متفق نہیں، نہ وہ اِس پر مطمئن ہیں۔ اُن کی کوشش ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے جمود کو پھر دعوت دیں اور کتاب و سنت سے تعلق کو مشروط رکھیں کہ اگر وہ عراق اور کوفہ کی راہ سے آئے تو اُسے منظور کر لیا جائے اور اگر حجاز یا مصر کی راہ سے آئے یا وہ ائمہ سلف اور قرونِ خیر کے اندازِ فکر کا ترجمان ہو تو حتی الامکان اُسے قبول نہ کیا جائے اور اِس راہ میں ہر رکاوٹ ڈالی جائے۔ چنانچہ اُن کے مرکز اب بھی اِسی کوشش میں مصروف ہیں۔"[1]

غیر مقلدین حضرات نے حضرت امام المسلمین رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف باقاعدہ ایک محاذ بنا کر منظم طور پر آپ کے خلاف الزام تراشیوں کا ختم نہ ہونے والا چکر چلایا ہوا ہے۔ اِن حضرات کی غایت سعی یہی ہے کہ اپنی اینگلو انڈین جماعت کے اڑھائی نفر کو حق پرست اور ناجی گروہ بتائیں اور سوادِ اعظم یعنی اہلسنت وجماعت کو باطل پرست، مشرک اور جہنمی ٹھہرایا جائے۔ کاش یہ حضرات تعصب کے پنجرے سے باہر نکل کر کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ بروزِ قیامت باقی اُمتوں کی چالیس اور اُمتِ محمدیہ کی اَسّی صفیں ہوں گی۔ اگر مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ والا

---

[1] معیار الحق، پیش لفظ، ص (س)

ناجی گروہ غیر مقلدین ہی کا ٹولہ ہے تو اِس کے جملہ افراد سے تو لاہور کی بادشاہی مسجد بھی شاید نہ بھرے۔ کیا اسّی صفیں اِن چند ہزار غیر مقلدوں سے پوری ہو جائیں گی؟ کیا باقی تمام اُمتوں کی مجموعی تعداد سے دگنے غیر مقلدین ہیں؟ غور تو فرمائیے کہ سوادِ اعظم کا اعلان اِس مُٹھی بھر جماعت پر کس حد تک صادق آتا ہے۔

۵ کہنے کو اُن سے کہہ رہا ہوں حالِ دِل مگر
ڈر ہے کہ شانِ ناز پہ شکوہ گراں نہ ہو

مقام اجتہاد و استنباط - اپنے فرضی و خیالی دُور اندیش اور محقق علماء کے سر تھوپ کر غیر مقلدین حضرات لوگوں کو بے راہ روی کی تو تلقین تو کر سکتے ہیں کہ مروجہ مسالک میں سے کسی مسلک کے ساتھ کُلّی وابستگی نہیں رکھنی چاہیئے۔ بلکہ خُذ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ پر عمل ہونا چاہیئے لیکن ایسے ایک بھی دُور اندیش اور محقق عالم کی نشاندہی کرنے سے وہ آجتک قاصر رہے ہیں جس نے یہ کہا ہو اور جس نے مجتہدین عظام کے کارناموں میں صَفَا کے ساتھ کَدِرَ کی ملاوٹ بھی بتائی ہو۔ اگر اجتہاد میں گندگی بھی بھری ہوئی ہوتی تو اُمتِ محمدیہ کیا ساری کی ساری محض جاہلوں کا ٹولہ تھی، جس کا چار آئمہ کی تقلید کے وجوب پر اجماع ہو گیا۔ فرمانِ رسالت تو لَا یَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ ہے۔ دریں حالات تقلید پر اجماع ہونا ضلالت کے برعکس ہدایت پر جمع ہونا ہے کیونکہ اِن چشموں کا پانی بالکل صاف شفاف ہے۔ ہاں گدلے پانی کی جتنی نالیاں (فرقے) بہہ رہی ہیں ہرگز کوئی مسلمان اُن کا پانی پینے کے لیئے تیار نہیں کیونکہ نہ وہ نالیاں آج پاک ہیں اور نہ کبھی پاک ہو سکتی ہیں کیونکہ فرمانِ رسالت ہے کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً۔ اِن گندی نالیوں کو صرف جہنم کی آگ ہی پاک کر سکتی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔

[illegible] کہ شاہ اسمٰعیل صاحب نے۔

مشورہ دیا ہے یہ تو منصبِ اجتہاد ہے۔ دلائل کو پرکھنا اور احکام کا استنباط کرلینا اگر ہر کسی کے بس کا روگ ہوتا تو لاکھوں علمائے دین کبھی چار بزرگوں کی تحقیقات کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرتے۔ کیا ہزاروں نامور محدثین وفقہا میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوا جو آج کے غیر مقلد مولویوں کی روش پر چلتا، تقلید کا جوا پھینک کر اپنی تحقیق کی گاڑی چلاتا؟ کیا موجودہ غیر مقلدین حضرات اپنی معلومات کے چند قطروں کو اُن علوم وعرفان کے سمندروں سے وسیع سمجھتے ہیں؟ آخر ہر کسی کے ہاتھ میں اجتہاد کی چھری پکڑا دینا کہ اُس سے شریعتِ مطہرہ کو ذبح کرتا پھرے، یہ کہاں کی عقلمندی اور اسلام پر کس طرح کا احسان فرمایا جارہا ہے؟ کیا غیر مقلدین حضرات کے سامنے پوسٹ مارٹم کرنے کے لیے صرف اسلام ہی رہ گیا ہے؟

جانِ برادر! اجتہاد کی اہلیت وقابلیت جس میں ہو اُسے کون اجتہاد سے منع کرسکتا ہے لیکن ہر کسی کے دماغ میں غیر مقلدین کی تحریک سے یہ سودا سمانے لگے کہ میں بھی مجتہد ہوں، میں بھی احکامِ شرعیہ کی پوری پوری چھان بین کرسکتا ہوں، مجھے بھی دلائل کو پرکھنے کا ملکہ حاصل ہے، آج ایسا سمجھنے والا عقل کا دشمن، اپنا اور مسلمانوں کا بدخواہ اور شترِ بے مہار ہے۔ اُمتِ محمدیہ نے ہزاروں مایۂ ناز محدثین وفقہا میں سے کسی ایک کو بھی اُن چہار آئمہ دین کے ساتھ نہ ملایا لیکن غیر مقلدین حضرات آج بھی سیکڑوں مجتہد بنا کر کھڑے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن بھولے بھٹکے راہیوں، کلمہ طیبہ کے ہمراہیوں کو بھی عقل وخرد اور دین ودیانت کی دولت عطا فرمائے، آمین۔

آج اِس پُر فتن دَور میں ہر کوئی مجتہد بن بیٹھتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں تحریف کرنے کی غرض سے اجتہاد کرسکتا ہے اور ٹوکنے پر طعنہ دیتا ہے کہ یہ لوگ رجعت پسند ہیں، یہ اسلام پر جمود طاری رکھنا چاہتے ہیں، یہ تحقیق کے دروازے کو کھلا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے، یہ اسلام کو موجودہ زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں

کرنے دیتے۔ ہم ایسے جملہ حضرات کی خدمت میں بصد ادب یہ عرض کرتے ہیں کہ جانِ برادر! اگر آپ میں اہلیت اور ہمت ہے تو میدانِ تحقیق میں خوب گھوڑے دوڑائیے، بڑی خوشی سے اسلام کو موجودہ تقاضوں کے ہم آہنگ کر دکھائیے، لیکن گذشتہ چودہ سو سال میں اسلام کی جو عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہے خدارا اُسے نہ گرائیے، اُس کی ایک اینٹ کو بھی نہ چھیڑیے، اُس کی کسی ایک چیز کو بھی برباد نہ کیجیے کیونکہ جن کاریگروں نے اِس کی تعمیر میں حصہ لیا ہے وہ آپ سے ہزاروں گنا ماہر تھے اُن کے خون پسینے کی کمائی کو برباد نہ کیجیے، اُنھوں نے اِس عمارت کی تعمیر کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں، میراث کے طور پر ملی ہوئی اُن کی کمائی کے نورانی جسد پر عملِ جراحی نہ کیجیے۔ اگر خدا نے واقعی آپ کو توفیق بخشی ہے تو اِسی عمارت کے اُوپر ایک دو منزلیں مزید تعمیر کر دیجیے۔ نہ سہی تو اِس عمارت پر ایک دو ردے ہی رکھ جائیے۔ ہم بھی آپ کا احسان مانیں گے۔ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں آپ کو ملتِ اسلامیہ کے محسنین میں شمار کرے گی۔ اگر ہو سکتا ہے تو تعمیری کام کر دکھائیے۔ ورنہ تعمیر کے نام پر خدارا تخریب نہ کیجیے۔ اِسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔

جانِ برادر! اجتہاد اِس کا نام نہیں کہ حدیث و فقہ اور تفسیر و کلام کی چند کتابیں پڑھ کر مولوی کیا ہوا دعویٰ اجتہاد فرمانے لگے، مجتہدینِ عظام کے منہ آنے لگے، آئمہ دین کے علمی کارناموں میں کیڑے دکھانے لگے۔ یہ کہاں کی تعمیر ہے؟ یہ اسلام کی کونسی خدمت ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ عمارت ہی کو ناقص بتا کر ڈھانے لگے اپنی من مانی عمارت بنانے لگے، ہر کوئی اپنی بنائی ہوئی عمارت کو درست ٹھہرانے لگے۔ کیا اسلام آج آپ کی ذات پر نازل ہو رہا ہے؟ کیا وہ بزرگ جو آپ کے نزدیک بھی مسلمہ بزرگ ہیں وہ بھی اُسی غلط عمارت کے بنانے میں اعانت کرتے رہے تھے؟ کچھ تو غور فرمائیے اور فہم و فراست اگر کام دے تو اپنی روش پر شرمائیے یہ راہ دکھا

منصبِ اجتہاد پر قدم رکھنے سے پہلے چار[۴] منازل کا طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیجیے وہ چاروں منزل منازل ہم مجدد مائۃ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں پیش کرتے ہیں:۔

منزل اوّل:۔ نقدِ رجال کہ ان کے مراتب، ثقہ و صدق و حفظ و ضبط اور ان کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال و وجوہِ طعن و مراتبِ توثیق و مواضعِ تحامل و تساہلِ و تحقیق پر مطلع ہو۔ استخراجِ مرتبۂ اتفاقِ راوی بقدرِ روایات و ضبطِ مخالفات و اوہام و خطیات وغیرہ پر قادر ہو۔ ان کے اسامی و القاب و انساب و وجوہِ مختلفۂ تعبیرِ رواۃ خصوصاً اصحابِ تدلیس، شیوخ و تعیینِ مبہمات و متفق و متفرق و مختلف و مؤتلف سے ماہر ہو۔ ان کے موالید و وفیات و بلدان و رسالت و لقاء و سماعات و اساتذہ و اساتذہ و تلامذہ و طرقِ تحمل و وجوہِ ادا و تدلیس و تسویہ و تغیر و اختلاط و آخذین من قبل و آخذین من بعد و سامعین حالین وغیرہما تمام امورِ ضروریہ کا حال اُس پر ظاہر ہو۔ ان سب کے بعد صرف سندِ حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے کہ صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

منزل دوم:۔ صحاح و سنن و مسانید و جوامع و معاجیم و اجزا وغیرہا کتبِ حدیث میں اس کے طرقِ مختلفہ و الفاظِ متنوعہ پر نظرِ تام کرے کہ حدیث کے تواتر یا شہرت یا فردیتِ نسبیہ یا غرابتِ مطلقہ یا شذوذ یا نکارت و اختلافاتِ رفع و وقف و قطع و رسل و مزید فی متصل الاسانید و اضطرابات سند و متن وغیرہا پر اطلاع پائے، نیز اس جمعِ طرق و احاطۂ الفاظ سے رفعِ ابہام و دفعِ اوہام و ایضاحِ خفی و اظہارِ مشکل و ابانتِ مجمل و تعیینِ محتمل ہاتھ آئے۔ اس کے بعد اتنا حکم لگا سکتا ہے۔ تمام حفاظِ حدیث و اجلۂ نقاد تا واصلانِ ذروۂ ثنائیہ اجتبا، مرفوع یا موقوف فرد یا مشہور، کس مرتبہ کی ہے۔

منزلِ سوم :- اب عللِ خفیہ و غوامضِ دقیقہ پر نظر کرے، جس پر صدہا سال سے کوئی قادر نہیں۔ اگر بعد احاطۂ وجوہِ اعلال تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کر کے صرف صحتِ حدیث بمعنی مصطلحِ اثر پر حکم لگا سکتا ہے۔ تمام حفاظِ حدیث و اجلۂ نقاد نا واصلانِ ذروۂ شامخۂ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے۔

منزلِ چہارم :- اور سنے کیا جانا کیا ہے منزلِ چہارم؛ اس کے لیے واجب ہے کہ جمیع لغاتِ عرب و فنونِ ادب و وجوہِ تخاطب و طرق تفاہم و اقسامِ نظم و صنوفِ معنی و ادراکِ علل و تنقیحِ مناط و استخراجِ جامع و عرفانِ مانع و موارِدِ تعدیہ و مواضعِ تسرد و دلیلِ حکم آیات و احادیث و تاویلِ صحابہ و آئمۂ فقہ قدیم و حدیث و مواقعِ تعارض و اسبابِ ترجیح و مناہجِ توفیق و مدارجِ عام و نظرِ عالی و ذہنِ رفیع و بصیرتِ ناقدہ و بصرِ منیع رکھتا ہو۔" [۱]

حضورِ والا! زید و عمرو کی باتیں چھوڑیے، چھوٹے موٹوں کو جانے دیجیے۔ ان چاروں منازل کا بیان پڑھ کر ذرا مدعیانِ اجتہاد اپنے گریبانوں میں جھانکیں اپنی علمیت کا طول و عرض تو ناپیں۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ چند پیسے جیب میں ڈال کر چھنکاتے پھریں، بادشاہوں کے منہ آتے پھریں، خزانے والوں کو شرماتے پھریں۔ اُف! اتنی سی پونجی پر مانندِ حباب تن جانا، پیشِ خویش آسمان کی بلندی کو شرمانا، ان چند بے بضاعت سکّوں کے باعث خزانۂ اقلیمِ ہفت کشور کو خاطر میں نہ لانا بلکہ دولت کے ان بے پناہ ڈھیروں کو اقلِ قلیل بتانا۔ عقلمندوں کی دنیا میں ایسے دعوے کو مجنون کی بڑ کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے۔ قطرے اور سمندر میں بہت فرق ہے۔ قطرے کو اپنی حد میں رہنا چاہیے کیونکہ حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا

---

[۱] الفضل الموہبی، مطبوعہ لاہور، ص ۵ تا ۱۱

سبعہ وضع فرمائے کہ جس راوی کو تقریب میں :- (۱) صدوق رمی بالتشیع (۲) یا صدوق یتشیع (۳) یا ثقہ یغرب (۴) یا صدوق یخطی (۸) یا صدوق یہم (۶) یا صدوق لہ اوہام لکھا ہو، وہ سب ضعیف و مردود الروایت و متروک الحدیث ہیں۔ حالانکہ باقی صحاح درکنار، خود صحیحین میں ان اقسام کے راوی دو چار نہیں، دس بیس نہیں، سینکڑوں ہیں۔ چھ تارے تو یہ ہوئے۔ (۷) جس سند میں کوئی راوی غیر منسوب واقع ہو مثلاً حدثنا خالد عن شعبۃ عن سلیمن اسے برعایتِ قربِ طبقہ و رعایتِ مخرج، جو ضعیف راوی اس نام کا ملے رجماً بالغیب، جزماً بالریب اس پر حمل کر لیجئے اور ضعفِ حدیث و سقوطِ روایت کا حکم کر دیجئے۔

مسلمانو! حضرت کے یہ قواعدِ سبعہ پیشِ نظر رکھ کر بخاری و مسلم سامنے لائیے اور اور جو جو حدیثیں ان مخترع محدثات پر رد ہوتی جائیں کاٹتے جاتے۔ اگر دونوں کتابیں آدھی تہائی بھی رہ جائیں تو ہمارا ذمہ۔ خدا نہ کرے کہ مقلدینِ آئمہ کا کوئی متوسط طالبِ علم بھی اتنا بوکھلایا ہوا ہو۔ [1]

قارئین کرام! یہ ہے معاندینِ آئمہ و مقلدینِ زمانہ کا مبلغِ علم کہ پورا طائفہ جنھیں اپنا امام مانے، شیخ الکل اور ثانی بخاری و مسلم مانے، یگانۂ روزگار بتائے، مسندِ اجتہاد پر بٹھائے، اُس کوہِ پرشکوہ کی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سچے غلام اور مسلمانانِ دورِ حاضر کے امام یعنی مجددِ مائۃ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ علیہ کے سامنے اتنی سی لیاقت و قابلیت تھی۔ یہ ہے اِن کے بڑوں کی حدیث دانی اور اِس برتے پر جوشِ اجتہاد کی لن ترانی۔ سچ فرمایا ہے بزرگوں نے کہ خدا جب کسی کا دین لیتا ہے تو عقل پہلے چھین لیتا ہے۔

---

[1] الفضل الموہبی، مطبوعہ لاہور: ص ۱۴، ۱۵

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کا اِس گرفت کے بعد سات سال تک سلسلۂ تنفس جاری رہا لیکن صفائی کے تعویز اور جواب کے نام سے دم گھٹنے لگتا تھا۔ متعلقین و متوسلین سب کچھ سنتے دیکھتے رہے، پیچ و تاب کھا کر گمراہی خریدتے اور ہدایت بیچتے رہے لیکن امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک علمی فرزند سے عہدہ برآ ہونے کی کسی نے بھی ہمت نہ پائی بے راہ روی پر قائم رہنے کے لئے اپنی علیحدہ ہی مسجدِ ضرار بنائی اور ذاتی رغبت نہ ہونے کے باعث ہدایت کی دولت بھی میسر نہ آئی۔ شریعتِ مطہرہ میں تحریفیں کیں، ملتِ اسلامیہ کی جمعیت کو پریشان کیا تو اِس کی انھیں کیا پرواہ تھی۔ ہاں اپنی سرکار، ابد قرار، برٹش گورنمنٹ سے یاری تو خوب نبھائی۔ باقی سب خیریت ہے۔

امامِ اعظم، مجددِ اعظم کی نظر میں:- امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کچھ غیر مقلدین حضرات کی رائے ہے اُس کا ہم گذشتہ سطور میں اظہار کر چکے ہیں اگرچہ ملک حسن علی صاحب شرقپوری نے یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ کے تحت اپنی کتاب تعلیماتِ مجددیہ کے صفحہ ۶۸ سے ۲۰۰ تک جا بجا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف کی ہے کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پیش کرنے والا اِس کے برعکس کیا لکھ سکتا ہے جبکہ مجددِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور انتہائی عقیدت مند تھے۔ ناچار ملک صاحب کو بھی حضرت شیخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی۔ آج اگر اُن سے کہا جائے کہ آپ کے فلاں فلاں غیر مقلد پیشوا نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف لکھا ہے بتایئے آپ کے وہ پیشوا اِس الزام تراشی میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ تو ملک صاحب ہرگز انھیں جھوٹے تسلیم کرکے کبھی بھی اُن پر لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کا قرآنی فتویٰ صادر نہیں فرمائیں گے۔ بہر حال وہ جانیں اور اُن کا دین و مذہب۔

غیر مقلد حضرات چونکہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کی خاطر اختلافی مسائل میں حضرت

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو علَم بنانے اور منوانے کی پیشکش کر دیا کرتے ہیں، جیسا کہ تعلیماتِ مجددیہ میں مخالف حضرات کی متعدد عبارتیں موجود ہیں، لہٰذا ہم زیرِ نظر تصنیف میں بار بار اِس پیشکش کو قبول کرنے کا قبول کرنے کا اعلان کر چکے ہیں اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے ہماری عقیدت اور غیر مقلدین کا بغض و عناد سب کے سامنے ہے، جس کے معنی بعض حوالے پیچھے گزر چکے، فیصلہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہم اُن کے فیصلے کو سر جھکا کر تسلیم کرتے ہیں، سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کی مرضی ہے وہ قبول کر لیں یا اپنی عادت کے مطابق یَنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ کا منظر پیش کریں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادگان یعنی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے آسمنیں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ تلقین فرمائی۔

عجب معاملہ است امام ابو حنیفہ در تقلیدِ سنت از ہمہ پیش قدم است و احادیث مرسل در رنگِ احادیثِ مسند شایانِ متابعت میداند و بر رائے خود مقدم می دارد و ہم چنین قولِ صحابی را بواسطہ شرفِ صحبتِ خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و والتسلیمات بر رائے خود مقدم میدارد و دیگران نہ چنیں اند مَعَ ذَالِکَ، مخالفان اُو را صاحبِ رائے میدانند والفاظے کہ مبنی از سوئے ادب اند بأو منسوب می سازند باوجود آنکہ ہمہ کمال

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابو حنیفہ سنت کی پیروی میں باقی سب آئمہ سے آگے ہیں اور اِسی لیے مرسل احادیث کو وہ مسند احادیث کی طرح لائقِ متابعت جانتے ہیں اور اپنی رائے سے بہرصورت مقدم رکھتے ہیں بلکہ اِسی طرح صحابی کے قول کو بھی اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ وہ حضرات خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کے شرف سے مشرف ہیں۔ اور یہ معاملہ دوسرے آئمہ کے ہاں نہیں ہے۔ اِس کے باوجود

علم و وفورِ ورع و تقویٰ او معترف اند۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ایشاں را توفیق دہاد کہ آزارِ راس دین و رئیس اہلِ اسلام ننمایند و سوادِ اعظم اسلام را ایذا نکنند یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ جماعہ کہ اکابرِ دین را اصحابِ رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاں برائے خود حکم می کردند و متابعتِ کتاب و سنت نمی نمودند پس سوادِ اعظم از اہلِ اسلام بزعمِ فاسدِ ایشاں ضلال و مبتدع باشند بلکہ از جرگۂ اہلِ اسلام بیرون بوند۔ ایں اعتقاد نہ کند مگر جاہلے کہ از جہل خود بیخبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطالِ شطرِ دین است۔ ناقصے چند احادیثِ چند یاد گرفتہ اند و احکامِ شریعت را منحصر دراں ساختہ اند و ما ورائے معلوم خود را نفی می نمایند و آنچہ نزد ایشاں ثابت نشدہ منتفی می سازند۔ [1]

امام ابوحنیفہ کو اُن کے مخالفین صاحبِ رائے جانتے ہیں اور ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ سب آپ کے علمی کمال اور تقویٰ و ورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ایسے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے دلوں کو نہ دکھائیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ وہ جماعت جو اکابرِ دین کو اصحابِ رائے جانتی ہے اگر اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ اپنی رائے سے حکم دیتے ہیں اور کتاب و سنت کی متابعت نہیں کرتے تو اس طرح مسلمانوں کا سوادِ اعظم ان کے زعمِ فاسد کی رو سے گمراہ اور بدعتی قرار پاتا ہے بلکہ وہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ نہ رکھے گا

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

> مگر وہ جاہل جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا زندیق ایسا عقیدہ رکھے گا۔ جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نیم مُلّا چند حدیثیں یاد کر کے شرعی احکام کو اُن میں منحصر ٹھہرا لیتے ہیں اور جو چیزیں اُن کی معلومات سے باہر ہیں اُن کی نفی کرتے ہیں اور جو اُن کے نزدیک ثابت نہیں ہے اُس کا انکار کر دیتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ طویل عبارت آپ نے مع اردو ترجمہ ملاحظہ تو فرما لی۔ آیئے اِن باتوں کو نمبر وار دہراتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے:۔

۱- امام ابو حنیفہ سنت کی پیروی میں تمام مسلمانوں بلکہ آئمہ دین سے بھی آگے ہیں

۲- امام ابو حنیفہ احترامِ حدیث کے باعث مرسل احادیث پر بھی مُسند احادیث کی طرح عمل کرتے تھے۔

۳- آپ اقوالِ صحابہ کو بھی اپنی رائے پر ترجیح دیتے تھے جبکہ باقی آئمہ کے ہاں ایسا نہیں کرتے تھے۔

۴- آپ مرسلِ احادیث کو اپنی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔ جبکہ باقی آئمہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

۵- قولِ صحابہ کو اپنی رائے پر مقدم رکھنا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا احترام کرنا تھا۔

۷- مخالفین وحاسدین یہ جانتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ورع وتقویٰ کی دولت سے مالا مال ہیں۔

۸- امام ابوحنیفہ دین کے سردار ہیں۔

۹- امام ابوحنیفہ مسلمانوں کے رئیس ہیں۔

۱۰- مجددِ اعظم کی دعا ہے کہ کوئی امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کر کے انھیں ایذا نہ پہنچائے۔

۱۱- امام ابوحنیفہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے پیشوا ہیں۔

۱۲- اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی برائی کرے تو مسلمانوں کے دل دکھتے ہیں۔

۱۳- امام ابوحنیفہ اللہ کا نور (نورِ ہدایت) ہیں۔

۱۴- امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کرنے والے اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

۱۵- امام ابوحنیفہ اکابرِ دین سے ہیں۔

۱۶- جس کا یہ خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی رائے سے حکم لگایا کرتے تھے۔ اُس کا زعم فاسد ہے۔

۱۷- ایسا خیال رکھنے والا مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو گمراہی اور بدعتی ٹھہرا رہا ہے، حالانکہ احادیث میں سوادِ اعظم کے اتباع کا حکم ہے۔

۱۸- ایسا خیال رکھنے والا امام ابوحنیفہ کو اور انھیں بزرگ ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کہہ رہا ہے۔

۱۹- جو یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ اپنی رائے سے شرعی حکم لگایا کرتے تھے وہ ایسا جاہل ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔

۲۰- مذکورہ رائے رکھنے والا ایسا زندیق ہے جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔

۲۱- امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کرنے والے ناقص العلم (نیم مُلّا) ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اسی مکتوب گرامی میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا۔

وائے ہزار وائے از تعصب ہائے بارد ایشاں واز نظر ہائے فاسد ایشاں۔ بانیٔ فقہ ابوحنیفہ است و سہ حصہ از فقہ او را مسلّم داشتہ اند و در ربع باقی ہمہ شرکت دارند یا وے در فقہ صاحب خانہ اوست و دیگراں ہمہ عیالِ وے اند۔ باوجود التزام ایں مذہب مرا با امام شافعی گویا محبت ذاتی ست و بزرگ میدانم لہٰذا در بعضے اعمال نافلہ تقلید مذہب او می نمایم اما چہ کنم کہ دیگراں را باوجود وفورِ علم وکمالِ تقویٰ درجنبِ امام ابی حنیفہ در رنگِ طفلاں می یابم"[1]

حاسدوں کے بیجا تعصب اور فاسد نظر پر افسوس ہزار افسوس!!! امام ابوحنیفہ فقہ کے بانی ہیں۔ تین چوتھائی فقہ ان کے لیے مسلّم ہے جبکہ باقی آئمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں۔ فقہ میں صاحبِ خانہ امام ابوحنیفہ ہیں اور باقی سب اُن کے بال بچے ہیں۔ باوجود اس کے کہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے اور انھیں بزرگ جانتا ہوں۔ اس لیے بعض نفلی کاموں میں اُن کی تقلید کر لیتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے آئمہ مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کیطرح دیکھتا ہوں۔

قارئین کرام! سابقہ عبارت کے تحت ہم نے اکیس ۲۱ باتیں شمار کی تھیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اِس پیش کردہ عبارت میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہزاروں کیا کچھ فرمایا ہے:۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

۲۲ - امام ابو حنیفہ کے معترضین پر مجددِ اعظم نے ہزاروں بار افسوس کیا ہے۔

۲۳ - امام ابو حنیفہ ہی علم فقہ کے بانی ہیں۔

۲۴ - تین چوتھائی فقہ اکیلے امام ابو حنیفہ کو حاصل ہے۔ اور باقی ایک چوتھائی دیگر آئمہ کو۔

۲۵ - امام ابو حنیفہ فقہ میں صاحبِ خانہ ہیں۔

۲۶ - دیگر آئمہ امام ابو حنیفہ کے اہل و عیال (بچے) ہیں۔

۲۷ - مجددِ اعظم حنفی مذہب کے پابند تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفی مذہب کی حقانیت و قبولیت اور انفرادیت کو بیان کرتے ہوئے خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کو یہ بھی بتایا تھا۔

بے شائبۂ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ
نورانیتِ ایں مذہبِ حنفی بنظرِ کشفی
در رنگِ دریائے عظیم می نماید و سائر مذاہب
در رنگِ حیاض و جداول بنظر می در آیند و
بظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سوادِ اعظم
از اہلِ اسلام متابعانِ ابی حنیفہ اند علیہم
الرضوان و ایں مذہب باوجود کثرتِ
متابعان در اصول و فروع از سائر مذاہب
متمیز است و در استنباط طریق علیحدہ دارد
ایں معنی مبنی از حقیقت [illegible]

بغیر تکلف کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف
کی نظر سے اِس مذہب حنفی کی نورانیت
بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے
اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی
مانند نظر آتے ہیں۔ اور ظاہر کی نظر سے
دیکھیں تب بھی یہی کچھ دکھائی دیتا ہے
کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم متبعین امام
ابو حنیفہ پر مشتمل ہے۔ علیہم الرضوان۔
اور پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ یہ
[illegible] اصول [illegible] میں [illegible] تمام

مذاہب سے ممتاز ہے اور استنباطِ مسائل میں اس کا طریقہ کار ہی نرالا ہے اور یہ اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔

قارئین کرام! اس عبارت سے پہلے ہم ستائیس ۲۷ باتیں مل جل کر گن چکے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ عبارت میں حضرت مجدد ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مزید کیا کچھ فرمایا ہے۔

۲۸ - کشفی نظر میں حنفی مذہب دریائے عظیم اور دیگر مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح ہیں۔

۲۹ - احناف کی اتنی تعداد ہے کہ یہ اکیلے ہی مسلمانوں کا سوادِ اعظم کہلائے جا سکتے ہیں۔

۳۰ - مجددِ اعظم نے احناف کے لیے بھی علیہم الرضوان کہا ہے۔

۳۱ - حنفی مذہب اصول و فروع میں دیگر مذاہب سے عمدہ اور نرالا ہے۔

۳۲ - حنفی مذہب کا طریقہ استنباط دیگر مذاہب سے عمدہ اور نرالا ہے۔

۳۳ - حنفی مذہب حقانیت پر مبنی ہے۔ (ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجددِ اعظم الشیخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے:۔

از علوِ شان امام بزرگ ترین ایں بزرگواراں امامِ اجل، پیشوائے اکمل، ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہ نویسد کہ اعلم و اورع و اتقائے مجتہدین است چہ شافعی و مالک و چہ احمد بن حنبل۔ امام شافعی می فرماید اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ۔

بزرگ آئمہ کے بزرگ، امامِ اجلّ، پیشوائے اکمل، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان مرتبے کے بارے میں بھلا میں کیا لکھوں جبکہ مجتہدین سے زیادہ علم والے اور زیادہ ورع و تقویٰ والے ہیں، خواہ وہ امام شافعی و امام مالک ہوں یا امام احمد

منقول است کہ امام شافعی چوں بزیارت قبرِ امامِ اعظم می رفت ترکِ اجتہادِ خود می کرد و برائے خود عمل نمی نمود و می گفت کہ شرم می آید کہ در حضورِ ایشاں عمل برائے خود بکنم کہ مخالفِ رائے ایشاں باشد۔ ترکِ قرأتِ فاتحہ خلف الامام می نمود و قنوت در فجر نمی خواند۔ آرے بزرگیٔ شانِ ابی حنیفہ را شافعی داند۔ فردا کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید بمذہبِ ابی حنیفہ عمل خواہد کرد۔ چونکہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ در فصولِ ستہ می فرماید و ہمچنیں بزرگی ایشاں را کافی ست کہ پیغمبر اولوالعزم بمذہبِ او عمل نماید۔ صد بزرگیٔ دیگر را بایں بزرگی عدیل نمی تواں یافت۔[1]

بن حنبل۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔ منقول ہے کہ امام شافعی جب امامِ اعظم کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کیا کرتے تھے اور فریاد کرتے کہ مجھے ان، (امام ابو حنیفہ) کے سامنے شرم آتی ہے کہ ایسا عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو۔ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے تھے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہ پڑھا کرتے حقیقت میں امام ابو حنیفہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی جانتے تھے کل جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرح عمل کریں گے۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ فصولِ ستہ میں فرماتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے لیے یہی بزرگی کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر آن کے مذہب کے مطابق عمل کرے۔

---

[1] مبداء و معاد، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۸ھ / ۱۱۶۸ء ص ۵۸

دوسری سو بزرگیاں (قابلِ فخر باتیں) بھی
اِس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔

قارئین حضرات کو بخوبی یاد ہوگا کہ ہماری گنتی تینتیس تک پہنچ گئی تھی۔ مذکورہ بالا عبارت کے اندر بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بیان کیے ہیں۔ آئیے انہیں بھی گن لیتے ہیں۔

۳۴۔ امام ابوحنیفہ تمام آئمہ کے اعلیٰ بزرگوں کے بھی بزرگ ہیں۔
۳۵۔ امام ابوحنیفہ، امامِ ربانی کی نظر میں امامِ اجل اور پیشوائے اکمل ہیں۔
۳۶۔ مجددِ اعظم نے امام ابوحنیفہ کے اسمِ گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لکھا ہے۔
۳۷۔ امام ابوحنیفہ تمام مجتہدین سے زیادہ علم والے ہیں۔
۳۸۔ امام ابوحنیفہ جملہ مجتہدین سے ورع و تقویٰ میں زیادہ ہیں۔
۳۹۔ امام شافعی، امامِ اعظم کی قبر کی زیارت کیا کرتے تھے۔
۴۰۔ امام شافعی بوقتِ حاضری صاحبِ قبر (امام ابوحنیفہ) سے شرمایا کرتے تھے۔
۴۱۔ امام شافعی مرتبہ دانِ امام ابوحنیفہ تھے۔
۴۲۔ امام شافعی، صاحبِ قبر (امام ابوحنیفہ) کا احترام کیا کرتے تھے۔
۴۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسلک بعد نزول مذہب حنفی جیسا ہوگا۔
۴۴۔ امام ابوحنیفہ کا یہ شرف سینکڑوں بزرگوں سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادوں یعنی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے انہیں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ بھی بتایا:۔

حضرت عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
که بعد از نزول متابعت این شریعت خواہد

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام
آسمان سے واپس تشریف لانے کے بعد

نمود، اتباعِ سنتِ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نیز خواہد کرد کہ نسخ ایں شریعت مجوز نیست۔ نزدیک است کہ علمائے ظواہر مجتہدات او را علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از کمالِ دقت و غموضِ ماخذ انکار نمایند و مخالفِ کتاب و سنت دانند۔ مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی ست رحمۃ اللہ علیہ۔ کہ برکتِ ورع و تقوی و بدولتِ متابعتِ سنت درجۂ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگراں در فہم آں عاجز و قاصر اند۔ و مجتہداتِ او را بواسطۂ دقتِ معانی مخالفِ کتاب و سنت دانند و او را و اصحابِ او را اصحابِ رائے پندارند۔ کُلُّ ذٰلِكَ لِعَدَمِ الْوُصُوْلِ اِلٰی حَقِیْقَةِ عِلْمِهٖ وَدِرَایَتِهٖ وَعَدَمِ الْاِطِّلَاعِ عَلٰی فَهْمِهٖ۔ و فراستِ امام شافعی بحرشمہ از دقتِ فقاہتِ او علیہ الرضوان دریافت کہ گفت اَلْفُقَهَاءُ کُلُّهُمْ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ۔ وائے از جرأتہائے قاصر نظراں کہ قصورِ خود را بدیگرے نسبت نمایند

شریعتِ محمدیہ کی پیروی کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع بھی کریں گے کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ قریب ہے کہ ظاہر بین علماء حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مجتہدات کا کمالِ دقت اور غموضِ ماخذ کے سبب انکار کریں گے اور کتاب و سنت کے خلاف جانیں گے۔

حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مثال امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہے کہ ورع و تقویٰ کی برکت سے اور متابعتِ سنت کے باعث اجتہاد و استنباط میں اعلیٰ مقام پایا ہے کہ دوسروں کا فہم اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے اور ان کے مجتہدات کو دقتِ معانی کے سبب کتاب و سنت کے خلاف جانتے ہیں اور انھیں اور ان کے ساتھیوں کو اصحابِ رائے شمار کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کے علم و درایت کی حقیقت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کے باعث ہے۔ امام اعظم کی فراست دیکھیے کہ امام شافعی رضی اللہ

و بواسطۂ ہمیں مناسبت کہ بحضرتِ روح اللہ دارد تواند بود آنچہ خواجہ محمد پارسا در فصولِ ستہ نوشتہ است کہ حضرتِ عیسیٰ عَلیٰ نبیّنا وعَلیہِ الصّلوٰۃُ والسّلامُ بعد از نزول بمذہبِ امامِ ابی حنیفہ عمل خواہد کرد یعنی اجتہادِ حضرتِ روح اللہ موافق اجتہادِ امامِ اعظم خواہد بود نہ آنکہ تقلیدِ ایں مذہب خواہد کرد عَلیٰ نبیّنا وعَلیہِ الصّلوٰۃ والسّلامُ کہ شانِ او علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ازاں بلند تر است کہ تقلیدِ علماءِ اُمت فرماید"[1]

تعالیٰ عنہ کی دقّتِ فقاہت سے کچھ حصہ ملا تو بیساختہ کہہ اُٹھے کہ تمام فقہاء ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں۔ افسوس اُن قاصر نظر لوگوں کی جرأت پر ہے جو اپنے نقص کو دوسرے کے سر منڈھتے ہیں ...... اور اِسی مناسبت کے باعث، جو امامِ اعظم سے حضرت روح اللہ رکھتے ہیں، یہ ہوگا۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا نے فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اجتہاد امامِ اعظم کے اجتہاد سے موافقت رکھے گا، یہ نہیں کہ عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حنفی مذہب کی تقلید کریں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ پیغمبری اِس سے کہیں بلند تر ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں۔

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ دوم، مکتوبات ۵۵۔

گنتی اگرچہ چوالیس ۴۴ تک پہنچ گئی ہے لیکن آیئے تو، اِس عبارت کی تازہ باتیں بھی ساتھ ہی شمار کر لیتے ہیں۔ تاکہ معتقدین و معاندین سب کو معلوم ہو جائے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مجددِ اعظم علیہ الرحمہ کے تفصیلی خیالات کیا ہیں۔

۴۵ - امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام جیسی ہے۔

۴۶ - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہدات امام ابو حنیفہ کے مجتہدات جیسے ہوں گے۔

۴۷ - امام اعظم نے انتہائی ورع و تقویٰ اور متابعتِ سنت کے باعث اجتہاد میں اعلیٰ مقام پایا تھا۔

۴۸ - امام اعظم کے اجتہاد و استنباط کو سمجھنے سے دوسروں کے فہم عاجز و قاصر ہوں۔

۴۹ - امام اعظم کے اجتہاد و استنباط کو کتاب و سنت کے خلاف جاننا فہم کا عجز و قصور ہے۔

۵۰ - امام اعظم اور اُن کے ساتھیوں کو اصحابِ رائے سمجھنا اُن کے علم و درایت کی حقیقت تک رسائی نہ ہونے اور اُن کے فہم کا اندازہ نہ ہونے کے سبب ہے۔

۵۱ - امامِ اعظم کی دقّتِ فقاہت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ حصّہ مل گیا تھا۔

۵۲ - امام اعظم کے معترضین کی جسارت پر مجددِ اعظم نے افسوس کا اظہار کیا ہے۔

میاں بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں یہ فرمایا تھا۔

معلوم شد کہ کمالاتِ ولایت را مناسبت بفقہِ شافعی است و کمالاتِ نبوت را مناسبت بفقہ حنفی۔ اگر فرضاً دریں اُمت پیغمبرے مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل می کرد[1]	معلوم ہُوا کہ کمالاتِ ولایت کو فقہِ شافعی سے اور کمالاتِ نبوت کو فقہ حنفی سے مناسبت ہے۔ اگر بالفرض اِس اُمت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتا۔

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۸۲

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاتون کے نام مکتوبِ گرامی لکھتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبیّنا وَعلیہِ الصّلوٰۃُ وَالسَّلامُ کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعتِ شریعتِ خاتم الرسول خواہد نمود عَلَیہِ وَعَلَیہِم الصَّلوَاتُ وَالتَّسلیمَاتُ۔ حضرت خواجہ محمد پارسا کہ از خلفاء کمّل حضرتِ خواجہ نقشبند است قَدَّسَ اللہُ تعالیٰ اسرَارَھُمَا وعالِم و مُحدِّث است نیز در کتاب فصولِ ستہ نقلِ معتمدی آورد کہ حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبیّنا وَعَلَیہِ الصّلوٰۃُ والسّلام بعد از نزول عمل بہ مذہبِ امام ابی حنیفہ خواہد کرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و حلالِ اُورا حلال خواہد داشت و حرامِ اُورا حرام۔"[1]

حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت کا اتباع کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرّھما کے کامل ترین خلفاء سے ہیں اور عالم و محدّث ہیں، اپنی کتاب فصولِ ستہ میں معتمد نقل سے لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد مذہبِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق عمل کریں گے اور اُن کے حلال قرار دیئے ہوئے کو حلال ٹھہرائیں گے اور حرام قرار دی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے۔

حضرت امامِ ربّانی، مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں جہاں بھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بعد نزول مطابق مذہب حنفی کے عمل کرنا لکھا ہے تو خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ دریں حالات ضروری نظر آیا کہ

---

[1] مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے منصبِ ولایت کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔ مکتوباتِ امامِ ربانی کے محشّی، مولانا نور احمد امرتسری علیہ الرحمہ نے اس سلسلے میں یہ لکھا ہے۔

خواجہ محمد پارسا ایشان خلیفہ دوم حضرت خواجہ خواجگان نقشبند اند واعلم واورع زمان ...... نامِ ایشان محمد بن محمود البخاری است حضرتِ خواجہ بحضور اصحابِ خود درحقِ ایشاں فرمودہ اند کہ امانتے کہ از خلفاء خاندان بایں ضعیف رسیدہ وآنچہ دریں راہ کسب کردہ بشما سپردیم آنرا بخلق حق باید رسانید ونیز فرمودہ کہ مقصودِ از ظہورِ ما وجودِ محمد پارسا است۔[1]	خواجہ محمد پارسا، یہ خواجہ خواجگان حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ ہیں جو علم و ورع میں یگانۂ روزگار تھے ..... اِن کا نام محمد بن محمود حافظ بخاری ہے۔ خواجہ نقشبند نے اپنے اصحاب کے روبرو اِن سے فرمایا تھا کہ جو امانت خلفائے خاندان سے اِس ضعیف کو پہنچی اور جو کچھ اِس راہ پر چلتے ہوئے میں نے کمایا، وہ سب کچھ تیرے سپرد کیا۔ اس میں سے مخلوق کا حق اُس تک پہنچانا چاہیئے۔ نیز فرمایا کہ دنیا میں میرے پیدا ہونے کا مقصد محمد پارسا کی تربیت کرنا تھا۔

حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت خلف الامام کے سلسلے میں التزامِ مذہب اور مذہب حنفی و مذہب شافعی کے بارے میں حقیقتِ نفس الامری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مدتے آرزوئے آں داشت کہ وجہے	مجھے ایک مدت تک اِس کی آرزو رہی کہ

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اوّل، مطبوعہ لاہور، ص ۶۸۴

پیدا شود وجہ در مذہبِ حنفی تا در خلفِ امام قرأتِ فاتحہ نمودہ آید۔ ہرگاہ قرأت در نماز فرض باشد، از قرأتِ حقیقی عدول نمودہ بقرأتِ حکمی قرار دادن معقول نمی شد۔ باآنکہ در حدیثِ نبوی آمدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ"۔

اما بواسطہ رعایتِ مذہب بے اختیار ترکِ قرأت می کرد، وایں ترک را از قبیلِ ریاضت ومجاہدہ می شمرد۔ آخر الامر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ببرکتِ رعایتِ مذہب کہ نقل از مذہب الحادست، حقیقتِ مذہبِ حنفی در ترکِ قرأتِ ماموم ظاہر ساخت وقرأتِ حکمی از قرأتِ حقیقی در نظرِ بصیرت زیباتر نمود کہ امام وماموم ہمہ باتفاق در مقامِ مناجات می ایستند لِاَنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ وامام را دریں امر پیشوا می سازند پس امام ہرچہ می خواند گویا در زبانِ قوم می خواند، در رنگِ آنکہ جماعۂ پیشِ پادشاہ عظیم الشان بحاجتے برآمدند یکے را پیشوا سازند، تا از زبانِ ہمہ انہا عرضِ حاجت نماید، بریں تقدیر اگر

کوئی معقول وجہ ایسی نکل آئے کہ مذہب حنفی میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کی جا سکے۔ جبکہ نماز میں قرأت کو اس کی جگہ معقول نظر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی تو آیا ہے کہ "سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی" لیکن میں اپنے مذہب کی رعایت کے سبب بے اختیار فاتحہ نہیں پڑھا کرتا تھا اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ کی ایک قسم شمار کرتا تھا۔ آخرکار اللہ سبحانہ تعالیٰ اسنے رعایتِ مذہب کی برکت سے کہ فقہی مذہب تبدیل کرنا ایک طرح کا الحاد ہے، مذہب حنفی میں مقتدی کے قرأت ترک کرنے کی حقیقت کو ظاہر فرما دیا اور بصیرت کی نظر سے دیکھا تو حکمی قرأت سے زیادہ زیبا نظر آئی کیونکہ امام اور مقتدی سب مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں حدیث ہے کہ بیشک نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کام میں وہ امام کو اپنا پیشوا بناتے ہیں، پس امام جو کچھ بھی پڑھتا ہے۔ مثال کے طور پر

دیگراں نیز باوجود تکلّم آنید داخلِ سوءِ ادب ست و موجبِ عدمِ رضائے پادشاہ۔ پس تکلّمِ حکمی ایں جماعہ کہ بزبانِ پیشوا ادا می یابد بہتر است از تکلّمِ حقیقی انہا۔ ہمچنیں است حالِ قرأتِ ام کو داخلِ شغب است و از ادب مستبعد و موجبِ تفرق کہ داخل منافی اجتماع ست و اکثر مسائلِ خلافی میانِ حنفی و شافعی از یں قبیل ست کہ ظاہر و صورت مُرجّح بجانبِ شافعی ست و باطن و حقیقت مؤیّد مذہبِ حنفی و بر یں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلامِ حق بجانبِ حنفی ست۔ تکوین را از صفاتِ حقیقیہ می دانند ہر چند بظاہر رجوع بقدرت و ارادت می نماید، لیکن بدقّتِ نظر و نورِ فراست معلوم می گردد کہ تکوین صفتِ علیحدہ است، عَلیٰ ھٰذَا الْقِیَاس[1]

جیسے کوئی جماعت کسی حاجت کے تحت اپنے الشان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ لوگ ایک کو اپنا پیشوا بنا لیں تاکہ وہ سب کی زبان سے تنہا عرضِ حاجت کرے، اس حالت میں جبکہ پیشوا گفتگو کرے تو دوسروں کا بولنا سوئے ادب اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا۔ پس اُس جماعت کا حکمی تکلّم جو پیشوا کی زبان سے ہو رہا ہے وہ اُن کے حقیقی تکلّم سے بہتر ہے۔ اسی طرح قرأتِ امام کے ساتھ قوم کی قرأت داخلِ شور و شغب، ادب سے بعید، تفرقے کا موجب اور اجتماع کے منافی ہے اور حنفی و شافعی مذاہب کے اکثر اختلافی مسئلے اسی قبیل سے ہیں کہ اُن کی ظاہری صورت تو شافعی مذہب کو ترجیح دیتی ہے لیکن باطنی اور حقیقی لحاظ سے وہ مذہبِ حنفی کی مؤید ہوتی ہے اور اس فقیر پر یہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ مسائلِ کلامیہ کے اختلافِ صفات میں بھی حق مذہبِ حنفی کی جانب ہے مثلاً یہ تکوین کو صفاتِ

---

[1] مبدأ و معاد، ص ۵۳، ۵۴

حنفیہ سے جانتے ہیں حالانکہ ظاہر میں یہ
قدرت اور ارادے کی جانب رجوع ہے
لیکن باریک نظر اور نورِ فراست سے معلوم
ہوتا ہے کہ یہ علیحدہ صفت ہے۔

قارئین کرام! پیچھے ہم باون ۵۲ باتیں شمار کر چکے ہیں۔ آئیے اِن سے آگے جو مندرجہ بالا چاروں عبارتوں میں نئی باتیں ہیں انھیں بھی اِس فہرست میں نمبروار شامل کر لیتے ہیں تکرار کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بھول چوک کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

۵۳۔ اگر بفرضِ محال کوئی اور نبی مبعوث ہو سکتا تو اُس کا دین فقہ حنفی کے مطابق ہوتا۔

۵۴۔ اگر شافعی مذہب کی مناسبت کمالاتِ ولایت سے ہے تو حنفی کے مذہب کمالاتِ نبوت سے مناسبت رکھتا ہے۔

۵۵۔ امام ابو حنیفہ کا مزاج پیغمبری مزاج کے بہت قریب ہے۔

۵۶۔ امام کے پیچھے مقتدیوں کا سورۂ فاتحہ نہ پڑھنا ہی درست ہے۔

۵۷۔ آئمہ کے اختلافی مسائل میں اُن کی باطنی اور حقیقی صورت حنفی مذہب کی مؤید ہے۔

۵۸۔ عقائدِ کلامیہ میں بھی مذہب حنفی سب سے زیادہ حق پر ہے۔

۵۹۔ مذہب حنفی روایت اور درایت دونوں کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔

۶۰۔ نگاہِ کشف میں بھی حنفی مذہب جملہ مذاہب سے کامل اور قرآن و سنت کی تعلیمات کا حامل ہے۔

چونکہ گذشتہ سطور میں علم کلام کا ذکر بھی آگیا ہے اور یہ باب بھی ناجی گروہ کے ذکر کا ہے جبکہ مسائلِ کلامیہ میں اہلسنت وجماعت کے دو ۲ امام ہیں اور دونوں ہی برحق ہیں۔ ایک ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۳۲ ھ) اور دوسرے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۳۳ھ) اکثر احناف عقائد کلامیہ میں امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اِس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

در میانِ علمائے اہلسنت طریقِ اصحاب شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ زیبا است۔ کہ اقتصار بر مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقاتِ فلسفیہ نمودہ[1]

علمائے اہلسنت میں شیخ ابو منصور ماتریدی کا طریقہ کیا ہی مناسب ہے، کہ انھوں نے صرف مقاصد کے بیان کر دینے پر اکتفا کیا اور فلسفیانہ گورکھ دھندوں سے پہلو ہی بچایا ہے۔

اِسی سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان بھی پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔

ایں فقیر را در توسطِ احوال حضرت پیغمبر علیہ وَعَلیٰ اٰلِہٖ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسلیمَات در واقعہ فرمودہ بودند کہ "تو از مجتہدانِ علمِ کلامی" از اں وقت در ہر مسئلہ از مسائل کلامیہ ایں فقیر را رائے خاص ست و علم مخصوص۔ در اکثر مسائلِ خلافیہ کو ماتریدیہ و اشاعرہ در آنجا متنازع اند در ابتدائے ظہور آں مسئلہ حقیقت بجانبِ اشاعرہ مفہوم می گردد و چوں بنورِ فراست و

راہِ سلوک کے وسط میں ایک مرتبہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے حقیقی طور پر اِس فقیر سے فرمایا کہ تو علم کلام کے مجتہدین سے ہے۔ اُس وقت سے علم کلام کے ہر مسئلے میں خاص رائے ہوتی ہے اور مخصوص علم ہوتا ہے۔ اکثر اختلافی مسائل میں جو حضرات ماتریدیہ و اشاعرہ کے درمیان نزاعی ہیں۔ جب اُن میں سے کسی مسئلے پہ غور کیا جاتا ہے تو ابتدائی طور پر حقیقت

---

[1] مبدا و معاد (ص ۳)

حدتِ نظر نمودہ می آید، واضح می گردد کہ حق بجانبِ ماتریدیہ است۔ در جمیع مسائلِ خلافیہ کلامیہ رائے ایں فقیر موافقِ آرائے علمائے ماتریدیہ است۔ والحق کہ ایں بزرگواراں را بواسطہ متابعتِ سنتِ سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ شانِ عظیم است کہ مخالفانِ ایشاں را بواسطہ خلطِ فلسفیات آں شان میسر نیست اگرچہ ہر دو فریق از اہلِ حق اند رحمہم اللہ

اشاعرہ کی جانب دکھائی دیتی ہے۔ لیکن جب نورِ فراست اور گہری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ تو واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔ علمِ کلام کے تمام اختلافی مسائل میں یہ فقیر علمائے ماتریدیہ کے ساتھ متفق ہے۔ حق یہ ہے کہ اِن بزرگوں (علمائے ماتریدیہ) کی اتباعِ سنتِ نبوی کے باعث (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) بہت بڑی شان ہے جبکہ اِن سے اختلاف رکھنے (اشاعرہ) والوں کو فلسفے کی ملاوٹ کے باعث وہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں فریق ہی اہلِ حق (اہلسنت وجماعت) سے ہیں۔

حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام المتکلمین، امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ (۱) اُنھوں نے صرف مقاصدِ شرع ہی بیان کیے۔ (۲) سنت کی پیروی کے باعث اُن کی شان بہت بلند ہے۔ (۳) وہ حق پر ہیں اور اشاعرہ سے اِس میدان میں سبقت لے گئے ہیں۔ تین ۳ باتیں یہ اور ساتھ ۶۰ متعلقہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ مجموعہ تریسٹھ ۶۳ ہوا اور فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیاوی عمر بھی تریسٹھ ۶۳ سال ہوئی اور اتنی ہی عمر آپ کی کمال متابعت سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پائی ہے۔ یہ مقدس یاد تازہ رکھنے اور اس

---

[1] مبدأ و معاد، ص ۵۴، ۵۵

مبارک عدد کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے احقر نے یہ عددی مطابقت پیش کی ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۔

امامِ اعظم، اکابرِ امت کی نظر میں :- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مخالفین و معاندین یعنی مستبدین زمانہ سے غیر متعلقین حضرات کی نظر میں کیا ہیں ۔ (۲) حضرت امامِ ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں کیا ہیں۔ یہ دونوں قسم کی آرا گذشتہ سطور میں پیش کر دی ہیں ۔ (۳) اب یہ پیش کرنا مقصود ہے کہ اکابر امت کی نظر میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام کیا ہے۔ اِس سلسلے میں مَا قَلَّ وَکَفٰی کے تحت چند عبارتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق ۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفورِ علم، دقتِ معانی، علوِّ اجتہاد اور طریقۂ استنباط تک رسائی نہ ہونے کے باعث بعض لوگوں نے آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں آپ پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے تھے اور آپکے خلاف یہ عام مشہور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنی رائے کو ہر دلیل پر مقدم رکھتے ہیں۔ آپنے ایسے لوگوں کے جواب میں فرمایا تھا :-

عجبًا الناس یقولون افتی بالرائی ۔ ما افتی الا بالاثر "[1]

اُن لوگوں پر تعجب ہے جو اپنی رائے سے فتویٰ دینے کا مجھ پر الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ میں تو حدیث سے فتویٰ دیتا ہوں۔

جلیل القدر محدث، امام مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۵ھ) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے۔ ان کا ایک بیان متعلقۂ امام اعظم، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے یوں نقل کیا :-

---

[1] الجواہر المضیہ، جلد سوم، ص ۲۰۲

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا و اخذنا فی الزھد فبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون[۱]

میں نے ابوحنیفہ کے ساتھ علمِ حدیث حاصل کیا تو وہ ہم پر غالب رہے۔ زُہد اختیار کیا تو وہ ہی ہم پر فوقیت لے گئے اور اُن کے ساتھ فقہ حاصل کی تو اُن کا کمال تمہارے سامنے ہے۔

موتی کی قدر جوہری جانتا ہے۔ آیئے جلیل القدر محدث اور مایہ ناز بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۸۱ھ) سے امام اعظم کے بارے میں پوچھیں۔ موصوف کا ایک بیان مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یوں نقل کرتے ہیں۔

لا تقولوا رأی ابی حنیفة رحمه الله تعالی ولکن قولوا انه تفسیر الحدیث[۲]

یُوں نہ کہو کہ یہ ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یُوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرجعِ علما اور سرخیلِ محدثین ہونے کے بارے میں امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۸ھ) کا یہ بیان جملہ حاسدین و مفسدین کو دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے۔

کان کبراء المحدثین مثل زکریا بن ابی زائدة وعبد الملک بن ابی سلیمان واللیث بن ابی سلیم ومطرف بن طریف وحصین ھوا بن عبد الرحمن وغیرھم یختلفون الی ابی حنیفة ویسئلونه عما ینوبھم من المسائل وما اشتبه علیھم من الحدیث[۳]

اکابر محدثین جیسے زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمٰن (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) یہ حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہُوا کرتے اور ایسے لاینحل مسائل جو انھیں درپیش آئے ہُوں

---

[۱] مناقب ابی حنیفہ، مطبوعہ مصر: ص ۲۶ [۲] ذیل الجواہر، جلد دوم، ص ۴۶۰

[۳] مناقب موفق، جلد دوم: ص ۱۴۸

حل کراتے نیز کسی حدیث میں اشتباہ ہوتا تو اُس کی حقیقت معلوم کرتے۔

مشہور محدث، یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۰۶ھ) اپنے حلقہ درس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سنا رہے تھے۔ ایک شخص سے اُن سے کہا کہ ہمیں صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں سنائیے اور لوگوں کی یہ باتیں چھوڑیئے۔ یزید بن ہارون علیہ الرحمہ نے کیا جواب دیا، ملاحظہ ہو۔

"ولکنّ همتکم السماع والجمع لو کان همتکم العلم لطلبتم تفسیر الحدیث ومعانیه ونظرتم فی کتب ابی حنیفة وفی، اقاویله فیفسر لکم الحدیث وزجر الرجل واخرجه من مجلسه"۔[1]

تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے۔ اگر تمہیں علم حاصل کرنا مقصود ہوتا تو حدیث کی تفسیر اور اُس کے معانی و مطالب بھی معلوم کرتے اور امام ابوحنیفہ کی کتابیں اور اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں۔ پھر اُس آدمی کو جھڑکا اور اپنی مجلس سے نکال دیا۔

رحیم آبادی صاحب نے اپنی غیر مقلد برادری کو خوش کرتے ہوئے بڑی سنگ دلی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قلیل ——— سنتِ رسول کی مخالفت کرنے والا ——— قیاس کے ہتھکنڈے سے کام چلانے والا ——— صرف مرسل اور موضوع احادیث کا سہارا لینے والا لکھ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جملہ احناف کو دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرا دیا ہے کیونکہ جن کی بنیاد ہی دین کی مخالفت پر ٹھہری اُن کا مسلمان ہونا کیسا؟ کاش! یہ نرالے مہربان مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا حدیثِ نبوی کے تحت کچھ

---

[1] مناقب موفق، جلد دوم: ص ۴۸

احترام کرتے۔ برٹش گورنمنٹ کے اشاروں پر یہ کاروبار نہ چلاتے۔ ملتِ اسلامیہ کی غیرت کو نہ للکارتے ــــــ ذرا تعصب کی پٹی ہٹا کر دیکھئے کہ حافظ ابو محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوسف الصفار علیہ الرحمہ کی زبانی امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۷ھ) جیسے جلیل القدر محدث کا ارشاد یوں نقل کیا ہے:۔

یقول سمعت وکیعا یقول لقد وجد الورع عن ابی حنیفۃ فی الحدیث مالم یوجد عن غیرہ" [1]	وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام وکیع کو فرماتے ہوئے سنا کہ حدیث کے بارے میں جیسی احتیاط میں نے امام ابوحنیفہ کے یہاں دیکھی وہ کسی دوسرے میں نہیں پائی گئی۔

جرح و تعدیل کے عدیم المثال امام، نامور محدث، امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۳۲ھ) نے فرمایا ہے۔

العلماء اربعۃ الثوری وابوحنیفۃ ومالک والاوزاعی" [2]	عالم چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابوحنیفہ مالک اور اوزاعی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بغض و عناد رکھنے والے اور گستاخانہ رویہ اختیار کرکے اپنی عاقبت برباد کرنے والوں کو عقل سے کام لینا چاہیئے کیسے کیسے جلیل القدر حضراتِ اُن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ ایسے ہی ایک معترض صاحب کا واقعہ امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش آیا تھا۔ انھوں نے اُس معترض کو جو جواب دیا وہ محمد بن عثمان بن کرامہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۵۶ھ) کے لفظوں میں منقول ہو کر دعوتِ غور و فکر دے رہا ہے۔

قال کنا عند وکیع یوماً فقال رجل اخطاء	کہا ایک روز ہم امام وکیع کی خدمت میں

---

[1] مناقب الامام الاعظم، جلد اول، ص ۱۹۷

[2] البدایہ والنہایہ، جلد اول، ص ۱۱۴

ابو حنیفة فقال وکیع کیف یقدر ابو حنیفة یخطئ ومعه مثل ابی یوسف وزفر فی قیاسهما ومثل یحیی بن ابی زائدة وحفص بن غیاث وحبان ومندل فی حفظهم الحدیث والقاسم بن مندل فی معرفته باللغة والعربیة وداؤد الطائی وفضیل بن عیاض فی زهدهما وورعهما۔ من کان هؤلاء جلساءه لم یکد یخطئ لانه ان اخطاء ردوه؟ [1]

حاضرین میں ایک شخص نے کہا کہ امام ابو حنیفہ سے فلاں مسئلہ میں غلطی ہو گئی۔ امام وکیع نے فرمایا، امام ابو حنیفہ کیسے غلطی کرتے جبکہ ابو یوسف اور زفر جیسے ماہرینِ قیاس یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے حفاظِ حدیث، قاسم بن معن جیسا لغت اور عربی زبان کا جاننے والا اور داؤد طائی وفضیل بن عیاض جیسے صاحبانِ زہد وورع امام ابو حنیفہ کے ہم مجلس تھے۔ جس شخص کے ہمنشین ایسے حضرات ہوں وہ کیسے غلطی کر سکتا ہے؟ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ حضرات روک لیتے۔

مذکورہ بالا واقعہ پیش کرنے کے بعد علامہ محمد بن محمود الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۶۵ھ) نے امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ان لفظوں میں نقل فرمایا ہے۔ جو ہر معترض کو لوحِ دل پر نقش کر لینا چاہیئے تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے اور ممکن ہے کہ کسی کے لئے ذریعۂ ہدایت بن جائے۔

ثم قال وکیع رحمه الله والذی یقول مثل هذا کالانعام بل هم اضل [2]

پھر امام وکیع نے فرمایا، جو ایسی بات کہے وہ جانوروں کی طرح ہے بااُن سے بھی

---

[1] تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۲۴۷

[2] جامع المسانید، جلد اول، ص ۳۳

زیادہ گم کردہ منزل ۔

مشہور محدث، ابنِ عدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام المسلمین ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تمام فقہاء و مجتہدین سے زیادہ حدیث کا علم رکھنے والا بتایا ہے جیسا کہ انھوں نے محدث کبیر امام اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۹۰ھ) کے ترجمے میں لکھا ہے۔

ولیس فی اصحاب الرائی بعد ابی حنیفۃ اکثر حدیثاً منہ ۔[1]	فقہاء میں ابو حنیفہ کے علاوہ اسد بن عمرو سے زیادہ حدیثیں جاننے والا کوئی نہیں ہوا۔

صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۹۰ھ) کے ترمخالفینِ امام اعظم کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ سے یوں نقل پیش کی ہے:۔

وابا حنیفۃ قاضی قضاۃ العلماء من قال لک سوی ھذا فارمہ فی کناسۃ بنو سلیم ۔[2]	امام ابو حنیفہ علمائے امت کے قاضی القضاۃ ہیں اور جو آن کے اس منصبِ عالی کے خلاف کوئی بات کہے تو اُسے بنو سلیم کی کوڑی (غلاظت کے ڈھیر) پر پھینک دو۔

آئمہ مجتہدین کے بعض مخالف، تَذبذُبَاتِ الْبَغضَآء مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کے تحت یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف سترہ ۱۷ حدیثیں جانتے تھے، امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۷۹ھ) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۲۴۱ھ) کو صرف اُتنی ہی حدیثیں یاد تھیں۔ جتنی آن کی مؤطا امام مالک اور مسند احمد بن حنبل میں ہیں۔ ایسے لوگوں کا تعاقب کرتے ہوئے مشہور مورخ، علامہ ابن خلدون

---

[1] لسان المیزان، ترجمہ امام اسد بن عمرو [2] مناقب موفق، جلد دوم، مطبوعہ حیدر آباد دکن ص ۲۵

(المتوفی ۸۰۸ھ) نے تحریر فرمایا ہے:-

فابو حنیفة رضی اللہ تعالی عنہ یقال بلغت روایتہ الی سبعة عشر حدیثا او نحوها و مالک رحمہ اللہ تعالی انما صح عندہ ما فی الکتاب الموطا غایتها ثلاث مائة حدیث او نحوها و احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی فی مسندہ خمسون الف حدیث و لکل ما ادّاہ الیہ اجتہاد فی ذالک وقد یقول بعض المبغضین المتعصبین الی ان منهم من کان قلیل البضاعة فی الحدیث فلہذا قلت روایتہ ولا سبیل الی ہذا المعتقد فی کبار الائمة۔[1]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے سترہ یا ان کے لگ بھگ حدیثیں روایت کی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک صحیح حدیثیں صرف وہی ہیں جو مؤطا میں ہیں، جن کی تعداد تین سو کے قریب ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی کی مسند میں پچاس ہزار احادیث ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ذخیرۂ معلومات کے اندر اجتہاد کیا ہے۔ بعض بغض و عناد رکھنے والے متعصب لوگ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ان حضرات کی علم حدیث میں پونجی ہی قلیل تھی۔ اسی لیے تھوڑی حدیثیں روایت کر سکے۔ لیکن اتنے بڑے اماموں کے بارے میں ایسے نظریات رکھنا بے سروپا ہیں۔

حافظ ابوبکر بن ثابت المعروف بہ خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اور قاضی شمس الدین ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۱ھ) سے جوشِ تنقید

---

[1] مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۴۴

میں جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں تنقیص واقع ہو گئی، اُس فروگذاشت کے پیشِ نظر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۸۴۰ھ) نے اصل حقیقت کا اظہار کر کے اُن لوگوں کو دعوتِ غور و فکر دی ہے۔ جو امام الائمہ جیسی عدیم النظیر ہستی پر قلتِ حدیث اور قلتِ عربیت وغیرہ کے بدنما داغ لگانا چاہتے ہیں چنانچہ حاسدینِ امام اعظم کو آپ نے یوں فہمائش کی ہے:-

ولو كان الامام ابوحنيفة جاهلاً و
من حلية العلم عاطلاً ما تطابقت اولو
العلم من الحنفية على الاشتغال بمذهبه
كالقاضي ابي يوسف ومحمد بن الحسن
الشيباني والطحاوي وابي الحسن الكرخي
وامثالهم واضعافهم فعلماء الطائفة
الحنفية في الهند والشام ومصر و
اليمن والجزيرة والحرمين والعراقين
منذ مائة وخمسين من هجرة الى
هذا التاريخ يزيد على ست مائة
سنة فهم الوف لا يحصرون وعوالم
لا يحصون من اهل العلم والفتوى
والورع فكيف يجترئ هذا المعترض
ويجوز عليهم انهم تطابقوا على الاسناد
الى عامي جاهل۔[1]

اور اگر امام حنیفہ جاہل اور زیورِ علم سے محروم ہوتے تو احناف سے امام ابو یوسف قاضی القضاہ، امام محمد بن حسن شیبانی، امام طحاوی، امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جیسے علم کے پہاڑ اور ان کی طرح دیگر اکابر کبھی امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب سے اتفاق کرنا گوارا نہ کرتے اسی طرح وہ بے شمار حنفی علماء جو ہندوستان (پاکستان و بھارت) شام، مصر، یمن، جزیرہ، حرمین شریفین اور سارے عراق میں سنہ ۱۵۰ھ سے آج کی تاریخ تک اس چھ سو سال سے زائد عرصے میں ہو گزرے ہیں، جو ہزاروں بلکہ شمار سے باہر ہیں۔ ممالک مختلفہ میں رہنے کے باعث، وہ اہل علم و فتویٰ اور صاحب ورع و تقویٰ

---

[1] الروض الباسم، جلد اوّل، ص ۱۴۰

اِس کے باوجود معترض کس طرح جرأت کرتا ہے اور اُن بزرگوں کے حق میں جائز رکھتا ہے کہ وہ ایک عامی اور جاہل آدمی کے اتباع پر متفق ہو گئے ۔

بعض حضرات جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے منصبِ عالی کو نہ پہنچان سکے اور اُن کے مقامِ اجتہاد کی رفعتوں تک رسائی نہ ہونے کے باعث اعتراض کر بیٹھے ایسے بعض معترضین کی نشاندہی کر کے امام شمس الدین سخاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۰۲ھ) نے اہلِ اسلام کو اِس سلسلے میں یوں ہدایت فرمائی ہے۔

واما اسنده الحافظ ابو الشیخ فی کتاب السنة له من الکلام فی حق بعض الائمة المقلدین وکذا الحافظ ابو احمد بن عدی فی کامله والحافظ ابو بکر الخطیب فی تاریخ بغداد واخرون ممن قبلهم کابن ابی شیبة فی مصنفه والبخاری والنسائی مما کنت انزههم من ایراده مع کونهم مجتهدین ومقاصدهم جمیلة فینبغی تجنب اتباعهم فیه"۔[1]

اور جو حافظ ابو الشیخ نے اپنی کتاب السنہ میں بعض ایسی عبارتیں لکھی ہیں جو اُن آئمہ دین کے خلاف ہیں جن کی تقلید کی جاتی ہے۔ اسی طرح حافظ ابو احمد بن عدی نے کامل میں اور حافظ ابو بکر خطیب نے "تاریخ بغداد" میں اور کئی دوسرے حضرات نے بھی اِن سے پہلے کلام کیا ہے جیسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور امام بخاری و امام نسائی نے۔ میں اِن حضرات کے ایسے کلام کو نقل کرنے سے پرہیز کرتا ہوں، اگرچہ وہ مجتہدین اور اُن کا مقصد پاک ہے

---

[1] الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، ص ۹۴۔

لیکن اِس امر میں اُن کی پیروی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

علامہ خطیب بغدادی کی قابلِ اعتراض اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دل آزار روش پر احتجاج کرتے ہوئے حافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۴۲ھ) نے سوادِ اعظم کی ترجمانی یوں فرمائی تھی۔

ولا تغتر بما نقله حافظ ابوبکر بن ثابت الخطیب البغدادی مما یخل بتعظیم الامام ابی حنیفة رضی الله عنه فان الخطیب وان نقل کلام اماد حسین فقد اعقبه بکلام غیرهم فشان کتابه بذالک اعظم شین وصار بذالک اعظم شین ۔ هدف الکبار والصغار لقاذورة لا تغسلها البحار ۔[1]

حافظ ابوبکر بن ثابت خطیب بغدادی نے جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کے خلاف باتیں نقل کی ہیں اُن سے مسلمانوں کو دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ اگرچہ خطیب بغدادی نے تعریف کرنے والوں کا کلام پہلے نقل کیا ہے لیکن اِس کے بعد حاسدین کا کلام نقل کر کے کتاب میں بہت بڑا عیب پیدا کر دیا ہے جس کے باعث وہ بڑے چھوٹوں کی ملامت کا نشانہ بن گئے۔ یہ گندگی ہی ایسی ہے سمندروں سے بھی نہیں دُھل سکتی۔

معلوم نہیں رحیم آبادی صاحب اور اُن کے دین و دیانت سے آزاد ٹولے کی گندگی جہنم کے سِوا اور کسی چیز سے دُھلے گی یا نہیں۔ ہمارا مشورہ اگر اُن لوگوں کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے تو ہم یہی عرض کریں گے کہ وہ مخالفتِ

---

[1] عقود الجمان، بحوالہ مقامِ ابی حنیفہ، ص ۲۰۰

امام اعظم کے خطرناک مشغلے سے باز آجائیں تو اُن کا اپنا ہی بھلا ہے اور ان حضرات کی وہ گندگی جس کو دھونے کے لیے سمندروں کا پانی بھی ناکافی ہے وہ توبہ کے چند لفظوں اور ندامت کے چند آنسوؤں سے آج بھی دھوئی جا سکتی ہے:۔

ع اے کاش! تیرے دل میں اُتر جائے مری بات

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ہم جو کچھ کہیں اُس سے ہزاروں گنا بہتر، قابل اعتماد اور وزنی ہیں وہ ارشادات جو بزرگانِ دین سے شانِ امامِ اعظم کے دفاع میں صادر ہوئے۔ چنانچہ جو حضرت امام المسلمین علیہ الرحمہ پر قیاس کو کتاب و سنت سے مقدم رکھنے کا الزام لگاتے تھے، جن کے مقلدین و متبعین آج بھی پائے جاتے ہیں، اُن کا رد کرتے ہوئے امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) نے فرمایا تھا:۔

فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام اباحنیفة الی انه یقدم القیاس علی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم ان ھذا الکلام صدر من متعصب علی الامام متھور فی دینه غیر متورع فی مقاله غافلا عن قوله تعالیٰ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ [1]

یہ فصل اُن لوگوں کے قول کی تضعیف میں ہے جو امام ابوحنیفہ کی جانب یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پر قیاس کو مقدم رکھتے تھے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بات امام اعظم سے تعصب رکھنے کے باعث اُس شخص سے صادر ہو سکتی ہے جو دین میں شتر بے مہار ہو، زبان کو بے لگام رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کی پروا نہ کرتا ہو۔

---

[1] المیزان، جلد اول، ص ۵۶۔

ہو کر بیشک کان آنکھ اور دل، ان سب کے متعلق باز پرس ہو گی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاسِ شرع کے بارے میں یہی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ یوں رقمطراز ہیں۔

فاؤلھم تبرّیًا من کل رائی یخالف الشریعۃ الامام الاعظم النعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ خلاف ما یضیفہ بعض المتعصبین ویا فضیحتہ یوم القیامۃ من الامام اذا وقع الوجہ فی الوجہ"[1]۔

خلافِ شرع رائے کو دیکھ کر بیزار ہونے والوں میں امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرِ فہرست ہیں۔ اسکے برعکس بعض متعصب لوگ جو اُن پر الزام تراشی کرتے ہیں انھیں قیامت کے روز بڑی رسوائی ہو گی جب وہ امام اعظم کے رُو برو ہوں گے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں قیاس کا درجہ کیا ہے اور وہ اپنی رائے کو شرعی احکام میں کیا درجہ دیتے تھے۔ اس سلسلے میں جلیل القدر محدث، امام ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) نے فرمایا ہے:۔

اعلم انہ تیعین علیك ان لا تفھم من اقوال العلماء عن ابی حنیفۃ واصحابہ انھم اصحاب الرائے ان مرادھم بذالك تنقیصھم ولا نسبتھم الی انھم یقدمون رأیھم علی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ،

اس ضروری بات کا تمہیں علم ہونا چاہیئے کہ اُن علمائے کرام کے اقوال سے جنھوں نے امام اعظم اور اُن کے ساتھیوں کو اصحاب الرائے کہا ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ آپ پر یہ الزام عائد کرتے تھے کہ معاذ اللہ

---

[1] ایضاً، ص ۵۰

علیہ وسلم ولا علی قول اصحابہ لانھم براء من ذالک فقد جاء عن ابی حنیفہ من طرق کثیرۃ ما ملخصہ انہ اولا یاخذ بما فی القرآن فان لم یجد فبالسنۃ فان لم یجد فبقول اصحابہ فان اختلفوا اخذ بما کان اقرب الی القرآن او السنۃ من قولہم ولم یخرج عنہم فان لم یجد لاحد منہم قولا لم یاخذ بقول احد من التابعین بل یجتہد کما اجتہدوا" ۔[1]

امام صاحب اپنی رائے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور اقوالِ صحابہ پر مقدم رکھتے تھے۔ اُن کا دامن اس سے پاک ہے۔ امام ابوحنیفہ کا طریقِ اجتہاد ہم تک متعدد طرق سے پہنچا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ قرآن میں حکم تلاش کرتے۔ اگر نہ پاتے تو سنتِ رسول دیکھتے، ایسی سنت نہ ملتی تو اقوالِ صحابہ کی سند پکڑتے اگر صحابہ کے درمیان اختلاف ہوتا تو اُس قول کو لیتے جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہو اور اِس دائرے سے باہر نہ نکلتے۔ اگر کسی بھی صحابی کا قول نہ ملتا تو تابعین میں سے کسی کے قول کی سند نہ پکڑتے بلکہ اُن کی طرح خود اجتہاد کرتے۔

بعض محدثین نے آئمہ مجتہدین و فقہائے دین کے کام کو اپنے مخصوص اندازِ فکر کے باعث پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا۔ وہ حضرات نقل کے تو خوب عاشق تھے لیکن دین میں عقل کے دخل کو اپنے مخصوص مزاج کے باعث برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ فقہ کو برداشت نہ کرنے والے بدمذہب نہیں تھے اور نہ یہ بغض و عناد کے جذبے کی کارفرمائی تھی، بلکہ یہ محض اُن بزرگوں کے مخصوص اندازِ فکر کا تقاضا تھا۔

---

[1] ایضاً ص ٥٠

وہ حضرات پنساری تھے اور اِس دکان میں تمام مفید جڑی بوٹیوں کو جمع کر دینے کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کیے ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ وہ طبیب نہ تھے، اِس لیے طبیبوں کو اچھا نہ سمجھا۔ پنساری جڑی بوٹیوں کو بڑی محنت سے جمع کرتا ہے، سلیقے سے سنبھال کر رکھتا ہے لیکن طبیب انھیں کوٹتا پیٹتا اور چھانتا پھٹکتا ہے۔ آخر دونوں میں بنے تو کس طرح بنے؟ دونوں کی نبھے تو کس طرح نبھے؟ سب سے پہلا طبیب آیا، بلکہ طبیب اعظم آیا، نسخے تیار کرنے شروع کیے تو اکثر حضرات اُس کے فن کی افادیت کو سمجھ گئے اور اُسے سر آنکھوں پر جگہ دی، اُس کی راہ میں دلوں کا فرش بچھا دیا کہ اُن کی محنت آج ٹھکانے لگی، جمع کی ہوئی جڑی بوٹیوں سے فائدے حاصل کرنے کا طریقہ اب معلوم ہوا۔ اب یہ معلوم ہوا۔ اب یہ طبیب اعظم نسخے تجویز کرے گا اور دوسرے بے خوف و خطر انھیں استعمال کریں گے۔

بعض پنساریوں کو اُس طبیبِ اعظم کا یہ کارنامہ پسند نہ آیا کہ اتنی محنت سے جمع کی ہوئی جڑی بوٹیوں کو یہ کتنی بے دردی سے کوٹتا پیٹتا اور چھانتا پھٹکتا ہے۔ جو متاعِ عزیز دکان میں بڑی سنبھال کے رکھی تھی۔ یہ تو اُس کے اجزا کی شکل ہی بگاڑ رہا ہے۔ معجون، جوارش، سفوف، شربت، حبوب، اقراص، رُوح، کحل، ضماد اور مرہم وغیرہ ناموں سے اور ہی چیزیں تیار کرتا جاتا ہے۔ جس سے جڑی بوٹیوں کی صورتیں نہ صرف مسخ ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ سارا وجود اِن چیزوں میں ہی گم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جڑی بوٹیوں کا بدخواہ ہے، ہرگز اِن جواہر ریزوں کا قدر دان نہیں، بڑا بے رحم اور سنگ دل ہے اپنی عقل کو جڑی بوٹیوں کی صورت مسخ کرنے میں استعمال کرتا ہے، بوٹیوں کے مقابلے میں اپنے تیار کردہ نسخوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ دُہائی ہے، دُہائی ہے۔

اُن حضرات کا شور مچانا اِس لحاظ سے درست کہا جا سکتا ہے کہ دراصل علمِ طب کی افادیت کا انھیں علم ہی نہ تھا۔ انھوں نے اپنے مزاج کے تحت نتیجہ اخذ کیا۔ اسی طرح

کپڑا بُننے والا کتنی محنت سے بُنتا ہے۔ ایک دھاگا بھی کہیں ٹوٹ جائے تو فوراً اُسے جوڑتا ہے۔ کتنے ہی تھان اِسی طرح بُنے جاتے ہیں اور دکانوں میں سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ساری محنت ٹھکانے اُسی وقت لگتی ہے جب وہ کپڑا کسی درزی کے سپرد کیا جائے۔ کسی کے زیب گلو ہونے کے قابل اُسی وقت کپڑا بنتا ہے جب کسی ماہر درزی کی کاریگری اُس میں اپنا دخل دکھائے۔ درزی کس بے دردی سے کپڑے کو کاٹتا ہے یہ کسی کپڑا بُننے والے سے پوچھیے۔ کپڑا بُننے والا اور درزی اگر دونوں اکٹھے ہو جائیں، درزی اپنا کام جاری رکھے تو اُس کی قینچی کپڑے پر کم اور کپڑا بُننے والے کے قلب و دیگر جگر پر زیادہ چل رہی ہوگی۔ وہ اپنی جگہ ایک بار نہیں ہزار بار سچا سہی، لیکن درزی کے کام کی افادیت سے کوئی عقل کا اندھا ہی انکار کرے گا۔

بعض محدثین حضرات کا فقہ سے انکار اور فقہا و مجتہدین ہونا بھی اِسی قبیل سے ہے۔ ہمیں اُن بزرگوں کی نیت پر قطعاً شبہ نہیں لیکن فقہ کی افادیت جو مسلمہ ہے۔ اِس لیے یہی کہنا پڑے گا کہ معترضین سے غلطی واقع ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ اب جبکہ فقہ کی افادیت، اظہر من الشمس ہے تو ایسے عالمِ آشکار میں معترض حضرات کی روش اختیار کرنا دین و دیانت اور عقل و خرد سے دشمن مول لینے کے مترادف ہے۔ اب فقہ کی افادیت سے بے خبری کا دَور ہرگز نہیں ہے۔ مذکورہ پنساری کی طرح دہائی دینا یا اُس کپڑا بُننے والے کی طرح چیخنا چِلانا کہاں کی دانشمندی ہے؟ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

باب پنجم

ضروری وضاحت

بفضلہٖ تعالیٰ اِس باب میں وہ عقائد و نظریات پیش کرنے کا ارادہ ہے جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف عالیہ اور خصوصاً مکتوبات میں درج فرمائے ہیں۔ یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ عقائد کے سلسلے میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے جو کچھ فرمایا اُس کا احاطہ کر لیا گیا ہے اور باقی کوئی چیز نہیں رہی۔ ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آپکے بیان فرمودہ عقائد کا بیشتر حصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِس سلسلے میں یہ بات بھی مدِنظر رکھنی چاہیئے کہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک عقیدہ آپ نے مختلف مکتوبات میں مختلف حضرات کو مطلع کرنے کی غرض سے تحریر فرمایا تو ہم نے اُسے صرف ایک ہی جگہ سے پیش کیا ہے خواہ وہ مزید بیس مقامات پر کیوں نہ مرقوم ہو۔ ہاں اِس بات کی ضرور کوشش کی ہے کہ ایسے مواقع پر اُس عبارت کو پیش کیا جس کی زبان عام فہم و سہل یا نسبتاً جس میں زیادہ وضاحت ہے۔

عقائد پیش کرتے وقت ہم صرف اُردو ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایسے عقیدے جن میں بعض متبدعین زمانہ شدت سے اختلاف کرتے ہیں یا جن کو آج غلط رنگ دینے کی بعض حضرات کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ انھیں اصل لفظوں میں درج کر کے بالمقابل اُردو ترجمہ پیش کر دیا جائے گا تاکہ جو حضرات فارسی زبان سے ناواقف ہیں اُن کا ذوقِ طلب تشنہ نہ رہ جائے اور ساتھ ہی نیچے حاشیے میں اختلاف کرنے والوں کا مع حوالہ نظریہ پیش کر کے جو کچھ میسر ہوا بعونہٖ تعالیٰ وضاحت کر دی جائے گی۔ اُمید واثق ہے کہ یہ بات تو قارئین کے یقیناً پیش نظر ہو گی کہ یہاں اہلسنت وجماعت کے جملہ عقائد سے بحث نہیں بلکہ مقصود یہاں صرف اُن عقائد و نظریات کا پیش کرنا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنی تصانیفِ عالیہ میں درج فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن جواہرات کو اکٹھا کرنے اور سلیقے سے پیش کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین یا اکرم الاکرمین۔

جو ہُوا، ہُوا کرم سے تیرے
جو ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

وجود و صفاتِ باری تعالےٰ

عقیدہ ۱۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ وجود کے ساتھ، بخلاف تمام موجودات کے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ اِس صورت میں موجود ہے اللہ تعالیٰ کو وجود کی احتیاج لازم نہیں آتی ہے تاکہ لوگ کہیں کہ حق تعالیٰ کا وجود عین ذات ہے تاکہ غیر کی احتیاج لازم نہ آئے۔ اللہ جلّ سلطانہٗ کے وجود کو عین ذات ثابت کرنے کے لیے بلند دلائل کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور جمہور اہلسنت وجماعت کی مخالفت کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ بزرگ وجود کے عین ذات ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ وجود کو زائد سمجھتے ہیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر ہم ذاتِ واجب تعالیٰ و تقدس کو ایسے وجود کے ساتھ موجود کہیں جو اُس کی ذات پر زائد ہو اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اُس وجود کو ہم عرضِ عام کی حیثیت سے لیں تو اہلِ حق کے جمہور متکلمین کا نظریہ بھی درست قرار پاتا ہے اور احتیاج کا اعتراض جو مخالفین پیش کرتے ہیں وہ بھی دفع ہو جاتا ہے۔ اس بات کے درمیان کہ (۱) واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور وجود کا اُس میں دخل نہ دیں اور اِس بات کے درمیان کہ (۲) اُسے وجود کے ساتھ موجود کہیں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کریں۔ دونوں میں واضح فرق ہے۔ یہ معرفت اُن خصوصیات سے ہے جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مجھے خاص فرمایا ہے۔ الحمدُ

لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰی ذٰالِکَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ - [۱]

عقیدہ ۲ - اللہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی خصوصیات سے ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور موجود ہونے میں اپنے وجود کا قطعاً محتاج نہیں ہے...... خالقِ موجودات اگر مستقل طور پر اپنی ہی ذات سے موجود ہوا اور موجود ہونے میں قطعاً وجود کا محتاج نہ ہو تو اِس میں تعجب کی کونسی بات ہے، حقیقت سے دُور لوگ اگر اِسے بعید سمجھتے ہیں تو اُن کا معاملہ بحث سے خارج ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْهِمُ لِلْفُؤَادِ [۲]

عقیدہ ۳ - ہم ایسے خدا کی ہرگز پرستش نہیں کرتے جو احاطۂ شہود میں آسکے، جو دیکھا جاسکے، دائرہ معلومات میں آسکے اور وہم و گمان میں سما سکے۔ کیونکہ مشہود، مرئی، معلوم اور موہوم و متخیل بھی مشاہدہ کرنے والے، دیکھنے والے، جاننے والے، وہم کرنے والے اور خیال دوڑانے والے کی طرح مخلوق و حادث ہے۔

ع سما سکتا نہ منہ میں ہو میں اُس لقمہ کا طالب ہوں [۳]

عقیدہ ۴ - اسی طرح وجود جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے، وہ بسیطِ حقیقی ہے اور نقطہ کی طرح تجزیہ و تقسیم اُس میں ہرگز جاری نہیں ہو سکتی لیکن بے شمار اشیاء کے ساتھ تعلق رکھنے کے باعث منبسط اور مسطح نظر آتا ہے" [۴]

عقیدہ ۵ - اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے - اُس کی ہستی بذاتِ خود قائم ہے - اور جس طرح سے وہ اب ہے، ہمیشہ سے اِسی طرح ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔ عدمِ سابق اور عدمِ لاحق کی اُس ذاتِ مقدس تک رسائی نہیں کیونکہ وجوبِ وجود اُس کی بارگاہِ عالی کا ادنیٰ خادم ہے اور سلبِ عدم اُس کی مقدس بارگاہ کا کمترین خاکروب اور

---

[۱] مبدأ و معاد، ص ۴۴

[۲] ایضاً، ص ۴۵، ۴۶ -

[۳] ایضاً، ص ۴۷

[۴] معارفِ لدنیہ، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء، ص ۱۰

جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے جسے عالم کہتے ہیں، خواہ عناصر و افلاک ہوں، خواہ عقول و نفوس اور خواہ بسائط و مرکبات تمام خداوندِ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں یا عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدم ذاتی اور زمانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے۔ اور اُس کے ماسوا کے لیے حدثِ ذاتی و زمانی ثابت ہے۔“[1]

عقیدہ ۶ - اللہ تعالیٰ کی ذات پر شیون کی زیادتی محض اعتباری ہے اور اُس کی ذات پر صفات کی زیادتی وجودِ خارجی کے ذریعے ہے۔ اس لیے کہ صفات خارج میں ذات پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ جیسا کہ اہلِ حق کا مذہب ہے۔ اور شیون و صفات میں فرق بہت ہی دقیق ہے۔ اُمتِ محمدیہ کے صرف کامل ترین افراد اس فرق سے باخبر ہیں۔ اِس گروہ میں سے اکثر نے اِس فرق کو نہ سمجھنے کے باعث شیون کو عین صفات سمجھا ہے اور خارج میں صفات کے وجود سے منکر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ تم دیکھتے ہو کہ یہ بات اجماعِ اہلسنت و جماعت کے خلاف ہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اِس فقیر نے مذکورہ فرق کو اپنے بعض مسودات میں تفصیل کے ساتھ لکھا نیز نظیروں اور مثالوں کے ساتھ روشن و ابین کر دیا ہے۔ قصہ مختصر کہ شیون دائرہ اصل میں داخل ہیں، کسی ظلیت کو اِن کی جانب راہ نہیں ہے۔“[2]

عقیدہ ۷ - حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اُس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے۔ تمام مسلمانوں کا اِس عقیدے پر اجماع ہے اور جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی کے قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ سینا اور فارابی کی اِسی وجہ سے تکفیر کی تھی کہ وہ عقول و نفوس کے قدیم ہونے کے قائل ہیں نیز صورت اور ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم المکتوب، ۵ [2] مکاشفاتِ عینیہ مجددیہ، ص ۳۹

بھی اُن اشیاء سمیت جو اُن میں ہیں، وہ قدیم سمجھتے ہیں۔ [1]

عقیدہ ۸۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے، جوہر اور عرض نہیں ہے، محدود اور متناہی نہیں ہے، طویل اور عریض نہیں ہے، دراز اور کوتاہ نہیں ہے، فراخ اور تنگ نہیں ہے۔ وہ فراخی والا ہے۔ لیکن ایسی وسعت کے ساتھ نہیں جو ہمارے فہم میں آسکے۔ وہ محیط ہے لیکن اُس کا احاطہ ایسا نہیں جسکا ادراک کیا جا سکے۔ وہ قریب ہے، لیکن ایسے قرب کے ساتھ نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن معیتِ متعارفہ کے ساتھ نہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ فراخی والا ہے، احاطہ کرنے والا ہے۔ قریب ہے، ہمارے ساتھ ہے لیکن اِن صفات کی کیفیات کو ہم سمجھنے سے عاجز ہیں۔ کہ وہ کیسی ہیں؟ اور جو کچھ اِس سلسلے میں ہم سمجھتے ہیں اُس پر یقین کرنا مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے۔" [2]

عقیدہ ۹۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہے۔ اور کوئی چیز اُس سے متحد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اُس میں حلول کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اجزاء و حصص ہونے محال ہیں اور ترکیب و تحلیل اُس کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل اور کفو نہیں ہے۔ اُس کے بیوی بچے نہیں ہیں۔ اُن کی ذات و صفات، بے چون و بے چگون اور بے شبیہ و بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اِتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اپنے اُن اسماء و صفاتِ کاملہ سے متصف ہے جن کے ساتھ خود اُس نے اپنی تعریف کی ہے۔ لیکن اُن صفات کا جو مفہوم ہماری سمجھ میں آئے یا جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں، اُن سے اُس کی ذات پاک اور بلند ہے۔ [3]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۵ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوبات ۶۷

[3] ایضاً۔

عقیدہ ۱۰ - اللہ تعالیٰ کے اسماء توفیقی ہیں یعنی شارع سے سننے پر موقوف ہیں۔ ایسا نام جس کا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ پر شریعت میں اطلاق ہوا ہے، صرف اسی کا اطلاق کرنا چاہیئے۔ اور جو اس کے لیے وارد نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیئے، اگرچہ اس اسم میں اچھے معنی ہی پائے جائیں۔ مثلاً جَوَاد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہنا جائز ہے کیونکہ یہ شریعت میں وارد ہوا ہے لیکن سخی نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ یہ شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے۔"[1]

عقیدہ ۱۱ - اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ وجود میں اور نہ الوہیت میں اور نہ استحقاقِ عبادت میں۔ کیونکہ شریک کی ضرورت اس وقت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیت کے منافی ہے اور جب وہ کافی اور مستقل ہے تو شریک بیکار ٹھہرے گا اور یہ بھی نقص کی علامت ہے جو الوہیت اور وجوب کے منافی ہے۔"[2]

عقیدہ ۱۲ - صفاتِ امکان وحدوث جو سراسر نقص وشرارت ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی جناب قدس سے دور رکھنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ جزئیات وکلیات کا جاننے والا ہے اور اسرار وخفیات سب اس پر روشن ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی حقیر سے حقیر ذرہ بھی ایسا نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو۔"[3]

عقیدہ ۱۳ - اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے وجود میں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے انھوں نے عدم سے وجود کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ قدیم وازلی ہے اور باقی تمام چیزیں حادث

---

[1] ایضاً

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم مکتوب ۱۷

[3] ایضاً

[illegible]ر نوپید۔ جو قدیم و ازلی ہے وہ باقی اور ابدی بھی ہے اور جو حادث و نوپید ہے وہ فانی اور زوال کے میدان میں ہے [1]

عقیدہ ۱۴۔ نقص کی صفات اللہ تعالیٰ کی جناب سے مسلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جواہر و اجسام و اعراض کے لوازمات و صفات سے پاک ہے، زمان و مکان و جہت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ بڑا بے خبر ہے وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کو "عرش" پر بتاتا ہے اور اس کے لیے فوق کی جہت تجویز کرتا ہے۔ عرش اور اس کے ساتھ تمام چیزیں حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق۔ حادث اور مخلوق کی کیا مجال کہ وہ خالقِ قدیم کا مکان قرار پائے یا اس کی قرارگاہ بنے۔" [2]

عقیدہ ۱۵ - لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کوئی بھی ایسا نہیں جو الوہیت و معبودیت کا استحقاق رکھتا ہو مگر خداوند تعالیٰ جو بے مثل، واجب الوجود اور حدوث و نقص سے پاک و بری ہے۔ عبادت کی مستحق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کو تمام کمالات حاصل ہوں کیونکہ عبادت کمال تذال اور خضوع و انکساری کا نام ہے اور خدا کے سوا تمام چیزیں اپنے وجود اور اس کے توابعات میں خدا کی ہی محتاج ہیں۔ جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور حقیقی نافع و ضار وہی ہے اور کوئی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ ایسی صفاتِ کاملہ والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔" [3]

عقیدہ ۱۶ - جاننا چاہیے کہ بہشت اور بہشت کے علاوہ باقی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نسبت کے لحاظ سے سب برابر ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۴۴ [2] ایضاً

[3] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب [illegible]

اُن میں سے کسی میں بھی حلول وتمکن نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بعض چیزوں میں خداوند تعالیٰ کے ظہور انوار کی قابلیت ہے اور بعض میں نہیں۔ مثلاً آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے۔ جبکہ پتھر اور اینٹ یہ قابلیت ہے۔ پس جو فرق ہے۔ پس جو فرق ہے وہ اِس جانب سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب کی برابر نسبت ہے۔"[1]

عقیدہ ۱۷۔ جاننا چاہیئے کہ ممکنات کیا جواہر، کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا معقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر، سب کے سب اُس قادر و مختار کی محتاج کی طرف منسوب ہیں۔ جو اُن کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اسی طرح بقا میں بھی اُسی کی محتاج ہیں اور اُس نے اسباب و وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ نہیں بنایا بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ۔ وہ دانشمند جن کی چشمِ بصیرت انبیائے کرام کی متابعت کے سُرمہ سے سرمگیں اور روشن ہوئی ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت وقیام اُسی سے اور اُسی کے ساتھ رکھتے ہیں، حقیقت میں جماد محض ہیں، دریں حالات وہ کس طرح دوسرے پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور کس طرح اُن میں اختراع و احداث پیدا کر سکتے ہیں جبکہ وہ بھی اُنھیں کی طرح جماد محض ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، بلکہ اِن کے سوا کوئی اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا اور ہر ایک کو اُس کے لائق کمالات عطا فرماتا ہے۔ پس جس طرح عقلمند آدمی کسی جماد محض کے فعل کو دیکھ کر اُس کے فاعل اور محرک

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

کا سراغ لگاتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اِس جماد کے مناسب حال نہیں ہے۔ بلکہ فاعل اس کے سِوا کوئی اور ہے جس نے یہ فعل اِس کے اندر ایجاد کیا ہے۔ پس جماد کا فعل عقلمندوں کے نزدیک فاعل حقیقی کے فعل کا چھپانے والا نہ ہوا بلکہ جمادیت کیطرف دیکھنے کے لحاظ سے اُس کا فعل فاعل حقیقی کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے۔ ہاں اُس بے وقوف کی نظر میں جماد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا چھپانے والا ہو سکتا ہے۔ جس نے اپنی کمال نادانی اور بے وقوفی کے باعث جماد محض کو اُس فعل کے سبب صاحبِ قدرت سمجھا ہے اور فاعل حقیقی کی طرف سے کافر و منکر ہو گیا ہے۔"[1]

عقیدہ ۱۸ - باقی رہی اسباب کی تاثیر، تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اُن میں تاثیر پیدا نہ کرے اور کوئی اثر اُن پر مترتب نہ ہو جیسا کہ ہم اسباب میں روزمرہ اِس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی اُن اسباب پر مسببات کے وجود مترتب ہوتے ہیں اور کبھی کوئی اثر اُن سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیئے اور اُسی تاثیر کو اُس سبب کے وجود کی طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیئے۔ فقیر کی رائے اِس مسئلہ میں یہی ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔[2]

عقیدہ ۱۹ - حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور اِن دونوں کا پیدا کرنے والا ہے، لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہلسنت وجماعت کو ہدایت فرمائی ہے۔ جبکہ باقی تمام فرقے اِس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کے باعث

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶ [2] ایضاً

گمراہ ہیں۔"[1]

عقیدہ ۲۰۔ جاننا چاہیے کہ عرض کیا کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ عرش سے اوپر قرار پذیر ہے اور اس طرح مقام اور جہت اس کے لیے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اور ہر ایسی شے سے جو اس کی جناب، تقدس و تعالیٰ کے لائق نہیں، پاک اور منزہ ہے۔ زید کی صورت کا شیشے میں نظر آنا زید کے شیشے میں قرار پذیر ہونے کو مستلزم نہیں، اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پھنس جاتے ہیں۔"[2]

عقیدہ ۲۱۔ اللہ تعالیٰ جیسے بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے وہ فعل اچھے ہوں یا بُرے سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ دونوں اس کے ارادے اور مشیت سے ہیں لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ دونوں کہ تنہا شر کو بے ادبی کے باعث منسوب نہ کریں یعنی خَالِقُ الشَّرِ نہیں کہنا چاہیے بلکہ خَالِقُ الْخَیْرِ وَالشَّر کہا جائے۔ اسی طرح علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق کہنا تو بالکل درست ہے لیکن گندگیوں اور خنزیروں کا خالق نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔"[3]

عقیدہ ۲۲۔ معتزلہ جو اپنے اندر بُت پرستی کا اثر رکھتے ہیں وہ افعال کا خالق بندے کو جانتے ہیں، اسی لیے اچھے بُرے فعل کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں شریعت اور عقل دونوں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان علمائے حق نے بندے کی قدرت کو

---

[1] ایضاً
[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۱۱
[3] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۹

اُس کے فعل میں داخل اندازہ جاتا ہے اور بندہ کے لیے کسب کا اثبات کیا ہے، اس لیے کہ رعشہ والے کی حرکت اور اختیار والے کی حرکت میں واضح فرق ہے۔ رعشہ والے کی حرکت میں بندے کی قدرت اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہے جبکہ اختیاری حرکت میں دخل ہے اور یہ دخل کا اتنا فرق ہی مواخذے کا باعث ہوتا اور عذاب و ثواب کا اثبات کرتا ہے کتنے ہی لوگ بندے کی قدرت اور اختیار میں شک رکھتے ہیں اور اسی لیے بندوں کو مجبور اور عاجز جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا ہے۔"[1]

عقیدہ ۲۴۳۔ بندے میں اختیار و قدرت ہونے کا یہ مطلب نہیں [illegible] بندہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ یہ بات تو اصولِ بندگی سے دور ہے، بلکہ [illegible] مطلب تو یہ ہے کہ جس چیز کا بندے کو مکلف ٹھہرایا گیا ہے اُسے کرنے کی طاقت [illegible] ہے۔ مثلاً بندہ پنجوقتہ نماز پڑھ سکتا ہے، چالیسواں حصہ مال سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے سال میں ایک مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ ہوتے ہوئے حج کر سکتا ہے علیٰ ہذا القیاس شریعت کے باقی احکام بھی ہیں۔ ان میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے بندے کے ضعف اور کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمال مہربانی سے سہولت اور آسانی کی رعایت رکھی ہے۔"[2]

عقیدہ ۲۴۴۔ وہ جو علماء نے کہا ہے کہ لَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ تَعَالٰی زَمَانٌ یعنی اللہ تعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہوتے، اس کی صورت یہی ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سامنے ازل سے ابد تک ایک آنِ واحد ہے، جو حاضر ہے۔ اُس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں ہے لیکن چونکہ اسی ایک آنِ واحد ہے، جو حاضر ہے۔ اُس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں ہے۔

---

[1] ایضاً

[2] ایضاً

لیکن چونکہ اسی ایک آن میں متعدد امور کا ظہور ہوتا ہے اور لوحِ ہستی پر مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لہٰذا اِس تعلق کی وجہ سے وہی ایک آن متعدد آنوں اور متعدد زمانوں کی صورت میں نظر آتی ہے۔”[1]

عقیدہ ۲۵ - اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے، پہاڑوں اور سمندروں کا خالق ہے، درختوں اور پھلوں کا خالق ہے، کانوں اور نباتات کا خالق ہے۔ جس طرح اُس نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے اُسی طرح زمین کو انسانوں سے مزین فرمایا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو اُسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ تمام اشیاء کو وہی عدم سے وجود میں لایا ہے اور حادث بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی چیز بھی قدیم نہیں ہے اور نہ قدیم ہو سکتی ہے۔ تمام اہلِ مذہب اللہ تعالیٰ کے سِوا ہر چیز کے حدوث پر اجماع رکھتے ہیں اور اِس پر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قدیم نہیں ہے اور جو خدا کے سِوا کسی اَور کے قدیم ہونے کا قائل ہوا اُسے گمراہ اور کافر کہتے ہیں۔ امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ منقذ عن الضلال میں اِس معنی کی تصریح کی ہے اور اُن لوگوں کو کافر کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی اور کو بھی قدیم جانتے ہیں اور وہ لوگ جو آسمانوں ستاروں اور اِن جیسی دوسری چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ قرآن مجید اُن کی تردید کرتا ہے۔”[2]

عقیدہ ۲۶ - جس طرح بندے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ پیدا کرنے کا اُس کے سِوا کسی میں یارا نہیں کیونکہ ممکن سے ممکن کی ایجاد نہیں ہو سکتی۔ ممکن قصورِ قدرت اور نقصِ علم سے داغدار ہے لہٰذا ایجاد اور خلق کے

---

[1] معارفِ لدنیہ، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ص ۱، [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱

لائق نہیں۔" [1]

عقیدہ ۲۷ - بندہ جو اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے، وہ بندے کا کسب ہے جو اُس کی قدرت اور ارادے سے واقع ہوتا ہے۔ فعل کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کسبِ فعل بندے کی جانب سے ہے۔ پس بندے کا اختیاری فعل بندے کے کسب اور اللہ تعالیٰ کی خلق کے مجموعے سے واقع ہوتا ہے اور اگر بندے کے کسب اور اختیار کو فعل میں بالکل دخل نہ ہو تو رعشہ کا حکم پیدا ہوگا اور یہ بالکل خلافِ محسوس و مشاہدہ ہے ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ رعشہ والے کا فعل اور ہے اور اختیار والے کا فعل اور ہوتا ہے اور یہی فرق اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ فعل میں بندے کے کسب کا دخل ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندے کے فعل میں قصدِ بندہ کے تابع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کے قصد کے بعد بندے میں فعل ایجاد فرماتا ہے، جس کے باعث بندہ ممدوح یا ملوم ٹھہرتا ہے اور اِسی پر اُسے عذاب یا ثواب ملتا ہے۔" [2]

عقیدہ ۲۸ - اللہ تعالیٰ نے جو قصد و اختیار بندے کو دے رکھا ہے وہ فعل اور ترکِ فعل دونوں کے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی فعل کا حسن و قبح تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے۔ اِس کے باوجود جب بندہ ایک جہت کو اختیار کرتا ہے تو اِس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اُس کی ملامت کی جائے یا اُسے ممدوح ٹھہرایا جائے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو وہ قدرت و اختیار دیا ہے کہ شرعی اوامر و نواہی سے عہدہ برآمد ہو سکے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ پوری قدرت اور پورا اختیار دیا جاتا بلکہ اُتنا دے دیا ہے جتنا چاہیے تھا اور اِس کا منکر ہدایت کا معارضہ کرتا ہے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[2] ایضاً

ہموار دل والا ہے اور شریعت کی تکمیل میں عاجز ہے۔۔۔۔۔۔ یہ مسئلہ علم کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے۔ اِس مسئلہ کی انتہائی شرح و بیان یہی ہے جو اِن اوراق میں مندرج ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ جو کچھ علمائے اہلِ حق نے فرمایا ہے وہ پورا کرنا چاہیئے اور مقابلہ اور جنگ میں پڑنا نہیں چاہیے"[۱]

عقیدہ ۲۹۔ سفیہے باشد بلکہ منکرِ نصِ قرآنی بود کہ بقدم بعض ماسوٰی لب کشاید و بقدمِ افلاک و کواکب حکم کند و بسائط عناصر را قدیم داند و عقول و نفوس را ازلی و قدیم داند و تصور نماید۔ اجماعِ اہلِ ملت بر حدوثِ ماسوائے حق جلّ و علا منعقد گشتہ است و باتفاق حکم بوجود ماسوٰی بعد از عدمِ سابق نمودہ اند چنانچہ امام حجۃ الاسلام در رسالہ المنقذ عن الضلال تصریح باین معنی نمودہ است و جماعہ کہ بقدم بعضے از اجزائے عالم قائل گشتہ اند ازیں راہ تکفیرِ آنہا فرمودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پس حکم بقدمِ شے از اشیاءِ ممکنہ خروج از ملت است و دخول در فلسفہ و چنانچہ ماسوائے حق را جلّ سلطانہ عدمِ سابق کائن است عدمِ لاحق نیز دامنگیرِ اوست"[۲]

وہ بے وقوف بلکہ نصِ قرآنی کا منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بعض چیزوں کو قدیم بتلانے میں لب کشائی کرتا ہے اور افلاک و کواکب کے قدیم ہونے کا حکم لگاتا ہے اور بسیط عناصر کو قدیم جانے اور عقول و نفوس کو قدیم اور ازلی تصور کرے۔ ماسوائے حق جلّ و علا کے حادث ہونے پر ملّتِ اسلامیہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور سب نے اتفاقِ رائے سے عدمِ سابق کے بعد ماسوٰی کے وجود میں آنے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام، امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ المنقذ عن الضلال میں اِس معنی کی تصریح فرمائی ہے اور وہ جماعت جو اجزائے عالم میں سے بعض کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اُن کی تکفیر فرمائی ہے۔ [illegible]

---

[۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

[۲] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۵۵

کسی چیز کے قدیم ہونے کا حکم لگانا شریعت اسلامیہ سے خارج ہو کر فلاسفہ میں داخل ہونا ہے کیونکہ حق جلّ سلطانہ کے ماسوٰی کا جہاں عدم سابق ثابت ہے وہاں عدم لاحق بھی اُس سے دامنگیر ہے۔

عقیدہ ۳۰ - اُس بارگاہِ قدس تک کسی عالِم کا علم نہیں پہنچ سکتا اور اُسے معرفہ بنانے میں کسی معرفہ ساز کی معرفہ سازی مفید نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی ذات اِس سے کہیں بزرگ تر ہے کہ اُس کا ادراک کیا جائے اور اِس سے کہیں عظیم تر ہے کہ اُسے پہچانا جا سکے اور اِس سے کہیں بلند تر ہے کہ اُسے کوئی جان سکے۔“ [1]

عقیدہ ۳۱ - حق تعالیٰ سبحانہٗ کسی جہت میں نہیں ہے۔ وہ مکان اور زمان نہیں ہے۔ ارشادِ باری اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی سے جہت و مکان کے ثبوت کا وہم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اِس سے جہت و مکان کا ثبوت ہو رہا ہے جہاں و جہت ہے نہ مکان پس یہ اللہ تعالیٰ کی بے جہتی و مکانی ہی سے کنایہ ہے۔ اِسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ جوہر و عرض نہیں ہے۔ اشارے کے قابل نہیں ہے اُس کے متعلق حرکت اور تبدیلی کا تصور کرنا بھی درست نہیں ہے۔ اُس کی ذاتِ قدیم کے ساتھ حوادث کا قیام جائز نہیں ہے۔ اعراضِ محسوسہ و معقولہ میں سے وہ کسی عرض کے ساتھ متصف نہیں ہے۔ نہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے۔ نہ وہ عالم سے متصل ہے اور نہ منفصل ہے۔ کائنات کے ساتھ اُس کی معیّت علمی ہے نہ کہ ذاتی اور دنیا کا احاطہ اُس نے علم کے ساتھ کیا ہوا ہے نہ کہ ذات کے ساتھ۔ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا۔“ [2]

---

[1] معارف لدنیہ، مطبوعہ کراچی: ص ۱۰ [2] ایضاً: ص ۲۸

عقیدہ ۳۲ - حق سبحانہ، تعالیٰ تمام معلومات کا جاننے والا ہے، ایسی صفتِ علم کے ساتھ جو اُس کی ذات پر زائد ہے، خواہ وہ معلوم واجب ہو یا ممکن۔ اور علم حقیقی صفت ہے جس کا معلوم سے تعلق ہے۔ جسطرح صفتِ باری تعالیٰ کی کیفیت معلوم نہیں جیسا کہ مذکور ہوا، اُسی طرح یہ بھی معلوم نہیں کہ اُس کا معلومات کے ساتھ تعلق کس طرح ہے بس اتنی سی بات سمجھ میں آیا کرتی ہے کہ یہ تعلق معلوم نہیں کہ انکشاف کا سبب ہوتا ہے اور کتنے ہی آدمی ایسے ہیں۔ جو اِس حقیقت پر مطلع نہیں ہوتے، وہ غائب کو حاضر پر قیاس کر کے اضطراب اور حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں [1]

عقیدہ ۳۳ - اللہ تعالیٰ و تقدس کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں۔ قسم اوّل، صفات اضافیہ ہیں، جیسے خالق ہونا، رازق ہونا۔ قسم دوم، صفاتِ حقیقہ ہیں لیکن یہ اپنے اندر اضافت کا بھی ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ قسم سوم بصر اور کلام اور حقیقت محض ہے جیسے حیات۔ اِس صفت میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے اور اضافت سے ہماری مراد دنیا کے ساتھ تعلق ہے۔ صفات کی یہ تیسری قسم باقی اقسام سے اعلیٰ اور تمام اقسام سے اس کی جامع اور امہاتِ صفت ہے صفتِ علم اپنی جامعیت کے باوجود صفتِ حیات کے تابع ہے اور صفات و شیونات ۔ ئرہ حیات پر ختم ہوتا ہے اور مطلوب کے حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی ہے جبکہ صفتِ حیات کا درجہ صفتِ علم سے اونچا ہے تو لا محالہ اِس مقام تک رسائی بھی مراتبِ علم کو طے کر لینے کے بعد ہوگی۔ خواہ وہ علم ظاہر ہو یا علم باطن، خواہ علم شریعت ہو یا علمِ طریقت۔ اور اُس دروازے میں داخل ہونے والے خوش نصیب بہت ہی کم ہیں اور جو گلیوں میں کھڑے ہو کر مکان کے اندر جھانک لیتے ہیں وہ بھی کم ہیں۔ اگر میں

---

[1] مبدا و معاد، ص ۸۰

اُس مقام کے اسرار میں سے کوئی ایک بھید بھی ظاہر کر دوں تو لوگ میرا گلا کاٹ ڈالیں گے۔[1]

عقیدہ ۲۴۹ - حیات، علم^{2}، قدرت^{3}، ارادہ^{4}، سمع^{5}، بصر^{6}، کلام^{7} اور تکوین^{8} ان آٹھ صفاتِ حقیقیہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ قدیم ہیں اور خارج میں اللہ تعالیٰ کے وجود ہیں۔ جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اِس کی تصریح فرمائی ہے اور مخالفینِ اہلسنت میں سے کوئی فرقہ بھی صفاتِ زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے، یہاں تک کہ خود اِس فرقۂ ناجیہ میں سے بعض متاخرین صوفیہ بھی صفات کو عینِ ذات کہتے ہیں اور مخالفینِ حق کے ہمنوا بن گئے ہیں۔ وہ اگرچہ نفیِ صفات سے پرہیز کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے اصول اور اُن کی بعض عبارتوں کے متبادر معنی سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ جبکہ مخالفوں نے صفاتِ کاملہ کے انکار کو اپنا کمال سمجھا ہوا ہے اور اپنی عقل کے پیچھے لگ کر نصوصِ قرآنیہ سے دور چلے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سیدھے راستے کی جانب ہدایت فرمائے۔“[2]

عقیدہ ۲۵۰ - حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نفسِ وجود اور تمام کمالات میں جو کہ وجود کے توابع ہیں۔ مثلاً حیات^{1}، علم^{2}، قدرت^{3}، بصر^{4}، ارادہ^{5}، سمع^{6}، کلام^{7} اور تکوین^{8} میں بذاتِ اقدس خود کافی ہے اور اِن کمالات کے حصول میں وہ صفاتِ زائدہ کا محتاج نہیں ہے، اگرچہ صفاتِ کاملہ زائدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جس طرح خود اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ اپنے وجود سے، اِسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ صفتِ حیات سے اور اپنی ذات سے جاننے والا ہے نہ کہ صفتِ علم سے اور اپنی ذات سے دیکھنے والا ہے نہ کہ صفتِ بصر سے اور اپنی ذات سے سننے والا ہے نہ کہ صفتِ سمع سے اور اپنی ذات سے قادر ہے نہ کہ

---

[1] مبدأ و معاد، ص ۵۵

[2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۱

صفتِ قدرت سے اور اپنی ذات سے ارادہ کرنے والا ہے نہ کہ صفتِ ارادہ سے اور اپنی ذات سے متکلم ہے نہ کہ صفتِ کلام سے اور اپنی ذات سے کائنات کا مُوجِد ہے نہ کہ صفتِ تکوین سے۔"[1]

عقیدہ ۳۶ - اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی صفات کے واسطے سے ہے چنانچہ اِس معنی کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ تکوین قدرت کے سوا اور چیز ہے۔ قدرت میں فعل اور ترکِ فعل دونوں برابر ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے، نیز یہ فرق بھی ہے کہ قدرت ارادے پر مقدم ہوتی ہے اور تکوین ارادے کے بعد ہے۔ تکوین بظاہر بندوں کی استطاعت کے مشابہ ہے اسی لیے علمائے اہلِ حق نے اِس کو بندے کے فعل سے متصل رکھا ہے اور اِسے قدرت و ارادے کی صفت کے علاوہ سمجھا ہے۔ کیونکہ قدرت طرفین یعنی فعل اور ترکِ فعل کو برقرار رکھتی ہے جبکہ ارادہ ایک طرف کو ترجیح دینے والا ہے اور ترجیح و ارادہ کے بعد ایجاد کا تعلق تکوین سے ہے سو اگر قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین کی مصحح ہے تو جبر لازم آئے گا اور اگر تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد بے سہارا رہ جاتی ہے کیونکہ قدرت ایجاد کی مصحح ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے۔ پس تکوین کا اثبات کیے بغیر چارہ نہیں ہے اور علمائے ماتریدیہ کو اِس کی جانب رہنمائی حاصل ہوئی ہے۔ جبکہ اشاعرہ نے اِس کی نسبت اور تعلق کو بہت سی چیزوں کے ساتھ ہونے کے باعث اِسے صفاتِ اضافیہ سے شمار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حق دکھانے والا اور سیدھے راستے کی جانب رہنمائی کرنے والا ہے۔"[2]

عقیدہ ۳۷ - حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بالکل یگانہ ہے۔ اُس کی ذات و صفات مخلوق کی ذات و صفات سے بالکل مختلف ہیں اور اُن کے درمیان کسی قسم

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۶ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۶

کی مناسبت نہیں ہے۔ پس حق سبحانہ، تعالیٰ مثل یعنی مماثل موافق سے، نہ یعنی مماثل مخالف سے معبود ہونے، صانع ہونے اور واجب الوجود ہونے میں شریک نہیں رکھتا۔[1]

عقیدہ ۳۸۔ آیۂ کریمہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ میں حق تعالیٰ سبحانہٗ نے بلیغ انداز میں اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے۔ چونکہ اس آیت میں اپنی مثل کے مثل کی نفی فرمائی گئی ہے۔ حالانکہ مقصود تو صرف اپنی مثل کی نفی کرنا تھا مقصد یہ ہے کہ جب اُس کی مثال کا مثال بھی نہیں ہو سکتا تو خود اُس کی مثل بطریقِ اولیٰ ناممکن ہے۔ لہٰذا کنایہ کے طور پر اصل مثل کی نفی ہو گئی کیونکہ صریح کے مقابلے میں کنایہ بلیغ ترین اندازِ بیان ہے، جیسا کہ ماہرینِ بیان و ادب کے نزدیک ثابت ہے۔

اِس کے متصل ہی وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ فرمانے سے صفاتی مماثلت کی نفی فرمادینا مقصود ہے، جیسا کہ اِس سے پہلے مماثلت ذات کی نفی فرمائی گئی ہے۔ اِس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی حقیقت میں سمیع و بصیر ہے، کسی دوسرے کو سمع و بصر حاصل نہیں ہے۔ یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے کیونکہ مخلوقات میں صفات کی صورت تو پائی جاتی ہے۔ لیکن ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر علم ایک صفت ہے جس کے باعث انکشاف ہوتا ہے اور قدرت بھی ایک صفت ہے جس کے ذریعے افعال اور آثار صادر ہوتے ہیں۔ لیکن مخلوقات میں اِن صفات کا وجود نہیں پایا جاتا بلکہ حق سبحانہ، تعالیٰ اپنی کمال قدرت سے مخلوق میں انکشاف کو پیدا کر دیتا ہے بغیر اِس کے کہ انکشاف کا اصل چشمہ جو صفت علم ہے، وہ اُن کے اندر موجود ہو۔ اِسی طرح افعال کو بھی وہی اُن کے اندر سننے اور دیکھنے کو پیدا کرتا ہے بغیر اِس کے کہ خود اُن کے اندر سننے اور دیکھنے کی قوت موجود ہو

---

[1] معارفِ لدنیہ: ص ۲۷

اِسی طرح حِس اور حرکتِ ارادی وغیرہ قسم کے آثارِ حیات بھی اُن میں ظاہر ہو جاتے ہیں بغیر اِس کے کہ وہ خود حیات رکھتے ہوں۔ وہی مخلوقات میں کلام کو پیدا کرتا ہے بغیر اِس کے کہ قوتِ تکلم پیدا کرے۔ مختصر یہ کہ صفات کے آثار جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی وجہ سے اُن میں ظاہر ہو گئے ہیں محض اِن آثار کے پائے جانے کی وجہ سے اُن پر اِن صفات کا (مجازی طور پر) اطلاق کر دیا جاتا ہے، بغیر اِس کے کہ اُن کی صفات کی حقیقت اُن کے اندر متحقق ہو، حقیقت میں وہ چند بے حس و حرکت جمادات کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ آیۂ مبارکہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اِسی بات کی تصدیق کر رہی ہے،

یہ مبحث ایک مثال سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شعبدہ باز لکڑی کا کوئی ماڈل یا کاغذ پر کوئی تصویر بناتا ہے۔ وہ خود پسِ پردہ بیٹھ کر اُس صورت کو حرکت میں لاتا ہے اور عجیب و غریب حرکات اُس سے ظاہر کرتا ہے۔ سادہ لوح لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ تصویر اپنی قدرت و اختیار سے حرکتیں کر رہی ہے۔ چنانچہ بظاہر حرکات کا اُسی سے صدور اِس بات کا وہم پیدا کر دیتا ہے۔ کہ تصویر کو قدرت اور ارادے کی صفات حاصل ہیں حالانکہ حقیقت میں نہ اُسے قدرت حاصل ہے اور نہ وہ ارادے کی صفت سے متصف ہے۔ اِسی طرح یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی بھی رکھتی ہے کیونکہ اُس میں زندگی کے آثار جو نظر آتے ہیں۔ اِسی طرح یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ علم بھی رکھتی ہے۔ کیونکہ ارادہ تو علم ہی کے تابع ہے اور اگر بالفرض وہ شعبدہ باز اُس کا حال سامری کے بچھڑے جیسا ہوگا جس نے صفتِ تکلم سے متصف ہونے کے بغیر آواز نکالی تھی۔ لیکن جن حضرات کی چشمِ بصیرت دو بینی کے پردے کو چاک کر چکی ہوتی ہے وہ بخوبی دیتے اور جانتے ہیں کہ یہ تصویر محض ایک بے جان چیز ہے۔ ان میں سے کوئی ایک صفت بھی اِس حقیقت کے باوجود اُن افعال و حرکات کو تصویر کی جانب ہی منسوب کیا جاتا ہے اور بنانے والے کی طرف کوئی منسوب نہیں کرتا (یعنی عام بول چال میں) مثلاً

یہی کہتے ہیں کہ تصویر حرکت کر رہی ہے اور یوں نہیں کہتے کہ بنانے والا حرکت کر رہا ہے۔ کہ بنانے والا تو حرکات و افعال کا پیدا کرنے والا ہے۔

اس کے بعد یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ لذّت حاصل کرتا اور الم محسوس کرتا ہے، جیسا کہ بعض صوفیہ نے کہا ہے اور لذّت و الم کی ذاتِ باری تعالیٰ سبحانہٗ کی جانب نسبت کی ہے حاشا وکلاّ۔ اللہ تعالیٰ تو لذت و الم کا خالق ہے متلذذ و متالم ہرگز نہیں ہے۔

جب مخلوق سے صفات کی حقیقت منتفی ہو گئی تو ذات کی حقیقت بھی ان سے منتفی ہو گئی، کیونکہ ذات تو اسی کو کہتے ہیں جو خود بخود قائم ہو اور صفات اسی ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ ذات ہی ان صفات کے آثار کا سرچشمہ ہوا کرتی ہے، جبکہ مذکورہ بالا تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بغیر توسطِ صفات و ذات کے ان صفات کے آثار کا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ پس مخلوق کی ذات نہ ہوئی مگر ان آثار کے ایجاد کا محل۔ پس ذاتِ مخلوق کی حقیقت اس سے منتفی ہو گئی۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی ذات و صفات کی (حقیقت پر نہیں بلکہ) صورت پر پیدا فرمایا ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کا مثل ہے اور نہ اس کی صفات کا۔ پس ارشادِ باری تعالیٰ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ تنزیہ کا پورا کرنے والا اور نفی مماثلت کی تکمیل کرنے والا ہے۔ یہ تنزیہ کے منافی یا تشبیہ کو ثابت کرنے والا نہیں ہے، یعنی یہ معنی نہیں ہے کہ جو سمع و بصر مخلوق کے لیے ثابت ہیں اسی طرح کی اللہ تعالیٰ سبحانہٗ تعالیٰ کی سمع و بصر ہوں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو نہ سمع کی قوت حاصل ہے اور نہ بصر کی، بلکہ ان کا سننا اور دیکھنا صرف اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ مخلوق کی صفتِ سمع و بصر کے بغیر ان چیزوں کو مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف سمع و بصر ہی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ تمام صفات کی صورت یہی ہے۔ صرف ان دو کا ذکر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی نفی کر دینے سے کیونکہ یہ دونوں صفات بہت ظاہر اور مخلوق میں ان کا ثبوت واضح طور پر ہر نظر آتا ہے، باقی صفات کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانا جا سکتا ہے اور نہ اس کی صفات کو۔ آدمی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں عاجز ہے اسی طرح اس کی صفات کی معرفت میں بھی عاجز ہے۔ کہاں ایک مشتِ خاک اور کہاں رب الارباب ”[1]

عقیدہ ۳۹ - اہلِ حق وجودِ صفات کے قائل ہیں اور ان کے وجود کو ذات کے وجود پر زائد سمجھتے ہیں۔ وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو علم کے ساتھ عالم اور قدرت کے ساتھ قادر جانتے ہیں۔ وعلیٰ ھذا القیاس، جبکہ معتزلہ اور شیعہ اور حکماء صفات کی نفی کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو چیز صفات پر مترتب ہوتی ہے وہ خود ذات پر ہی مترتب ہوتی ہے۔ مثلاً مخلوقات میں انکشاف، صفتِ علم پر مترتب ہوتا ہے اور واجب تعالیٰ میں وہ اس انکشاف کو ذاتِ حق عز سلطانہٗ پر مترتب کہتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے ذات ہی علم کی حقیقت ہے اور اسی طرح قدرت اور تمام صفات کا حال ہے اور متاخرین صوفیہ میں سے بعض حضرات جو وحدت الوجود کے قائل ہیں نفی صفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور حکماء کے ساتھ متفق ہیں۔ ”[2]

عقیدہ ۴۰ - اس مسئلہ میں فقیر کا جداگانہ قول ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات ہی ان تمام امور میں جو صفات پر مترتب ہوتے ہیں، کافی ہے اس معنی میں نہیں جو علمائے معقول نے کہا ہے کہ انکشاف مثلاً صفتِ علم پر مترتب ہوتا ہے بلکہ اس معنی میں کہ ذاتِ حق عز سلطانہٗ اس انداز پر مکمل اور مستقل ہے کہ وہی سب کا کام کر لیتی ہے یعنی جو کام علم و دانش سے کرنا چاہیے ذاتِ حق عز سلطانہٗ، بغیر صفتِ علم کے وہ کام کر

---

[1] معارفِ لدنیہ، مطبوعہ کراچی، ص ۲۲ تا ۲۵

[2] معارفِ لدنیہ، ص ۲۳، ۲۴

لیتی ہے۔ ایسے ہی جو چیز صفتِ قدرت کی اثر اندازی سے ظہور پذیر ہوتی ہے، ذاتِ حق اُس چیز کے ظہور پذیر ہونے میں بغیر اُس صفت کے بھی کافی ہے۔

میں ایک مثال بیان کرتا ہوں جو جلدی سے سمجھ میں آجانے والی ہے کہ جو پتھر خود اپنے طبعی تقاضے سے اُوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے، اُن کی ذات ہی علم، قدرت اور ارادہ کا کام کر لیتی ہے بغیر اِس کے کہ اُس میں علم، قدرت اور ارادہ کی صفات پائی جائیں یعنی علم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نیچے کی جانب کو ترجیح دے اور حرکت مقتضائے قدرت ہے پس پتھر کی اپنی طبیعت خود اِن تینوں صفات کا کام بغیر اِن صفات کا لحاظ کیے ہوئے کر لیتی ہے۔

لہٰذا واجب تعالیٰ میں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی اُس کی ذات بھی تمام صفات کا کام کرتی ہے اور اِن اُمور کے مترتب ہونے میں وہ صفات کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن انکشاف، تاثیر اور تخصیص مثلاً علم، قدرت اور ارادہ کی صفت پر مترتب ہوتے ہیں۔ وہ وابستہ ہے علم کے ساتھ، نہ کہ ذات کے ساتھ۔ وہ مؤثر ہے قدرت کے ساتھ اور مختص ہے ارادہ کے ساتھ۔ اگرچہ بات تو یہ ہے کہ جو کچھ اُن صفات کے ذریعے کرنا چاہیے ذاتِ حق جلّ شانہٗ ہی اُس میں کافی ہے لیکن یہ معانی صفات پر ہی مترتب ہیں، ذات کو اِن معانی کے پائے جانے کے بغیر عالم، قادر اور صاحبِ ارادہ نہیں کہہ سکتے۔

مثال کے طور پر اُسی پتھر میں اگر علم، قدرت اور ارادہ کی صفات ایجاد کر دیں تو اُس پتھر کو صاحبِ علم، صاحبِ قدرت اور صاحبِ ارادہ کہہ سکتے ہیں لیکن اِن زائد معانی کے وجود کے بغیر وہ اُن صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوتا، اگرچہ وہ خود ہی ان صفات کا کام کر لیتا ہے۔ لیکن اِس میں شبہ نہیں کہ اُس میں اِن معانی کا وجود اُس کے کمال کا باعث ہے۔ لہٰذا واجب تعالیٰ میں بھی اگرچہ ذات عزّ سلطانہٗ ہی اُن تمام اشیاء میں جو صفات پر مترتب ہوتی ہیں، کافی ہے لیکن خود اِن معانیٔ کاملہ کے ثبوت میں صفات درکار

ہیں اور ذاتِ حق عزّ شانہ، اِن معانی کے پائے جانے سے صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہوجاتی ہے۔“ [1]

عقیدہ ۴۱ - قدرت اور ارادہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات پر زائد صفات ہیں۔ قدرت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے لیے عالم کی ایجاد (پیدا کرنا) بھی درست ہے۔ اور ایجادِ عالم کو چھوڑ دینا (پیدا نہ کرنا) بھی درست ہے۔ اِس ایجاد اور ترکِ ایجاد میں سے کوئی بھی حق تعالیٰ کی ذات پر لازم و ضروری نہیں ہے۔ تمام اہلِ مذاہب اس بات پر متفق ہیں۔“ [2]

عقیدہ ۴۱ - کلام جو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی صفت ہے، وہ بھی ازلی ہے اور ازل سے ابد تک وہ اُسی ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ کیونکہ گونگا ہونا یا خاموش ہونا تو اُس بارگاہ، جلّ ذکرہٗ کے لیے جائز نہیں اور وہی ایک کلام مختلف مواقع کے ساتھ تعلق ہونے کے باعث متعدد کمالات اور متعدد صیغوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ کبھی اُسے امر کہتے ہیں اور کبھی نہی، کبھی اُسے اسم کہا جاتا ہے اور کبھی حرف۔ وَعَلٰی هٰذَا الْقِیَاس۔“ [3]

عقیدہ ۴۲ - حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ یہ کلام ایسا ہے کہ اُس کے ٹکڑے اور اجزا نہیں کیے جا سکتے کیونکہ خاموشی اور گونگاپن اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ کیا عجب ہے کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن ہو کیونکہ اللہ سبحانہٗ کی ذات پر زمانہ جاری نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایک آنِ واحد میں ایک بسیط کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا ہے؟ اُس کلامِ واحد سے تعلقات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے کلام کی اِس قدر ہو تو اُس کا نام نہی ہو جاتا ہے اور اگر اخبار سے متعلق ہو تو خبر پیدا ہو جاتی ہے۔

---

[1] معارفِ لدنیہ، ص ۲۵ تا ۳۰ [2] ایضاً، ص ۲۹، ۳۰ [3] ایضاً، ص ۱۷

اِس ضمن میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ گزشتہ اور آئندہ زمانہ کے متعلق خبر دینا بہت سے لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے اور اُنھیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و تأخر مدلول کے تقدم و تأخر کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن یہ کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ماضی اور مستقبل دلالت کرنے والی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں جو اُس آن (ازل تا ابد) کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہو گئی ہیں لیکن مدلول کے مرتبہ میں چونکہ وہ آن خود اپنی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اُس میں پیدا نہیں ہوا لہٰذا اِس مرتبہ میں گذشتہ اور آئندہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ علمائے معقول (منطق اور فلسفہ نے کہا ہے کہ ایک ہی حقیقت کے لیے وجودِ خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجودِ ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں۔ جبکہ ایک ہی چیزیں وجود اور ہُویّت کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں۔ جبکہ ایک ہی چیزیں تو دال اور مدلول میں وجود حقیقت ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں بطریقِ اولیٰ جائز ہونا چاہیئے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی آن ہے تو یہ تعبیر کی تنگ دامانی کے باعث ہے ورنہ وہاں تو درحقیقت اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ زمانہ کے رنگ میں یہ آن بھی وہاں گراں ہے[لہ]

عقیدہ ۴۴ ۔ تکوین بھی واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقی صفات میں سے ایک مستقل صفت ہے۔ اشاعرہ تکوین کو صفاتِ اضافیہ سے شمار کرتے ہیں اور وہ قدرت و ارادہ ہی کو ایجادِ عالم کے لیے کافی سمجھتے ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ اُس میں فعل و ترک یعنی کسی کام کا کرنا اور چھوڑ دینا، یہ دونوں باتیں صحیح ہوں۔ اور ارادہ کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی اِن دونوں جہتوں یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو مخصوص اور متعین کر دیا جائے لہٰذا اِس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجے

[لہ] مبدأ و معاد، ص ۶۰

کی تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ اختیار کو مستلزم ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرنے والا ہے، اِس کی نفی کرنے والا نہیں ہے۔ اور صاحبِ فتوحات (علامہ ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ) کا کشف بھی حکما کی رائے کے موافق ہی واقع ہوا ہے وہ قدرت کے سلسلہ میں شرطیۂ اُولیٰ کو واجب الصدق سمجھتے ہیں اور ثانی کو ممتنع الصدق۔ یہ تو ایجاب کو تسلیم کر لینا ہوا۔ اِس کے نتیجہ میں ارادہ بالکل ہی بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ دو برابر کی جہتوں سے ایک کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا اور اگر صفتِ تکوین میں اس مضمونِ ایجاب کا اثبات کریں تو اِس کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ وہ اِس ایجاب کے شائبہ سے مبّرا اور پاک ہے۔

یہ فرق بہت دقیق ہے جس کو اِس سے پہلے بیان کرنے کی کم ہی سبقت کی ہے۔ علمائے ماتریدیہ نے بھی اگرچہ اِس صفت (یعنی تکوین) کا اثبات فرمایا ہے لیکن وہ بھی حدتِ نظر کے اِس مقام تک نہیں گئے۔ علمائے ماتریدیہ کو اتباعِ سنتِ سَنِیہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے ہی تمام متکلمین میں اِس معرفت کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے اور یہ حقیر بھی اُن اکابر ہی کے خوشہ چینوں سے ہے۔ ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی مُعْتَقَدَاتِہِمُ الْحَقَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّہَا وَاَکْمَلُہَا"[1]

رویتِ باری تعالیٰ

عقیدہ ۴۵ - حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ را مومناں در آخرت در بہشت خواہند دید،	آخرت میں ایمان والے اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے کیف و بے شبہ و بے مثال

---

[1] مبدأ و معاد، ص ۱۰۰، ۱۰۱

بے جہت و بے کیف و بے شبہ و بے مثال۔ مسئلہ الیست کہ جمیع فرقِ اہلِ ملت و غیر اہلِ سنت ہمہ منکر آنند در رویت، بے جہت و بے کیف را تجویز نمے نمایند[ملہ]

بہشت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اہلسنت وجماعت کے سوا تمام اہلِ ملت و غیر اہلِ ملت فرقے اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف دیدار کی تجویز کو درست نہیں سمجھتے۔

عقیدہ ۴۶۵۔ مومن اللہ تعالیٰ کو بہشت میں بے چون و بے چگون دیکھیں گے کیونکہ جو رویت بے چون سے متعلق ہے وہ خود بھی بے چون ہو گی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چون سے وافر حصہ پائے گا، تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔ بادشاہ کے عطیات کو اُسی کی سواریاں اُٹھا سکتی ہیں۔ آج اس معمہ کو اپنے اخص اولیاء پر حل کر دیا اور ان پر منکشف فرما دیا ہے۔ یہ دقیق مسئلہ اُن بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے لیے تقلیدی۔ اہلسنت و جماعت کے علاوہ دیگر فرق و مذاہب سے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، کوئی بھی اس مسئلہ کا قائل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رویت کو بزرگانِ اہلسنت وجماعت کے سوا سب محال سمجھتے ہیں اور اُن مخالفین کی دلیل غائب کا حاضر پر قیاس ہے، جس کا فساد ظاہر ہے۔ ایسے دقیق مسئلہ میں ایمان کا حصول سنتِ سَنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نورِ متابعت کے بغیر محال ہے۔

؎ لائقِ دولت نہ بود ہر سرے
بار مسیحا نہ کشد ہر خرے

عقیدہ ۴۷۔ دنیا میں رویتِ باری تعالیٰ واقع نہیں ہے۔ یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو دنیا میں رویت کا قائل ہو وہ مفتری ہے، اس نے خدا

[ملہ] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

کے سِوا کسی اور کو خدا سمجھ رکھا ہے۔ یہ دولت اگر دنیا میں میسر آسکتی تو حضرت کلیم اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام دوسروں کی نسبت اِس کے زیادہ حقدار تھے۔"[۵۱]

عقیدہ ۴۸ - آخرت میں رویت کا ہونا برحق ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ لیکن ہم اِس بات کے درپے نہیں ہوتے کہ اُس کی کیفیت کیا ہوگی، کیونکہ عوام کا فہم اُس کے ادراک سے قاصر ہے، اس وجہ سے نہیں کہ خواص بھی اِس کا ادراک نہیں کرسکتے، کیونکہ اُن کیلئے تو اِس دولت سے دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے اگرچہ اُس کا نام رویت نہیں رکھا جاتا اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔"[۵۲]

عقیدہ ۴۹ - آخرت میں ایمان والوں کو اللہ عزوجل کا دیدار ہونا حق ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ اہلسنت وجماعت کے علاوہ مسلمانوں کے باقی فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی بھی اِس کے جواز کا قائل نہیں ہے۔ اِس کے انکار کی وجہ غائب کو حاضر پر قیاس کرلینا ہے جو بہرحال غلط فاسد ہے۔ نظر آنے والی ہستی جبکہ بےچون اور بےچگون ہوگی اور جو رویت اُس سے متعلق ہوگی وہ بھی بےچون ہی ہوگی۔ پس اِسی پر ایمان لانا چاہیے اور کیفیت میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ قدرت نے اِس راز کو آج بھی خواص اولیاء پر ظاہر فرما دیا ہے۔ وہ مشاہدہ اگرچہ رویت نہیں ہے لیکن وہ رویت سے جُدا چیز بھی نہیں ہے جبکہ کیفیت یہ ہوتی ہے کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ کل تمام مومن حق سبحانہٗ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے، لیکن ادراک نہیں کرسکیں گے۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ۔

وہ صرف دُو چیزیں معلوم کرسکیں گے۔ ایک تو اِس بات کا یقینی علم کہ وہ دیکھ رہے ہیں اور دوسرے وہ لذت جو رویت پر مترتب ہوتی ہے۔ اِن دُو چیزوں کے علاوہ باقی جس قدر رویت کے لوازم ہیں وہ سارے مفقود ہوں گے۔ یہ مسئلہ مسائلِ کلام میں سب سے

---

[۵۱] ایضاً

[۵۲] مبدأ و معاد، ص ۴۷

باریک تر اور مشکل تر ہے۔ عقل کا اندازہ اسے ثابت کرنے اور اس کی صورت کشی کرنے سے عاجز ہے۔ جو علماء اور صوفیا انبیاء کی پیروی کرنے والے ہیں انھوں نے اپنے نورِ فراست سے، جو انوارِ نبوت ہی سے مقتبس ہے اِسے دریافت کر لیا ہے۔ ایسے ہی علم کلام کے اور بھی کئی مسائل ہیں جن کو ثابت کرنے سے عقل عاجز اور حیران رہ جاتی ہے۔ علمائے اہلسنت کو صرف نورِ فراست ہی حاصل ہے لیکن صوفیہ کو نورِ فراست کے ساتھ کشف و شہود بھی حاصل ہے[1]۔

عقیدہ ۵۰۔ آخرت میں اہلِ ایمان بہشت کے اندر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ حالانکہ بہشت اور غیر بہشت اللہ تعالیٰ کی نسبت کے لحاظ سے برابر اور سب اُس کی مخلوق ہیں۔ وہ تجلّی جو کوہِ طور پر پڑی تھی، حالیت اور محلیت کا خانہ تک نہیں رکھتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اِتنی بات ہے کہ بعض مقامات ظہور کی قابلیت رکھتے ہیں۔ جبکہ دوسرے مقامات میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ شیشہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے لیکن گھوڑوں کے نعل اس کی قابلیت نہیں رکھتے حالانکہ دونوں لوہے سے بنے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے ظاہر میں نہیں اور ظاہر کی نسبت سے سب مظاہر برابر ہیں، قابل ہوں یا ناقابل۔ اِسی طرح وہ الفاظ جو کلیت اور جزئیت کا وہم ڈالتے ہیں۔ یا جن سے حالیت اور محلیت کا شبہ ہوتا ہے، وہ سب ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں اور اُس بلند ذات کی بارگاہِ قدس کے لائق نہیں ہیں۔ عبارت کی تنگی کے باعث یہ الفاظ اختیار کیے گئے ہیں۔

ایں قاعدہ یاد دار کانجا کہ خدا است!
نے جزو نے کل نے ظرف نے مظروف است[2]

عقیدہ ۵۱۔ اہلِ ایمان کا اللہ تعالیٰ کو بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف اور بے احاطہ

---

[1] مبدأ و معاد، ص ۱، ۲،

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۱۱

دیکھنا برحق ہے۔ ہم آخرت کی رویت پر ایمان لاتے ہیں اور اُس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے، اِس لیے کہ اُس کی ذات بے چون ہے اور اربابِ چون پر اس دنیا میں اُس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی اور ایمان کے بغیر کسی کو ذات باری تعالیٰ کا دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ افسوس ہے فلاسفہ، معتزلا اور دوسرے تمام بدعتی فرقوں پر کہ وہ اپنی محرومی اور اندھے پن سے آخروی رویت کا انکار کرتے ہیں اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں اور اِس پر یقین کی دولت پر مشرف نہیں ہوتے۔“ [1]

مقامِ مصطفےٰ و شانِ انبیاء

عقیدہ ۵۲ - انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات خدا کی طرف سے مخلوق کے پاس بھیجے گئے تاکہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی جانب بلائیں اور گمراہی سے راہِ راست پر لائیں اور جو اُن کی دعوت کو قبول کرے اُسے بہشت کی خوشخبری دیں اور جو انکار کرے اُسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو کچھ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا ہے۔ اور جس کی تبلیغ فرمائی ہے وہ سب حق و صداقت پر مبنی ہے اور اُس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔“ [2]

عقیدہ ۵۳ - محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمام نبیوں کے خاتم اور آپ کا دین ادیانِ سابقہ کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب پہلی کتب سے بہترین ہے۔ آپ کی شریعت کا ناسخ کوئی نہیں ہوگا اور قیامت تک یہی شریعت رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نزول فرمائیں گے وہ بھی آپ کی شریعت ہی پر عمل کریں گے اور آپ کے اُمتی کی حیثیت میں رہیں گے۔“ [3]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[2] ایضاً

[3] ایضاً

عقیده ۵۴۔ باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگ خلق سائر افرادِ انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاءِ عنصری از نورِ حق جلّ وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام، خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ ودیگراں را ایں دولت میسّر نشدہ است“[1]

عقیده ۵۵۔ بکشفِ صریح معلوم گشتہ است کہ خلقتِ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ناشی ازیں امکان ست کہ بصفاتِ اضافیہ تعلق دارد نہ امکانے کہ در سائر ممکناتِ عالم کائن ست وہرچند بدقتِ نظر صحیفۂ ممکناتِ عالم را مطالعہ نمودہ می آید وجودِ آں سرور آنجا مشہود نمی گردد بلکہ منشاءِ خلقت وامکانِ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وجودِ صفاتِ

جاننا چاہیے کہ خلقِ محمدی دوسرے انسانی افراد کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی بھی فرد کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عنصری پیدائش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ، (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) دوسروں کو یہ دولت میسّر نہیں ہے۔

کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اُسی امکان سے نہیں جو تمام صفاتِ اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے، اُس امکان سے نہیں جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے اور جس قدر بھی دقتِ نظر سے ممکناتِ عالم میں صحیفے کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود اِس میں مشہود نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا منشا

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰

اضافیہ وامکانِ شانِ محسوس میگردد و چوں وجودِ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درعالمِ ممکنات نباشد بلکہ فوقِ ایں عالم باشد، ناچار اُو را سایہ نبود ونیز درعالمِ شہادت سایۂ شخص از شخص لطیف تراست وچوں لطیف ترے ازوے درعالم نباشد اُو را سایہ چہ صورت دارد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔"[1]

عقیدہ ۵۶ ۔ علمِ جبلی کہ از صفاتِ اضافیہ گشتہ است نوریست کہ درنشاۃِ عنصری بعد از انصباب از اصلاب با ارحام تشکّل بمقتضائے حکم ومصالح بصورتِ انسانی کہ احسنِ تقویم است ظہور نمودہ است ومسمّٰی بمحمد واحمد شدہ۔"[2]

عقیدہ ۵۷ ۔ محجوباں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را بشر گفتند و

اور آپ کا امکان صفاتِ اضافہ کا وجود اور اُن کا امکان محسوس ہوتا ہے ۔ جب آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام عالمِ ممکنات میں سے نہیں ہوں گے بلکہ اِس عالم سے اُوپر ہوں گے تو یقینی بات ہے کہ اُن کا سایہ اُس سے لطیف تر ہوتا ہے لیکن جب اُن سے لطیف تر اِس دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے تو اُن علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا سایہ کس صورت ہوتا ۔

علمِ جبلی جو کہ صفاتِ اضافیہ سے ہو گیا ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں اصلاب سے متعدد ارحام میں پہنچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں، جو بہترین شکل ہے، ظاہر ہوا اور وہی محمد واحمد کے نام سے موسوم ہوا ۔ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ

محرومی کا شکار ہونے والوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور باقی انسانوں

---

[1] ایضاً

[2] ایضاً

کی خوشخبری اِسم احمد سے دی ہے اور فرمایا ہے۔ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔

”اور وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ صرف حقیقتِ محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اِس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہی شان کا مبدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت زیادہ اتم ہے کیونکہ اُس مرتبہ میں آپ کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی کہ اور آپ کی تربیت سوحانیوں پر منحصر تھی اور اِس مرتبہ میں آپ کی دعوت خلق و امر دونوں کو شامل ہے اور آپ کی تربیت اجساد و ارواح پر مشتمل ہے۔“ [1]

عقیدہ ۵۹۔ حاصل کلام یہ کہ اِس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ، جن میں بشریت زیادہ غالب ہے، وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بشریت ظاہر کرنے کے لیے بڑی تاکید سے امر فرمایا ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ۔ لفظ مِثْلُكُمْ کا لانا تاکیدِ بشریت کے لیے ہے اور وجودِ عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب روحانیت غالب ہو گئی اور بشریت کی مناسبت گم ہو گئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا۔“ [2]

عقیدہ ۶۰۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ ابھی ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن سے فارغ نہ ہوئے کہ ہم نے اپنے دلوں

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۰۹ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۲۰۹

میں فرق محسوس کیا۔ یعنی ایمان شہودی ایمان غیبی سے بدل گیا تھا اور معاملہ آغوش سے گوش تک آپہنچا تھا۔ یعنی دیکھنے کی جگہ صرف سننے کی نوبت آگئی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے جب ہزار سال گزرے، جو لمبی مدت اور دور از زمانہ ہے تو جانب روحانیت اس طرح غالب ہوئی کہ اب بشریت کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتی کہ عالم خلق نے عالم امر کا رنگ اختیار کر لیا۔ پس ناچار حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عالم خلق سے جس چیز نے اپنی حقیقت کی طرف رجوع کی تھی، یعنی حقیقت محمدی عروج کر کے حقیقت احمدی سے لاحق ہوگئی اور حقیقت محمدی سے متحد ہوگئی“۔ [1]

عقیدہ ۶۱ - اس جگہ حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی سے مراد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خلق و امر کا تعین امکانی ہے نہ کہ تعین وجوبی، کیونکہ تعین امکانی تو اس کا ظل ہے۔ پس تعین وجوبی کے عروج کا کچھ معنی نہیں اور اس تعین کے ساتھ متحد ہونا معقول نہیں ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے اور اپنے مقام سے عروج فرما کر تبعیت کے طور پر حقیقت محمدی کے مقام میں پہنچیں گے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دین کو تقویت دیں گے“۔ [2]

عقیدہ ۶۲ - جاننا چاہئے کہ یہ عروج محمدی جو کہ صفات بشری کی نفی سے وابستہ ہے اگرچہ ان کے کاروبار کو بلند تر مقام پر لے گیا اور کمال کی بلند ترین چوٹی تک پہنچا دیا۔ اور ان کو غیر اور غیرت کی کشاکش سے آزاد کر دیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کا معاملہ تنگ ہو گیا اور آپ کا نور ہدایت جو کہ بشریت کی وجہ سے تھا وہ سب کم ہو گیا اور وہ توجہ جو ان عاجز لوگوں کے حال پر تھی، وہ کم ہو گئی

---

[1] ایضاً

[2] ایضاً

اور آپ پوری طرح قبلۂ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔"[۵۱]

عقیدہ ۶۳۔ اُس رعایا پر افسوس ہے جس کا بادشاہ اُس کے حال میں مشغول نہ ہو اور کُلّی طور پر اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر اور بدعت کے اندھیرے غالب آ چکے ہیں اور اسلام و سنت کا نور کم ہو چکا ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[۵۲]

عقیدہ ۶۴۔ لہٰذا حقیقتِ محمدی کُل ہو گی اور باقی تمام موجودات کے حقائق اُس کے اجزاء ہوں گے اور جو جماعت کہ اطاعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سعادت سے بہرہ مند ہو اور اتباع کے کمال تک رسائی پا چکی ہو اُسے بھی مناسبت اور متابعت کی وجہ سے ذاتی تجلّی سے کچھ حصّہ نصیب ہو جاتا ہے۔"[۵۳]

عقیدہ ۶۵۔ محبت شعار غیب مقابلِ شہود است کہ شائبۂ ظلیّت دارد و غیب ازیں شوب مبرا است۔ پس غیب از شہود اکمل باشد لیکن ہرگاہ سید البشر عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ در شبِ معراج بدولتِ رویت مشرف شدہ باشد کہ ماوراءِ سرادقاتِ ظلال است و از شوب و شائبۂ ظلیت اقدس است چہ در حقِ اُو عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ غیب اکمل از رویت بود۔ چہ اکتفا بہ غیب از برائے رفعِ

محبت شعارا غیب شہود کے مقابل ہے جو ظلیّت کا شائبہ رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش کے عیب سے پاک ہے۔ پس غیب شہود سے کامل و اکمل ہے لیکن سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والصلوٰۃ والسلام جب معراج کی رات رویتِ باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے، جو کہ ظلال کے پردوں سے دُور تھی بلکہ بہت ہی دُور تھی کہ وہ ظلیت کے شائبہ اور آمیزش سے بھی پاک ہے تو اُن کے حق میں غیب رویت سے کامل کب رہ

---

[۵۱] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۹۶ [۵۲] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۹۶۔
[۵۳] معارفِ لدنیہ، ص ۲۰۔

ظلمت بودہ بالکلیہ در عین حضور متیسر شود غیب چہ درکار بود۔ ایں دولت است کہ مخصوص بسید الکونین است عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ و کُمَّلِ تابعانِ اورا عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ از یں مقام بہ تبعیت و وراثت نیز نصیب است۔ چنانچہ رویت نیست شہود و مشاہدہ ہم نیست۔ ازاں مقام تعبیر بہ غیب بہترین عبارات است" [1]

گیا؟ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام غیب پر اکتفا تو صرف ظلمت کو رفع کرنے کے لیے تھا اور جب ظلمت پوری طرح رفع ہو گئی اور عین حضوری میسر آگئی تو غیب کی کیا ضرورت رہ گئی؟ یہ وہ متاعِ عزیز ہے جو صرف سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مخصوص ہے اور آپ کے کامل ترین پیروکاروں کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات لیکن چونکہ یہ مقام رویت نہیں ہے پس شہود و مشاہدہ بھی نہیں ہے۔ اس مقام کو لفظ غیب سے تعبیر کرنا بہترین عبارت ہے"

عقیدہ ۶۶ - ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اگر اس دولت (رویتِ باری تعالیٰ) سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا ہے بلکہ آپ بہشت میں گئے اور وہاں دیکھا کہ وہ عالمِ آخرت سے ہے۔ دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا سے باہر نکلے، آخرت سے ملحق ہوئے، تب دیکھا" [2]

عقیدہ ۶۷ - انبیاء وعلما علیہم الصلوات والتسلیمات کی شفاعت باذن اللہ قیامت کے روز اہلِ ایمان کے لیے ثابت ہے، پہلے انبیاء کی، پھر علماء کی، رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۸ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۶۷

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت اہلِ کبائر کے لیے ہے۔" [۵۱]

عقیدہ ۶۸۵ - لیکن اِتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ حالات (واقعاتِ معراج) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور رُوح دونوں کو پیش آئے تھے اور جو مشاہدات کیے تھے۔ وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہوئے تھے لیکن دوسرے لوگوں کو جو طفیلی ہیں اگر یہ حالت بطور تبعیت کے پیش آتی ہے تو وہ صرف رُوح تک ہی محدود رہتی ہے اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہُوا کرتی ہے۔" [۵۲]

عقیدہ ۶۹ - حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اولادِ آدم کے سردار اور آقا ہیں۔ اور قیامت کے دِن سب سے زیادہ تعداد آپ کے پیروؤں کی ہو گی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولین و آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ بروزِ حشر آپ سب سے پہلے قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے۔ آپ ہی سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی شفاعت ہی قبول ہو گی۔ سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور آپ کے لیے دروازہ کھولا جائے گا۔ قیامت کے روز حمد کا جھنڈا آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگا اور اُسی جھنڈے کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیائے کرام علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات اور تمام لوگ ہوں گے۔ آپ ہی کی وہ مبارک ہستی ہے جس کے بارے میں آپ نے خود فرمایا ہے کہ ہم سب کے بعد آنے والے ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا، میں بغیر کسی فخر کے کہتا ہُوں کہ میں اللہ کا حبیب ہُوں، میں رسولوں کا امام و پیشوا ہُوں اور مجھے اِس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ میں خاتم النبیین ہُوں اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں ہے۔ میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہُوں خداوند تعالیٰ

---

[۵۱] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ سوم، مکتوب ۱۷ [۵۲] مبدأ و معاد، ص ۶۹

آسمانی کتابیں

اللہ جل مجدہٗ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے انبیاء پر مختلف کتابیں نازل فرمائیں جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے بعض بزرگ نے لکھا ہے کہ کل آسمانی کتابوں کی گنتی ایک سو چار ہے۔ ایک سو صحیفے مختلف انبیائے کرام پر نازل ہوئے اور چار بڑی کتابیں نازل ہوئیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ توریت۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔
۲۔ زبور۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مرحمت فرمائی گئی تھی۔
۳۔ انجیل۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی گئی تھی۔
۴۔ قرآن مجید۔ یہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

مذکورہ چاروں کتابوں کا قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر ذکر آتا ہے۔ صحائف کا بھی ذکر ہوا ہے، مثلاً ایک مقام پر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں کا یوں فرمایا گیا:۔

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ۝ [1]	بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

زبور کا اللہ جل مجدہٗ نے یوں ذکر فرمایا ہے:۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ	بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی جیسی وحی نوح اور اُس کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل

---

[1] پارہ ۳۰، سورۂ الاعلیٰ، آیت ۱۸، ۱۹

وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ [۵۱]	اور اسحاق اور یعقوب ۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے زبور کا تذکرہ یوں فرمایا ہے :۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا [۵۲]	اور بیشک ہم نے نبیوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت مرحمت فرمائی تھی، جس کا ذکر یوں فرمایا گیا :۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ ۔ [۵۳]	اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے ۔

کتاب الٰہی ہونے کے باعث توریت میں ہدایت اور نور ہونے کا قرآن کریم نے یوں اعلان فرمایا ہے :۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ ۚ یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ وَکَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ ۔ [۵۴]	بیشک ہم نے توریت اتاری، اس میں ہدایت اور نور ہے، اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ تھے ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی گئی تھی، جس کا قرآن کریم نے یوں ذکر کیا ہے ۔

وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ	اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے اُن کے قدم

---

[۵۱] پارہ ۶، سورۂ النساء آیت ۱۶۳

[۵۲] پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۵۵

[۵۳] پارہ پہلا، سورۂ البقرہ، آیت ۸۷

[۵۴] پارہ ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۴۴ ۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ [1]

پر عیسیٰ بن مریم کو لائے، تصدیق کرتا ہوا توریت کی، جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی، جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اور تصدیق فرماتی ہے توریت کی کہ اس سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو۔

قرآنِ کریم، توریت اور انجیل کا یوں بھی مشترکہ ذکر فرمایا گیا ہے:۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ [2]

اس نے تم پر یہ سچی کتاب اتاری، اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور اس نے اس سے پہلے توریت اور انجیل اتاری، لوگوں کو راہ دکھاتی اور فیصلہ اتارا۔ بیشک وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے، اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے۔

اور اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا:۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ [3]

وہ بلند رتبہ کتاب، کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا کہ میرا نام قرآنِ مجید ہے اور میں لوحِ محفوظ میں بھی موجود ہوں:۔

---

[1] پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۴۶

[2] پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳، ۴

[3] پارہ پہلا سورۂ البقرہ، آیت ۲

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ [1]

بلکہ کمال شرف والا قرآن ہے، لوحِ محفوظ میں۔

قرآن مجید نے بتایا کہ میرا نام قرآنِ کریم بھی ہے اور مجھے رب العالمین نے نازل فرمایا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ [2]

بیشک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں، اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ اُتارا ہے سارے جہان کے رب کا۔

قرآن کریم کو آہستہ آہستہ نازل کیا گیا تھا جیسا کہ اس نے خود بیان فرمایا ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ [3]

بیشک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اُتارا۔

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ رمضان شریف کے مقدس مہینے میں نازل ہوا تھا:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۝ [4]

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا، لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ میں مبارک رات میں نازل ہوا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ [5]

قسم اس روشن کتاب کی، بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اُتارا، بیشک ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام۔

قرآنِ کریم نے مذکورہ رات کو نشاندہی کرکے اس کے فضائل یوں بیان فرمائے ہیں:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ

بیشک ہم نے اسے شبِ قدر میں اُتارا اور

---

[1] پارہ ۳۰، سورۂ البروج، آیت ۲۱، ۲۲

[2] پارہ ۲۷، سورۂ الواقعہ، آیت ۷۷ تا ۸۰

[3] پارہ ۲۹، سورۂ الدھر، آیت ۲۳

[4] پارہ ۲، سورۂ البقرہ، آیت ۱۸۵

[5] پارہ ۲۵، سورۂ الدخان، آیت ۲ تا ۴

أدرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ [1]	تم نے کیا جانا کہ کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے۔ وہ سلامتی ہے صبح چمکنے (طلوع ہونے) تک۔

قرآنِ کریم نے بتایا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ [2]	بیشک ہم نے اِس قرآن کو عربی میں اتارا تاکہ تم سمجھو۔

دوسرے مقام پر اسی امر کا یوں ذکر فرمایا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَنزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ [3]	اور اسی طرح ہم نے اِسے عربی قرآن اتارا اور اس میں طرح طرح سے عذاب کے وعدے دیئے کہ کہیں انھیں ڈر ہو یا اُن کے دل میں کچھ سوچ پیدا کرے۔

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ وہ نبی آخرالزمان سیدنا محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے عربی میں نازل ہوا تھا۔

وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ [4]	اور بیشک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے، اسے روح الامین (حضرت جبریل) لیکر اترا، تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ، روشن عربی زبان میں اور بیشک اس کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے۔

---

[1] پارہ ۳۰، سورۂ القدر، آیت ۱ تا ۵

[2] پارہ ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۲

[3] پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۳

[4] پارہ ۱۹، سورۂ الشعراء، آیت ۱۹۲ تا ۱۹۶

قرآن کریم نے علی الاعلان بتایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝[1]

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اُتارا گیا اور وہی اُن کے رب کے پاس سے حق ہے۔ اللہ نے اُن کی بُرائیاں دُور کر دیں اور اُن کی حالت سنوار دی۔

اللہ جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں اعلان کروایا۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۔[2]

اور میری طرف اِس قرآن کی وحی ہوئی کہ میں اِس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اِس سرمایۂ زندگی پر اظہار مسرت کیا کریں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝[3]

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کی صحت اور ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت۔ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ اُن کی سب دھن دولت سے بہتر ہے۔

---

[1] پارہ ۲۶، سورۂ محمد، آیت ۲

[2] پارہ ۷، سورۂ الانعام، آیت ۱۹

[3] پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۵۷، ۵۸

دوسرے مقام پر قرآن کریم کے شفا اور رحمت ہونے کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے:۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝[1]	اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے

قرآن کریم نے بتایا کہ اسے نصیحت کے لیے نازل فرمایا گیا ہے:۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝[2]	ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔ ہاں یہ اس کو نصیحت ہے جو ڈر رکھتا ہو۔ یہ اس کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ جس پر قرآن نازل ہوا وہ ساری کائنات کا نبی ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝[3]	بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن، اپنے بندے پر، جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہے۔

قرآن کریم نے بتایا کہ جہاں وہ مسلمان کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔ وہاں اس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے:۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝[4]	اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔

---

[1] پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۲

[2] پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۲ تا ۴

[3] پارہ ۱۸، سورۂ الفرقان، آیت پہلی

[4] پارہ ۱۴، سورۂ النحل، آیت ۸۹

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ اس میں ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔ ہمیں اگر تفصیلی بیانات نظر نہیں آتے تو یہ ہماری اپنی نظر کی کوتاہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنی تفصیلات کا انکار کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی اور کونسی حکمتوں کا عقل احاطہ کر لیتی ہے جو اس کی تفصیلات کو دیکھ پائے۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے جس مدنی سرکار کے بارے میں بتایا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ (رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا) اس صاحبِ قرآن کے علومِ عظیمہ، کثیرہ، وافرہ، متکثرہ، مختفقہ کا اندازہ بھلا کون کر سکتا ہے۔ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ:۔

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝[1]

یہ (قرآن) کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔

قرآنِ کریم نے یہ بھی بیان فرمادیا گیا کہ اس کی بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہات۔ نیز یہ بھی وضاحت فرمادی کہ وہ کون لوگ ہیں جو متشابہات سے محکم آیات کی طرح استدلال کرتے اور تاویلیں ڈھونڈتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب (قرآنِ کریم) اتاری۔ اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں اور دوسری وہ جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے

---

[1] پارہ ۱۳، سورۂ الرعد، آیت ۱۱۱

الرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ
کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ۝[1]

اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ
مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝[2]

تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

قرآنِ کریم نے اپنے مخالفین کو برملا چیلنج کیا ہے کہ اگر ان کے نزدیک یہ کلامِ الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا اپنا ہی گھڑا ہوا کلام ہے تو وہ بھی ایسی دس سورتیں گھڑ کر لے آئیں، پیش تو کریں، کیونکہ انسان کے کلام کی مثل لے آنا ناممکن نہیں ہے، علاوہ بریں تمہیں تو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز بھی ہے۔ سب مل کر اس کی مثل لے آؤ:۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ
سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝[3]

کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسے، (قرآنِ کریم کو) جی سے بنا لیا۔ تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جو مل سکیں سب کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

---

[1] پارہ ٣، سورۂ آلِ عمران، آیت ٧

[2] پارہ ٥، سورۂ النساء، آیت ٨٢

[3] پارہ پہلا، سورۂ البقرہ، آیت ٢٣

قرآنِ کریم نے دوسرے مقام پر اِسی اعلان کو یُوں دُہرایا ہے:۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ [1]	اگر تمہیں کچھ شک ہو، اُس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اُتارا، تو اِس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سِوا اپنے سب حمایتیوں کو بُلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآنِ کریم نے علی الاعلان بتا دیا کہ ساری کائنات مِل کر بھی اُس کی مثل نہیں بنا سکتی:۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ [2]	(اے محبوب) تم فرماؤ، اگر آدمی اور جن سب اِس بات پر متفق ہو جائیں کہ اِس قرآن کی مانند (کلام) لے آئیں تو اِس کا مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ اُن میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

قرآنِ کریم نے اپنے متعلق اور دیگر آسمانی کتابوں کے بارے میں اور بھی بہت سے گوشے اجاگر کیے ہیں۔ حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اِس سلسلے میں ضمناً بعض عقائد کا ذکر فرمایا ہے۔ اُن میں سے بعض باتیں قارئینِ کرام کی خدمت میں یہاں پیش کر دیتا ہوں:۔

عقیدہ ۷۰۰۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حروف اور آواز کے لباس میں آیا ہے۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے اور اِس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے ہم اپنے کلام کو حلق اور زبان کے ذریعے حروف اور آواز کا لباس پہنا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد کو میدانِ

---

[1] پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۳۸

[2] پارہ پہلا، سورۂ البقرہ، آیت ۲۳

ظہور میں لاتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے کلام نفسی کو حلق اور زبان کے بغیر اپنی قدرتِ کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس پہنا کر بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اپنے مخفی اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لا کر منصۂ شہود پر جلوہ گر فرما دیا ہے پس نفسی اور لفظی دونوں قسم کا کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور کلام کا اطلاق ان دونوں قسموں پر بطریقِ حقیقت ہوتا ہے، جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام یعنی نفسی اور لفظی بطریقِ حقیقت دونوں ہمارے ہی کلام شمار ہوں گے۔ بات یوں نہیں کہ پہلی قسم حقیقت ہو اور دوسری قسم مجاز۔ یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ مجاز کی نفی جائز ہے جبکہ کلام لفظی کی نفی کرنا اور اُسے خدا کا کلام نہ کہنا کفر ہے۔"[1]

عقیدہ ۷۱۔ تاویل متشابہات کا علم اُن معاملات سے کنایات ہیں جو رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور اُمتیوں میں سے بہت ہی قلیل افراد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے حصہ عطا کرتے ہیں اور اس دنیا میں اُن اُمتیوں پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا صرف نقاب اُٹھاتے ہیں۔ لیکن اُمید ہے کہ آخرت میں ایک بہت بڑا گروہ تبعیت کے طور پر اُمتیوں میں سے اس دولت سے مشرف کریں لیکن حقیقتِ معاملہ کا علم عطا نہیں کرتے اور تاویل کو منکشف نہیں فرماتے۔ بالجملہ جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل اُن بعض کو حاصل ہو، لیکن نہیں جانتا کہ کیا حاصل ہے، کیونکہ متشابہات جو معاملات سے اشارات و کنایات ہیں، روا ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو اور اُس معاملہ سے علم حاصل نہ ہو۔ فقیر نے اس معنی کا اپنے خادموں سے بھی مشاہدہ کیا ہے اور دوسروں کی یہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے۔"[2]

عقیدہ ۷۲۔ اس فقیر پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ الفاظِ قرب اور معیت اور احاطہ حق تعالیٰ

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۲۵

سجانہ، کے لیے جو قرآنِ مجید میں واقع ہوئے ہیں۔ منجملہ متشابہات قرآنی کے ہیں، جیسا کہ لفظ ید اور وجہ وغیرہ ہیں اور یہی حال اوّل وآخر وظاہر و باطن اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے۔ لہٰذا ہم حق تعالیٰ سبحانہ، کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ قرب کیا چیز ہے۔ اسی طرح ہم اُسے اوّل کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ یہاں اوّل سے کیا مراد ہے اور قرب و اولیّت کے جو معنی ہمارے علم و فہم کے احاطہ میں آتے ہیں، حق تعالیٰ سبحانہ، اُس سے منزّہ اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف اور مشاہدہ میں سما سکتا ہے۔ حق تعالیٰ اُس سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے۔

حق تعالیٰ کے قرب اور معیّت کی جس کیفیت اور بعض خود ساختہ صوفیوں نے کشف کے طور پر دریافت کیا ہے۔ اور وہ اُسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہ، کو قریب اور ساتھ سمجھتے ہیں، وہ مستحسن نہیں ہے۔ انھوں نے فرقہ مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھ دیا ہے۔ تاویل میں فرمایا ہے یعنی قرب سے مراد علمی قرب لے لیا ہے، تو وہ اُسی طرح پر ہے جیسے انھوں نے ید کی تاویل قدرت سے کی ہے اور وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے۔ یہ اُن لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور ہم تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق تعالیٰ سبحانہ، کے علم کے حوالے کر دیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"[1]

عقیدہ ۴۳۔ وہ کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیائے کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوات و التسلیمات پر نازل فرمائے گئے تھے، وہ سب بھی خدا کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآنِ کریم، دیگر کتبِ سابقہ اور صحیفوں میں درج ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں کہ اپنے وقت کے مطابق بندوں کو اُن پر عمل کرنے کا مکلّف ٹھہرایا گیا تھا"[2]

عـه مجسمہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتا ہے۔ اختر

[1] مبدأ و معاد: ص ۶۱، ۶۲

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷

فرشتے

یہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق اور تعداد میں ہر مخلوق سے زیادہ ہیں۔ یہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحلیل اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے فرمانبردار بندے ہیں کہ اِن کی فرمانبرداری ہر قسم کے شک شبہ سے بالاتر ہے۔ قرآنِ کریم نے اِن کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔ اِن کی عبادت گزاری کا ذکر یوں فرمایا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ [1]	بیشک وہ (فرشتے) جو تیرے رب کے پاس ہیں، اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اُس کی پاکی بولتے اور اُسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ ہر مخلوق ارضی ہو یا سماوی وہ بارگاہِ خداوندی میں سجود عبودیت پیش کرتی ہے اگرچہ ہمیں اس امر کا شعور نہیں ہوتا اور فرشتے بھی سجدے کرنے احکامِ خداوندی کی تکمیل کرتے رہتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ [2]	اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے اور فرشتے اور وہ غرور نہیں کرتے اپنے اُوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں جو انھیں حکم ہو۔

فرشتوں کے پر بھی ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں بتایا ہے۔

---

[1] پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت ۲۰۶ [2] پارہ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۴۹، ۵۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ؎۱

سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، فرشتوں کو رسول کرنے والا، جن کے دو دو، تین تین، چار چار پر ہیں۔ بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ فرشتے مؤنث نہیں ہیں۔ چونکہ اس مخلوق میں سرے سے تذکیر و تانیث کا مسئلہ ہے ہی نہیں، لہٰذا انھیں مؤنث بتانا نری جہالت ہے۔ ہاں احتراماً ان کے لیے مذکر کے صیغے استعمال کرنے چاہییں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ ؎۲

بیشک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، فرشتوں کا نام عورتوں جیسا رکھتے ہیں اور انھیں اس کا کوئی علم نہیں وہ تو نرے گمان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں (یعنی یہ ان کے عقلی ڈھکوسلے ہیں) اور بیشک گمان یقین کی جگہ کچھ کام نہیں دیتا۔

جملہ فرشتوں کے سردار چار حضرات ہیں۔ (۱) جبرئیل (۲) میکائیل (۳) اسرافیل (۴) عزرائیل علیہم السلام۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام مذکورہ چاروں حضرات میں سب سے مقرب ہیں۔ یہ انبیائے کرام پر وحی لانے کے لیے مامور رہتے اور ان کا یہ کام نزول قرآن کریم کے بعد پورا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد نہ وہ کسی پر وحی لے کر آئے اور نہ تا قیامت کسی پر وحی آئے گی۔ علاوہ بریں لشکروں کو فتح و شکست دینا اور ہواؤں کا چلانا بھی

؎۱ پارہ ۲۲، سورۂ فاطر آیت پہلی

؎۲ پارہ ۲۷، سورۂ النجم آیت ۲۷، ۲۸

ان کے سپرد ہے۔ میکائیل علیہ السلام روزی کا بندوبست کرنے اور بارش برسانے پر متعین ہیں۔ اسرافیل علیہ السلام صُور لے کر کھڑے ہیں کہ جب بھی باری تعالیٰ کی جانب سے حکم ہو تو قیامت کا بگل بجا دیا جائے، تاکہ سب کچھ فنا ہو جائے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوسری مرتبہ صُور میں پھونکیں گے تو مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ عزرائیل علیہ السلام رُوح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ ان کے علاوہ رضوان فرشتہ جنت کا انچارج ہے اور مالک دوزخ کا۔ رعد فرشتہ بادلوں پر متعین ہے۔ حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے دشمنوں کے بارے میں اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا ہے :۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ [1]	جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اُس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا، تو اللہ دشمن ہے۔ کافروں کا۔

قرآن کریم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی شان یوں بیان فرمائی ہے :۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ [2]	بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور، عزت والا، مطاع اور امانت دار ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پھونک مارنے سے پیدا ہوئے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا ،	اور کتاب میں مریم کو یاد کر جب اپنے گھر والوں سے مشرق کی جانب ایک جگہ الگ گئی تو اُن سے اُدھر ایک پردہ کر لیا۔ تو

---

[1] پارہ پہلا، سورۂ البقرہ، آیت ۹۸

[2] پارہ ۳۰، سورۂ التکویر، آیت ۱۵ تا ۲۱

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ہ قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ہ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ہ [1]

اُس کی طرف ہم نے اپنا روحانی (حضرت جبریل) بھیجا۔ وہ اُس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے رُوپ میں ظاہر ہُوا۔ بولی میں تجھ سے رحمٰن (خدا) کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تجھے خدا کا ڈر ہے۔ بولا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہُوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت ہیں۔ اُن کا قرآنِ کریم نے یُوں ذکر فرمایا ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ [2]

تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ، جو تم پر مقرر ہے۔ پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔

کافر کی جان کو فرشتے سختی سے نکالتے ہیں اور اُسے جان کنی کے وقت عذاب کی وعید سناتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰئِكَةُ بَاسِطُوْا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ہ [3]

اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تمہیں ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا، بدلہ اُس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اُس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

---

[1] پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۱۹ [2] پارہ ۲۱، سورہ السجدہ، آیت ۱۱

[3] پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۹۳

احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ ہر آدمی کے کندھوں پر دو فرشتے بیٹھے ہوتے ہیں۔ دائیں کندھے والا فرشتہ نیکیاں لکھنے پر مامور ہے اور بائیں کندھے والا اُس آدمی کی برائیاں اور گناہوں کو لکھا کرتا ہے اور ہر آدمی کی نیکیوں اور بدیوں کی یہ فہرست روزانہ مرتب ہوتی رہتی حتیٰ کہ پوری عمر کے اچھے برے کاموں کی جنرل فہرست بارگاہِ خداوندی میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ اِس مکمل فہرست کو اعمال نامہ کہتے ہیں۔ جو قیامت کے روز ہر شخص کو اُس کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے یوں اِن کا ذکر فرمایا ہے:۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ۝ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ۝ [1]	جب اُس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں۔ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اُس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

کراماً کاتبین کا قرآن کریم نے اِن لفظوں میں بھی ذکر فرمایا ہے:۔

وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ [2]	اور بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں، معزز لکھنے والے، وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انسان کی نگرانی پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ [3]	آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں، اُس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

---

[1] پارہ ۲۶، سورۃ ق، آیت ۱۷، ۱۸

[2] پارہ ۳۰، سورۃ الانفطار، آیت ۱۰ تا ۱۲

[3] پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۱۱

فرشتے تسبیح وتحلیل کے ساتھ اہلِ زمین کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں:-

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ؎۱

قریب ہوتا ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے شق ہو جائیں اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بولتے اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں۔ سُن لو بیشک اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ دوزخ کے انچارج فرشتے کا نام مالک ہے:-

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ؎۲

بیشک مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ کبھی اُن پر ہلکا نہ پڑے گا اور وہ اُس میں نا امید رہیں گے اور ہم نے اُن پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمیں تمام کر چکے۔ وہ فرمائے گا، تمہیں تو ٹھہرنا ہے۔

کافروں کو دوزخ کا عذاب دینے کے لیے سخت فرشتے مقرر ہیں، جو احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ، جس کے

؎۱ پارہ ۲۵، سورۂ الشوریٰ، آیت ۵

؎۲ پارہ ۲۵، سورۂ الزخرف، آیت ۷۴ تا ۷۷

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝[1]

ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت کرّے فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں[1]

قرآن کریم نے بتایا کہ دوزخ پر انیس ۱۹ فرشتوں کی ڈیوٹی ہے

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۝ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ۝[2]

اس (دوزخ) پر انیس داروغہ ہیں اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کیے مگر فرشتے اور ہم نے یہ گنتی نہ رکھی مگر کافروں کی آزمائش کو، اس لیے کہ کتاب والوں کو یقین آئے اور ایمان والوں ایمان بڑھے اور کتاب والوں اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ رہے اور دل کے روگی اور کافر کہیں کہ اس اچنبھے کی بات سے اللہ کا کیا مطلب ہے، یونہی اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تو نہیں مگر آدمی کے لیے نصیحت۔

کچھ فرشتے حاملین عرش ہیں جو اہلِ زمین کے حق میں یوں دعائیں کرتے رہتے ہیں:-

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

وہ (فرشتے) جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے

---

[1] پارہ ۲۸، سورۃ التحریم

[2] پارہ ۲۹، سورۃ المدثر، آیت ۳۰/ ۳۱

يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ
كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا
وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝
رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْ
تَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۚ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ
يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ [1]

ساتھ اُس کی پاکی بولتے اور اُس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اے رب ہمارے تیرے رحمت و علم میں ہر چیز کی سمائی ہے، تو اُنہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور اُنہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے اے ہمارے رب! اور اُنہیں بسنے کے باغوں میں داخل کر، جن کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے اور اُن کو جو نیک ہوں اور اُن کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں۔ بیشک تو ہی عزت و حکمت والا ہے۔ اور اُنہیں گناہوں کی شامت سے بچا لے اور جس تو اُس روز گناہوں کی شامت سے بچائے تو بیشک تو نے اُس پر رحم فرمایا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے بعض امور کا اپنے مکتوباتِ عالیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ قارئینِ کرام کی خدمت میں ایسی دو عبارتیں مکتوباتِ امام ربانی سے پیش کی جاتی ہیں ؎

عقیدہ ۴۷۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رسالت اور

---

[1] پارہ ۲۴، سورۃ المومن، آیت ۷ تا ۹

تبلیغ سے مشرف ہیں۔ اُن کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کرتے ہیں۔ خدا کی نافرمانی کرنا اُن کے حق میں مفقود ہے۔ اُنھیں خوراک اور پوشاک کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میاں بیوی کے تعلق سے دُور اور توالد و تناسل سے مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے اِن کے ذریعے ہی نازل ہوئے۔ یہ امانت اِن کے ذریعے محفوظ و مامون رہی۔ فرشتوں پر ایمان لانا ضروریاتِ دین سے ہے اور اِن کو سچا جاننا اسلام کے واجبات سے ہے۔[1]

عقیدہ ۵۷۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں۔ حکمِ خدا کی نافرمانی اُن کے حق میں جائز نہیں ہے۔ اُنھیں جو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تکمیل کرتے ہیں۔ وہ عورت و مرد ہونے سے پاک ہیں۔ اُن میں توالد و تناسل بھی نہیں ہے۔ اُن میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے پیغامبری کے لیے منتخب فرمایا ہے یعنی وحی پہنچانے پر مامور کیا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کتابیں اور صحیفے پہنچانے والے یہی ہیں۔ یہ خطا اور خلل سے محفوظ اور دشمن کے مکروفریب سے مامون ہیں۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام پہنچائے، سب حق اور درست ہیں، اِس امر میں احتمال اور اشتباہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔ یہ بزرگوار اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور تعمیلِ حکم کے سوا اِن کا اور کوئی کام نہیں۔"[2]

برزخ و آخرت اور جنّت و دوزخ

پیدائش سے موت تک کے عرصے کو دنیاوی زندگی کہتے ہیں۔ مرنے سے لے کر قیامت تک کی زندگی کو برزخی زندگی کے نام سے پکارا جاتا ہے اور قیامت کے بعد جو ہمیشہ کی زندگی ہے اُسے حیاتِ اُخروی کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے برزخی زندگی کا

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب، ۱ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب، ۶

مختلف مقامات پر ذکر فرمایا ہے، مثلاً ایک جگہ یوں ذکر کیا ہے:-

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ [1]	یہاں تک کہ جب ہیں کسی کو موت آئے تو کہتا ہے کہ اے رب مجھے واپس پھیر دیجیے، شاید اب میں بھلائی کماؤں، اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ (برزخ) ہے، اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے۔

قرآنِ کریم نے برزخی زندگی میں عذاب و ثواب کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ اس زندگی کے عذاب کو عموماً عذابِ قبر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے آلِ فرعون کے اسی عذاب کے بارے میں فرمایا ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ [2]	آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، حکم ہوگا، فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو۔

مرنے کے بعد کفار کی روح آسمان پر نہیں جاتی جیسا کہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰي يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ	وہ جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا، ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں اور

---

[1] پارہ ۱۸، سورۂ المومنون، آیت ۹۹، ۱۰۰

[2] پارہ ۲۴، سورۂ المومن، آیت ۴۶

سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ [1]

نہ وہ جنت میں داخل ہوں جب تک سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل نہ ہو۔ اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

علاماتِ قیامت

یوں تو قیامت کی بہت سی نشانیاں احادیث میں بتائی گئی ہیں، جن میں سے یاجوج ماجوج کا نکلنا بھی ہے۔ قرآنِ کریم نے اِن کا ذکر یوں فرمایا ہے:۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ [2]

یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہونگے۔

قیامت کی نشانیوں میں دابتہ الارض بھی ہے۔ اِس کا ذکر قرآنِ کریم نے یوں فرمایا ہے:۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ [3]

اور جب بات آپڑے گی ہم زمین سے اُن کے لیے ایک چوپایہ (دابتہ الارض) نکالیں گے، جو لوگوں سے کلام کرے گا، اِس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہ لاتے تھے۔

قیامت کے نزدیک آسمان سے دھواں ظاہر ہوگا جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے:۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ يَوْمَ

بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں، تو تم

---

[1] پارہ ۸، سورۃ الاعراف، آیت ۴۰

[2] پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۹۶

[3] پارہ ۲۰، سورۃ النمل، آیت ۸۲۔

تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ۙ یَّغْشَی النَّاسَ ؕ ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ؎۱

اُس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا کہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ ہے دردناک عذاب۔

قیامت کی نشانیوں کے بارے میں قرآن کریم نے یہ اعلان بھی فرمایا ہے:-

فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ؎۲

تو کس کے انتظار میں ہیں، مگر قیامت کے کہ اُن پر اچانک آجائے حالانکہ اُس کی نشانیاں تو آ ہی چکی ہیں۔

نفخ صُور

حضرت اسرافیل علیہ السلام صُور پھونکنے کے لیے تیار کھڑے ہیں کہ جب پروردگار عالم کا حکم ہو، تو فوراً اُسے بجا دیں۔ صُور سے اتنی کرخت آواز نکلے گی کہ تمام چیزیں تباہ و برباد ہو جائیں گی۔ قرآن کریم نے بتایا ہے:-

وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ؎۳

اور جس دن پھونکا جائے گا صُور تو گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں اور مگر جسے خدا چاہے اور سب اُس کے حضور حاضر ہوئے۔

صُور کی آواز ایک چیخ کی مانند ہوگی۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بتایا ہے:-

وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ؎۴

اور یہ (کافر) انتظار نہیں کرتے مگر چیخ کا جسے کوئی پھیر نہیں سکتا۔

؎۱ پارہ ۲۵، سورۂ الدخان، آیت ۹ تا ۱۱

؎۲ پارہ ۲۶، سورۂ محمد، آیت ۱۸

؎۳ پارہ ۲۰، سورۂ النمل، آیت ۸۷

؎۴ پارہ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۱۵

صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے پر سب فنا کی گود میں چلے جائیں گے اور دوسری دفعہ پھونکنے پر سب انسان اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرنا چاہے گا، وہ زندہ ہو جائیں گے اور انسان اپنی قبروں سے اِس طرح نکل آئیں گے جیسے زمین سے سبزہ اگتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اِس کا ذکر یوں فرمایا ہے:۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔[1]	اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا۔ اُس وقت وہ دیکھتے ہی دیکھتے کھڑے ہو جائیں گے۔

نفخ صور اور اُس وقت کی تباہی کے بارے میں قرآن کریم نے یوں تصریح فرمائی ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ۔ [2]	پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم اور زمین اور پہاڑ اُٹھا کر دفعۃً چورا کر دیئے جائیں۔ وہ دن ہے جب واقع ہو جائے گی واقع ہونے والی اور آسمان پھٹ جائے گا، تو اُس دن اُس کا پتلا حال ہوگا۔

دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا قرآنِ کریم نے اِن لفظوں میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ	اور پھونکا جائے گا صور جبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑنے چلیں گے

---

[1] پارہ ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۶۸

[2] پارہ ۲۹، سورۃ الحاقہ، آیت ۱۳ تا ۱۶

اِلٰی رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱؎	کہیں گے ہائے ہماری خرابی! کس نے ہمیں سوتے ہوئے جگا دیا۔ یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا۔ وہ تو نہ ہوگی مگر ایک چنگھاڑ۔ جبھی وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے۔ تو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور تمہیں بدلہ نہ ملے گا مگر اپنی کمائی کا (جو تم نے بھلے یا برے کام کیے)

دوسری مرتبہ صُور پھونکنے کا تذکرہ یوں بھی فرمایا گیا ہے:۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ ۲؎	جس دن صُور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں۔

دوبارہ زندہ ہونا

کفار یہ کہتے تھے کہ انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ:۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ ۳؎	یہ اُن کی سزا ہے اس پر کہ انھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم نئے بن کر اُٹھائے جائیں گے۔

۱؎ پارہ ۲۴، سورۂ الزمر، آیت ۶۸

۲؎ پارہ ۲۹، سورۂ الحاقہ، آیت ۱۳ تا ۱۶

۳؎ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۹۸

کفار کے اسی خیال کو ان لفظوں میں بھی قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے :-

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ہ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ہ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ہ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ہ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ہ[1]

اور آدمی کہتا ہے، کیا جب میں مر جاؤں گا تو عنقریب زندہ کر کے نکالا (قبر سے) جاؤں گا۔ کیا آدمی کو یہ یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اُسے بنایا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔ تو تمہارے رب کی قسم، ہم اُنھیں اور سب شیطانوں کو گھیر لائیں گے اور اُنھیں دوزخ کے ارد گرد حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے پھر ہم ہر گروہ سے اُنھیں نکالیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ بیباک ہوں گے، پھر ہم اُنھیں خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں بھوننے کے زیادہ لائق ہیں۔

کافروں کے اس نظریہ کی تردید یوں بھی فرمائی گئی ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ہ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ہ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ہ[2]

کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اُسے پانی کی بوند سے بنایا، اسی لیے وہ صریح جھگڑالو ہے اور ہمارے لیے کہاوت بیان کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے۔ بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئیں۔ تم فرماؤ، اُنھیں وہ زندہ

---

[1] پارہ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۶۶ تا ۷۰،

[2] پارہ ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۷۷ تا ۷۹،

کرے گا۔ جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اُسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

کفار کے اسی باطل خیال کو قرآن کریم نے یوں بھی رد فرمایا ہے:۔

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ [1]

کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہرگز اُس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے، کیوں نہیں، ہم قادر ہیں کہ اُس کے پور ٹھیک بنا دیں۔

اللہ رب العزت نے بتایا ہے کہ اُس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا، گلی سڑی ہڈیوں اور مٹی میں ملے ہوئے انسان کو پہلی حالت پر جمع کر کے زندہ کرنا بھی پہلی دفعہ پیدا کرنے کی طرح ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [2]

تم فرماؤ، زمین میں سفر کر کے دیکھو، اللہ کیونکر پہلے بناتا ہے۔ پھر اللہ دوسری اُٹھان اُٹھاتا ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مُردوں کو زندہ کرنا اُس کے لیے زمین میں سبزہ اُگانے کی طرح ہے:۔

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [3]

تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کیونکر زمین کو جلاتا ہے اُس کے مرنے کے بعد بیشک وہی مُردوں کو زندہ کرے گا۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۃ القیامہ، آیت ۳،۴ [2] پارہ ۲۰، سورۃ العنکبوت، آیت ۲۰

[3] پارہ ۲۹، سورۃ المعارج، آیت ۴

قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ قیامت کا روز پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝[1]

ملائکہ اور جبریل اُس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں، وہ عذاب اُس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔

اعمال نامے

نیکیوں اور بدیوں کی جنرل فہرست کا نام اعمال نامہ ہے۔ قیامت کے روز ہر شخص کو اُس کا اعمال نامہ ملے گا۔ نیک لوگوں کو سامنے سے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بُرے آدمیوں کو بائیں ہاتھ میں پیچھے سے دیا جائے گا۔ اِس بات کو قرآنِ کریم نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝[2]

تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے اُس سے عنقریب سہل حساب لیا جائے گا اور اپنے گھر والوں کی طرف شاد شاد پلٹے گا۔ اور وہ جس کا نامۂ اعمال اُس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے وہ عنقریب موت مانگے گا۔ اور بھڑکتی آگ میں جائے گا۔ بیشک وہ اپنے گھر میں خوش تھا۔ وہ سمجھا کہ اُسے (خدا کی طرف) پھرنا نہیں، ہاں کیوں نہیں، بیشک اُس کا رب اُسے دیکھ رہا ہے۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۂ المعارج، آیت ۴

[2] پارہ ۳۰، سورۂ الانشقاق، آیت، تا ۱۵،

نامۂ اعمال کے بارے میں قرآنِ کریم یہ بھی بتایا ہے:۔

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ؕ ۱؎

اُس روز (بروزِ قیامت) لوگ اپنے رب کیطرف پھریں گے کئی راہ ہو کر، تاکہ اُن کے اعمال دکھائے جائیں۔ تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اُسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر بُرائی کرے اُسے دیکھے گا۔

میزان

قیامت کے روز میزان میں بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ قرآنِ کریم نے فرمایا ہے:۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ؕ ۲؎

اور آسمان کو اللہ نے بلند کیا اور ترازو رکھی۔

نیکی اور بدی میزان پر تولنے کے بارے میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو یوں خبردار کیا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ؕ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ؕ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِیَهْ ؕ نَارٌ حَامِیَةٌ ؕ ۳؎

تو جس کی تول بھاری ہوئی پس وہ دن مانے عیش میں ہے اور جس کی تول ہلکی رہی۔ وہ نیچا دکھانے والی کی گود میں ہے۔ اور تو نے کیا جانا کہ نیچا دکھانے والی کیا ہے ایک آگ ہے بھڑکتی ہوئی۔

شہادتِ اعضاء

قیامت کے روز بعض کفار اپنی کرتوت کا انکار کریں گے۔ بعض یہاں تک کہہ دیں گے۔

۱؎ پارہ ۳۰، سورۃ الزلزال، آیت ۶ تا ۸ ۲؎ پارہ ۲۷، سورۃ الرحمٰن، آیت ۷

۳؎ پارہ ۳۰، سورۃ القارعہ، آیت ۶ تا ۱۱

کہ فرشتوں نے یہ اعمال ہماری جانب خواہ مخواہ منسوب کر دیئے ہیں جبکہ ہم اُن کے مرتکب نہیں ہوئے۔ ایسے لوگوں پر حجت تمام کرنے کی خاطر خداوند قادر مطلق اُن کی زبانوں پہ مُہر لگا دے گا یعنی اُن کی قوتِ گویائی سلب کر لی جائے گی اور جسم کے باقی اعضا جن کے ذریعے نافرمانی کرتا رہا تھا اُنہیں بولنے کی طاقت مرحمت فرما دی جائے گی۔ جس عضو نے جتنے گناہ کیئے ہوں گے وہ بارگاہ الٰہی میں اُسی طرح بیان کر دیں گے جس طرح عام انسان زبان سے بولتے ہیں۔ اِس شہادتِ اعضاء کا ذکر قرآن کریم نے یوں فرمایا ہے۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ [1]	آج ہم اُن کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے۔ اور اُن کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور اُن کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

جزا و سزا

وہ مومن جو نیک کام کرتے رہے ہوں، جنت میں جائیں گے اور یوں اُن کے اعمال پہ نوازشات ہوں گی:۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۝ [2]	بیشک نیک آدمی پئیں گے اُس جام میں سے جس کی ملائی کافور ہے۔ وہ کافور کیا ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے اور اپنے محلوں میں جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے۔

ابرار کو اِس کے علاوہ اور کیا ملے گا، یہ بھی قرآن کریم کی زبانی سنیئے:۔

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِیْرًا ۝ مُّتَّكِئِیْنَ	اور اُن کے صبر پہ اُنہیں جنت اور ریشمی کپڑے

---

[1] پارہ ۲۳، سورۂ یٰسٓ، آیت ۶۵

[2] پارہ ۲۹، سورۂ الدہر، آیت ۶،۵

فِیْهَا عَلَی الْاَرَآئِكِ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا ۝ وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا ۝ وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَا ۝ قَوَارِیْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا ۝ وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ۝ وَكَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ۝ عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا ۝ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْكًا كَبِیْرًا ۝ عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ [1]

صلہ میں دیئے جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے، نہ اُس میں دھوپ دیکھیں گے نہ زیادہ ٹھنڈک۔ اور اُس کے سایے اُن پر جھکے ہوں گے اور اُس کے سایے اُن پر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے اور اُن پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل ہو رہے ہوں گے۔ کیسے شیشے چاندی کے، ساقیوں نے اُنھیں پورے اندازے پر رکھا ہوگا۔ اور اُس میں وہ جام پلائے جائیں گے، جس کی ملاوٹ ادرک ہوگی۔ وہ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں۔ اور اُن کے آس پاس خدمت میں پھریں گے ہمیشہ رہنے والے لڑکے۔ جب تو اُنھیں دیکھے تو اُنھیں دیکھے تو اُنھیں سمجھے کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے۔ اور جب تو اُدھر نظر اٹھائے ایک آرام دیکھے اور بڑی حکومت۔ اُن کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قناویز کے اور اُنھیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے اور اُنھیں اُن کے رب نے ستھری شراب پلائی۔ اُن سے فرمایا جائیگا، یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔

---

[1] پارہ ۲۹، سورۃ الدھر، آیت ۱۲ تا ۲۲

متقین کی جزا کے بارے میں قرآنِ کریم نے یوں تصریح کی ہے:۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ۝ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ [1]

بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے۔ باغ ہیں اور انگور اور اٹھتے جوبن والیاں ایک عمر کی (حوریں) اور چھلکتا جام۔ جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا۔ صلہ تمہارے رب کی طرف سے، نہایت کافی عطا۔

کافروں کو کیا سزا ملے گی۔ اِس سلسلے میں قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ:۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ [2]

بیشک ہم نے کافروں کے لیے تیار کر رکھی ہیں زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ۔

کافر عذاب کو دیکھ کر بعد حسرت و یاس اُس روز یہی کہیں گے:۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ [3]

ہم تمہیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ نزدیک آگیا۔ جس دن آدمی دیکھے گا جو کچھ اُس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا۔

کافروں کو جس قسم کا عذاب دیا جائے گا اُس کی قرآنِ کریم نے یوں خبر دی ہے:۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝

بیشک جہنم تاک میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا اُس میں قرنوں رہیں گے۔ اُس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ،

---

[1] پارہ ۳۰، سورۃ النبا، آیت ۱۰

[2] پارہ ۳۰، سورۃ النبا، آیت ۱۲ تا ۲۰

[3] پارہ ۳۰، سورۃ عبس، آیت ۳۳ تا ۴۲

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ
اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ
اِلَّا عَذَابًا ۝[1]

جیسے کو تیسا بدلہ۔ بےشک انہیں حساب کا خوف نہ تھا۔ اور انہوں نے ہماری آیتیں بساط بھر جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز شمار کر رکھی ہے۔ اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب۔

قیامت کے نقشہ قرآنِ کریم نے اس طرح بھی کھینچا ہے تاکہ انسان عبرت حاصل کریں۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ
مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ
وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا
غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝[2]

پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ۔ اس روز آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور بیوی اور بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس روز اپنی فکر ہے اور وہی اسے بس ہے۔ کتنے منہ اس روز روشن ہوں گے، ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے چہروں پر اس روز گرد پڑی ہوئی ہوگی۔ ان (چہروں) پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔ یہ وہی ہیں کافر بدکار۔

نیکوں اور بدوں کے انجام کی وضاحت فرماتے ہوئے قرآنِ کریم نے یہ بھی فرمایا ہے:

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۝ يَوْمَ
يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۝ وَبُرِّزَتِ
الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَ

پھر جب آئے گی جو کوشش کی تھی اور جہنم ہر دیکھنے والے پر ظاہر کی جائے گی۔ تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی

---

[1] النبأ ۲۸ تا ۳۰، سورۂ عبس، آیت ۳۳ تا ۴۲ [2] ۳۰۹ء، سورۂ النبأ آیت ۲۱ تا ۳۰

اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۔ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ۔[1]

تو بیشک جہنم ہی اُس کا ٹھکانا ہے اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا، تو بیشک جنت ہی ٹھکانا ہے ۔

اچھوں اور بروں کے اخروی انجام کے بارے میں قرآن کریم نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے :۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۔ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۔ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ۔ تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ۔ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۔ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ۔ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۔ لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ ۔ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۔ لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ۔ فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ ۔ فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ وَزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ۔[2]

بیشک تمہارے پاس اُس مصیبت (قیامت) کی خبر آئی جو چھا جائے گی ۔ کتنے منہ اُس روز ذلیل ہوں گے ۔ کام کریں، مشقت جھیلیں جائیں بھڑکتی آگ میں ۔ نہایت جلتے چشمے کا پانی پلائے جائیں ۔ اُن کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر آگ کے کانٹے کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں ۔ کتنے ہی منہ اُس روز چین میں ہوں گے ۔ اپنی کوشش پر راضی ۔ بلند باغ میں کہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے ۔ اُس میں رواں چشمہ ہے ۔ اُس میں بلند تخت ہیں ۔ اور چنے ہوئے کوزے اور برابر برابر بچھے ہوئے قالین ۔ اور پھیلی ہوئی چاندنیاں ۔

ابرار یعنی نیک لوگوں کا انجام کیسا ہوگا اور اُن کی مہمان نوازی کے بارے میں قرآن کریم

---

[1] پارہ ۳۰، سورۃ ۷۹، آیت ۳۸ تا ۴۱

[2] پارہ ۳۰، سورہ الغاشیہ، آیت ۱ تا ۱۶

نے تصریحاً بتایا ہے کہ :-

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ
يَنْظُرُونَ ۝ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ
النَّعِيمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ
خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُونَ ۝ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ۝
عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝ [1]

بیشک نیکوکار ضرور چین (راحت) میں ہیں تختوں پر دیکھتے ہیں۔ تو اُن کے چہروں میں چین کی تازگی پہچانے۔ نتھری شراب پلائے جائیں گے جو مُہر کی ہوئی رکھی ہے۔ اُس کی مُہر مشک پر ہے اور اُسی پر چاہیئے کہ للچائیں للچانے والے۔ اور اُس کی ملونی تسنیم سے ہے۔ وہ چشمہ جس سے مقربانِ بارگاہ پیتے ہیں۔

راقم الحروف نے قیامت اور اُس کے متعلقات کے بارے میں بطور نمونہ چند قرآنی آیات پیش کر دی ہیں تاکہ عقائد کی اصلاح ہو اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے اُس کے سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مجددِ اعظم قدس سرہ کی تصانیفِ عالیہ سے اِس سلسلے کی چند عبارتیں قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

عقیدہ ۷۶۔ چونکہ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے، تو اِس کا عذاب ایک لحاظ سے دنیاوی عذاب سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ ختم ہو جانے والا ہے اور دوسرے لحاظ سے آخرت کے عذاب سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ عذابِ آخرت کی جنس سے ہے۔ اِس عذاب کے اکثر مستحق وہ لوگ ہوتے ہیں جو پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتے بیہودہ باتیں بناتے اور چغل خوری کی عادت کا شکار ہیں۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال بھی برحق ہیں۔ یہ موقع ایک عظیم آزمائش و امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھے۔ آمین۔[2]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

عقیدہ ۷۷۔ جو کچھ اُنھوں (انبیائے کرام) نے آخرت کے متعلق خبریں دی ہیں، وہ سب صحیح ہیں۔ عذابِ قبر اور اُس کی تنگی، منکر نکیر کے قبر میں سوال اور دُنیا کا فنا ہونا اور آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا گرنا، زمین اور پہاڑوں کا اُٹھا لیا جانا اور اِن کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا، جسم میں رُوح کا آنا اور حشر و نشر ہونا، قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکیاں اور اعمال کا محاسبہ اور کیے ہوئے افعال کے متعلق اعضاء کی شہادتیں، نیکی اور بدی کے اعمال ناموں کا دائیں بائیں اُڑتے پھرنا اور نیکیوں بدیوں کا وزن کرنے کی غرض سے ترازو کا رکھا جانا تاکہ نیکی اور بدی کی کمی زیادتی ظاہر کی جائے۔ نیکیوں کا پلّہ بھاری ہونا نجات کی علامت ہے، اور اگر ہلکا رہا تو یہ خسارے کا نشان ہے۔ اُس ترازو میں ہلکے بھاری کا معیار دنیاوی اُصول کے خلاف ہوگا۔ وہاں بھاری اُوپر کو جائے گا اور ہلکا نیچے کو جھکے گا"۔ [1]

عقیدہ ۷۸۔ پلصراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا۔ مومن اُس کے اُوپر سے گزر کر بہشت میں چلے جائیں گے اور کافروں کے پاؤں لڑکھڑائیں گے، حتیٰ کہ وہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ یہ حق ہے اور اِسی طرح ثابت ہے۔ بہشت اہلِ ایمان کو آرام پہنچانے کے لیے تیار کی گئی ہے جبکہ دوزخ کافروں کو عذاب دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گی اور کبھی فنا نہیں ہوں گی"۔ [2]

عقیدہ ۷۹۔ حساب و کتاب کے بعد مومن جب بہشت میں چلے جائیں گے تو وہ ہمیشہ بہشت میں ہی رہیں گے اور اُس سے کبھی باہر نہیں آئیں گے۔ اِسی طرح کافر جب دوزخ میں چلے جائیں گے تو وہ اُسی میں رہیں گے اور ہمیشہ اُنھیں سزا ملتی رہے گی۔ اُن کی سزا میں تخفیف جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اُن سے کبھی عذاب

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷۔ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷۔

ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت ہی دیئے جائیں گے۔ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ اگر اپنے اعمال کی شامت سے دوزخ میں گیا، تو گناہوں کے مطابق اُسے سزا ملے گی اور آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ احترامِ ایمان کے باعث اس کے چہرے کو سیاہ نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ کافروں کے چہروں کو سیاہ کر دیا جائے گا اور انھیں بیڑیاں (زنجیریں) پہنائی جائیں گی گلے میں طوق ڈالا جائے گا"[1]

عقیدہ ۸۰۔ قیامت کی علامتیں جن کی مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، وہ سب برحق ہیں۔ اُن میں خلاف ہونے کا احتمال نہیں ہے۔ مثلاً خلافِ عادت سورج کا مغرب سے نکلنا، حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کا ظہور، حضرت روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول، دجال کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا، دابۃ الارض کا نکلنا، ایک دھوئیں کا آسمان سے پیدا ہونا جو تمام لوگوں کو گھیرے گا اور دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور آدمی بے قراری میں کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار! اس عذاب سے ہمیں بچائیے، ہم ایمان لاتے ہیں اور آخری علامت وہ آگ ہے جو عدن سے نکلے گی[2]

عقیدہ ۸۱۔ قیامت کا دن برحق ہے اور یقیناً آنے والا ہے۔ اُس روز آسمان اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے، جیسا کہ نصوصِ قرآنیہ نے اِن باتوں کو صراحتاً بیان کیا ہے۔ قیامت پر تمام اسلامی فرقوں کا اجماع ہے اور اِس کا منکر کافر ہے، اگرچہ وہ اپنے وہمی مقدمات سے کفر کو آراستہ کر کے دکھائے اور اِس طرح بے وقوف لوگوں کو گمراہ کرے۔ اُس روز قبروں سے اٹھنا، بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ اعمال کا حساب، میزان کا رکھا جانا، نامۂ اعمال کا اڑنا، اُن کا نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور برے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷ [2] ایضاً

آدمیوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا بھی حق ہے۔ پلصراط جس کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور اُس کے اُوپر سے گزر کر جنتی جنت میں جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں گر جائیں گے حق ہے۔ کافروں کو دوزخ میں عذاب اور اہلِ ایمان کو جنت میں ثواب ہمیشہ ملے گا۔ آسمانوں کے پھٹنے، ستاروں کے بکھرنے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جانے پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔“ [1]

عقیدہ ۸۲۔ حساب اور میزان اور پلصراط حق ہے کہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اِن کی خبر دی ہے مقامِ نبوت سے ناآشنا لوگوں کے نزدیک اگر یہ امور بعید از عقل ہیں تو اُن کا دعویٰ اعتبار کے لحاظ سے ساقط ہے کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے بہت ہی بلند ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دی ہوئی سچی خبروں کو عقل کے ساتھ موافقت پر مجبور کرنا حقیقت میں مقامِ نبوت کا انکار کرنا ہے، کیونکہ یہاں تو بات صرف اتباع پر ختم ہو جاتی ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ مقامِ نبوت طورِ عقل کے خلاف ہے اور وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کے لیے ایسے عالی مطالب کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی۔ مخالفت اور چیز ہے اور وہاں تک رسائی نہ ہونا اور بات ہے کیونکہ مخالفت مقصود تک پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے۔“ [2]

عقیدہ ۸۳۔ بہشت اور دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے روز حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک گروہ کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور اُن کا ثواب و عذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ قطعی اور پختہ نصوص اِس امر پر دلالت کرتی ہیں۔“ [3]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶

[3] ایضاً

ایمان و کفر

عقیدہ ۸۴ - ایمان اُن تمام دینی اُمور کے ساتھ جو ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچے ہیں، تصدیقِ قلبی سے مراد ہے اور اقرارِ زبانی بھی ایمان کا رکن ہے لیکن یہ سقوط کا احتمال رکھتا ہے۔ کفر و کافری اور خصائصِ کفر مثلاً زنّار باندھنی اور اِس قسم کی دیگر رسوم سے، جو اُن میں پائی جاتی ہیں تبرّی کرنا اور بیزار ہونا علامتِ تصدیق ہے۔ اگر کوئی تصدیق کا دعویٰ بھی کرے اور عیاذاً باللہ کفر سے بیزاری اور تبرّی بھی ظاہر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص دو دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور ارتداد کے نشان سے داغدار۔ حقیقت میں اُس کا حکم منافق جیسا ہے کہ لَآ اِلٰی هٰؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰؤُلَآءِ۔ پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبرّی کرنا ضروری ہے۔ ادنیٰ تبرّی یہ ہے کہ دل سے ہو اور اعلیٰ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو۔ تبرّی کرنا ضروری ہے۔ ادنیٰ تبرّی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھی جائے۔ وہ دشمنی خواہ دل سے ہو، جبکہ ضرر کا ڈر ہو اور خواہ دل و جسم سے ہو جبکہ اُن کے ضرر کا ڈر نہ ہو۔ آیۂ کریمہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ، اِسی مضمون کی تائید کرتی ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہ، اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی محبت اُن کے دشمنوں سے دشمنی رکھے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اِس جگہ یہ مصرعہ پوری طرح صادق آتا ہے۔

ع تولّیٰ بے تبرّیٰ نیست ممکن[1]

عقیدہ ۸۵ - حق تعالیٰ جلّ و علا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے فقیر کی نظر میں اِس تبرّی کے برابر کوئی عمل نہیں ہے اِس بیزاری کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حضرتِ حق سبحانہٗ

---

[1] ایضاً

وتعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ عداوت ہے اور الٰہ آفاقی مثل لات و عزیٰ اور ان کے پوجنے والے بالذات حق سبحانہٗ کے دشمن ہیں اور اس برے فعل کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔"[1]

عقیدہ ۸۶ - ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے کہ جو کچھ تواتر اور یقین کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے، خواہ اجمالاً خواہ تفصیلاً، اس کا زبان سے اقرار کیا جائے۔ اعضا کے اعمال نفسِ ایمان سے خارج ہیں، ہاں وہ ایمان میں کمال بڑھاتے ہیں اور حسن پیدا کرتے ہیں۔"[2]

عقیدہ ۸۷ - امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا کیونکہ دل کی تصدیق نفسِ یقین سے عبارت ہے کہ اس میں زیادتی اور نقصان کی گنجائش نہیں ہے اور جو فرق کو قبول کرے وہ ظن و وہم کے دائرے میں داخل ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جتنی طاقت زیادہ ہوگی اتنا ہی کمالِ ایمان زیادہ ہوگا پس عام مومنین کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان جیسا نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا ایمان طاقت کے ہونے کی وجہ سے کمال کی انتہا کو پہنچا ہوتا ہے جبکہ عام مومنین کا ایمان ان کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ دونوں نفسِ ایمان میں شرکت رکھتے ہیں۔"[3]

عقیدہ ۸۸ - گناہوں کے ارتکاب سے، اگرچہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں، کوئی مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اور کفر کے دائرے میں داخل نہیں ہو جاتا ہے۔"[4]

عقیدہ ۸۹ - اگر گنہگار مومن سکراتِ موت سے پہلے توبہ کی توفیق پائے تو نجات کی قوی امید ہے کہ توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے۔ اگر توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ دوم، مکتوب ۴۴ [2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ سوم، مکتوب ۱

اُس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اُس کو معاف کر دے اور جنّت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو گناہ کے مطابق سزا دے، خواہ آگ سے یا بغیر آگ کے۔ لیکن آخرکار پھر اُس کی نجات ہے اور اُس کا انجام بہشت ہے، کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کافروں کے ساتھ خاص ہے اور جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا۔ وہ رحمت کا اُمیدوار ہے۔ اگر اپنے گناہوں کے باعث ابتدا میں خدا کی رحمت تک نہ پہنچا تو آخر میں اُس کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میسّر ہو جائے گی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔[1]

عقیدہ ۹۰۔ اِسی طرح پانچوں نمازوں کی فرضیت اور اُن کی متعین رکعات پر اور مالِ زکوٰۃ کی فرضیت پر اور رمضان المبارک کے روزوں اور بیت الحرام کے حج بشرطِ استطاعتِ راہ پر ایمان لانا فرض ہے۔ اِسی طرح شراب پینے کی حرمت اور قتلِ نفس بغیرِ حق اور ماں باپ کی نافرمانی اور چوری اور زنا اور یتیم کا مال کھانا اور سود لینا اور اِن جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے ثابت ہو چکی ہیں، ضروریاتِ دین سے ہے اور مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا، نہ کافر ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور ارتکابِ کبیرہ فسق ہے۔“[2]

عقیدہ ۹۱۔ اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیئے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت اور تحقق کا اقرار کرنا چاہیئے اور استثنار کا کلمہ یعنی ایمان کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیئے، کیونکہ اِس سے شک کا وہم ہوتا ہے اور یہ ایمان لانے کی صورت میں منافات کی شکل رکھتا ہے اگر استثنا کو خاتمے کی جانب راجع کریں، جو مبہم ہے تو پھر بھی ثبوتِ حالی کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے۔ پس احتیاط یہی ہے کہ شک اور اشتباہ کی صورت

---

[1] ایضاً

[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷

کو ترک کر دیا جائے"[1]

عقیدہ ۹۲ - چونکہ یہ بدعتی فرقے اہلِ قبلہ ہیں لہٰذا اِن کو کافر کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے، جب تک کہ وہ ضروریاتِ دینیہ کا انکار نہ کر دیں اور احکامِ شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں۔ اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اُس کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اُس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیئے"[2]

عقیدہ ۹۳ - لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے ذکر سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا ہے خواہ وہ آفاقی ہوں خواہ انفسی۔ آفاقی معبودوں سے مراد کافروں اور فاجروں کے باطل معبود ہیں۔ مثلاً لات و عزیٰ اور معبودانِ انفسی سے مراد نفسانی خواہشات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ ایمان یعنی تصدیقِ قلبی جس کا ہمیں ظاہر شریعت نے مکلف ٹھہرایا ہے معبودانِ باطل کی نفی کے لیے کافی ہے لیکن انفسی سے مراد نفسانی جو انِ باطل کی نفی کے لیے نفسِ امارہ کا تزکیہ درکار ہے جو اہل اللہ کے راستے پر چلنے (سلوک) کا حاصل ہے۔ ایمانِ حقیقی اِن دونوں قسم کے معبودانِ باطل کی نفی سے وابستہ ہے۔

اگرچہ ایمان کے متعلق ظاہر شریعت کا حکم محض معبودانِ آفاقی کے ابطال و نفی سے بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اِس قسم کا ایمان محض ایمان کی صورت ہوتی ہے جبکہ ایمان کی حقیقت معبودانِ انفسی کے ابطال ہی پر منحصر ہے۔ صورتِ ایمان کے تو زائل ہونے کا بھی احتمال ہے لیکن حقیقتِ ایمان اِس احتمال ہے لیکن حقیقتِ ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے کیونکہ صورتِ ایمان میں اوّل تو نفس امارہ ہی اپنے انکار اور کفر سے باز نہیں رہتا اور

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۰ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۳۸

[3] معارفِ لدنیہ، مطبوعہ کراچی: ص ۴۸، ۴۹

اور اِس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ نفسِ امّارہ کی مخالفت کے باوجود قلب میں ایک گونہ تصدیق پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ایمانِ حقیقی میں خود نفسِ امّارہ، جو اپنی ذات کے اعتبار سے سرکش ہے، وہ مطیع و فرمانبردار ہو کر سرکشی سے باز آ جاتا اور شرفِ ایمان سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اِن تکلیفاتِ شرعیہ سے مقصود بھی نفس کو عاجز کرنا اور اُسے خراب کرنا ہے، کیونکہ قلب تو بذاتِ خود احکامِ الٰہیہ جلّ سلطانہٗ کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔ اگر قلب میں کسی قسم کی خباثت پیدا ہوتی ہے تو وہ نفس کی ہمسائیگی ہی کے باعث ہوتی ہے…… لہٰذا تزکیۂ نفس ضروری ٹھہرا تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو سکے اور وہ زوال سے محفوظ ہو جائے، تزکیۂ نفس کا تعلق درجۂ ولایت سے ہوتا ہے، جس سے مراد فنا اور بقا ہے۔ جب تک کوئی آدمی درجۂ ولایت تک نہ پہنچ جائے اطمینانِ نفس ممکن نہیں ہے اور جب تک نفس اطمینان سے وابستہ نہ ہو جائے حقیقتِ ایمان کی بو بھی مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ زوال کے اندیشہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ[1]

عقل

عقیدہ ۹۴۔ عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجتِ بالغہ نہیں ہے اور نہ حجیت میں کامل ہے۔ حجتِ بالغہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے متحقق ہوا ہے[2]

عقیدہ ۹۵۔ جب بعض اُمور کے اِدراک میں عقل کا قصور ثابت ہو گیا تو پھر تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان میں تولنا اچھا نہ ہوگا اور حقیقت میں اُس حکم کی تطبیق کا احترام کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عقل کو مستقل تسلیم کیا جائے اور نبوت کے طریقے کا انکار کیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ۔[3]

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفترِ سوم، مکتوب ۲۶ [2] ایضاً

صحابۂ رسول

عقیدہ ۹۶ - اُن بزرگوں (صحابۂ کرام) کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ اور ان کی عدم تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عدم تعظیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کے باعث تمام صحابہ کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیئے۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا اُس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی ایمان نہیں ہے۔"[1]

عقیدہ ۹۷ - آنحضرت کے صحابۂ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے باعث حسنِ ظن کی ضرورت ہے، اور یہ جاننا چاہیئے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ تھا اور آپ کے صحابۂ کرام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی آدم میں سب سے بہترین انسان ہیں۔ پس جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں وہ امرِ باطل پر اجماع نہیں کر سکتے اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین کافر و فاسق نہیں بنائے جا سکتے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام بہترین بنی آدم ہیں، یہ اِس لیے کہا ہے کہ یہ اُمت نصِ قرآنی کی رُو سے خیر الامم ہے اور اِس اُمت میں سے بہترین وہی حضرات (صحابۂ کرام) ہیں کیونکہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔"[2]

عقیدہ ۹۸ - صحابۂ کرام کی محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو مستلزم ہے اور صحابۂ کرام سے بغض و عداوت رکھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی کو مستلزم ہے۔"[3]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷ [2] مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶

[3] ایضاً۔

عقیدہ ۹۹۔ حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے کیونکہ اہلِ حق کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ افضلیتِ خلیفۂ اوّل کی وجہ اِس فقیر کے نزدیک نہ کثرتِ فضائل ہے اور نہ کثرتِ مناقب بلکہ ایمان میں اسبقیت، مال خرچ کرنے میں اقدمیت اور تائیدِ دین و ترویجِ شرعِ متین کے لیے اپنی جان خرچ کرنے میں اولیت ہے۔ سابق گویا دین کے معاملے میں لاحق کا اُستاد ہے اور لاحق کو جو کچھ ملتا ہے وہ سابق کے خوانِ کرم سے ملتا ہے اور مذکورہ تینوں صفاتِ کاملہ کا مجموعہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ ایمان کی اسبقیت کے ساتھ جس نے مال خرچ کرنے اور اپنی جان قربان کرنے کو جمع کیا، وہ یہی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جو اِن کے علاوہ اُمت میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ مرضِ وفات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کوئی آدمی بھی اپنی جان اور اپنا مال خرچ کرنے میں ابوبکر بن قحافہ سے بڑھ کر مجھ پر احسان کرنے والا نہیں ہے اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً وہ ابوبکر ہوتا۔ اِس مسجد کے تمام دریچے بند کر دو سوائے دریچۂ ابوبکر کے”[1]

عقیدہ ۱۰۰۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دونوں اِس اُمت کے افضل ترین آدمی ہیں اور جو شخص مجھے اِن پر فضیلت دے وہ مفتری ہے، بہتان طراز ہے اور میں اُسے اِسی طرح کوڑے لگاؤں گا جیسے مفتری کو لگاتا ہوں۔[2]

عقیدہ ۱۰۱۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفر و ضلالت کا احتمال (بقولِ رافض) رکھتے تو صحابۂ کرام اپنی عدالت اور کثرت کے باوجود اُن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۷ [2] ایضاً

جانشین کبھی نہ بناتے۔ خلافتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکذیب بھی ہوتی ہے اور اس بات کو ایک بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکذیب بھی ایسا آدمی جو صاحبِ عقل و دانش ہو، ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔ ایسا سمجھنے پر اُس زمانے میں کونسی بھلائی باقی رہ جائے گی۔ جس زمانے کے تینتیس ۳۳ ہزار آدمی باطل پر جمع ہو جائیں اور ایک ضالّ مضل کو پیغمبر کا جانشین بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ اِس جماعت (روافض) کو انصاف کی توفیق دے کہ اکابر پر زبان درازی سے باز آئیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کے حق کو ملحوظ رکھیں۔“ [1]

عقیدہ ۱۰۲ - زیادہ کیا لکھوں اور روشن ترین بدیہی بات کو اور کتنا روشن کروں، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و توصیف سے تو قرآن کریم بھی بھرا ہوا ہے۔ ایک سورۂ واللیل ہی کو دیکھ لیجئے کہ تین آیات ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور صحیح احادیث تو بے شمار ہیں، جو ان کے فضائل پر مشتمل ہیں۔ گذشتہ انبیائے کرام کی کتابوں میں بھی اِن کے اوصاف و شمائل تھے بلکہ تمام صحابۂ کرام کا تذکرہ تھا۔“ [2]

عقیدہ ۱۰۳ - حضرات شیخین (خلیفۂ اوّل و دوم) کی افضلیت اجماعِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے، جیسا کہ اِس کو اکابر نے نقل کیا ہے جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جو اہلسنت کے سردار ہیں، فرماتے ہیں کہ باقی اُمت پر شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور دوسرے صحابہ پر اِن کی افضلیت کا انکار کوئی جاہل یا متعصب ہی کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے، میں اُسے اتنے ہی کوڑے

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفترِ سوم، مکتوب ۲۳ [2] ایضاً

رگاؤں گا جتنے تہمت لگانے والے کو مارے جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، شبِ معراج میں نے دعا کی کہ میرے بعد خلیفہ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہو۔ فرشتوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، آپ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک انھوں نے مجھ سے عہد نہ لے لیا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوں گے، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر تم خلیفہ ہو گے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔" [1]

عقیدہ ۱۰۴۵۔ حضرت فاروقِ اعظم بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ حدیثیں جو خاص طور پر اِن کی بشارت جنت کے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ اپنے معتبر رواۃ کی کثرت کے سبب حدِ شہرت بلکہ معنًا حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اُن کا انکار یا تو جہالت کی بنا پر ہے یا عناد کی بنا پر۔ صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہلِ سنت ہیں جنہوں نے اپنے اساتذہ صحابہ و تابعین سے اُن کو روایت کیا ہے۔ اگر تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اکٹھا کریں تو اہلسنت کی کتبِ احادیث اِن اکابر کی بشارتِ جنت سے بھری پڑی ہیں۔ اگر بعض مخالف فرقوں کی کتبِ احادیث نے اُن بشارتوں کو روایت نہیں کیا تو کیا غم ہے کیونکہ بشارت کی روایتوں کا نہ ہونا عدمِ بشارت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اِن اکابر کو جنت کی بشارت تو قرآنِ کریم بھی دے رہا ہے۔ یعنی ثبوت کافی ہے اور قرآنِ کریم میں ایسی متعدد آیات ہیں۔" [2]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۰ [2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶

عقیدہ ۱۰۵۔ جب تمام صحابہ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، اُن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق جنھوں نے مال خرچ کرنے جہاد کرنے اور ہجرت کرنے میں سب پر سبقت حاصل کی، اُن کی شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔“[1]

عقیدہ ۱۰۶۔ امام محی السنۃ بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُن لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے اور اُس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اُس قوم سے خوش ہے اور اِس میں شک نہیں ہے کہ ایسے حضرات کو کافر کہنا جنھیں کتاب و سنت میں جنت کی بشارت ملی ہو، بدترین قسم کا کفر ہے۔“[2]

عقیدہ ۱۰۷۔ جاننا چاہیئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب و سنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی اُن کے زمانہ ہی سے وابستہ ہے اگر یہ حضرات تمام یا اِن میں سے بعض مطعون ہو جائیں اور ضلالت و فسق سے متہم کر دئے جائیں تو پورے دین یا بعض دین سے اعتماد اُٹھ جائے گا اور خاتم الانبیاء، افضل الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا فائدہ کم ہو کر رہ جائے گا۔ جامع القرآن حضرت عثمان ہیں بلکہ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ اگر یہ مطعون ہو جائیں یا اِن کی عدالت ختم ہو جائے تو قرآن پر کیا اعتماد رہ جائے گا؟ دین کس چیز کا نام ہوگا؟ الزام تراشی کی شناعت پر غور کرنا چاہیئے۔ اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سب عدول ہیں اور جو کچھ بھی ہمیں کتاب و سنت کی صورت میں ملا ہے وہ اُن حضرات کی تبلیغ ہی سے ملا ہے اور وہ حق و صداقت ہی پر مبنی ہے۔“[3]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶
[2] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶
[3] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۲

عقیدہ ۱۰۸۔ خدا کے آخری پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ کو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت طلب کیا اور اللہ جل شانہ، نے عالم اسباب میں اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کے سلسلے میں ان سے ہی کفایت کی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا سببِ نزول حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کی فضیلت متعین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں اکابر کی افضلیت پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے، جیسا کہ مذکور ہوا۔" [1]

عقیدہ ۱۰۹۔ حضرت حق سبحانہ، تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ فرمایا ہے پس ان بزرگوں کے متعلق آپس میں عداوت اور کینہ رکھنے کا گمان کرنا نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔" [2]

عقیدہ ۱۱۰۔ اِن بزرگوں (صحابہ کرام) میں بغض و عداوت کا اثبات کرنا فریقین پر طعنہ زنی کا دروازہ کھولنا ہے۔ اِس صورت میں دونوں جانب سے امان اٹھ جائے گی اور نعوذ باللہ صحابہ کرام کے دونوں فریق ملعون ہوں گے۔ جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد جملہ بنی آدم سے بہترین ہیں وہ بدترین ٹھہریں گے اور بہترین زمانہ گویا بدترین زمانہ قرار پائے گا کیونکہ اُس زمانہ کے تمام افراد بغض و عداوت سے متصف قرار پائیں گے اور کوئی مسلمان ہرگز ایسی جرأت نہیں کر سکتا اور نہ ایسی بات کو کبھی قبول کر سکتا ہے۔ اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا بزرگی باقی رہ گئی کہ تینوں خلفاء اگر اُن کے دشمن بنتے تو در پردہ انہیں بھی اُن سے

---

[1] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۹ [2] مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶

عداوت ہوگی اور یہ فریقین پر جرح و قدح ہے حالانکہ وہ حضرات آپس میں شیر و شکر اور ایک دوسرے کے دلی خیر خواہ اور قدر دان تھے۔‘‘ [۵۱]

عقیدہ ۱۱۱۔ وہ جنگیں جو اصحابِ رسول کے درمیان واقع ہوئیں اُنھیں اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے اور ان کو نفسانی اغراض، بدگمانی، جاہ و منصب یا حکومت کی محبت وغیرہ اُمور کی طلب سے دُور رکھنا چاہیے کیونکہ یہ رذیل صفات نفسِ امارہ کی ہیں اور اور اِن بزرگوں کے نفوس صحبتِ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے باعث پاک ہو چکے تھے۔ اِتنا ضرور ہے کہ وہ جھگڑے اور جنگیں جو خلافتِ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں واقع ہوئیں اُن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور فریقِ ثانی سے اجتہادی غلطی واقع ہوئی، جس پر طعن اور ملامت کی مجال نہیں۔ اُنھیں فاسق کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمام صحابہ عدول اور وثوق میں یکساں ہیں۔ اُن کا باہمی نزاع کسی کے لیے بھی جرح کا سبب نہیں ہے۔

سارے ہی صحابۂ کرام سے محبت رکھنی چاہیئے کیونکہ اُن کی دوستی رسول اللہ کی دوستی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میری صحابہ سے محبت رکھی تو اُس نے میری محبت کے باعث اُن سے محبت رکھی ہے اور جس نے اُن سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھنے کے باعث اُن سے بغض رکھا ہے۔‘‘ [۵۲]

اَولیاءُ اللہ

عقیدہ ۱۱۲۔ وہ علامت جس سے اہلِ حق اہلِ باطل سے جُدا ہوتے ہیں، یہ ہے کہ وہ شریعت

---

[۵۱] مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۶ [۵۲] مکتوباتِ امام ربّانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۰

پر استقامت رکھتا ہو اور اُس کی مجلس میں بیٹھنے سے دل کا رجحان اور علیٰ اختلاف، الدرجات اولیاء اللہ سے ہے۔ یہ علامت نسبت والوں کے لحاظ سے ہے اور بے نسبت اِس سے پوری طرح محروم رہتا ہے۔"[1]

عقیدہ ۱۱۳ - عوام کے نزدیک تو جسم کو زندہ کرنا عظیم الشان امر ہے لیکن خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پر زندہ کرنا بہت بلند مرتبہ ذلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چونکہ عوام الناس کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے اِس لیے اللہ والوں نے جسموں کو زندہ کرنے سے منہ موڑ کر اپنی ساری توجہ روحانی طور پر زندہ کرنے میں لگا دی اور طالبین کے مردہ دِلوں کو زندہ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔"[2]

عقیدہ ۱۱۴ - صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کو زندہ کرنا، دل کو زندہ کرنے کے مقابلے میں بیکار سی بات ہے۔ اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے، کیونکہ جسمانی زندگی چند روزہ ہے اور قلبی زندگی حیاتِ دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حقیقت میں اللہ والوں کا وجود بذاتِ خود کرامت ہے اور اِن کا لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دِلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لیے امان اور زمانہ کے لیے غنیمت ہیں۔ بِهِمْ یُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ یُمْطَرُوْنَ اِن کی گفتگو دوا ہے، اِن کی نظر شفا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا اور اِن سے دوستی رکھنے والا نامراد نہیں رہتا۔"[3]

---

[1] مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۹۲ [2] ایضاً

[3] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۹۲

عقیدہ ۱۱۶ - ایک وہ راہ ہے جو قربِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و اوتاد اور بدلاء و نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہِ سلوک اسی راہ کا نام ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اِس راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے۔ اور اِس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے سردار اور اِن بزرگوں کے منبعِ فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔ یہ عظیم الشان منصب اِن سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اِس راہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گویا دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک پر ہیں۔ اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اِس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔“[1]

عقیدہ ۱۱۷ - قطبِ ابدال اُن فیض و برکات کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے جو عالم کے وجود اور اُس کی بقا سے تعلق رکھتے ہیں۔ قطبِ ارشاد اُن فیوض و برکات کے پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جو دنیا کے رُشد و ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا پیدائش، رزق رسانی، ازالۂ بلیات، بیماریوں کو دُور کرنا، صحت و عافیت کا حصول وغیرہ اُمور، قطبِ ابدال کے مخصوص فیوض سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایمان و ہدایت، توفیقِ حسنات گناہوں سے رجوع و توبہ وغیرہ قطبِ ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قطبِ ابدال ہمہ وقت کام میں مشغول رہتا ہے اور اُس سے دنیا کے خالی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دنیا کا انتظام اُس سے وابستہ ہے۔ اگر اِس قسم کے قطب میں سے کوئی قطب وفات پا جائے تو اُس کی جگہ دوسرا مقرر ہو جاتا ہے لیکن قطبِ ارشاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمہ وقت موجود ہو۔ ایک وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا ایمان و ہدایت سے بالکل ہی خالی ہو جائے۔“[2]

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۲۳ [2] معارفِ لدنیہ: ص ۴۶

عقیدہ ۱۱۸۵ ۔ قطبِ ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے، بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ صدیوں اور زمانوں کے بعد ایسا جوہرِ کامل ظاہر ہوتا ہے اور یہ تاریک دنیا اُس کے نور سے منور ہو جاتی ہے اور اُس کی ہدایت و ارشاد کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ عرش کے دائرے سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رُشد و ہدایت اور ایمان و عرفان کی دولت میسر آتی ہے اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اُسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے۔ اُس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اِس دولت تک رسائی نہیں پا سکتا۔[1]

قارئینِ کرام! اِس باب کے اندر بعض وہ اُمور بھی مذکور ہیں جن کا عقائد سے تعلق نہیں بلکہ وہ باب فضائل سے ہیں۔ یہاں اُن کا ذکر کرنا محض اتباعِ اکابر میں ہے کیونکہ علمائے اہلسنت نے اپنی تصانیف عالیہ کے اندر بعض امور متعلقہ فضائل بھی عقائد کے تحت ہی بیان کیے ہیں۔ احقر بھلا بزرگوں کے انداز کو ترک کرنے کی جرأت کیسے کرتا جبکہ اِن حضرات کے نقشِ قدم پر چلنا اور اپنی مرضی کو اُن کی مقدس اداؤں پر قربان کر دینا سعادتِ دارین کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں کی پیروی ارزاں فرمائے، آمین۔

یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے!!
جو کچھ بیان ہوا ہے وہ آغازِ باب تھا

❊

---

[1] مبدأ و معاد، ص ۱۴

آخری گذارش

لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے اُس منعمِ حقیقی اور خدائے ذوالمنن کا جس نے ڈیڑھ سال کی مسلسل علالت کے بعد اپنے اِس عصیاں شعار و سراپا تقصیر بندے کو نہ صرف شفائے کاملہ سے نوازا بلکہ اِس قابل کر دیا کہ وہ قلمی میدان میں حسبِ سابق رواں دواں ہو گیا۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

آقائے شش جہات، فخرِ موجودات، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت و رافت کا بھلا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ ساری کائنات اُن کے خوانِ کرم سے پل رہی ہے۔ اُن کی مخصوص عنایت تو مخصوص حضرات ہی کا حصہ ہے لیکن محروم کوئی نہیں۔ یہ عاجز جسے ڈیڑھ سال کے عرصے میں کسی علاج معالجے سے افاقہ نہ ہوا تھا ہر جانب سے مایوس ہو کر کائناتِ ارضی و سماوی کے مدنی طبیبِ اعظم کی جانب متوجہ ہوا تو صحت و عافیت کی وہ کشتی جو تلاطم خیز طوفان میں گھری ہوئی موجوں کے تھپیڑے سہ رہی تھی، گرداب سے نکل کر بخیر و عافیت ساحلِ شفا کی جانب تیزی سے روانہ ہو گئی موجوں کے رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ کے آخری عشرے میں ایک نعت لکھ کر بارگاہِ رسالت میں استغاثہ پیش کیا اور اپنے آقا کی رحمۃ للعالمینی پر کامل یقین رکھتے ہوئے مقطع میں عرض کر دیا تھا۔

؎ مزہ تب ہے کہ اختر یہ مدینہ سے پیام آئے
تجھے ہر رنج و غم سے آج ہم آزاد کرتے ہیں

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیاوی حیات ترسٹھ ۶۳ سال ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سنت کی ازحد پیروی کے باعث ترسٹھ ۶۳ سالہ عمر ہی سے نوازے گئے اور یہ کمال اتفاق اور خالق و مالک کا کرم ہے کہ تجلیاتِ امامِ ربانی کی پہلی جلد بھی

تریسٹھ (۶۳) دن میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی یعنی ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۷۷ء کو ابتدا ہوئی اور ۲۲ محرم الحرام ۱۹۷۸ء کو یہ آخری سطور لکھ کر فارغ ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

یہ ناچیز اپنے جملہ معاونین اور کرم فرماؤں کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ مخدومی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ نے اس کتاب کا احقر کی خواہش پر دیباچہ تحریر کیا، اور مفید مشوروں سے نوازا، رضویت کی منہ بولتی تصویر یعنی حسانِ پاکستان، مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہ نے قطعۂ تاریخ رقم فرمایا اور مبلغِ اہلسنت، ناشرِ رضویت، جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے بعض کتابیں فراہم کیں، یہ ناچیز ان جملہ حضرات کا شکرگزار ہے۔ مولانا باغ علی نسیم اور صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں جنھوں نے تجلیاتِ امامِ ربانی کا نام سنتے ہی طباعت و اشاعت کی تمام ذمہ داری قبول کر لی۔ ان حضرات نے جہاں احقر کی حوصلہ افزائی کی وہاں امامِ ربانی، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے اپنی سچی عقیدت اور تعلقِ خاطر کا واضح ثبوت پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کا سچا عقیدت مند بنائے رکھے، آمین۔

اس مرحلے پر اگر برادرِ اعز، جناب چودھری غلام رسول سلمہٗ کا ذکر نہ کروں تو زیادتی ہوگی کیونکہ موصوف ہی کی تجویز اور خواہش کے پیشِ نظر تجلیاتِ امامِ ربانی، جلد اول کی تصنیف عمل میں آئی ہے۔ علاوہ بریں خصوصیت سے اپنے اُن مربیوں کا شکرگزار ہوں، جن بزرگوں کا فیضان اس عاجز کے شاملِ حال ہے اور جنھوں نے اپنی نظرِ کرم اور الطافِ کریمانہ کے باعث میرے جیسے کوتاہ علم، دائمی مریض اور ہڈیوں کے چلتے پھرتے ڈھانچے سے اتنی تیزی سے کام لے لیا کہ نہ کوئی تھکن محسوس ہوئی اور نہ کسی مرحلے پر کوئی رکاوٹ پیش آئی۔ دریں حالات بے اختیار یہی زبان

پڑتا ہے:۔

ع بول بالے میری سرکاروں کے

اہلِ علم حضرات سے پھر گزارش ہے کہ اِس کتاب کی جملہ علمی خامیوں اور غلطیوں سے مطلع فرمائیں اور ناشر کی معرفت ہمیں اپنے مفید مشوروں اور تاثرات سے آگاہ کریں تاکہ غلطیوں کا ازالہ کیا جائے اور مشوروں کو باقی جلدوں میں مدِّ نظر رکھا جا سکے۔ اِس کتاب میں اگر کوئی کام کی بات سلیقے سے کہہ گیا ہوں تو وہ میرے ولیٔ نعمت، مرشدِ برحق سیدی و سندی حضرت شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) کی نظرِ کرم کا صدقہ ہے۔ اور جملہ خامیاں میری کوتاہ علمی اور تنگ دامانی کے باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقیر بندے کی اِس کاوش کو مقبولِ خاص و عام کرے، اسے میرے لیے توشۂ آخرت اور سرمایۂ نجات بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

سگِ بارگاہِ اکابر، محمد عبد الحکیم خاں اختر
مجددی مظہری شاہجہان پوری
دار المصنفین لاہور

۲۲، محرم الحرام ۱۳۹۸ھ
۲، جنوری ۱۹۷۸ء

قطعۂ تاریخِ طباعت

(از نتیجۂ افکار جناب مولانا اختر الحامدی الرضوی مدظلہ العالی حیدرآباد سندھ)

انعامِ الفِ ثانی پیراہنِ حسین ہے ٭ دیتا ہے زیب تم پر یہ علم و فن کا جامہ
سر ہند سے ملا ہے تاجِ سرِ فضیلت ٭ اِس فرق کے لیے ہے لاریب یہ عمامہ
اِک ایک حرف سے ہے ظاہر کمالِ علمی ٭ کلکِ رضا کا پرتو بے شک تمہارا خامہ
ہرگز نہ مٹ سکے گا یہ نقش تا قیامت ٭ جاوید ہے تمہارا یہ علمی کارنامہ

فردوس کی سند ہے، پروانۂ ارم ہے
اختر تمہیں مبارک، بخشش کا عہد نامہ
۱ ۲ ـ ۹ ۸